(نذر مقبول)

آصف جاہ اوّل طالب ثراہ

نے میر عبدالجلیل بلگرامی کی قدر افزائی و سرپرستی فرمائی تھی

اسلئے

میر مبرور کا یہ تذکرہ کمال نیاز و عقیدت اور انتہائے اخلاص و ارادت کے ساتھ

اعلیٰ حضرت

آصف جاہ سابع

تاجدار دولت آصفیہ دکن، خلد اللہ ملکہ و سلطانہ

کی بارگاہ اقدس و ہمایوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ کاش کہ شاہانہ توجہات و رافت کا وہ موجزن دریا جو فضل و کمال کی ترویج و ترقی کا ضامن ہو کر اپنے جود و سخا سے ایک عالم کو سیراب کر رہا ہے اور خسروانہ التفات و الطاف کا وہ گھر بار ابر جو علوم و فنون کے نشر و توزیع کا کفیل بنکر اپنے رشحات سے دنیائے علم و عمل کو فیضیاب بنا رہا ہے اس ناچیز علمی و ادبی سعی پر بھی کرم گستر و سایہ افگن ہو اور

مقبول بینوا کی یہ حقیر نذر مقبول

انجم بخشت فلک آوازہ باد — نام تو و نامۂ من تازہ باد

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۸ Accession No. ۹۹۶۳

Author جلیل - م سید مقبول احمد

Title حیات جلیل

This book should be returned on or before the date last marked below.

وما ذاک ذکر العبد بالفضل باقیا فذالک حق وھو فی الترب ھالک

تذکرۂ علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی

موسوم بہ

حیات جلیل

حصہ اول

متضمن حالات ذات و صفات علامۂ ممدوح

وحواشی و فوائد مشتمل بر ذکر مختلف بلاد و معارف و عمائد

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدانی

لیسٹ ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ۔ و فیلو رائل

سوسائٹی آف آرٹس، مینوفیکچرس اینڈ کامرس، لندن وغیرہ

یادِ ماضی کے بہت نقش ابھی باقی ہیں حافظہ دل کی طرح زود فراموش نہیں

فہرست عناوین و مضامین تذکرہ میر عبد الجلیل بلگرامی حصہ اول

سلسلہ شمار	عنوان و مضمون	صفحہ
	نذر مقبول	
۱	پیشکش مؤلف	
	رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ	
۲	حمد باری عزاسمہ	۱
	وَالصَّلٰوۃُ عَلَی الرَّسُوْلِ الْمَقْبُوْلِ	
۳	قصیدہ در نعت نبوی	۳
	مقدمہ	
۴	علامہ محمد بن احمد اور نظامیہ بغداد	۵
۵	سوانح میر غلام علی آزاد، زیر تکمیل	۹
۶	آزاد کے مورثوں کا وطن سمدن	۱۲
۷	فطرت انسانی کا خاصہ	۱۴
۸	عماد کاتب کو قاضی عبد الرحیم کا جواب	۱۶
۹	تذکرہ میر عبد الجلیل کی ترتیب	۲۱
۱۰	عذر خواہی	۲۲
	اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ	۲۵
۱۱	تمہید و گزارش	۲۵
۱۲	طبقہ اوسط کے نام اور القاب	۲۵
۱۳	اہل علم کی مشہور القاب۔ مولوی، ملا، مولانا، علامہ	۲۸
۱۴	بعض مشہور اہل علم	۲۶
۱۵	علامہ کا لقب کس کس نے پایا	۲۶
	ابو الفضل۔ فضل خان۔ سعد اللہ خان	۲۶
	لطف اللہ خان۔ فضل حسین خان	۲۷
۱۶	شاہ میر عبد الجلیل بلگرامی ثم مارہروی	۳۱
۱۷	میر علامہ اور خان علامہ	۳۱
۱۸	اُس عہد کے امراء و علما کی حالت	۳۲
۱۹	عہد عمر بن عبد العزیز رضہ	۳۴
۲۰	زمانہ سلیمان بن عبد الملک	۳۴
۲۱	اُس زمانہ کے لوگوں کا طریقہ کسب علم	۳۶
	یاد بخیر پورب	۳۷
۲۲	پورب۔ علم و علماء	۳۷
۲۳	سید محمد کرمانی کی روایت	۳۷
۲۴	مرجع طلبہ و اہل علم	۳۷
۲۵	صوبہ اودھ و الہ آباد	۳۷
۲۶	"پورب شیراز مملکت ماست"	۳۸
۲۷	وظائف اور مشینوں کی ضبطی	۳۸
۲۸	صفدر جنگ کی حکومت اور ضبطی اقطاعات و وظائف	۳۹
۲۹	مآثر الکرام میں اس استان الم کا بیان	۳۹
۳۰	پورب کی تعریف	۴۰
۳۱	پورب کے شہر اور قصبات	۴۰

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۳۲	صوبہ اودھ کے قصبات کی مردم خیزی	۴۰
۳۳	بعض مشاہیر اہل علم و مؤلفین	۴۰
۳۴	سلام! اے پورب کی سرزمین!!	۴۱
	دارالسلام بلگرام	۴۲
۳۵	میر سید محمد شاعر اور بلگرام کی توصیف	۴۲
۳۶	امواج الخیال مین داد وطن دوستی	۴۲
۳۷	بلگرام کا طول البلد	۴۲
۳۸	وجہ تسمیہ	۴۳
۳۹	بلگرام مین مسلمانون کا آنا	۴۳
۴۰	خواجہ عماد الدین اور سید محمد صغرے	۴۳
۴۱	بعض ہندی تاریخون مین بلگرام کا احوال	۴۴
۴۲	پرانے حالات	۴۴
۴۳	سلاطین اسلام اور بلگرام کے معرکے	۴۴
۴۴	عہد سلاطین مین بلگرام پر مختلف بادشاہون کا قبضہ	۴۵
۴۵	آئین اکبری مین بلگرام کا ذکر	۴۷
۴۶	مآثر الکرام اور آرایش محفل وغیرہ مین تذکرہ	۴۷
۴۷	نعمت خان عالی اور سادات بلگرام	۴۸
۴۸	بلگرام کے بعض عمائد و مشاہیر	۴۹
	شیخ عبد الواحد شیخ نظام۔ قاضی محمود۔ حافظ محمود۔ قاضی کمال۔ میر عبد الواحد۔ میر عظمت اللہ پیغمبر۔ شیخ غلام حسین بلگرامی۔ سید محمد حسن ایما۔ مفتی امیر حیدر۔ سید غلام مصطفی و شیخ	۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲
۴۹	سادات بلگرام کا عروج	۵۴

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۵۰	گزشتہ صدی کے مشہور بلگرامی عہدہ دار	۵۴
۵۱	بعض نامور اہل قلم	۵۵
۵۲	ڈاکٹر سید علی بلگرامی اور نواب سید حسین	۵۵
۵۳	نواب صاحب کی ایک پر لطف روایت	۵۶
۵۴	بلگرام کا انگریزی کتابون و تحریرات مین تذکرہ	۵۶
	مسٹر بلاک مین۔ بشپ ہیبر۔ ٹیفن تھیلر۔ ٹانٹ	۵۶
	کپتان ہارٹمن	۵۸
۵۵	بلگرام کے آثار قدیمہ	۵۸
۵۶	بعض درگاہین اور مساجد	۵۸
	گردھر ناتھ کا مندر	۶۰
۵۸	چند پرانے کنوئین	۶۰
۵۹	بلگرام کی مشہور تاریخین۔ مآثر الکرام۔ تبصرۃ الناظرین۔ امواج الخیال۔ جنوبیہ۔ شجرۂ طیبہ	۶۰ ۶۱
	شرائف عثمانی۔ نصرۃ الناظرین۔ مرآۃ المبتدین	۶۱
	کتاب سابل۔ نفائس المآثر۔ گلزار ابرار	۶۱
	نورس سنگھار۔ معارج الولایۃ۔ لسان الزمان	۶۱
۶۰	سر ہنری ایلیٹ کی کتابون پر ڈاکٹر اسپرنگر کا مقالہ اور مثنوی میر عبد الجلیل بلگرامی۔ مآثر الکرام۔ تبصرۃ الناظرین۔	۶۱
۶۱	اکثر سرکاری رپوٹون اور تحریرات مین بلگرام کا بیان	۶۲
۶۲	بلگرام کی تاریخ کی چند کڑیان	۶۴
۶۳	بلگرام کی موجودہ حالت۔ ویرانی۔ آبادی	۶۴
	چند جدید عمارات	۶۵

سلسلہ شمار	عنوان و مضمون	صفحہ
	ولادت (میر عبد الجلیل)	۶۶
۶۴	تاریخ ولادت	۶۶
۶۵	مولد و مسقط الراس	۶۶
۶۶	محلہ میدان پورہ	۶۶
۶۷	مسٹر بیل کی تحقیق۔ تصدیق	۶۶
	تسمیہ	۶۶
۶۸	عبد الجلیل۔ نام	۶۶
۶۹	الاسماء تنزل من السماء	۶۷
	شرف نسب و فضل نجابت و حسب	۶۷
۷۰	شرافت کا مختلف فیہ متنازع مسئلہ	۶۷
۷۱	ہندوستان والوں کا قول	۶۷
۷۲	فرمان خداوندی	۶۷
۷۳	ابو الفضل کا خیال	۶۷
۷۴	ابو الفضل کا افتخار و مباہات	۶۷
۷۵	فیضی کا دعویٰ	۶۸
۷۶	بعض بزرگوں کے ارشادات	۶۹
۷۷	مولانا جامی رح	۷۰
۷۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۷۲
۷۹	حضرت سلمان فارسیؓ	۷۲
۸۰	خالد بن عبد اللہ القسری۔ اور واصل بن عطا	۷۳
۸۱	ابو عمار ابراہیم نخعی	۷۵
۸۲	مولانا شاہ عبد العزیز محدث کا قول	۷۶
۸۳	لغوی تحقیقات	۷۸
۸۴	ہادیان کرام کے اقوال	۷۹
۸۵	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۷۹
۸۶	حضرت عمر رضی اللہ عنہ	۸۰
۸۷	عرب کا صحت نسب کی تصدیق کا معیار	۸۳
	مختلف پہلوؤں سے شرافت پر نظر	۸۳
۸۸	اسلام کا اخلاقی معیار	۸۳
۸۹	امامت و خدمات شرعیہ کے شرائط	۸۴
۹۰	ان احکام کی تفصیل و تشریح و توجیہ	۸۴
۹۱	امام علی رضاؑ کا ارشاد	۸۵
۹۲	بزرگی و شرف کا مستحق کون سمجھا جاتا ہے	۸۵
۹۳	اصول مساوات اسلامی کی توضیح	۸۷
۹۴	تشریف اہلبیت و آل اطہار میں بعض آیات و احادیث	۸۸
۹۵	بزرگان دین کے اقوال و ارشادات	۹۰
	سادات	۹۱
۹۶	سلام	۹۱
۹۷	سادات کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں	۹۱
۹۸	آل رضا نامہ چیز مؤلف تذکرہ	۹۱
۹۹	عباسیہ و علویہ کے معارضات بیفائدہ و عادی	۹۵
۱۰۰	عبد اللہ بن المعتز کا قصیدہ (گستاخانہ)	۹۷
۱۰۱	صفی الدین عبد العزیز الحلی کا جواب	۱۰۰
	سادات و شرافت	۱۰۲

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۱۰۲	سادات کے معانی اور طریق استعمال	۱۰۲
۱۰۳	آجکل کے سید	۱۰۲
۱۰۴	شرف و فضل کا آل فاطمہ پر انحصار	۱۰۲
۱۰۵	اقوال امام جلال الدین سیوطی رح	۱۰۳
۱۰۶	علی خواص رح	۱۰۳
۱۰۷	امام شعرانی رح	۱۰۳
۱۰۸	امام مالک رح	۱۰۴
۱۰۹	میر غلام علی کی سند السعادات	۱۰۴
۱۱۰	علم الانساب	۱۰۴
۱۱۱	سادات حسینی کا نسب	۱۰۴
۱۱۲	رسول عربی کی اولاد	۱۰۴
۱۱۳	تاجداران ایران کے ناتی	۱۰۴
۱۱۴	مہاراجگان اودے پور سے تعلق نسب	۱۰۵
۱۱۵	رانا کے دادا کا ہندوستان آنا جو نوشیروان کی اولاد سے تھا	۱۰۷
۱۱۶	آزاد دہلوی کی روایت، دربار اکبری میں	۱۰۹
۱۱۷	آئین اکبری اور تاریخ فرخ بخش	۱۱۰ ۱۱۱
	ادب سیادت	۱۱۲
۱۱۸	سادات کو اپنا ادب و احترام خود ملحوظ رکھنا چاہیے	۱۱۲
۱۱۹	مولانا قمر الدین حسینی کی اشراف عرب سے گفتگو	۱۱۲
۱۲۰	میر سید حسین سید السادات کا طریق عمل اور قول	۱۱۳
۱۲۱	شیخ محی الدین عربی کا مذہب	۱۱۴
۱۲۲	شیخ عبد العزیز دہلوی کی سادات سے عقیدت	۱۱۴
۱۲۳	میر عبد الجلیل کا سید محمد سے مخاطبہ اور نصیحت	۱۱۵
	شناخت سادات	
۱۲۴	قاضی شہاب الدین اور مناقب السادات	۱۱۶ ۱۱۷
۱۲۵	باہمہ عظمت و تبحر، سادات سے بدظنی پر عالم رویا میں سرزنش	۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰
۱۲۶	سادات حسینی کو درندہ نقصان نہیں پہونچا سکتا	۱۲۰
۱۲۷	ان کا گوشت سباع پر حرام ہے	۱۲۰
۱۲۸	مسعودی کی روایت	۱۲۰
۱۲۹	خلیفہ متوکل اور امام علی ہادی کا واقعہ خرائج الجرائح کی تحریر	۱۲۱ ۱۲۱
	سادات حسینی	۱۲۱
	جد امجد	۱۲۱
۱۳۰	سیدنا حسین سبط کی ولادت و شہادت	۱۲۱ ۱۲۲
۱۳۱	حضرت کی اولاد کی تفصیل	۱۲۲
۱۳۲	بنین و بنات	۱۲۲
	جدۂ ماجدہ	۱۲۲
۱۳۳	حضرت شہربانو کے فضائل و مراتب	۱۲۲ ۱۲۳
۱۳۴	قاضی خلکان کی روایت	۱۲۳
۱۳۵	اہل ایران کی تعظیم امام زین العابدین کو	۱۲۳
۱۳۶	حضرت شہربانو کی شادی	۱۲۳
۱۳۷	" " کے متعلق یعقوبی کا قول	۱۲۳

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۱۳۸	حضرت شہر بانو کے ذو اور نام	۱۲۴
۱۳۹	" " سے اہل ایران کی محبت	۱۲۴
۱۴۰	"تعزیہ غائب شدن شہر بانو"	۱۲۴
۱۴۱	حضرت زہرا علیہا السلام کو خواب میں دیکھنا	۱۲۴
۱۴۲	نو اماموں کی تفصیل	۱۲۵ تا ۱۲۷
۱۴۳	حضرت شہر بانو کا مدینہ میں داخل ہونا	۱۲۷
۱۴۴	اسیران ایران کی فروخت	۱۲۸
۱۴۵	حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ کا مشورہ	۱۲۸
۱۴۶	تین شاہزادیوں کو حضرت علی کا لینا ان کی اولاد	۱۲۸
۱۴۷	حضرت زین العابدین رضؓ	۱۲۸
۱۴۸	" کے فضائل و مناقب	۱۲۹
۱۴۹	" کی اولاد امجاد	۱۲۹ ۱۳۰
	خاندان، نسب و اسلاف	۱۳۰
۱۵۰	میر عبد الجلیل کا قصیدہ یا منظوم شجرہ نسب	۱۳۱
۱۵۱	سید محمد صغرے کا بلگرام کو فتح کرنا، توطن	۱۳۳
	میر کے والدین	۱۳۵
۱۵۲	ابراہیم بن ہشام کی امام یازدہم سے ایک روایت	۱۳۵
۱۵۳	فخر خاندان اولاد	۱۳۵
۱۵۴	میر عبد الجلیل کے خاندان کے بھتہ کہلانے کی وجہ	۱۳۵
۱۵۵	میر کے باپ سید احمد پسر متبنے سید عبد اللہ کے تھے	۱۳۶
۱۵۶	میر سید احمد کی ذاتی خوبیاں اور وجاہت ظاہری و دنیوی۔ وفات	۱۳۶
۱۵۷	میر عبد الجلیل کی والدہ، سید اسد اللہ عرف سید چاند کی بیٹی تھیں	۱۳۹
۱۵۸	سید ضیاء اللہ کا ایک خط میر احمد کے نام	۱۴۰
۱۵۹	میر احمد کا جواب	۱۴۱
	شوق تحصیل	۱۴۲
۱۶۰	میر سید محمد سے مخاطبہ	۱۴۲
۱۶۱	پچیس سال کی عمر میں میر جلیل کا شوق	۱۴۲
۱۶۲	سید محمد کو تحصیل علم کی ترغیب	۱۴۳
	تحصیل علم	۱۴۳
۱۶۳	پرورش و تربیت	۱۴۳
۱۶۴	میر کے مختلف علوم کے استاد اور مقامات تحصیل	۱۴۳
۱۶۵	میر سید اللہ بلگرامی	۱۴۳
۱۶۶	میر طفیل محمد بلگرامی	۱۴۳
۱۶۷	شیخ غلام نقشبند لکھنوی	۱۴۴
۱۶۸	میر سید مبارک، محدث بلگرامی	۱۴۴
۱۶۹	استعداد تمامی علوم معقول و منقول میں	۱۴۵
۱۷۰	آگرہ کا سفر	۱۴۵
۱۷۱	نواب فضائل خان کی صحبت	۱۴۶
۱۷۲	شاہ حسین خان کی رفاقت	۱۴۶
۱۷۳	پٹنہ جانا	۱۴۸

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۱۷۴	سید محمد فیض کیساتھ دکن کا عزم سفر	۱۴۸
۱۷۵	میر ناصر علی کی ملاقات	۱۴۹
۱۷۶	شاہ حسین خان کا انتقال۔ تاریخ رحلت	۱۴۹
۱۷۷	میر محمد رضا کا بلگرام آنا	۱۵۰
۱۷۸	چالیس سال کی عمر تک میر کی طالبعلمی	۱۵۰
	مبلغ علم	۱۵۰
۱۷۹	میر کا مبلغ علم اور استعداد	۱۵۰
۱۸۰	سید علی معصوم کا تعارف تعریف کرنا	۱۵۱
۱۸۱	فن موسیقی میں میر کا کمال	۱۵۲
۱۸۲	ہندوستان کے اہل موسیقی	۱۵۳
۱۸۳	موسیقی سے بلگرام کی قدرتی مناسبت	۱۵۵
۱۸۴	بلگرام کا ایک کنواں جسکا پانی گویا بنا دیتا ہے	۱۵۶
۱۸۵	تان سین کی قبر۔ اُس کا فیض	۱۵۷
۱۸۶	میر کی سپاہگری اور نبرد آزمائی	۱۵۸
۱۸۷	شہسواری کی مشق اور استادانہ نکتے	۱۵۸
۱۸۸	چار زبانوں پر قدرت اور طلاقت	۱۵۸
	ذوق سخن	۱۵۸
۱۸۹	اساتذہ کے کلام سے شغف و الفت	۱۵۸
۱۹۰	مولانائے روم کی مثنوی	۱۵۸
۱۹۱	حافظ شیراز کا کلام	۱۵۸
۱۹۲	امیر خسرو سے عشق	۱۵۸
		۱۵۹

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
	حافظہ و یادداشت	۱۵۹
۱۹۳	حافظہ	۱۵۹
۱۹۴	قاموس اللغات۔ زبان کی نوک پر	۱۵۹
۱۹۵	بڑھاپے میں کتابوں کا یاد رہنا	۱۶۰
۱۹۶	احادیث نبوی و اسماء الرجال	۱۶۰
۱۹۷	مرزا یار علی بیگ کی مجلس	۱۶۲
۱۹۸	قاموس کی تصحیح و مقابلہ	۱۶۲
۱۹۹	بعض مشکلات کا حل	۱۶۳
۲۰۰	نزول قرآن کی آخری آیت پر بحث	۱۶۴
۲۰۱	میر محمد یوسف کی ستایش و تحسین	۱۶۶
	خط	۱۶۶
۲۰۲	نسخ لکھنا	۱۶۶
۲۰۳	نستعلیق کی طبعی روش	۱۶۶
۲۰۴	صحیح بخاری کی نقل	۱۶۷
۲۰۵	" " کے مقابلہ کیلئے نوشہر میں ٹھہر جانا	۱۶۸
۲۰۶	دلائل الخیرات کا خود نوشت نسخہ	۱۶۹
۲۰۷	معمول کتابت تسمیہ و تحمید و تصلیہ	۱۶۹
۲۰۸	انکے کتبخانہ کی اکثر کتابیں اپنی لکھی ہوئی تھیں	۱۶۹
	کتبخانہ	۱۷۰
۲۰۹	بلگرام والوں کو کتابیں جمع کرنیکا شوق	۱۷۰
۲۱۰	شیخ کمال اُنکے کمالات اور کتابیں	۱۷۰
۲۱۱ و ۲۱۲	سید عبد الواحد کی نسخہ نویسی اور کلام اللہ کے نسخے	۱۷۱

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۲۱۳	سید عبد اللہ، قابل ہیئت قلم	۱۷۱
۲۱۴	میر عبد الجلیل کا کتابین جمع کرنا	۱۷۱
۲۱۵	کتابون کی قدر اور حفاظت	۱۷۱
۲۱۶	کتاب بھیجنے مین احتیاط	۱۷۲
۲۱۷	رسالۂ اذن حدیث	۱۷۲
۲۱۸	بعض تحریرات کی نقول کی طلبی	۱۷۲
۲۱۹	روضۃ الناظر	۱۷۲
۲۲۰	رسالۂ کلمۂ طیبہ	۱۷۲
۲۲۱	نصاب ترکی	۱۷۳
۲۲۲	رسالۂ اذن حدیث بسند اجازت	۱۷۲
۲۲۳	چھوٹی بیاض	۱۷۲
۲۲۴	اوزان رباعی	۱۷۴
۲۲۵	اختیارات بدیعی	۱۷۴
۲۲۶	الفاظ الادویہ	۱۷۳
۲۲۷	قرابادین شفائی	۱۷۳
۲۲۸	مہذب الاسمار کا باب الکنی	۱۷۳
۲۲۹	اشرف علیخان داروغہ خلعت خانہ کے یہان جانا	۱۷۳
۲۳۰	سر الادب۔ ثعالبی	۱۷۴
۲۳۱	سید عبد اللہ کے یہانسے کتاب رد ہدایہ	۱۷۴
۲۳۲	میر سید محمد کی فرمائشات	۱۷۵
۲۳۳	شرح ملا	۱۷۵
۲۳۴	ملگرام کے کتب خانون کی تباہی	۱۷۵
۲۳۵	کتابون کا ادہر اودہر پہونچنا	۱۷۵
۲۳۶	کتب خانۂ عالیۂ آصفیہ	۱۷۵
	معمولات و عقائد	۱۷۶
۲۳۷	صفائی و راستبازی	۱۷۶
۲۳۸	ارباب استحقاق کی اعانت مین اخفا و احتیاط	۱۷۶
۲۳۹	مطالعۂ کتاب	۱۷۶
۲۴۰	ختم دلائل الخیرات	۱۷۶
۲۴۱	غسل جمعہ	۱۷۶
۲۴۲	رمضان مین بیت الخلا روزانہ نہ جاتے تھے	۱۷۶
۲۴۳	نماز تراویح کی پابندی	۱۷۶
۲۴۴	عبادات مین طریقۂ محدثین	۱۷۶
۲۴۵	قول احوط	۱۷۶
۲۴۶	وضو مین پانون کا مسح اور غسل دونون	۱۷۶
۲۴۷	فتوحات مکیہ سے استناد	۱۷۷
۲۴۸	ایسے طرز عمل پر یار و اغیار کی تعریف و طعن	۱۷۷
۲۴۹	درویشانہ طریق معاشرت	۱۷۷
۲۵۰	اُمرا سے مساویانہ داعیہ مہمانداری مدارات	۱۷۷
	اتقا و خوف خدا	۱۷۸
۲۵۱	سید حسین امتیاز خان کا قتل اور مال کا تصرف	۱۷۸
۲۵۲	اس خبر کے نہ لکھنے کیلئے خدا یار خان کا چودہ ہزار روپیہ بھیجنا	۱۷۸
۲۵۳	میر صاحب کا انکار خوف خدا کا اظہار	۱۷۸
۲۵۴	آزاد کی تحسین	۱۷۸
	بیعت	۱۷۸

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۲۵۵	خواب میں شاہ ولایتؓ کی بیعت	۱۷۸
۲۵۶	منقبت میں قصیدہ لکھنا	۱۷۹
۲۵۷	شیخ سعدی کے مصرع کی تضمین اور منقبت مرتضویہ	۱۸۲
۲۵۸	شیخ غلام نقشبند سے بیعت	۱۸۳
۲۵۹	میر عالم بیداری کے بخاطر اویسی تھے	۱۸۳
۲۶۰	سید یٰسین حموی سے غائبانہ بیعت	۱۸۴
۲۶۱	اہل حدیث کا مسلک	۱۸۴
۲۶۲	تزکیہ قلب و تصفیہ باطن	۱۸۴
	اہل بیت نبویؐ	۱۸۵
۲۶۳	اہل بیت کے لغوی معنی	۱۸۵
۲۶۴	〃 کی عام تعریف	۱۸۵
۲۶۵	قول امام رازی	۱۸۵
۲۶۶	〃 ابن حاتم	۱۸۵
۲۶۷	〃 زید بن ارقم	۱۸۶
۲۶۸	〃 قسطلانی	۱۸۶
۲۶۹	〃 رازی و زمخشری	۱۸۶
۲۷۰	آیۂ تطہیر	۱۸۶
۲۷۱	آیۂ مباہلہ	۱۸۶
۲۷۲	شان مباہلہ	۱۸۶
۲۷۳	بعض آیات کی تنزیل	۱۸۷
۲۷۴	سادات کے اجداد و اسلاف	۱۸۷
۲۷۵	سادات کے متعلق بعض مستند کتابیں	۱۸۷
۲۷۶	صوفیہ صافیہ کا عقیدہ	۱۸۸
۲۷۷	سادات بنی فاطمہؓ کی اصل اصول اہل بیت پاک ہیں	۱۸۸
۲۷۸	اُن کے مناقب و فضائل	۱۸۸
	مناقب و فضائل	۱۸۸
۲۷۹	اہل بیت اطہار ائمہ امت ہیں	۱۸۸
۲۸۰	چند آیات و احادیث	۱۸۸
۲۸۱	روایت امام ترمذی	۱۸۹
۲۸۲	〃 امام حنبل	۱۸۹
۲۸۳	〃 عبد العزیز	۱۹۰
۲۸۴	〃 زید بن ارقم	۱۹۰
۲۸۵	〃 عمران بن حصین	۱۹۰
۲۸۶	〃 فخر رازی	۱۹۰
	اختصاص	۱۹۱
۲۸۷	بعض احادیث شریفہ	۱۹۱
۲۸۸	بعض ائمہ کی روایات	۱۹۱
۲۸۹	آیت قل لا اسئلکم کی تفسیر	۱۹۲
۲۹۰	قول متفق علیہ تصریح بیہقی و بغوی	۱۹۲
۲۹۱	روایت ترمذی	۱۹۳
۲۹۲	روایت بخاری	۱۹۳
	حُبّ اہل بیت	۱۹۳
۲۹۳	میر عبد الجلیل اور تولائے اہلبیت	۱۹۳

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۲۹۴	فضائل سادات میں انکی رباعیاں	۱۹۳
۲۹۵	ایک رباعی پر گفتگو	۱۹۵
۲۹۶	تفضیل حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ پر	۱۹۶
۲۹۷	تفضیل کا طعن - اس پر بحث	۱۹۶
۲۹۸	قول دولت شاہ سمرقندی	۱۹۷
۲۹۹	" شیخ عطار	۱۹۸
۳۰۰	" مولانا غیاث شیرازی	۱۹۹
۳۰۱	استاد اسعد مہنہ اور امام غزالی کا مناظرہ	۲۰۱
۳۰۲	اہل بیت کی محبت	۲۰۸
۳۰۳	مشرب امام شافعی رح	۲۰۹
۳۰۴	منافسہ و مناقشہ	۲۱۴
۳۰۵	اکابر اسلام کے اقوال	۲۱۵
۳۰۶	حضرت علیؓ اور اہل عراق	۲۱۵
۳۰۷	شریف ابو نمی اور محب طبری	۲۱۶
۳۰۸	ابن الجوزی	۲۱۶
۳۰۹	شعرانی	۲۱۷
۳۱۰	ابوبکر بن عیاش	۲۱۷
۳۱۱	حضرت ابوبکرؓ	۲۱۷
۳۱۲	حدیث پاک	۲۱۷
۳۱۳	علامہ حسین الجسر	۲۱۷
۳۱۴	سید رشید رضا	۲۱۷
	حسن سلوک	۲۱۸
۳۱۵	مہمانداری و خوان کرم	۲۱۸
۳۱۶	دیوان خانہ	۲۱۸
۳۱۷	بعض نامور وارد و صادر	۲۱۹
۳۱۸	غربا کی لڑکیوں کی شادی کرا دینا	۲۱۹
۳۱۹	دار الخلافہ کا قیام اور مہمان نوازی	۲۱۹
۳۲۰	حسن علی خان کی خاطر داری	۲۲۰
	مواسات و غمخواری	۲۲۱
۳۲۱	بلگرام والوں کی مہمانداری و دوا و معالجہ	۲۲۱
۳۲۲	سید کرم اللہ کے درد چشم کا علاج	۲۲۱
۳۲۳	شیخ عبد الجلیل معانی کا علاج چشم	۲۲۲
	سفارش	۲۲۲
۳۲۴	امین الدولہ اور حسین علیخان کی بخشش	۲۲۲
۳۲۵	میر کا سفارش کرنا	۲۲۳
۳۲۶	میر کا طریقہ محدثین	۲۲۴
	مجربات	۲۲۴
۳۲۷	بعض نسخے	۲۲۴
۳۲۸	چورن کہنکولاد	۲۲۴
۳۲۹	" پر اعتماد	۲۲۵
	رسوم و تقریبات	۲۲۵
۳۳۰	کان چھیدنے کی رسم	۲۲۵
۳۳۱	شادی ہمشیرہ سید غلام علی	۲۲۵

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۳۳۲	شادی کنیہ	۲۲۶
۳۳۳	پابندی مراسم و دستورات	۲۲۶
	قرض	۲۲۶
۳۳۴	قرض کا بار اور سودی قرضہ لینا	۲۲۶
۳۳۵	ادائے قرض پر مسرت	۲۲۶
۳۳۶	ہمتوری کے ساتھ قرض ادا کرنا	۲۲۷
	صلہ	۲۲۷
۳۳۷	صلہ نہ لینا	۲۲۷
۳۳۸	اورنگ زیب کی شان مین رباعی	۲۲۷
۳۳۹	" قدر افزائی و انعام	۲۲۸
۳۴۰	امیر خسرو کو نہ سپہر کا جائزہ	۲۲۸
۳۴۱	قصیدۂ فتح آگرہ کا صلہ لینے سے انکار	۲۲۹
۳۴۲	نواب آصف جاہ کا صلہ لینے سے عذر	۲۳۰
	معاش و خدمت	۲۳۰
۳۴۳	خاندانی معاش	۲۳۰
۳۴۴	سید محمد صغریٰ کی معافیات و التمغا	۲۳۱
۳۴۵	سید فیض کے ساتھ میر کا دکن جانا	۲۳۱
۳۴۶	مرزا یار علی بیگ کی قدر شناسی و تکریم	۲۳۲
۳۴۷	عطائے منصب و جاگیر سائی پور	۲۳۲
۳۴۸	بخشی گری و وقائع نگاری گجرات	
	شاہ دولا پر تقرر	۲۳۲

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۳۴۹	تاریخ تقرر	۲۳۴
۳۵۰	دکن سے بلگرام آنا	۲۳۵
۳۵۱	روانگی گجرات مع میر طفیل محمد	۲۳۵
۳۵۲	چار برس اقیام	۲۳۵
	عزل خدمت و باز تقرر	۲۳۶
۳۵۳	واقعۂ معزولی	۲۳۶
۳۵۴	مرزا یار علی کی یاوری سرکار بھکر و سرکار سیوستان کی خدمات پر تقرر	۲۳۶
۳۵۵	براہ راست سند بھیجدینا	۲۳۷
۳۵۶	روانگی ملک سندھ	۲۳۹
۳۵۷	بھکر مین خود قیام اختیار کرنا	۲۳۹
۳۵۸	سید محمد اشرف کو سیوستان مین نائب مناب کر بھیجنا	۲۴۰
۳۵۹	سید اشرف کے بعد سید کرم اللہ	۲۴۰
۳۶۰	میر کرم اللہ کی یادگار سیوستان کی مسجد	۲۴۰
۳۶۱	انقلابات سلطنت پر بھی اسناد تقرر بدستور برقرار رہین	۲۴۱
۳۶۲	پریشانی اور بے اطمینانی	۲۴۱
۳۶۳	اشفاق الرسول کے تقرر کی شہرت	۲۴۱
۳۶۴	عارف لبید کا ارشاد	۲۴۲
	عزل مکرر و بحالی خدمات	۲۴۳
۳۶۵	پرگنہ جتوئی مین مصری کی بارش	۲۴۳
۳۶۶	میر کا اس واقعہ کو فرد وقائع مین لکھنا	۲۴۳
۳۶۷	میر جملہ کا میر عبد الجلیل کو معزول کر دینا	۲۴۴

نمبر سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۳۶۸	بھکر سے روانگی	۲۴۵
۳۶۹	سفر کی تکالیف	۲۴۵
۳۷۰	دہلی کا قیام اور گرانی	۲۴۵
۳۷۱	بروایت آرائیں تعطل محضر تیار کرانا	۲۴۶
۳۷۲	پروانۂ بحالی	۲۴۶
۳۷۳	شیخ محمد رضا کو نائب مقرر کرنا	۲۴۷
۳۷۴	سات سال تک وہان کا کام کرنا	۲۴۷
۳۷۵	دل برداشتگی	۲۴۷
۳۷۶	پھر دلی چلے آئے	۲۴۸
۳۷۷	خدمات سے سبکدوشی	۲۴۸
۳۷۸	میر سید محمد کا تقرر	۲۴۸
۳۷۹	" " دہلی جانا	۲۴۸
۳۸۰	باپ بیٹے کا ملنا	۲۴۸
۳۸۱	چالیس سال کے بعد خدمات سرکاری سے قطع تعلق	۲۴۹
۳۸۲	سولہ سال کے بعد وطن آنا	۲۴۹
۳۸۳	دار الخلافت کا مستقل قیام	۲۴۹
۳۸۴	میر غلام علی و محمد یوسف کا دہلی آنا	۲۴۹
	جاگیر اور اضافۂ پنجاہی	۲۵۰
۳۸۵	وسائل آمدنی ۔ جاگیر و اضافۂ پنجاہی	۲۵۰
۳۸۶	جاگیر پرگنہ ملانوہ ۔ دشواریان	۲۵۰
۳۸۷	اجرائے پروانہ جات متعلقہ و نقول	۲۵۲
۳۸۸	حساب محصول جاگیر	۲۵۲
۳۸۹	اجرائے سند درگاہی	۲۵۳

نمبر سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۳۹۰	اضافۂ پنجاہی	۲۵۴
۳۹۱	نواب خلاص خان کے یہان سے روزینہ	۲۵۵
	مخارج	۲۵۶
۳۹۲	اخراجات روزمرہ	۲۵۶
۳۹۳	ملازمان کی ضرورتین اور خرچ	۲۵۶
۳۹۴	گھر کے اخراجات	۲۵۶
۳۹۵	قاصد کے ہاتھ روپیہ وطن بھیجنا	۲۵۷
۳۹۶	بھکر کے مہاجن	۲۵۷
۳۹۷	ہنڈوی بھیجنے کا طریقہ	۲۵۷
۳۹۸	تزلزل خدمات و تردد تقرر دیگر	۲۵۷
	حضرت دہلی	۲۵۸
۳۹۹	دربار شاہی مین مجرا بجالانا	۲۵۸
۴۰۰	رباعی و تاریخین پیش کرنا	۲۵۸
۴۰۱	رسائی اور خلعت و انعام	۲۵۸
۴۰۲	آداب دربار	۲۵۹
۴۰۳	دیوان خاص مین ملازمت	۲۶۱
۴۰۴	سیاہہ بحالی خدمات	۲۶۱
۴۰۵	بعض اہل حل و عقد	۲۶۱
۴۰۶	کٹرہ شیخ فرید مین قیام	۲۶۲
۴۰۷	فرمائشات کی فراہمی	۲۶۳
۴۰۸	میر سید محمد کی تصدیعات	۲۶۳
	حسن تدبیر و حسن عمل	۲۶۳
۴۰۹	سازشون سے گریز	۲۶۳

شمار سلسلہ	عنوان مضمون	صفحہ
۴۱۰	مختلف اُمرا سے مراسم	۲۶۳
۴۱۱	اُمرا کے باہمی اختلافات	۲۶۳
۴۱۲	فرخ سیر کی سادات سے بدظنی	۲۶۴
۴۱۳	والدۂ ظل سبحانی کی مساعی جمیلہ	۲۶۴
۴۱۴	حقیقت دربار	۲۶۵
۴۱۵	روانگی میر جملہ	۲۶۵
۴۱۶	رخصت امیر الامرا	۲۶۵
۴۱۷	امیر الامرا کے یہاں متواتر ماتم	۲۶۵
۴۱۸	درگاہ سلطان المشائخ کے قریب قیام	۲۶۵
۴۱۹	میر کا وہاں روزانہ جانا	۲۶۶
۴۲۰	دربار شاہی کی حاضری	۲۶۶
۴۲۱	امیر الامرا کو رخصت کرنیکے لیئے دور تک جانا	۲۶۶
۴۲۲	اجرائے پروانگی قطب الملک	۲۶۶
۴۲۳	فرد حقیقت اور دستک تعیناتی	۲۶۶
۴۲۴	میر سید محمد کی طلبی حاضری کی ضرورت	۲۶۶
۴۲۵	سفر ہمراہی امیر الامرا	۲۶۷
۴۲۶	اسوقت کے اصول انتظامی اور قواعد ملک داری	۲۶۷

شمار سلسلہ	عنوان مضمون	صفحہ
	وفات	۲۶۸
۴۲۷	بھکر کی آب وہوا کا صحت پر اثر	۲۶۸
۴۲۸	دلی کا پرآشوب قیام اور گرانی	۲۶۸
۴۲۹	سرسٹھوین سال مین وفات	۲۶۸
۴۳۰	تاریخ وفات	۲۶۹
۴۳۱	نعش کا دہلی سے وطن جانا	۲۷۰
۴۳۲	بلگرام مین درست وسالم پہونچنا اور رہنشین	۲۷۰
۴۳۳	حکمت الٰہیہ کا ایک راز	۲۷۰
	تواریخ وفات	
۴۳۴	متوسلین کا ملال اور ماتم گساری	۲۷۱
۴۳۵	میر غلام علی کی تاریخین، آیات سے	۲۷۱
۴۳۶	ایک قصیدۂ تاریخی	۲۷۱
۴۳۷	دائرۂ تاریخی	۲۷۲
۴۳۸	طریق استخراج	۲۷۲
۴۳۹	دائرۂ تاریخی کی ایجاد	۲۷۳
۴۴۰	مصرد واکر کا تاریخی دوہرہ	۲۷۳

فہرست حواشی و فوائد تحت المتن تذکرۂ میر عبد الجلیل بلگرامی حصۂ اوّل

شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ
۱	ازل	۱
۲	ابد	۱
۳	اجل	۱
۴	عجیل	۱
۵	ازدہا	۱
۶	حروف ہجا	۱

شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ	شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ
۷	حور ار	۱	۲۶	میر غلام علی آزاد	۱۳
۸	حدوث	۱	۲۷	سُمدن صُمدن سادات کا قصبہ	۱۳
ف۱	اَلسَّت	۲	۲۸	عماد الدین کاتب اصفہانی ۔ سوانح و احوال	۱۴
۹	ساحت	۲	۲۹	قاضی فاضل ابو علی عبد الرحیم	۱۸
۱۰	تف	۲	۳۰	ابو الفیض سید مرتضی بلگرامی زبیدی	۲۱
۱۱	دِیت	۲		توطن یعلم ۔ کمالات تصانیف	۲۱
۱۲	ماخولیا	۲		تاج العروس	۲۳
۱۳	برزخ کبریٰ	۳	۳۱	مولوی و مولوی تحقیق و مختلف معانی	۲۵
۱۴	علم لدُن	۳	۳۲	علامہ و علامی	۲۶
۱۵	ھبا	۳	۳۳	ابو الفضل علامی	۲۶
۱۶	باعث ایجاد خلق	۳	۳۴	افضل خان علامی	۲۷
۱۷	عُزّے	۴	۳۵	سعد اللہ خان چنیوٹی	۲۷
۱۸	لَاد لَات	۴	۳۶	لطف اللہ خان پسر سعد اللہ خان	۲۸
۱۹	لَاہُوت	۴	۳۷	خان علامہ فضل حسین خان	۲۸
ف۲	آیۂ تطہیر	۴	۳۸	شاہ میر عبد الجلیل بلگرامی ۔ نم مارہروی	۲۹
۲۰	جمال شہود	۴	۳۹	نسل تیمور کے مغل بادشاہ	۳۰
ف۳	خاطی مقبول ۔ اضافت توضیحی	۴	۴۰	تخت طاؤس	۳۰
۲۱	عمرو بن لغمان بیاضی ۔ اُسکے اشعار	۵	۴۱	عمر بن عبد العزیز رح	۳۱
۲۲	ابو المظفر محمد بن احمد الکوفنی الابیوردی	۵	۴۲	سلیمان بن عبد الملک	۳۴
۲۳	سنین و اعوام ہجری و مسیحی کی تطبیق	۷	۴۳	نیلی اور نیل	۳۷
۲۴	نظامیہ بغداد ۔ نظام الملک اور نشر و	۱۰	۴۴	مولانا شمس الدین یحیٰی	۳۷
	توزیع علوم و اقامت مدارس	۱۱	۴۵	برہان الملک سعادت خان	۳۸
۲۵	ولیم آرڈوین ۔ اور اُسکے ادبی کارنامے	۱۱	۴۶	ابو المنصور خان صفدر جنگ	۴۰
	منو کی اطالوی	۱۲	۴۷	خواجہ عماد الدین	۴۳

نمبر سلسلہ	حاشیہ - بالتحت المتن	صفحہ
۴۸	سید محمد صفرے	۴۵
۴۹	سجل - معنی و مراد	۴۷
۵۰	قلعہ کا پتھر دیوار مسجد میں لگا دیا گیا	۴۷
۵۱	گلیڈوین کا ترجمہ اور املاے بلگرام	۴۸
۵۲	نعمت خان عالی، مرزا محمد شیرازی	۴۸
۵۳	میر عبد الواحد شاہدی	۵۰
۵۴	شیخ نظام بلگرامی	۵۲
۵۵	شیخ سلیمان	۵۲
۵۶	قاضی محمود	۵۳
۵۷	میر عظمت اللہ بنجیر	۵۳
۵۸	حاجی افضل بلگرامی - گنبد قبر	۵۹
۵۹	تاریخ تعمیر جامع مسجد - قاضی محمود	۵۹
۶۰	قاضی ابو العلا عرف قاضی بڈہ	۵۹
۶۱	محال - دستور - سرکار - وغیرہ	۶۴
۶۲	شیخ مبارک اور اولاد	۶۷
۶۳	ابو الفیض فیضی	۶۹
۶۴	تاگور	۷۱
۶۵	مولانا نور الدین جامیؒ	۷۲
۶۶	سلمان فارسیؓ	۷۳
۶۷	خالد بن عبد اللہ القسری	۷۳
۶۸	واصل بن عطاء	۷۴
۶۹	ابو عمار ابراہیم النخعی اور فقہائے سبعہ	۷۶
۷۰	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۷۷
۷۱	ابن السکیت نحوی، ابو یوسف یعقوب	۷۸

نمبر سلسلہ	حاشیہ - بالتحت المتن	صفحہ
۷۲	بلاس بن ہرمز	۷۹
۷۳	امیر المؤمنین حضرت عمرؓ	۸۰
۷۴	سیدنا حضرت شعیبؑ	۸۲
۷۵	نسب و صہر کے متعلق اہل سنت کی حدیث	۸۶
۷۶	شیخ اکبر محی الدین ابن عربی - اقوال و تصانیف	۸۶
	شیخ عبد الرشید جون پوری	۸۸
	حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی	۸۸
	مولانا نور الدین احمد آبادی	۸۸
	شیخ محمد حسین، کلیم	۸۸
	مستشرقین فرنگ کی قدر شناسی	۸۸
	پروفیسر آسین کا قول	۸۸
	رائے مان لال فلسفی	۸۸
	دانتے شاعر	۸۸
	گروہ مخالف سرگروہ، تحریرات	۸۹ - ۹۰
۷۷	مشہد اقدس رضوی - آبادی و عمارات	۹۱ - ۹۵
۷۸	مناقب سادات میں بعض کتابیں	۹۵
۷۹	ابن معتز عباسی	۹۶ - ۱۰۰
۸۰	صفی الدین حلی و امیر تاج الدین آدمی	۱۰۰ - ۱۰۱
۸۱	سند السعادات	۱۰۴
۸۲	مہارانا اودے پور، چتور - پدماوت	۱۰۵ - ۱۰۶
	اورنگ زیب کی اودے پوری ملکہ	۱۰۷
۸۳	مہارانا	۱۰۷
۸۴	قشقہ	۱۰۸
۸۵	سعد بن وقاص و عمر بن سعد	۱۰۸ - ۱۱۱

ع شیخ علاء الدین بغدادی صاحب تفسیر خازن ۸۹

شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ
۸۶	نیز دجر دنالث	۱۱۲
۸۷	حوالہ سبحۃ المرجان	۱۱۳
۸۸	میر سید حسن ملقب بہ سید السادات	۱۱۳
۸۹	فتوحات مکیہ	۱۱۴
	سنیار آسین کا قول -	۱۱۵
	میر عبد الجلیل والا نسخہ -	۱۱۴
	دانتے شاعر کا استفادہ واستنباط	۱۱۴
۹۰	شیخ عبد العزیز دہلوی	۱۱۵
۹۱	حوالہ مرآۃ المبتدین	۱۱۵
۹۲	فضائل نماز	۱۱۶
۹۳	اپنے گھر والون کو نماز کا حکم دیجئے	۱۱۷
۹۴	قاضی شہاب الدین دولت آبادی	۱۱۷
۹۵	مولانا خواجگی	۱۱۷
۹۶	قاضی عبد المقتدر شریجی	۱۱۷
۹۷	سمنان شیخ علاء الدولہ مولانا نظام الدین ہروی	۱۱۷
۹۸	سلطان ابراہیم شرقی اور اسکا خاندان	۱۱۸
۹۹	سید شریف کا فرق	۱۲۰
۱۰۰	حوالہ کتاب براون	۱۲۳
۱۰۱	طف بمعنی دموقع	۱۲۳
۱۰۲	حرار	۱۲۴
۱۰۳	سلافہ	۱۲۴
۱۰۴	مدائن - رے - اصطفان	۱۲۵
۱۰۵	مدینہ - یثرب	۱۲۶
۱۰۶	سیل حجاف	۱۲۶

شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ
۱۰۷	تغیر الفاظ	۱۲۷
۱۰۸	"	۱۲۷
۱۰۹	زید شہید رض صلاے بیعت خروج محاربہ زید بن حسن رض	۱۲۹
۱۱۰	واسط	۱۳۳
۱۱۱	شمس الدین التمش	۱۳۴
۱۱۲	ابراہیم حسین لودی	۱۳۴
۱۱۳	سید معین الدین بلگرامی	۱۳۶
۱۱۴	بہاسو	۱۳۶
۱۱۵	واسنہ	۱۳۶
۱۱۶	مراد آباد و سنبھل	۱۳۷
۱۱۷	حافظ ضیاء اللہ	۱۳۹
۱۱۸	ترجمہ آیت	۱۴۰
۱۱۹	ترجمہ آیت	۱۴۱
۱۲۰	ترجمہ آیت	۱۴۱
۱۲۱	سید سعد اللہ	۱۴۳
۱۲۲	میر طفیل محمد	۱۴۳
۱۲۳	شیخ غلام نقش بند	۱۴۳
۱۲۴	سید مبارک، قطب المحدثین	۱۴۴
۱۲۵	شیخ عبد الحق محدث مع شیخ نور الحق	۱۴۵
۱۲۶	شہر آگرہ	۱۴۵
۱۲۷	نواب فضائل خان	۱۴۷
۱۲۸	صوبہ پٹنہ	۱۴۸
۱۲۹	سید محمد فیض	۱۴۹

شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ
۱۳۰	سید علی معصوم	۱۵۱
۱۳۱	اورنگ آباد مع مضافات	۱۵۲
۱۳۲	فن موسیقی	۱۵۴
۱۳۳	مسلمانوں کے عہد میں موسیقی کی ترقی	۱۵۶
	مشہور استادوں کے نام	۱۵۷
۱۳۴	میر شیر علی افسوس	۱۵۷
۱۳۵	ترجمہ آسامیں محفل	۱۵۸
۱۳۶	قاموس اللغات	۱۵۹ و ۱۶۲
	شیخ مجد الدین فیروز آبادی اور اسکی تصانیف	۱۵۹
	قاموس کے شارحین محمد بن الطیب الفاسی	۱۶۳
	ملا علی قاری	۱۶۳
	سید مرتضی زبیدی	۱۶۳
	عاصم آفندی	۱۶۳
	فرے تاگ	۱۶۳
	گولیس لاطینی	۱۶۳
	فل جنس فرسنل پادری لاہور	۱۶۳
	ایڈورڈ ولیم لین صاحب القاموس	۱۶۳
	احمد فارس افندی صاحب الجاسوس	۱۶۴
۱۳۵	مرزا یار علی بیگ	۱۶۴
۱۳۸	تفسیر بیضاوی و قاضی ناصر الدین ابو سعید	۱۶۵
۱۳۹	حضرت عبد اللہ بن عباس مع عبید اللہ	۱۶۵
۱۴۰	ابن عباس کی روایت آخر تنزیل	۱۶۶
۱۴۱	خط نسخ - اسکے موجد و ماہرین	۱۶۶
	خواجہ علاء الدین یاقوت مستعصمی	۱۶۷

شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ
	ابو علی بن مقلہ	۱۶۷
	علی بن ہلال، ابن بواب	۱۶۷
	یاقوت الملکی	۱۶۸
۱۴۲	نستعلیق	۱۶۸
	میر علی علوی تبریزی	۱۶۸
	مولانا سلطان علی	۱۶۸
	ملا میر علی مشہدی	۱۷۰
۱۴۳	قاضی ابو الفتح بلگرامی	۱۷۱
۱۴۴	اختیارات بدیعی	۱۷۲
۱۴۵	مہذب الاسماء	۱۷۳
۱۴۶	سرپیچ، دستار، کلغی، جیغہ، سربند	۱۷۴
۱۴۷	ثعالبی - ابو منصور نیشاپوری	۱۷۵
۱۴۸	سر الادب	۱۷۶
۱۴۹	سید حسین، امتیاز خان، خالص	۱۷۸
۱۵۰	بیعت و ردیت شاہ عبد العزیز دہلوی	۱۷۸
۱۵۱	حوالہ سرو آزاد	۱۷۹
۱۵۲	حوالہ مدیبیا	۱۷۹
۱۵۳	حل لغت حزب	۱۸۰
۱۵۴	〃 عدوان	۱۸۰
۱۵۵	〃 عری و مشہد عزی	۱۸۰
۱۵۶	〃 کوفان	۱۸۰
۱۵۷	〃 طامۂ کبرے	۱۸۰
۱۵۸	〃 اذحان	۱۸۱
۱۵۹	〃 ایتان	۱۸۱

ف

شمار سلسلہ	حاشیہ۔ یا تحت المتن	صفحہ	شمار سلسلہ	حاشیہ۔ یا تحت المتن	صفحہ
۱۶۰	حل لغت سُکّان بمعنی باشندگان	۱۸۱	۱۸۴	امام شافعیؒ۔ امام حنبلؒ۔ امام مالکؒ	۲۱۲ لغایتہ
۱۶۱	" " بمعنی دُبالہ کشتی	۱۸۱		کی میزبانی اور سبق	۲۱۴
۱۶۲	حوالہ روایت دربارہ حُب حضرت علیؑ	۱۸۲	۱۸۵	مولانا جلال الدین رومیؒ و مولانا	۲۱۴
۱۶۳	حل لغت خنّان	۱۸۲		بہاء الدین ولدؒ	۲۱۵
۱۶۴	" القیان	۱۸۲	۱۸۶	دیوان خانہ میر عبد الجلیل	۲۱۸
۱۶۵	حوالہ نص قرآنی۔ ذکر اللہ	۱۸۲	۱۸۷	ملگرام والوں کی اُس زمانہ میں قدر	۲۱۹
۱۶۶	توصل پیوستگی جُستن	۱۸۲	۱۸۸	مُلتان	۲۲۰
۱۶۷	حوالہ مآثر الکرام	۱۸۳	۱۸۹	انصار۔ قبول اسلام عقد مواخات فضائل	۲۲۲
۱۶۸	خواجہ اویس قرنی	۱۸۳	۱۹۰	کنکو لاد، چُورن	۲۲۵
۱۶۹	بیعت طریقہ اویسیہ	۱۸۴	۱۹۱	کسرائے انوشیروان۔ زنجیر عدل	۲۲۷
۱۷۰	سید یٰسین حموی۔ خانوادہ طریقت	۱۸۴	۱۹۲	ہُون	۲۲۸
۱۷۱	صدقہ کا مال اور لوٹ کا	۱۹۱	۱۹۳	امیر خسرو	۲۲۸
۱۷۲	ملک قمی۔ ملک الکلام	۱۹۴	۱۹۴	نُہ سپہر	۲۲۹
۱۷۳	میر عسکری کا زمانہ	۱۹۵	۱۹۵	خلعت تفصیل اقسام	۲۲۹
۱۷۴	الفرع النامی کا حوالہ	۱۹۶	۱۹۶	معانی	۲۳۰
۱۷۵	تفضیل کی تعریف۔ تفضیلی فرقہ	۱۹۶	۱۹۷	التمغا	۲۳۱
۱۷۶	حضرت ابو بکر صدیق رضؓ	۱۹۶	۱۹۸	اُوردن اسلام پور	۲۳۱
۱۷۷	شیخ فریدالدین عطار رحؒ	۱۹۸	۱۹۹	سوانح نگار۔ وقائع نویس	۲۳۲
۱۷۸	مولانا غیاث شیرازی	۱۹۹	۲۰۰	منصب شائستہ	۲۳۳
۱۷۹	شاہزادہ ابراہیم سلطان۔ گورگان	۲۰۰	۲۰۱	صفی پور۔ سائی پور	۲۳۳
۱۸۰	استاد اسعد مسیحی	۲۰۱	۲۰۲	بخشی گری	۲۳۳
۱۸۱	سلطان محمد بن ملک شاہ بن الپ ارسلان	۲۰۱	۲۰۳	قصبہ گجرات	۲۳۳
۱۸۲	حجۃ الاسلام محمد غزالی۔ و احمد غزالی	۲۰۳	۲۰۴	شاہ دولا پیر۔ اُن کے چوہے	۲۳۴
۱۸۳	امام اعظم، ابو حنیفہ کوفیؒ	۲۰۴	۲۰۵	بکّر۔ بھکّر۔ سرکار	۲۳۶

شمار سلسلہ	حاشیہ - پایتخت الملتن	صفحہ
۲۰۶	سیوستان مخدوم لعل شاہ باز - شیخ جمعہ	۲۳۷
۲۰۷	بھکر خاص حالات ماضیہ - موسم - مشاہیر	۲۴۰
۲۰۸	سید کرم اللہ	۲۴۱
۲۰۹	قصبہ سرہند حضرت مجدد و دیگر اولیاء	۲۴۲
۲۱۰	پرگنہ جنوئی	۲۴۴
۲۱۱	میر جملہ، قاضی عبد اللہ نورانی	۲۴۵
۲۱۲	شاہجہان آباد - دہلی - آبادی	۲۴۶
۲۱۳	شدائد سفر، دہلی از بھکر	۲۴۶
۲۱۴	گرانی دہلی - ارزانی سابقہ	۲۴۷
۲۱۵	دائرہ، اُمرا کا فرودگاہ	۲۴۹
۲۱۶	جاگیر و جائے گیر - دستور اسلامی	۲۵۰
۲۱۷	ملانوہ	۲۵۰
۲۱۸	دام	۲۵۱
۲۱۹	دفتر دیوانی	۲۵۲
۲۲۰	قاضی القضاۃ	۲۵۲
۲۲۱	اجارہ دار	۲۵۲

شمار سلسلہ	حاشیہ - پایتخت الملتن	صفحہ
۲۲۲	عامل	۲۵۳
۲۲۳	فوجدار - فوجداری	۲۵۳
۲۲۴	چودھری	۲۵۴
۲۲۵	قانونگو	۲۵۵
۲۲۶	اخلاص خان، نواب	۲۵۵
۲۲۷	بھکر - مہاجن - دولتمندی	۲۵۷
۲۲۸	شہر دہلی - آبادی - تاریخ ماضی و حال	۲۵۸
۲۲۹	شال	۲۶۲
۲۳۰	شیخ فرید بخشی	۲۶۲
۲۳۱	ترجمہ آیہ	۲۶۴
۲۳۲	شیخ لالن	۲۶۵
۲۳۳	سلاطین چغتائیہ کا اُمرا کو بنگالہ پھینک دینا	۲۶۵
۲۳۴	خاندوران چہارم، عبد الصمد خان	۲۶۶
۲۳۵	بھکر کا موسم - شدت - بیماریاں - شکایات	۲۶۸
۲۳۶	تحقیق معانی - الحسنے والزیادۃ	۲۷۱
۲۳۷	امیر ابو العلا، اکبر آبادی	۲۷۳

جدول بعض اغلاط طبع - حصہ اول

صفحہ	سطر متن	سطر نوٹ	غلط	صحیح
۳	۴	۰	بَرَاسِیّ	بَرَاسِیّ
۴	۳	۰	جبہ	جَبْہَہ
۶	۰	۱۵	۲الخطیر نے)	۲الخطیر نے
۲۵	۰	۱۳	للُو	۲لُوَ
۲۶	۰	۵	صُولَ	مُولَی
۳۰	۰	۷	للالی	لآلی
۳۳	۴	۰	جلاوں	جلاوت
۳۵	۰	۴	۲الغاوت	۲الغاوت
۳۸	۴	۰	سعادت خان ۴۷	سعادت خان ۴۵
۴۳	۰	۱	عِمادَ	عِمادُ
۵۳	۸	۰	دریدہ دری	دیدہ دری
۵۶	۱۶	۰	نسخہ سُرد	نسخہ سُرد
۵۷	۱	۰	نقل	سے نقل
۵۸	۲	۰	بشب	بشپ

صفحہ	سطر متن	سطر نوٹ	غلط	صحیح
۶۱	۶	۰	ہیں"	ہیں۔
〃	۷	۰	گلزار ابرار	گلزار ابرار)
〃	۱۹	۰	مذکو الصدر	مذکور الصدر
۶۶	۱۷	۰	سبحانہٗ	سبحانہٗ
〃	۱۷	۰	شانہٗ	شانہٗ
۶۸	۰	۱	سفربت	غربت
〃	۰	۵	کہلاتنا	کہلاتا تھا
۶۹	۰	۴	حین	نہیں
〃	۰	۸	۱۵۲۶ء	۱۵۲۶ء)
۷۱	۰	۹	ضیاد پاشا	ضیاء پاشا
۷۹	۴	۲	لم یکن	لم یکن
〃	۵	۰	استحفاط	استحفاظ
۸۷	۰	۴	لہٗ	لہٗ
۹۷	۰	۱۳	نقرۃ	نقرۃٗ

صفحہ	سطر متن	سطر نوٹ	غلط	صحیح
۱۰۱	۸	۰	الانبیاءِ	الانبیاءُ
۱۰۱	۹	۰	فکذبتُ	فکذّبتَ
"	۱۶		یحفون	یحفّون
۱۱۲	۳	۰	مولانا	مولانا ۵۸۷
۱۱۶	۱	۰	وَاَصُ	وَاَصُ ۹۳
۱۷۴	۰	۱	بانکے پور	بانکی پور
۱۸۶	۲۱	۰	اعما	اِنّما
۱۹۷	۰	۹	افضلُ	افضلَ
۲۰۶	۰	۲۲	حنیفۃُ	حنیفہ
۲۱۱	۰	۹	بعض،،	بعض مثل فتاوی سراجیہ

صفحہ	سطر متن	سطر نوٹ	غلط	صحیح
۲۱۲	۰	۳	فجمعۃُ	فجمعۃَ
۲۲۵	۹	۰	تہیاء	تہیۂ
"	۱۵	۰	انجادم	انجام
۲۴۸	۱۱	۰	تہیاء	تہیۂ
۲۴۹	۳	۰	۱۱۱۶ھ	۱۱۱۶ھ
۲۵۱	۰	۳	بیس۲	بیس
۲۶۴	۴	۰	فضل کمال	فضل و کمال
۲۷۱	۰	۳	تفصیل	تفضیل
۲۷۳	۲	۰	ضعفۃُ	ضعفۂ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربنا لک الحمد

یا ازلی[۵۱] القیام، یا ابدی[۵۲] البقا، انت اجیل[۵۳] الغضب انت عجیل[۵۴] الرضا

عشق ترا جان فزا، شوق ترا دل ربا ذکر ترا قوت روح، نام ترا غم زدا

راہ تقرب مین تھا نفس شقی اژدہا[۵۵] جادۂ تسلیم کو، تو نے بنایا عصا

ہوش کا جب کاروان تیری طلب مین چلا نعرۂ ہو بن گیا، شوق کو بانگ درا

مکتب عرفان ترا، درس گہہ انبیا شرح حقیقت تری، درس حروف ہجا[۵۶]

راہ مین تیری جو ہون صدق و یقین گام زن دیدۂ حورا[۵۷] بنے، حسن مین ہر نقش پا

علت خلق حدوث[۵۸] اس کے سوا کچھ نہین حسن قدم کے لئے آئنہ ہو، ماسوا

تیرے حرم کا غبار، تیرے مکان کا سواد غازۂ روئے یقین، سرمۂ چشم صفا

روز ازل کی خبر، اور کسے جز ترے اپنی قدامت پہ تو، آپ ہے اپنا گوا

پھول مین گلزار ہے، پھول ہے گلزار مین وحدت کثرت نما، کثرت وحدت نما

تیرا ازل ہے ابد، تیرا ابد ہے ازل کس کو کہون ابتدا، کس کو کہون انتہا

---

۵۱ ازل ہمیشگی۔ وہ زمانہ جس کی ابتدا نہین۔ ۵۲ ابد۔ ہمیشہ۔ وہ زمانہ جسکی غایت وانتہا نہین ۵۳ اجیل۔ دیر کرنے والا ۵۴ عجیل جلدی کرنے والا ۵۵ اژدہا۔ اژدر۔ مار بزرگ جثہ ۵۶ حروف ہجا۔ الف، بے، تے، ثے وغیرہ سے مراد ہے ۵۷ حورا، خوب گوری عورت، جسکی آنکھون کی سیاہی نہایت گہری اور بال خوب کالے ہون ۵۸ حدوث نئے نئے واقعات اور چیزون کا پیدا ہونا۔ مخلوقات کی صفت ہے۔

بادۂ روزِ الست[ف۱]، اس مین ضیا بارہی — جام شراب کہن، ہے یہ دل مبتلا
ساحتِ[۵۹] عرفان ترا، ہو کا عجب ہے مقام — ہوش اسی جا نہین، فہم و خرد کے بجا
پردہ تھی تیری صفت، آنکھ نے دیکھا نہ کچھ — جب یہ حجاب اُٹھ گیا، ذات ہوئی رُونما
جاؤن کدہر ڈھونڈھنے، پاؤن کہان تیرا مثل — تجھسا ملے بھی اگر، تو ہی ہو، وہ دوسرا
جل کے فنا ہو گئے، سب خس و خارِ ہوس — تیری تپ عشق جب دل مین ہوئی شعلہ زا
پردۂ زنبور ہے، تیری نقاب جمال — تیرا خفا ہے عیان، تیرا عیان ہی خفا
آنکھ مین بھی تو مکین، دل مین بھی تو جاگزین — وہ ترا خلوت کدہ، یہ تری خلوت سرا
آب بقا کا اثر، تیری تفِ[۶۰] غم مین ہے — یہ مرض لادوا، آپ ہے اپنی دوا
ہے تو ہی اے لایزال! وجہ قیام زوال — تجھسے عدم کو دوام، تجھسے فنا کو بقا
ساغر جمشید مین، ایک جہان کی نمود — بادۂ عرفان سے آنکھ، جام دو عالم نما
دونون جہان بھی نہین، ایسے لہو کی دیت[۶۱] — خون ہے وہ بے بہا، جس کی بہا تو ہوا
یون تہہ شمشیر عشق، حوصلہ میرا بڑھے — شوق ہر اک ضرب پر مجھسے کہے "مرحبا"
خاک مین جو مل گیا، تیرے لئے ہو کے خاک — وہ ہی ہوا کیمیا، ورنہ کہان کیمیا
قابل باب قبول، کیون نہ ہو میری نماز — عشق کا مین مقتدی، عشق مرا مقتدی
میری تمنا کہان، اور نکلنا کہان — کاش کے بنجائے تو، دل کا مرے مدعا
نیشتر غم فضول، فصد رگ جان عبث — روح کا دمساز ہے، عشق کا ماخولیا[۶۲]
مرنے سے پہلے مرون، تاکہ ہمیشہ جیون — میری بقا ہو فنا، میری فنا ہو بقا
بہر رسول جلیل، کر یہ دعا مستجاب — سہل ہو مقبول پر، سختی روز جزا

ف ۱ آیۂ کریمہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی کی طرف اشارہ ہے۔ اَلَسْتُ بلفظی معنی "آیا نہین ہون"۔ ۵۹ ساحت کشادگی، فضائے مکان و ناحیہ ۶۰ تف بخار و گرمی ۶۱ دیت۔ خون بہا ۶۲ ماخولیا۔ المیخولیا کا مخفف یونانی لفظ، خلط سیاہ کے معنی مین ہے۔ ایک داغی مرض جو سوداویت سے پیدا ہو جاتا اور بہت زیادہ فکر اور سوچنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر ایسا دیوانہ کسی کو اذیت و تکلیف نہین دیتا۔

تیرے کرم کا دفور، عدل پہ غالب رہے — خلعتِ بخشش ملے، اسکو بجائے سزا

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِکَ الْمَقْبُوْلِ

یا شرفَ الاتقیا، یا خضرَ الاولیا — قلبُکَ عینُ الجلا، نفسُکَ اصلُ الصفا

انتَ جمیلُ الشیم، انتَ بریُّ الخطا — انتَ شفیعُ الامم، انتَ نبیُّ الوریٰ

جانتے تھے انبیا، اپنا تجھے مقتدا — مسجد اقصےٰ مین کی، سب نے تری اقتدا

ناسخِ ہر سہ کتاب، ماحیٔ کفر و شقاق — برزخ کبرےٰ لقب[۱۳]، رحمتِ حق مصطفےٰ

صاحبِ فہم و فطن، واقفِ سرِّ و علن — عالمِ علمِ لدن[۱۴]، محرمِ رازِ خدا

خواجۂ گردوں مسیر، مہبطِ روح القدس — قدسیِ انسان سرشت، باقیِ فانی نما

دادرسِ بیکسان، ناصرِ واماندگان — چارہ گرِ عاصیان، شافعِ روزِ جزا

ماہِ سپہرِ جلال، نیّرِ اوجِ کمال — لعلِ بدخشانِ مجد، گوہرِ بحرِ علےٰ

مجمعِ رحم و کرم، مظہرِ لطفِ اتم — منبعِ دریائے فیض، مصدرِ جود و عطا

نقشِ کفِ پا ترا، اشعۂ روِ راستی — عارضِ انور ترا، آئینۂ حق نما

تیری مطہر نگاہ، موجۂ آبِ طہور — دیدۂ حق بین ترا، چشمۂ عینِ الصفا

شمسۂ ایوان ترا، مہرِ مبین کے مثال — چرخِ برین کا جواب، گنبدِ خضرا ترا

تیرا وہ چرخِ جلال، جس مین کہ بے قیل و قال — کرمکِ شب تاب ماہ، انجم و نیّرِ ہبا[۱۵]

کس کی رہین وجود، ہے یہ جہان کی نمود — باعثِ ایجادِ[۱۶] خلق، کون ہے تیرے سوا

نور سے کس کے بجھا، نارِ عجم کا چراغ — جز تری شمعِ جمال، کس مین تھی اتنی ضیا

---

۱۳ برزخ کبریٰ۔ خالق و مخلوق کے مابین وسیلہ و ذریعہ۔ دراصل برزخ وہ چیز ہے جو دو متخالف و متغائر چیزون کے درمیان حائل ہو ۱۴ علم لدن۔ جس کو خدا تعالیٰ محض اپنے کرم و فضل سے بلا سعی و کوشش کسی کو عطا کردے یا بغیر دوسرے کے تعلیم پانے کے ذہن و طبیعت سے خود بخود حاصل ہو جائے ۱۵ ہبا غبار ناچیز وہ گرد و ہوا، جو روشنی مین روزن در سے آجاتی ہے ۱۶ ایجاد خلق کا باعث۔ حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک کی طرف اشارہ ہے۔

وہ ہے ترا اسم پاک، اے شہ عالی نژاد! — سُن کے ملک بھی جسے، کہتے ہین صلِّ علیٰ

قامت عُزّیٰ[۱۷] جلا، نارِ غضب سے تری — تیشۂ لاّ[۱۸] سے ترے، لات کا نقشہ مٹا

ہو کے مُجلّےٰ نبی، مہر، اُسی کی جبین — جو تری دہلیز پر، جا کے ہوا جبہہ سا

جب بھی تھا چاروں طرف، نورِ ترا ضو فگن — عالمِ لاہوت[۱۹] بھی، تجھسے نہ خالی رہا

دو سببوں سے نہ تھا، جسم مین سایہ ترے — تو ہی تھا نورِ خدا، تو ہی تھا ظلِّ خدا

اُس کی صفائی پہ ہو کیون نہ طہارت گواہ — جس سے قرآن مین پاک، جس کو کرے اِنّما[ف۲]

لیکے تجھے چرخ پر، آن مین پہونچا بُراق — صلِّ علیٰ شہسوار، صلِّ علیٰ بادپا

تجکو جو تھا دیکھنا، دیکھ لیا تو نے خوب — تیرے لئے کر دیا، شوق نے کشفِ غطا

ہاتھ رہا کام مین، قلب رہا دوست مین — جنگ کا میدان بھی، تجکو تھا غارِ حرا

بخشش حاتم کہان، تیری سخاوت کہان — اُس نے دیا سیم و زر، تو نے کی جنّت عطا

بذل جو بخشے ترا، بخل کو تاثیر جود — دستِ ردِ شوم سے، دم مین ہو مطلب روا

غیب مین آیا نظر، تجکو جمالِ شہود[۲۰] — سُرمۂ مازاغ نے، آنکھ کو وہ دی جلا

تجھ پہ درود و صلوٰۃ، آل پہ تیری سلام — ہے یہ وظیفہ مدام، خاطیؔ[ف۳] مقبول کا

ناوکِ غم کا ترے، زخم نہ ہو مُندمل — آنکھ رہے، خونچکان، دل رہے دردآشنا

فردِ عمل ہے سیاہ، پاس نہین زاد و راہ — تیری شفاعت کا ہے، اُس کو فقط آسرا

---

۱۷ عرب کا مشہور معبود۔ ایک درخت تھا، جس کی پوجا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے حکم سے خالدؓ بن ولید نے اسکو جلا دیا تھا ۱۸ تیشہ، لا سے مراد، کلمۂ توحید کے لائے نافیہ سے ہے۔ لات بھی کعبہ کا ایک بُت تھا۔ جس کی پرستش شعیب علیہ السلام کی قوم کرتی تھی ۱۹ لاہوت۔ ذات الٰہی کا عالم۔ سالک کو یہان پہونچکر فنا فی اللہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ 'لاہوت' اصل مین "لاہو الاہو" تھا تا زائد ہے ف۲ آیۂ تطہیر کی طرف اشارہ ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۲۰ جمالِ شہود، اہل سلوک کی اصطلاح مین 'رُویتِ حق' کو کہتے ہین کہ مراتب کثرات اور موہومات صوری کو عبور کرکے سالک توحید عیانی کے مقام پر پہونچ جاتا ہے اور تمامی موجودات (کی صورتون) مین مشاہدۂ حق کرنے لگتا ہے۔ غیریت دور ہو جاتی ہے۔ جو کچھ نظر آتا ہے جلوۂ حق کے سوا کچھ نہین ہوتا ف۳ اضافت توضیحی ہے۔

تقدمہ

خلت[۲۱] الدیار فسدت غیر مسود ومن البلاء تفردی بالسؤدد

علامہ[۲۲] محمد بن احمد نے جب ۵۰۵ھ[۲۳] (۱۱۱۱ء) میں نظامیہ[۲۴] بغداد کی مسند درس پر قدم رکھا تو یہ شعر اُن کی زبان پر تھا اور حسرت و عبرت کے آنسو اُن کی آنکھوں میں۔ اُن کو

---

۲۱ یہ شعر عمرو بن لغمان بیاضی مشہور خزرجی شاعر کا ہے جس نے پر درد داستان پاستان نظم کی اور اپنے خون جگر سے اپنی قوم اور اپنے اسلاف کا مرثیہ لکھا ہے:۔

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومن العناء تفردی بالسؤدد

این الذین عهدتهم فی غبطة بین العقیق الی بقیع الغرقد

العناء۔ رنج اُٹھانا۔ شاق گذرنا۔ بقیع الغرقد۔ مدینہ میں انصار کا گورستان ہے جو نخلستان کو صاف کرکے میدان بنایا اور مرنے والوں سے آباد کیا گیا تھا۔

۲۲ ابو المظفر محمد بن ابی العباس الکوفنی الابیوردی۔ پردادا کا وطن کوفہ تھا جو نسار اور ابی ورد کے مابین ایک قصبہ ہے، وہاں سے ابیورد چلے آئے تھے، اسی تعلق سے خاندان ابیوردی کہلاتا ہے۔ ان کو اپنے نسب اور عالی خاندان ہونے پر بڑی نازش و مباہات تھی۔ مورخین میں سے منوچہر بن اسفرسیان بن منوچہر اور ابوزکریا یحییٰ بن عبدالوہاب بن مندہ (صاحب تاریخ اصفہان) نے ان کے نسب نامہ کی بعض کڑیاں مختلف طور پر بیان کی ہیں، محمد بن احمد ابیورد سے بغداد چلے آئے تھے وہاں سے ہمدان گئے، مصر و اصفہان بھی رہے تھے، ابو سعد سمعانی لکھتے ہیں کہ ابیوردی بغداد میں بیس سال رہے تھے اور وہیں اُن کو عربی زبان اور ادب پر عبور و تمرن ہو گیا تھا اور لکنت بھی دور ہو گئی تھی۔

اِن کو اکثر ملوک خراسان اور اُمرا و وزرا بلکہ خلفائے عراق کے حضور میں رسوخ حاصل تھا۔ موید الملک فرزند نظام الملک اور سیف الدولہ انکی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے۔ خود ابیوردی نے ہمیشہ نہایت شان و شوکت اور اہتمام و احتشام سے بسر کی، چلتے تو حوالی و موالی، خدم و حشم، سوار و پیادہ جلو میں ہوتے، ہر شخص مولانا کہکر

شکایت تھی کہ "دنیا بڑوں سے خالی ہوگئی اور بڑا بن جانے کے لیے تنہا وہی باقی رہ گئے جو بجائے خود ایک بلا یعنی ایک بہت بڑی بدنصیبی و شامت ہے۔"

خطاب کرتا تھا، سرکاری خطاب افضل الدولہ تھا۔ عسرت و تنگی کی حالت میں بھی بقول اہل سیر مہیب محترم و جلیل معظم رہے۔ باوجود احتیاج شدید و ضیق معاش قطعاً کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ اُن کی زبان پر ہر وقت یہ دعا رہتی تھی، اللّٰھم ملکنی مشارق الارض و مغاربھا۔ ایک بار شکستہ حالی میں اصفہان پہونچے تو وہاں بھی ایک شریف پیشہ اور معزز مشغلہ اختیار کیا، یعنی زین الملک برسق کے لڑکوں کو تعلیم دیتے رہے۔ تاج الاسلام اُن کو اوحد عصر، فرید دہر، معرفت نعت و انساب میں یکتا، حسن السیرت جمیل الامر منظراً سنیاً عن الرجال" (بلند تر از مردماں) لکھتا ہے۔ عماد اصبہانی "عفیف الذیل، غیر طفیف الکیل، صائم النہار، قائم اللیل، متبحر ادب، خبیر بعلم نسب" بتاتا ہے۔ یاقوت رومی "کبیر النفس عظیم الہمت" ظاہر کرتا ہے۔ صاحب وشاح الدمیۃ نے ان کی مدح میں قصیدہ نقل کیا ہے۔ مختصر یہ کہ ابیوردی کی زندگی کے ہر پہلو کو مورخین نے جانچ کر ایک اعلیٰ اور پاکیزہ رائے قائم کی، اور ہر ایک نے چیدہ اور قابل قدر الفاظ سے ستایش کے ساتھ یاد کیا ہے۔

وہ خصائل حمیدہ میں کامل تھے اور زبان و علوم عربیہ میں بے بدل فاضل۔ فی البدیہہ اور مرتجلانہ اشعار کہنے میں بڑی مہارت تھی، حضرت امام حسن علیہ السلام کے مراثی میں قصائد رنانہ لکھے ہیں۔

کبھی کبھی اپنی غلط روی یا اغیار و اعداء کی سعایت و بدگوئی کا بھی شکار ہوئے ہیں اور گھر بار، دار و دیار چھوڑنا پڑا ہے۔ اعیان سلطنت و اشراف مملکت میں سے الخطیر، ابو اسماعیل، المعین، اور شرف الدین سے معاصرانہ نوک جھونک رہتی تھی۔ عماد محمد بن حامد اصبہانی کتاب خریدۃ العصر میں لکھتا ہے کہ آخر عمر میں سلطان محمد بن ملک شاہ کے بعض درباریوں سے رنج ہوگیا تھا انھوں (بلکہ خود الخطیر نے) ابی وردی کو زہر دیدیا۔ ابیوردی سریر سلطانی کے قریب کھڑے ہوئے تھے کہ اُن کے پاؤں نے جواب دیا، عربی مورخین کی اصطلاح میں "خیانت کی"۔ وہ گرے، لوگوں نے گھر پہنچایا۔ اسی حالت میں برجستہ ایک قطعہ ارشاد فرمایا۔

ابیوردی کے اساتذۂ حدیث میں اسماعیل بن مسعدہ جرجانی عبدالوہاب محمد بن الشہید اور ابوبکر بن خلف شیرازی اور دیگر فنون میں ابو محمد الحسن بن احمد سمرقندی اور عبدالقاہر بن عبدالرحمان جرجانی نحوی کے نام لیے جاتے ہیں۔

قاضی ابو یوسف یعقوب بن سلیمان اسفرائنی نے رمضان ۴۹۸ھ (جون ۱۱۰۵ء) میں وفات پائی، تو انکی بجائے مولانا محمد بن احمد ابیوردی نظامیہ بغداد میں خزانہ دار دار الکتب (الاسبریین) مقرر ہوئے تھے۔

تیرہ تصانیف غنیم و عالی یادگار چھوڑی ہیں نعت کی کتابیں اس شمار سے باہر ہیں، ان کی تفصیل ارشاد الادیب لے

کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے کو دھراتی ہے، لیکن آج آٹھ سو چالیس سال بعد یہاں واقعہ بالعکس پیش آتا ہے۔ وہاں تو حضرت علامہ کو مسندِ فضل و درس پر جلوہ افروز ہونے میں تکلف و تامل تھا

معزۃ الادیب کی جلد چہارم میں موجود ہے، اسی کتاب میں وہ خط بھی بہ نسخہ نقل کر دیا ہے جس کو ابی وردی نے امیر المومنین المستظہر باللہ کے حضور میں اپنے اعتذار اور بغداد سے بھاگ جانے کے الزام کی برأت و صفائی میں بھیجا تھا۔ اس کو عربی ادب اور اعلیٰ نظم و نثر کی جان کہنا چاہیئے۔ ابی وردی کا دیوان ۱۳۱۷ھ میں لبنان میں طبع ہو چکا ہے۔ ان کی الغزلیات الف بیت فی النسیب بھی قابل دید ہے۔

۲۵۔ ربیع الاول ۵۰۷ھ (۹۔ ستمبر ۱۱۱۳ء) کو اصفہان میں ناگہاں وفات پائی۔ باب ابرہ میں دفن ہوئے۔ اسمٰعیل المنشی ملغزائی نے مرثیہ لکھا۔

اس خیال سے کہ علامہ ابی وردی کا اُن کے ایک اور ہمنام، ہم پیشہ اور ہم عصر سے التباس نہ ہو جائے گزارش ہے کہ وہ بزرگ محمد بن احمد بن طاہر بن احمد خازن نحوی تھے۔ طبقات النحاۃ میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے اپنی کنیت ابو منصور سے زیادہ شہرت پائی تھی۔ بغداد کے محلہ کرخ میں جو کتب خانہ قدیم تھا اُس کے خازن تھے۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ محمد مذکور نحوی، ادیب، فاضل، فقیہ شیعی تھے، بڑے خوشنویس تھے۔ ابو محسن تنوخی وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔ ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) میں متولد ہوئے۔ ۱۳۔ شعبان ۵۰۱ھ (۲۱۔ دسمبر ۱۱۱۶ء) کو انتقال کیا۔

۵۲۳ سنین و اعوام ہجری و مسیحی کی مطابقت و تصحیح میں اس ہیچمدان جامع تذکرہ کو اہتمام خاص و التزام کرنا پڑا ہے۔

سال ہجری ۱۵/۱۶ تاریخ ماہ جولائی ۶۲۲ء سے شروع ہوتا ہے، اس کا شمار چاند کی حرکتوں پر ہے۔ عقلائے یورپ کو بھی تسلیم ہے کہ سال اسلامی فی الواقع احسن تقویم ہے اور سہل ترین ترکیب کا۔ اس میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور ہر مہینہ تیس ۳۰ یا اُنتیس ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ تیس سال قمری کے دور میں ہر دوسرے، پانچویں، ساتویں، دسویں، تیرھویں سولھویں، اٹھارھویں، اکیسویں، چوبیسویں، چھبیسویں اور اُنتیسویں سال کے اخیر مہینہ میں، امتداد وقت کی برابر و یکساں قائم رکھنے کے لئے ایک دن اور جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سال ہجری کا آغاز نئے چاند (ہلال) کی رویت سے قرار دیا جاتا ہے۔ مگر یہ کلیہ بھی اُسکے تاریخی و حسابی قوام پر اثر نہیں ڈالتا۔ یہ تین سو چون ۳۵۴ یوم آٹھ ساعت اڑتالیس دقیقہ کا ہوتا ہے جو بقدر دس یوم اکیس ساعت بارہ دقیقہ کے سال شمسی سے کم ہے۔

مسیحی سال کا حساب دورہ شمس پر منحصر ہے، اس کے شمار کرنے کا طریقہ اسٹائل Style کہلاتا ہے جولین یا پرانا طریقہ Julian or old style جولیس سیزر (مشہور و معروف شہنشاہ روم) سے منسوب ہے

یہاں اس آوارۂ وادی علم وادب کو اپنی اس جسارت و دلیری سے شرم ہے کہ وہ ایسے کار خطیر کی انجام دہی پر آمادہ ہوا ہے جس کا وہ کسی طرح اہل وصالح نہیں ہے۔

جس نے مہینوں، دنوں اور ساعتوں کے محسوب کرنے کا یہ طریقہ وضع و قائم کیا تھا اس کی ابتدا ۴۶ قبل مسیح سے ہوئی، اس میں ہر سال میں تقریباً گیارہ منٹ کا فرق پڑجاتا تھا، اس لیے پوپ گریگوری سیزدہم Pope Gregory XIII نے اس تقویم کی اصلاح کی اور اکتوبر ۱۵۸۲ء میں دس دن گھٹا دیے "۳۲۵ء کی کونسل آف نائس کے" مجوزہ ومروجہ آئین وہدایت کے مطابق حساب لگا کر وقت کا تعین کیا، یعنی ۴۔اکتوبر کو ۱۵۔اکتوبر قرار دیا اور منتصف اکتوبر ۱۵۸۱ء سے اسکو رائج کیا اس کو گریگورین یا جدید طریقہ Gregorian or new style کہتے ہیں، ۱۷۵۱ء میں برطانیہ عظمیٰ نے پارلیمنٹ کے ایک قانون کی رو سے اس اصلاح کو اختیار و نافذ کیا اور اس طرح پر ستمبر ۱۷۵۲ء میں گیارہ دن بڑھا کر تیسری تاریخ کو چودھویں قرار دیا۔ اس طریقہ کے مطابق ہر وہ سال جو چار کے عدد سے تقسیم ہو سکتا ہو ۳۶۶ دن کا ہوتا ہے باقی سنین ۳۶۵ دن کے رہیں گے۔ ۳۶۶ دن والے سال کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ سو سے تقسیم نہ ہو سکے۔ اگرچہ چار سو سے ہو جائے۔

یہ دلچسپ بحث میرے موضوع کلام سے خارج ہے کہ آیا یہ اصلاح خود جناب پوپ کی زیرکی و ذہن نقاد کا نتیجہ تھی یا انھوں نے کسی حد تک جلال الدین ملک شاہ سلجوقی کے طبعزاد "سال جلالی" سے استفادہ و استفاضہ کیا تھا سال جلالی ۳۶۵ (دن) اور ربع روز کا ہوتا تھا۔ ہر ماہ سی روزہ، آخر اسفندار میں پانچ روز بڑھا لیتے تھے اور چوتھے سال میں چھ روز۔ جدید گریگورین طریقہ میں مہینہ کی سہل اور مہینہ تیس دن کی تعداد تو قائم نہ ہو سکی بلکہ وہی پیچیدہ اور حفظ طلب مختلف اعداد ایام مختلف مہینوں کے برقرار رہے، البتہ اس قدر آسانی ہو گئی کہ ہر سال میں چہارم روز (چھ گھنٹہ) شمار کرنے کے بجائے چوتھے سال میں ایک پورا دن بڑھا دیا گیا

اہل ادراک نے سنہ ہجری سے سنہ عیسوی نکالنے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ سنہ ہجری میں سے فیصدی ۳ عدد منہا کر کے باقی کو ۶۲۱/۵ میں جمع کر دیا جائے اور سنہ ہجری کو ۹۷/۱ میں ضرب دیکر حاصل ضرب کو ۶۲۱/۵ میں ملا دیا جائے ان دونوں صورتوں میں جو حاصل جمع آئے سنہ عیسوی ہوگا۔

فاضل محترم پروفیسر مولانا زبید احمد نے ایک آسان، عمدہ، نو ایجاد طریقہ یہ بتایا ہے کہ سنہ ہجری کو ۳۳ پر تقسیم کر کے خارج قسمت کو اسی سنہ ہجری اور ۶۲۲ کی حاصل جمع میں سے منہا کر دیا جائے، سنہ عیسوی نکل آئیگا۔

انگریزوں کی شروع عملداری میں ہندوستان میں تمام تر سال ہجری کا رواج تھا سلطنت کے سوا عام مسلمانوں اور ہندو امرا کے حسابات و تحریرات کا دار و مدار بھی اسی پر تھا، اس کا سلسلہ یک دم منقطع کیا جانا نہ ممکن تھا نہ مناسب

مدت ہوئی کہ راقم عاجز نے مستشرق عظیم ولیم آیروین[۵۲۵] کی تحریک وارشاد سے میر غلام علی[۵۳۶] آزاد کی سوانح حیات لکھنا شروع کئے تھے اور ایک ضخیم جلد چھ سو صفحات کی مرتب کرلی تھی مگر افسوس ہے کہ

اسی طرح انگریزی دفاتر کی ترتیب، کاغذات سرکاری کی تحریر و تکمیل اور احکام کے اجراء کے لیے نہ صرف انگلستان کے ارباب حل وعقد بلکہ ہندوستان کے حدیث الورود ارکان حکومت کی واقفیت وسہولت کے واسطے سال مسیحی کی پابندی ومطابقت بھی ضروری ولابدتھی۔ انہیں ضروریات ومصالح سے مدت دراز (یعنی ۱۸۳۷ء) تک دونوں (بعد ہجرت وبعد مسیح) کے سال وماہ اور ایام یکساں اور دوش بدوش رائج وروان رہے۔ ایک صدی کی کثرت عمل اور مرون وعادت سے انگریزی تاریخوں کا تنہا اور پورا رواج ہوگیا اور قمری یا ہجری تاریخ کے لکھنے اور جاننے والے باقی نہ رہے الا ماشاء اللہ۔

اس ضرورت کو رفع کرنے یعنی دونوں تاریخوں کے تطابق کے لیے پہلے وارن صاحب Warren نے وکال سنگلیت مرتب کیا، بعد کو اس میں متعدد غلطیاں برآمد ہوئیں تو پلے فیر صاحب نے 'لائحہ تواریخ' Playfair's Chronology شائع کیا، سنین ہجری وسیحی کی ایک جدول جیمس وائٹ نے Tables of the Christian and Mohammedan Aeras by James White سنہ ۱۷۹۰ء میں کلکتہ میں چھاپی لیکن اس میں سنہ ۱۷۰۰ء کے بعد کی برسوں میں ایک یوم کی غلطی نکلتی ہے۔ صدر دیوانی عدالت نے جو جنتریاں سنہ ۱۷۶۴ء سے شائع کی تھیں ان میں تو بے شمار غلطیاں پائی جاتی ہیں خصوصاً ابتدا کے ہجری سنین میں۔ سو اتفاق سے وہی غلط تاریخیں قوانین سرکاری وآئین ہائے منضبطہ میں مندرج ہوگئی ہیں۔ یہ اغلاط صرف دنوں ہی میں نہیں بلکہ ہفتوں اور مہینوں میں بھی ہیں اور بدیہی ہیں۔ صدر دیوانی عدالت کا طریقۂ ترتیب تقاویم یہ تھا کہ ہر انگریزی سال کے آغاز پر عدالت مذکور کا پنڈت ایک جنتری انگریزی اور دیسی سنین کی تیار کرکے پیش کردیتا تھا۔ اس کی ایک نقل دفتر عدالت میں رکھ لی جاتی تھی، دوسری گورنمنٹ کو بھیج جاتی تھی۔

کپتان جرویس کی جنتریاں Captain Jervis' Tables جو بمبئی میں طبع کی گئی تھیں زیادہ تر صحیح تھیں۔ ان میں اگر کوئی اختلافات تھے تو سالہائے کبیسہ کے متعلق، اور وہ بھی کم۔

سب سے صحیح اور مکمل وہ تیرہ سو اٹھارہ ۱۳۱۸ سال کی جنتری تھی جو سنہ ۱۷۰۰ء یا سنہ ۱۹۰۰ء تک کی ارل آف آکلینڈ گورنر جنرل کے حکم سے سنہ ۱۸۴۲ء میں ولیم رشٹن ورفقا William Rochton and Company نے کلکتہ میں طبع اور شائع کی۔

تذکرۂ ہذا میں مختلف تاریخوں اور سنوں کو دیکھ کرتے وقت ناچیز مؤلف نے ان سب پر نظر رکھی اور خود صحت کی ہے۔ انگریزی سال ۱۷۵۰ء تک تو تاریخوں کا حساب تقویم پارینہ کے اصول پر لگایا ہے۔ اس کے بعد جدید قاعدے

اُس پر نگاہ مکرّر نہ ڈال سکا۔ اُن اوراق پریشاں کی تہذیب و تکمیل و اشاعت ایک طرف میری کم مائگی و فقدان لیاقت، دوسری طرف میری گراں باری و انہماک خدمات سرکاری سے ہنوز معرض تعویق

وما توفیقی الا باللہ۔

خیال رہے کہ مسلمانوں کے یہاں سال شمسی ۲۲ یا ۲۳ مارچ سے شروع ہوتا ہے۔ سال قمری کا آغاز کسی فصل یا موسم یا دن پر معین نہیں۔ یوں کہئے کہ برابر گشت میں رہتا ہے۔

۵۴۴ "نظام" یا "نظام الملک" کو علوم و فنون کے نشر و توزیع کے ساتھ ازلی مناسبت رہی ہے، جو مبارک کام عہد حاضرہ میں سلطان العلوم نظام الملک شہریار دکن طال بقاہ کی نگاہ مہر اور دست جود و سخا سے انجام پا رہا ہے نو صدی پیشتر الپ ارسلان و ملک شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم ملکہ مختار سلطنت نظام الملک طوسی بھی اُسی کا شیفتہ تھا۔ پہلے خاص دار الملک نیشاپور (خراسان) میں اُس نے مدرسۂ نظامیہ قائم کیا۔ اُس چشمۂ فیض سے ایک عالم سیراب ہوتا رہا۔ رفتہ رفتہ اُس نے تمام قلمرو سلاجقہ میں (جس کی وسعت طولاً کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرضاً قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک تھی) مکاتب و مدارس کھول دیے، ان میں سے مرو، ہرات، بلخ، اصفہان اور موصل کے کالج علم و ہنر کے مخزن اور شائقان و طالبان کے مرجع و مرکز تھے، یہ بھی نظامیہ کہلاتے تھے۔

۴۵۷ھ (۱۰۶۵ء) میں اُس نے نظامیۂ بغداد کی بنیاد ڈالی۔ دو ڈھائی سال میں تعمیر ختم ہوئی تو شنبہ کے دن ۱۰۔ ذیقعدہ ۴۵۹ھ (۲۵۔ ستمبر ۱۰۶۷ء) کو بڑے اہتمام و احتشام کے ساتھ مراسم افتتاح عمل میں آئے۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی جو اُس زمانہ میں استاذ الاساتذہ شمار ہوتے تھے پرنسپل یا مدرس اعلےٰ مقرر ہوئے، ابتداءً کچھ روز اس خدمت پر ابو نصر صباغ مصنف "شامل" بھی رہے تھے۔ ان کے بعد امام محمد غزالی، ابن الخطیب تبریزی شارح حماسہ، ابو الحسن فصیحی شاگرد امام عبد القاہر جرجانی (استرآبادی) وغیرہم نے اس مسند افادہ و افاضہ کو عزت دی تھی۔ استادان فن یا معاونان کی فہرست میں بڑے ممتاز نام مثل امام احمد غزالی، ابو المعالی قطب الدین شافعی، کیا الہرسی وغیرہم کے نظر آتے ہیں۔ نظامیہ کا فیضان اور دائرہ خیر و توفیقات ربانی اور اہل اثر کی قدر دانی سے برابر بڑھتا گیا۔ اس کی پروفیسری ہر زمانہ میں علماء کے لئے وجہ نازش و مباہات رہی ہے۔ دو سو برس کی مدت میں اس منصب پر کوئی ایسا باکمال نامور مقرر نہیں ہوا جو اپنے زمانہ میں یکتائے فن اور یگانۂ عصر مانا نہ جاتا ہو۔

وہ عظیم الشان اور وسیع شاہی کتب خانے بھی نظامیہ کے متعلق تھے۔ طلبہ کو وظائف اور تنخواہیں دی جاتی تھیں، لاکھوں اشرفیاں سالانہ اس پر خرچ ہوتی تھیں۔

وتاخیر میں ہے ؎

یسعی الفتیٰ لامورٍ لیس یدرکھا　　فالنفس واحدۃٌ والھمُّ منتشرٌ

نظامیہ یونیورسٹی) کے علاوہ بغداد میں تیس بڑے بڑے کالج تھے جن کی رفعت وعظمت کا ذکر سیاح ابن جبیر نے اپنی سیاحتِ بغداد واقع ۵۷۸ھ (۱۱۸۲ء) کے سلسلہ میں کیا ہے۔

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی بھی اسی نظامیہ کے دورِ آخر کے طلبہ میں سے تھے۔

۵۲۵ ولیم آیروین William Irvine ایک ممتاز محقق وماہر اسلامیان ہند کی تاریخ کے تھے۔ ۱۸۴۰ء میں آبرڈین واقع اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوئے اور اکہتر بہتر سال کی عمر پاکر ۳۔ نومبر ۱۹۱۱ء کو مضافاتِ لندن میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

آبائی پیشہ قانون ووکالت تھا، اس کے ساتھ ان کا تجرّو توغّل مایۂ خمیر کہنا چاہیئے، لیکن وہ خود ہندوستان کی سول سروس میں داخل ہوئے۔ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۹۹ء تک صوبۂ مغربی وشمالی میں جو اب ممالک متحدۂ آگرہ واودھ کا ایک جزو ہے حکومت کے مختلف مالی وملکی مناصب پر مامور رہے۔ ملازمت سے دست کش ہوجانے کے بعد بقیہ عمر علم وتاریخ کی خدمت میں منہمک ہوگئے۔

ذوقِ علمی کی مناسبت سے میرے والد مرحوم مولوی حکیم سید منظور احمد خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر سے بزمانۂ قیام فرخ آباد ارتباط خاص تھا جس کا اظہار بہ اُمتنان تاریخ نوادر بنگش فرخ آباد میں دو جگہ پر کیا ہے۔ حضرت مبرور ہی کے فیضِ صحبت اور لطافت مذاق سے متاثر ہوکر فرخ آباد میں ۱۸۷۵ء میں اُنھوں نے تاریخ ہندوستان پر توجہ شروع کی تھی۔ دونوں بزرگوں کی متفقہ کوشش وتحقیقات یا اُس عہد زریں کی یادگار بہت سے کاغذات اور علمی وتاریخی تحریرات ایک عالم کو صلائے فیض دے چکی ہیں۔ جب میں نے علمی دنیا میں قدم رکھا تو بزرگانہ شفقت مجھ پر بھی مبذول ہوئی۔ میری استعداد واستحقاق سے زیادہ میری ناچیز مساعی پر تحسین وآفریں فرماتے رہے۔ اکثر علمی نکات اور تاریخی مسائل کی عقدہ کشائی کے لیئے مجھے لکھتے بلکہ اپنے رفقائے کار کی ضرورتوں کے وقت بھی بے تکلف تحریر فرماتے تھے۔ چنانچہ مسٹر بیوریج H. Beveridge نے اپنے ترجمۂ مآثر الامرا میں اس حقیر کو بھی یاد کیا ہے۔ انتقال سے کچھ دن پہلے آیروین صاحب نے اپنی بیماری اور ضعفِ پیری کا شکوہ مجھے لکھا تھا۔

انڈیا آفیس اور برٹش میوزیم اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے بیش بہا علمی جواہرات کے خازن تھے، وہاں کی بہت سی علمی کتابیں اور نادر چیزیں ان کی نگاہِ کرم اور دستِ حفظ کی رہین منت ہیں۔

وفات اورنگ زیب (۱۷۰۷ء) سے لے کر لارڈ لیک کے (۱۸۰۳ء میں) دہلی فتح کرنے تک کی ایک جامع

اُس کی تالیف کا داعی اجل تو حق ہم وطنی وعلاقۂ روحی تھا یعنی آزاد کے مورث اور بزرگوں کے خمیر کا اُسی خاک (صمد خان ضلع فرخ آباد) سے ہونا جہاں کے توطن کا شرف بندۂ ہیچمدان کو بھی حاصل ہے۔

وہبوط تاریخ "ہبوط وزوال سلطنت مغلیہ" کے نام سے لکھ رہے تھے۔ افسوس ہے کہ پیام اجل نے اُس کو پورا کرنے کی مہلت نہ دی۔ ایک عظیم قلمی سرمایہ اور سکّوں کا ذخیرہ اس کے لیے فراہم کر لیا تھا، البتہ جتنے حصے مکمل ہوتے گئے تھے اُن کو ولایت اور ہندوستان کے مشہور تاریخی رسائل کے نذر کرتے گئے تھے۔ ایک کتاب "افواج مغول" پر ۱۹۰۳ء میں لکھی تھی۔

ہندوستان کے جدید امپریل گزیٹیر میں باب دہم یعنی تاریخ مسلمانان ہند لکھنے کے لئے قرعۂ انتخاب مسٹر آیروین پر پڑا اور موصوف نے بڑی خوبی سے اس حصہ کو تحریر کیا۔ اُن کے قلم کی قوت، معلومات کی وسعت، اور مطالب و معانی کا ایجاز ایک تاریخی اعجاز دکھاتا ہے۔

سب سے اخیر تالیف اورنگ زیب کی سیرت تھی جو ۱۹۱۰ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ ان کے اور بہت سے کراسات و رسائل طبع ہو چکے ہیں۔

منوکی اطالوی کی "تاریخ مغول" کا ترجمہ و تحشیہ و تصحیح ان کی علمی زندگی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ یہ کتاب وینس اور برلین کے کتب خانوں کو چھوڑ کر ناپید تھی۔ ولایت کے نامور طابع کانسٹبل نے ان کو توجہ دلائی۔ لارڈ کرزن اور گورنمنٹ ہند نے سرپرستی و دستگیری کی اور یہ ضخیم کتاب انگریزی میں کئی جلدوں میں مرتب اور درست ہو کر شائع کر دی گئی [نکولا منوکی Manucci N. کی یہ تاریخ، ہندوستان میں تیمور لنگ کے ہاتھوں خاندان مغلیہ کی بنیاد پڑنے کے زمانے یعنی ۱۳۹۹ء سے جلوس اورنگ زیب واقع ۱۶۵۷ء تک کی ہے۔

سینر منوکی Signor Manouchi وینس Venice کا رہنے والا تھا جو ہندوستان میں آیا اور کچھ دنوں رہا تھا۔ اُس نے اِس ملک کی ہر بات اور طریقۂ حکومت اور حکمرانوں کو بیگانہ نگاہ سے دیکھا اور عیب جویانہ روش سے لکھا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں عہد مذکور کے تمام بیانات و حالات، متعلق دربار شاہی و حرم سرائے سلطانی، اور افواج کی قوت و طاقت، اور ذرائع آمدنی وغیرہ بالتفصیل مرقوم ہیں۔ اصل یادداشتوں اور تحریرات کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں پادری فرانسیس کیٹرن Father Francis Catron نے کیا تھا جس کا کچھ حصہ اپنی زبان سے انگریزی میں منتقل ہو کر ۱۸۷۶ء میں لندن میں چھپا تھا مسٹر آیروین نے پوری کتاب کو اصل سے اپنی زبان میں لیا اور تہذیب و تکمیل کر کے بہترین صورت و اہتمام سے شائع کرایا]

فارسی و ہندی پر ان کو پوری قدرت تھی، عربی میں بھی کچھ دستگاہ رکھتے تھے۔ السنۂ فرنگ خصوصاً فرانسیسی

بدنام کنندۂ نکونامے چند۔ اسی کے ساتھ حق پسندی و انصاف کوشی کا یہ جاذبہ کہ ایسے نامور نادر روزگار کا کارنامۂ حیات خمول و گمنامی کے گوشہ میں پڑا نہ رہنا چاہیئے۔

جرمنی، اطالوی پر عبور کامل تھا۔ ترجمہ کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر اس کہن سالی میں پرتگالی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ اتفاقات حسنہ سے بلگرام کے پرانے گزیٹر کی تصحیح و توثیق بھی مسٹر آیرودین نے کی تھی۔ اُن کا درست کیا ہوا نسخہ دستخطی ۴۔ نومبر ۱۸۷۰ء ہنوز محفوظ ہے۔

۲۶ میر غلام علی آزاد کا مستقل تذکرہ ملاحظہ طلب ہے، پایان کتاب ہذا میں بھی کچھ حال مندرج ہے۔

۲۷ سمدن (ضلع فتح آباد۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں) مسلمانوں کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ حوادث دہر سے گھٹتے گھٹتے اُس کی مردم شماری تین ہزار رہ گئی ہے۔

سادات کی آبادی بہت پرانی ہے، کسی وقت سادات کے بہت سے قبائل و عشائر یہاں رہتے تھے جو عرب و عجم کے مختلف مقامات سے آئے تھے۔ رفتہ رفتہ بہ تقاضائے خدمت یا بہ تلاش معاش ترک توطن کر گئے۔ میر غلام علی آزاد کا خاندان (زیدیہ) بھی انھیں میں سے تھا۔ ان کے مورث ملک بہلول لودی کے عہد میں طلب علم کے لئے بلگرام گئے اور وہیں کے ہو رہے۔ اسی لئے شیخ غلام حسن شین نے شرائف عثمانی میں آزاد کے دعوائے بلگرامیت پر تعریض کی ہے، اور اپنے انگریزی ترجمہ احمد شاہ ابدالی و وزیر عماد الملک کے دیباچہ میں آیرودین صاحب بھی اُن کے ہم نوا پائے جاتے ہیں۔

سادات رضویہ کا خاندان ہندوستان میں مشہد مقدس سے شاہ طہماسپ صفوی کی افواج کے ساتھ آیا تھا ہمایون کو تاج و تخت دلانے کے بعد اسی کشت زار میں اقامت فرما ہو گیا۔ مُلا سید عبد الصمد جامی کے نام نامی کے انتساب سے اُسی وقت ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء) سے اس قریہ کا نام صاد سے بھی لکھا جاتا ہے ؎

خدا جانے ترا جی لگ گیا سمدن میں کیوں سیّد　　اُجاڑ اک چند گھر ہیں بے حقیقت سی یہ بستی ہے

امیر میراں علامہ ابو الفتح معروف بہ سید معدن جو فتاوائے عالمگیری کی ترتیب و تالیف میں دیگر علمائے عصر کے دست و بازو تھے اسی خاک پاک میں راحت گزیں ہیں۔ سید حامد، سید ابراہیم و سید جلال کے سے جلیل المنزلت علماء کو بھی اسی دودمان عالی سے توسل تھا۔ سید لار (جن کا نام بزرگان جاوید دولت کی جدول میں آئین اکبری میں موجود ہے) اور خواجہ حافظ سید احمد کبیر المعروف بہ خواجہ پیر کبیر (جن کا ذکر تاریخ فرشتہ میں ہے) اسی برگزیدہ طبقہ کے رکن رکین تھے۔

ان آسودگان خاک پاک حضرت سمدن نور اللہ مضاجعہم کی زیارت کے لئے اب بھی اہل نظر اور صاحبان

فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ وہ ہر نفس نیا رنگ بدلتی اور نئی نئی مصلحتوں کا بہانہ ڈھونڈھتی یا تقاضا کرتی ہے۔ ترمیم و تنسیخ شئون الٰہیہ کا ایک جزو اہم ہے اور مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاتِ

بصیرت آتے اور اُس گورستانِ کنار سے جو باغ برہانہ (بیریانہ) کے نام سے معروف ہے اقتباس انوار کرتے اور فیوض و برکات پاتے ہیں۔

(از کتاب سلسلۃ الانساب سادات صمدنیہ مولفہ مولوی حکیم سید منظور احمد و تاریخ عزیزیہ نوشتۂ حاجی سید عبدالعزیز خان بہادر و تاریخ نوابین بنگلش مرتبہ مسٹر آیرو بن)

اپنی حالت دیکھ کر مقبول بیگ میرزا کو ان اجداد صالح کی آل ہونے پر کیا نازش ہو سکتی ہے ؎

ان افتخرت بآباء مضوا سلفا　　قلنا صدقت ولکن بئس ما ولدا

۵۲۸ ابو عبداللہ محمد بن صفی الدین ابو الفرج محمد بن نفیس الدین ابو الرجا حامد بن محمد بن عبداللہ بن علی بن محمود بن ہبۃ اللہ پورا نام و نسب، اَلْعُرْف، عماد الدین کاتب اصفہانی لقب تھا۔ ابن اخی العزیز بھی کہلاتے تھے۔ ان کے چچا العزیز بڑے نامور اہل علم سے تھے۔ [اَلْ۔ بفتح الف و ضمہ لام و سکون ہا۔ عجمی زبان میں عقاب کو کہتے ہیں، جو ایک طائر معروف ہے]

عماد شافعی المذہب فقیہ تھے، شعرا و رسائل میں ان کا پایہ نہایت بلند اور شرح و تفصیل سے مستغنی تھا۔ اصفہان میں نشو و نما، تعلیم و تربیت پائی حداثت سن میں علوم مروجہ سے فارغ ہو کر بغداد چلے آئے۔ کچھ زمانہ تک مدرسۂ نظامیہ میں فقہ کی تکمیل اور کمال اتقان کے ساتھ فنون ادب کی تحصیل کی۔ شیخ ابو منصور سعید بن محمد الوزان، پروفیسر نظامیہ سے سند پائی۔ ابو الحسن علی بن ہبۃ اللہ بن عبد السلام، ابو منصور محمد بن عبد الملک بن جبرون، ابو المکارم مبارک بن علی سمرقندی، ابو بکر احمد بن علی الاشقر وغیرہم نامور اساتذہ سے حدیث کی سماعت کی اور مدت تک وہاں مقیم رہے۔ جب تمام علوم میں ماہر و متبحر ہو گئے تب باہر نکلے۔ اور وزیر عون الدین یحییٰ بن ہبیرہ کے دربار میں رسائی پیدا کی۔ وزیر اُس وقت بغداد میں اقامت گزیں تھا۔ وزیر نے عماد کو بصرہ کا والی یا ناظر (حاکم) مقرر کر دیا کچھ دن بعد اُسی عہدہ پر واسط بھیج دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عمر بھر ایک جگہ نہ رہ سکے اِدھر سے اُدھر تبدیل ہوتے رہے۔

وزیر عون الدین نے جب ۵۶۰ھ (مطابق ۱۱۶۵ء) میں وفات پائی تو اس کے اتباع و منتسبین کا شیرازہ منتشر ہو گیا سب پریشان و متفرق ہو گئے۔ بعض کو ناگوار و ناقابل برداشت حالات بھی پیش آئے۔ بیچارے عماد بھی اسی طرح بحال تباہ کچھ روز واسط میں پڑے رہے، پھر شہر دمشق کو چلے آئے۔ شعبان ۵۶۲ھ (مئی جون ۱۱۶۶ء) میں وہاں پہونچے۔ ملک العادل نور الدین ابو القاسم محمود بن اتابک زنگی سلطان تھا لیکن حاکم ذی اختیار

بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (ہم کوئی آیت منسوخ کردیں یا ذہن سے اُس کو اُتار دیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی نازل کردیتے ہیں۔ جزء اول سورۂ بقرہ ع ۱۳) اس کا مصداق۔ ہر نظر جو بعد کو پڑتی ہے

اور متولّی مہام و تدابیر دولت قاضی کمال الدین ابوالفضل محمد بن الشہرزوری تھا۔ اُس سے تعارف ہوگیا اور اُس کی مجالس میں جانے آنے لگے۔ ایک بار اُس کے یہاں کسی مسئلہ اختلافی پر گفتگو ہو رہی تھی، عماد کو اس مباحثہ میں امیر کبیر نجم الدین ابوالشکر ایوب والد سلطان صلاح الدین نے پہچان لیا۔ وہ ان کے چچا العزیز کو قلعہ تکریت سے جانتا تھا، اعزاز و اکرام کے ساتھ اِن سے پیش آیا اور احسانات کئے۔ باپ کی معرفت دمشق میں سلطان صلاح الدین سے بھی معرفت و شناسائی ہوگئی۔ انھوں نے قصائد لکھے اور پیش کئے۔ اُدھر قاضی کمال الدین نے سلطان نورالدین سے عماد کی بڑی تعریف و ستایش کی۔ کتابت و انشا کے لئے ان کو شایان و مناسب بتایا۔ سفارش منظور ہوئی۔ خود عماد کو بھی اس منصب خطیر (دفتردار یا افسر دارالانشاء) کے قبول کرنے میں تامل تھا۔ نہ کبھی اس کا سابقہ پڑا تھا نہ اپنے میں اس کی قابلیت پاتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ مواد و استعداد تو بحد وافر انمیں مجتمع تھا لیکن نوبت ممارست نہیں پہونچی تھی۔ چار ناچار منظور کیا، اور کچھ روز بعد عدیم النظیر و فقید المثال کاتب ہوگئے، عربی و عجمی (فارسی) دونوں زبانوں میں یکساں اور بے مثل لکھتے تھے۔ اسی زمانہ میں صلاح الدین سے مودّت اکید ہوگئی اور امتزاج تام پیدا ہوگیا۔ اُدھر نورالدین کے دربار میں بھی روز افزوں ترقی مراتب ہونے لگی۔ عماد اُس کے رازدار اور سکریٹری خاص ہوگئے۔ امام مستنجد کے زمانہ میں اِنکو سفیر (اُس وقت رسول کہلاتا تھا) بنا کر دارالسلام بغداد کو بھیجا گیا۔ جب واپس آئے تو اُس مدرسہ میں جو دمشق میں اِن (عماد) کے نام سے معروف تھا پڑھانا شروع کیا۔ ماہ رجب ۵۶۵ھ (مارچ ۱۱۷۲ء) یا ۵۶۶ھ (فروری و مارچ ۱۱۷۳ء) میں ان کو 'اشراف دیوان' کا رتبہ عطا ہوا۔ یہ زمانہ ان کے مستقیم الحال اور رضی البال ہونے کا تھا۔ نورالدین کے انتقال پر اُس کا فرزند ملک الصالح اسمٰعیل جانشین ہوا۔ وہ صغیر السن تھا۔ عماد کے مخالفین کی بھی ایک جماعت تھی جس نے ان کو تنگ و پریشان کیا، اور خوب دھمکایا، وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کے بغداد کے ارادہ سے چل نکلے۔ موصل پہونچے تو سخت بیمار ہوگئے۔ یہاں پر سلطان صلاح الدین کے دیار مصر سے اس طرف کا رخ کرنے اور دمشق لے لینے کی خبر پائی۔ انھوں نے عراق کا عزم فسخ کیا، شام کو واپس جانے کی ٹھان لی۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۵۷۰ھ (۴ دسمبر ۱۱۷۴ء) کو موصل سے چلدیے۔ صحاری و بیابان طے کرتے ہوئے، ۸ جمادی الآخرہ (۶ جنوری ۱۱۷۵ء) کو دمشق پہونچے۔ صلاح الدین حلب لے چکا تھا اُسکی خدمت میں جانے کا قصد کیا۔ شعبان (مارچ ۱۱۷۵ء) میں قلعہ حمص بھی حوالہ ہوگیا تو عماد حاضر ہوئے اور قصیدۂ تہنیت پڑھا۔ اُس وقت سے برابر سفر و حضر، رزم و بزم، جلوت و خلوت

ثانی ہو، یا ثالث، وَہَلُمَّ جَرًّا، تصنیف کو نئے پرواز میں دیکھنا اور نئے الفاظ و عبارات میں بدل دینا چاہتی ہے۔ عماد کاتب اصفہانی نے جب قاضی عبدالرحیم بیسانی کے کلام پر اعتراضات فرما کر عَلَم مناقشہ

میں سلطان کے رفیق رہے۔ سلطان نے ان کو اپنا کاتب مقرر کرلیا۔ اعتماد و قرب روز بروز بڑھتا گیا حتی کہ وزراء بھی رشک کرنے لگے۔ [فی زماننا کاتب کو میر منشی نہیں، بلکہ چیف سکریٹری کہنا چاہیئے۔ حسب تحریر ابن خلدون دول خارجہ سے مراسلت اور فرامین شاہی کا اجراء اُس کے متعلق تھا وہ وزیر اعظم سے کسی طرح کم درجہ پر نہ تھا]

قاضی فاضل اکثر اوقات حضور سلطانی سے دور ہو جاتے تھے اُن کو بار بار مصالح ملکی و انتظامات سلطنت کے لئے مصر کو جانا پڑتا تھا۔ اس لیے عماد برابر شام میں ملتزم بارگاہ عالی رہتے اور اسرار سلطنت کے حافظ و محافظ سمجھے جاتے تھے۔

بہت سی تصانیف فائقہ چھوڑی ہیں (۱) کتاب خریدۃ القصر و جریدۃ العصر جس کو ابوالمعالی سعد بن علی الوراق الخطیری کی زینۃ دمیۃ الدہر کے ذیل کے طور پر لکھا تھا۔ واضح رہے کہ خطیری نے اپنی کتاب دمیۃ القصر و عصرۃ اہل العصر منفہ باخرزی کے ذیل میں، اور باخرزی نے اپنی کتاب تتمۃ الدہر ثعالبی کے ذیل میں، اور ثعالبی نے اپنی کتاب ہرون بن علی المنجم کی کتاب البارع کے ذیل کے طور پر لکھی تھی، عماد نے اس خریدہ میں اُن تمام شعرا کا ذکر کیا ہے جو پانچویں صدی ہجری کے بعد سے سال پانچسو بہتر (۱۱۷۶-۷۷ء) تک گذرے ہیں۔ اس میں شعرائے عراق و عجم و شام و جزیرہ و مصر و مغرب کی تخصیص نہیں، حتی الوسع کسی کو چھوڑا نہیں اور نیکی کے ساتھ یاد کیا ہے۔ دس جلدوں میں ہے۔ (۲) البرق الشامی سات جلدوں میں ایک مجموعۂ تواریخ ہے۔ ابتدا اپنے ہی احوال اور عراق سے شام جانے کے بیان سے کی ہے سلطان نورالدین محمود کی خدمت اور سلطان صلاح الدین کے تعلق اور بعض فتوحات شام کا بھی ذکر کیا ہے۔ نادر کتاب ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے اُس زمانہ کے اوقات عزیز کو اُن کی خوبی اور سرعت انقضا کے لحاظ سے برق خاطف قرار دیا تھا (۳) کتاب الفتح القدسی فی الفتح القدسی دو جلد میں ہے۔ اس میں بیت المقدس کی فتح کے حالات مندرج ہیں۔ (۴) السیل علی الذیل، اس کو ابن سمعانی کی کتاب الذیل کا تتمہ کہنا چاہیئے، ابن سمعانی نے خود خطیب حافظ کی تاریخ بغداد پر یہ کتاب الذیل لکھی تھی مگر قاضی احمد بن خلکان لکھتے ہیں کہ نہیں، السیل کو اپنی ہی کتاب خریدۃ القصر کے تتمہ کے طور پر تحریر کیا تھا (۵) نصرۃ الفطرۃ و عصرۃ القطرۃ۔ دولت سلجوقیہ کے اخبار کے متعلق ہے (۶) دیوان رسائل (مکاتیب) اور دیوان اشعار چار چار جلدوں میں تھے۔ قصائد بھی نفیس و طویل ہیں (۷) ایک دیوان صغیر مختصر سا ہے جس میں صرف دو دو ابیات جمع کر دیے ہیں۔

بلند کیا تو قاضی صاحب نے نہایت سادگی اور راستبازی سے یہ مختصر سا جواب دیدیا تھا:۔

قَدْ وَقَعَ لِیْ شَیْءٌ وَّمَا اَدْرِیْ اَوَقَعَ لَكَ اَمْ لَا وَھُوَ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَا یَکْتُبُ کِتَابًا

عماد اور قاضی فاضل کے مابین مکاتبات نازک اور محاورات نفیس اکثر چلتے تھے معاصرانہ چھیڑ چھاڑ بھی ہو جاتی تھی۔ ایک بار سر راہ دوچار ہوئے۔ قاضی توسن خوشخرام کی پشت پر تھے۔ انھوں نے کہا سر فلا کبابك الفرس فاضل نے جواب دیا داء علا العماد۔ ان کو مقلوب بھی پڑھ لیجئے تب بھی مفہوم صحیح رہے گا۔ (واضح رہے کہ کوئی بڑا کمال نہیں ہے، مقامات حریری میں ایک پورا مقامہ اسی صنعت میں موجود ہے۔ ادھر سے پڑھئے تو بھی وہی عبارت اور الٹ کر پڑھئے تو بھی وہی۔ یہی بات قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی آیت میں ہے۔ وربك فکبر)۔ ایک بار موکب سلطانی میں دونوں یک جا تھے، سواروں کی کثرت سے اس قدر خاک اوڑی کہ ساری فضا پر چھا گئی۔ دونوں متعجب تھے۔ عماد نے برجستہ پڑھا ؎

اما الغبار فانه عما انارته انسابك ولعومنه مظلم لکن انارته انسابك

یا دھر لی عبد الوحیب سم فلست اخشی مس نابك

اس کو حسن کلام کہہ لیجئے یا اتفاق وقت کہ تینوں شعروں میں مجانست (صنعت تجنیس) پیدا ہو گئی ہے۔ قاضی فاضل جب ۵۷۴ھ (۱۱۷۸-۷۹ء) میں مصر سے بعزم حج روانہ اور کشتی پر سوار ہوئے تو عماد کاتب نے جو خط انکو لکھا تھا اُس کو فصاحت و بلاغت کی جان اور ادب و آداب، لطائف و ظرائف اور نثر و ایجاز کی روح کہنا چاہئے یاد ہوگا کہ جب وزیر عون الدین بن ہبیرہ کی وفات پر اس کے اعوان و انصار دیوانات شاہی و خدمات سرکاری سے ہٹا دیے گئے تھے اور اُن سے داروگیر ہوئی تھی تو عماد بھی اُسی گرفتار بلا گروہ میں تھے کیونکہ اُس زمانہ میں وزیر کی نیابت واسطہ میں کرتے تھے۔ جب قید ہوئے تو محبس سے عماد الدین بن عضد الدین بن رئیس الرؤسا کو جو اُس وقت دار مستجدہ میں استاد تھا شعبان ۵۶۰ھ (جولائی ۱۱۶۵ء) میں یہ قصیدہ لکھ کر بھیجا

قل للامام علا محبس ولیکم اولوا جمیلکم جمیل ولائه

اولیس اذ حبس الغمام ولیه خلی ابوك سبیله بدعائه

اُس نے فوراً حکم رہائی دلایا۔ اس میں ایک نازک لطیفہ ہے جس کو عربی محاورہ میں "ملیح غریب" کہتے ہیں۔ اس میں حضرت عباس بن عبد المطلب (عم نبی صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے ایک قضیہ کی طرف اشارہ ہے۔ آپ کے زمانۂ خلافت میں ایک بار پانی نہیں برسا، اہل زمین خشکی سے پریشان تھے۔ حضرت عمر جناب عباس اور جماعۃ الناس کو ہمراہ لے کر استسقاء (طلب باراں) کے لئے نکلے۔ جب شہر سے باہر ٹھہرے تو

فِی یَوْمِہٖ اِلَّا یَقُوْلُ فِی غَدِہٖ لَوْ غُیِّرَ ھٰذَا لَکَانَ اَحْسَنَ وَلَوْ تُرِکَ ذَالِکَ لَکَانَ اَوْلٰی وَ
ھٰذِہٖ عِبْرَۃٌ عَظِیْمَۃٌ وَحُجَّۃٌ مُسْتَقِیْمَۃٌ عَلٰی اِسْتِیْلَاءِ صِفَۃِ النُّقْصَانِ عَلٰی طَبِیْعَۃِ

دعا فرمائی، کہ اے بار الٰہ ہم پر جب قحط پڑتا تھا تو ہم تیرے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے تو ہم کو سیراب کر دیتا تھا ہم آج اپنے نبی کے چچا کا توسل لے کر تجھ تک آئے ہیں تو ہم کو سیر کر دے چنانچہ بارش ہو گئی اور خوب ہوئی۔ ان اشعار میں "ولی" سے وہ مطر (باراں) مراد ہے جو بعد "وسمی" آتا ہے۔ "وسمی" ربیع الاول کی بارش کو کہتے ہیں جو وسم سے منسوب ہے۔ یہ نام اس لیئے رکھا گیا کہ زمین کو نبات و سبزہ سے وسم کر دیتا ہے۔ "ولی" اُس بارش کا نام اس وجہ سے قرار پایا کہ وہ "وسمی" کے نزدیک ہوتا ہے۔ متنبی نے ایک ہی شعر میں ان سب اسماء و اقسام کو جمع کر دیا ہے۔

امنعمۃ بالعودۃ الظبیۃ التی ۔۔۔ بغیر ولی کان نائلھا الوسمی

عماد کاتب اپنے مرتبہ بلند اور منزلت رفیع پر برابر نامور رہے۔ جب سلطان صلاح الدین نے وفات پائی تو ان کی حالت پریشانی اور تکلیف کی تھی، ذرائع آمد مسدود ہو گئے تھے۔ جب اپنے لیئے کوئی راجابت وانہ دیکھا تو خانہ نشینی اختیار کر لی اور تصنیف و تالیف میں مشتغل ہو گئے۔ اس روئیداد کو برق الشامی کے اوائل میں اضافہ کر دیا ہے۔ ابن التعاویذی کاتب مشہور کو ایک بار "فردہ" اور "رسالہ" اور "قصیدہ" کی طلب میں خط لکھا تھا۔ یہ سوال و جواب دونوں نہایت مختصر اور پر لطف چھوٹے چھوٹے جملوں میں دیکھنے کے قابل ہیں

عماد کی ولادت روز دوشنبہ ۲ جمادی الآخرہ (۷ جولائی) اور بروایت دیگر شعبان (ستمبر) میں ۵۱۹ھ (۱۱۲۵ء) میں اصبہان میں ہوئی تھی۔ وفات بروز دوشنبہ مستہل ماہ رمضان المعظم ۵۹۷ھ (۳۰ مئی ۱۲۰۱ء) کو دمشق میں پائی، باب النصر کے باہر صوفیوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

عماد کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں کسی وقت قسطنطنیہ میں موجود تھیں، ہالینڈ کے اہل نظر انکو سولھویں صدی کے وسط میں اپنے حسن تدبیر سے مع اور بہت سی نادر کتابوں کے اڑا لے گئے۔ اُس ملک (ہالینڈ) کے مشہور کتب خانہ لیڈن میں یہ نایاب ذخیرہ اب تک محفوظ ہے۔ عربی کے بڑے بڑے کتب خانوں میں یہ کتاب خانہ بھی شمار ہوتا ہے۔

۵۲۹ ابو علی عبد الرحیم بن قاضی اشرف بہاء الدین ابی المجد علی بن قاضی سعید لخمی عسقلانی، کا قاضی فاضل عرف۔ اور مجیر الدین لقب تھا میر غلام علی بلگرامی نے سرو آزاد میں انکو "نسائی" لکھا ہے۔ اس کو کتابت یا تجنیس کی غلطی کہنا چاہیئے۔ وہ نسائی نہ تھے (منسوب بہ نساء۔ بفتح نون و سین مہملہ۔ آخر میں ہمزہ۔ جو خراسان کا ایک مشہور شہر ہے اور جہاں سے بڑے بڑے نامور اہل علم و فضل نکلے ہیں) قاضی احمد بن خلکان وفیات الاعیان

الاِنسَانِ۔

"میرے دل میں تو یہ ایک بات آئی ہے میں نہیں جانتا کہ آپ کو بھی محسوس ہوئی ہے یا نہیں

میں ان کا مولد عسقلان (شام کا مشہور شہر ساحل بحر پر) اور جائے قیام مصر لکھتے ہیں، ضیاء الدین ابو الفتح نصر اللہ معروف بہ ابن اثیر جزری موصلی نے "الوشی المرقوم فی حل المنظوم" میں قاضی فاضل عبدالرحیم کو "البیسانی" لکھا ہے، وہ دمشق میں ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں ملا تھا جب قاضی دولت صلاحیہ کا کاتب تھا۔ ان کا باپ شہر بیسان کا قاضی تھا اس لئے بیسانی کہلاتے ہیں، ان کا مورث موفق یوسف بن خلال دیار مصر کو چلا آیا تھا اور یہاں فنِ انشا میں کمال شہرت پائی تھی۔ اس کے بعد بندرگاہ اسکندریہ میں سرکاری خدمت منظور کرلی تھی اور مدت تک قیام گزیں رہا تھا۔ فقیہ عمارۃ الیمنی اپنی کتاب النکت العصریۃ فی اخبار الوزراء المصریۃ میں اس کی مدح وثنا کرتا ہے۔

قاضی فاضل سلطان الملک الناصر صلاح الدین کا وزیر تھا، ساری زندگی کمال تمکنت وثروت سے بسر کی۔ انشاء وادب میں بڑی مہارت اور شہرت رکھتا تھا حتیٰ کہ متقدمین سے تفوق لے گیا تھا۔ اپنی علمی یادگاریں عجیب وغریب اور بکثرت چھوڑی ہیں۔ ابن خلکان نے واقف حال فضلائے ثقات سے سنا تھا کہ اس کے رسائل کے مسودات بھی بہت سی جلدوں میں اور تعلیقات اوراق میں تھے جمع کئے جاتے تو سو مجلد سے کم شمار میں نہ آتے۔ باایں ہمہ کثرت وہ "مجید" (بڑے پایہ کے) تھے۔ باوصف تعلقات معاصرانہ عماد کاتب اصبہانی نے کتاب الخریدہ میں اس کی شان میں بڑی عظمت واحترام کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ "رب القلم والبیان واللسن واللسان.... والبدھۃ المعجزۃ والبدیعۃ المطرزۃ..... فھو کالشریعۃ المحمدیۃ التی نسخت الشرائع ورسخت بھا الصنائع....." قاضی کا کمال اور انشا پردازی دکھانے کے لئے اس کا ایک لطیف رسالہ بھی نقل کردیا ہے جو خطیب عیذاب کے لئے صلاح الدین کو لکھکر بھیجا تھا اور جس میں اس کو خطابت کرک پر مقرر کرنے کی سفارش کی تھی۔ قلعہ کوکب کی تعریف میں ایک رسالہ ہے جسمیں لکھتا ہے "وھذہ القلعۃ عقاب فی عقاب ونجم فی سحاب....." ایک اور رسالہ کے ذیل میں قاضی نے لکھا ہے "وقد کبر الملوک قد وھت رکبتاہ وضعف التیاہ وکتب لاہ الف عند قیامہ رجلاہ ولم یبق من نظرہ الا نقابتہ ومن حدیثہ الا خرافۃ....."

نظم بھی اسی شان سے لکھتا اور تمام محاسن ولطائف شاعری پر نگاہ رکھتا تھا۔ ابن مکنسہ ابو طاہر اسمٰعیل بن محمد بن حسین قرشی اسکندری کو اپنا کلام اکثر سناتا اور داد سخن لیتا تھا۔

کہ انسان آج ایک بات لکھتا ہے تو دوسرے دن کہتا ہے کہ اگر اسطرح بدل دیا جاتا تو بہتر ہوتا اور اگر یہ چھوڑ دیا جاتا تو کیا خوب ہوتا اور یہی ایک بڑی عبرت اور مضبوط دلیل اس امر کی ہے کہ انسان کی طبیعت پر ناقص ہونیکی صفت غالب ہے"
اس صاف و سادہ جواب کی بیباکانگی و صداقت چشم حقیقت بیں سے پوشیدہ و مخفی نہیں۔

ملک العزیز اپنے باپ صلاح الدین کی حیات میں قاضی فاضل سے بہت میل (یا عربی محاورہ میں مَیل) رکھتا تھا۔ باقتضائے بشریت عزیز کو ایک کنیز جاریہ سے بے حد محبت و شغف ہو گیا جس کے باعث سے وہ مصالح و معاملات ملکی پر توجہ نہ کرتا تھا۔ باپ کو خبر پہونچی تو اُس کو ترک کر دینے اور قاضی کی صحبت سے علٰحدہ رہنے کا حکم دیا۔ ملک العزیز پر بہت شاق گذرا، مگر یہ جسارت نہ کر سکا کہ اُس سے ملے اور باپ کے حکم سے سرتابی کرے۔ کنیز جب طول فراق برداشت نہ کر سکی تو عنبر کا ایک گولہ بنا کر خادم کے ہاتھ بھیجا۔ توڑا گیا تو اندر سے زرِ خالص نکلا۔ شاہزادہ نے غور و فکر کیا مگر مطلب تک نہ پہونچ سکا۔ موقع پا کر قاضی سے اس کا تذکرہ کیا اور صورتِ حال بتائی۔ قاضی نے یہ دو شعر لکھکر بھیجدیئے ؎

اهدت لك العنبر فی وسطه — زرمن التبر دقیق اللحام
فالزرفی العنبر معناهما — زرهكذا مستترا فی الظلام

اس کی ولادت ۱۵ جمادی الآخرہ ۵۲۹ھ (۳۰ اپریل ۱۱۳۵ء) کو شہر عسقلان میں ہوئی تھی۔
سلطان صلاح الدین کی وزارت میں جو عروج و اعتماد اُسکو نصیب تھا اُس کی وفات کے بعد اُسکے بیٹے ملک العزیز کے زمانہ میں بھی حاصل رہا۔ جب عزیز نے وفات پائی اور اُس کا بیٹا ملک المنصور اپنے چچا ملک الافضل نورالدین کے حسن تدبیر سے مملکت پر قابض ہوا تو بھی قاضی کا اعتبار و احترام و اختیار بدستور قائم رہا۔ حتی کہ ملک العادل پہونچا اور اس نے ملک مصر فتح کر لیا جس روز وہ قاہرہ میں داخل ہوا ہے اُسی دن یعنی شب چہارشنبہ ۷۔ ربیع الآخر ۵۹۶ھ (۲۶ جنوری ۱۲۰۰ء) میں قاضی نے قاہرہ میں ناگہاں وفات پائی۔ دوسرے دن قرافہ صغرے کے سفح مقطم میں دفن ہوا۔ قبر کے گرد سنگ رُخام کا کٹہرہ نصب تھا جس پر تاریخ کندہ تھی۔ اس کو ابن خلکان نے دیکھا تھا۔ قاضی کی نسبت لکھتا ہے" وکان من محاسن الدهر وهیهات ان یخلف الزمان مثله" قاہرہ کے بازار لؤلؤیہ میں اُس نے مدرسہ بنوایا تھا اُسکا افتتاح اور تعلیم و تدریس کا آغاز روز شنبہ یکم محرم ۵۸۰ھ (۱۴ اپریل ۱۱۸۴ء) کو ہوا۔
لقب کے متعلق کسی قدر اختلاف ہے۔ اہل خاندان کہتے تھے کہ محی الدین تھا۔ قاضی ابن خلکان نے خود ایک مراسلت دیکھی تھی جس میں شیخ شرف الدین عبدالمؤمن ابی عصرون نے اسکو مجیر الدین سے مخاطب کیا تھا قاضی فاضل کا بیٹا قاضی اشرف بہاء الدین ابو العباس احمد تھا، اس کی قدر و عزت بھی ملوک و

كُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهٖ وہ وقت بھی قریب آنے والا ہے، کہ جب تذکرۂ آزاد میرے پنجہ سے آزاد ہو کر خلعتِ طباعت پہنے گا۔ اس کا وقت آچکا تھا کہ میں نے اپنی فرصت قلیل کے لمحے میر عبدالجلیل بلگرامی کے حالات کے فراہم کرنے میں صرف کئے اور اس اندیشہ نے مجھ کو

سلاطین بہت کرتے تھے، سماعتِ حدیث و تحصیل کتب کا بڑا شائق تھا۔

قاضی فاضل کا عربی دیوان نہایت خوشنما چھوٹی تقطیع پر مدراس کی گورنمنٹ سینسکرپٹ لائبریری میں موجود ہے۔ یہاں بہت سی نادر کتابیں سلطان صلاح الدین اور بعض یمنی سلاطین کے خاندان کی پہونچی ہیں، اور محفوظ ہیں قلمی کتابوں کا یہ سرکاری ذخیرہ نہایت عمدہ اور قابلِ قدر ہے۔

۵۳ ابوالفیض السید محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق الشہیر بہ مرتضیٰ الحسینی الحنفی الواسطی البلجرامی الزبیدی کا برائے نام حال ایڈورڈ ولیم لین نے اپنی عربی انگریزی کی لغت مَدُّ الْقَامُوْس کی تمہید میں لکھا اور اُس احسان و اعانت کا تشکر و اعتراف کیا ہے جو ان کو اپنی کتاب کی ترتیب میں تاج العروس سے پہونچی تھی۔ مزید تحریر کے لیے میں تاج العروس کے مصری طابع و ناشران کا سپاس گذار ہوں۔

اُن کو اقرار ہے کہ سید اصل میں بلگرام کے رہنے والے تھے جو قنوج سے پانچ کوس پر دریائے گنگ کے اُس طرف ہندوستان میں واقع ہے۔ اصلہ من قصبۃ البلجرام علی خمسۃ فراسخ من قنوج وراء نھر جنجہ بالھند۔

مائۃ سائفہ کا نامور مصری مورخ علامہ شیخ عبدالرحمٰن الجبرتی عجائب الآثار فی التراجم والاخبار میں لکھتا ہے کہ سید مرتضیٰ کا سال ولادت ۱۱۴۵ ہجری تھا جو ۱۷۳۲-۳۳ء عیسوی کے مطابق ہوتا ہے۔ ابتدائی تربیت و تعلیم کے مدارج وطن میں طے ہوئے، صاحبِ برنامجہ نے تین سو شیوخ و اساتذہ کے نام تحریر کئے ہیں جن سے سید مرتضیٰ نے افادہ کیا تھا۔ محدث علامہ محمد فاخر بن یحییٰ الہ آبادی المتخلص بہ زائر اور شیخ ولی اللہ دہلوی صاحب حجۃ اللہ البالغہ اور مولوی خیر الدین سورتی کے نام نامی ان میں ممتاز ہیں۔

خانوادۂ قادریہ میں سید یٰسین حموی کے مرید تھے۔ شیخ جعفر علوی مدنی سے بھی سند اجازت پائی تھی، یہ بزرگ دمشق سے ہندوستان آئے تھے۔

علم کا شوق بلکہ عشق سید مرتضیٰ کو وطن سے یمن لے گیا، وہ زَبید (بفتح زاء) میں عرصہ تک رہے جو یمن میں ساحل مغربی کے قریب ایک مشہور و قدیم شہر ہے۔ وہاں اتنی مدت گذار دی کہ خود زَبیدی مشہور ہو گئے۔ یہی ولولۂ و شوق ان کو بارہا بلد الامین کو کھینچ لے گیا۔ اور وہ ہر بار اس کی بدولت اجر بے مزد یا شرف حج کی سوغات

اشتغال واستعجال پر آمادہ رکھا کہ مبادا تذکرۂ آزاد کی طرح تذکرۂ میر عبدالجلیل بھی غیر مختتم و غیر مطبوع نہ رہ جائے۔ باایں ہمہ کہ سامان مشورت و اصلاح خاطر خواہ میسر و مہیا نہ تھا اور یہ نقش میرے حسب مرضی عمل پیرا نہ ہوا تھا، یہی ناقص تحریر ناظرین اولی الالباب کے حضور میں پیش کیجاتی ہے۔

ساتھ لیکے لوٹے۔

۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) میں مصر گئے، وہیں شادی کی۔ مگر یہ تاہل و پابندی اُن کی آزادہ روی کو روک نہ سکی۔ وہ ممالک روم کو بھی گئے وہاں کے اعیان و سلاطین نے ان کے شایانِ شان عزت و توقیر کی۔ شیخ الشیوخ اور محدث کے نام سے مشہور تھے۔

قاہرہ کی مسجد کردی میں (جو ان کے مسکن کے سامنے تھی) بعد نماز جمعہ طاعون میں مبتلا ہوئے۔ دو روز بیمار رہکر شعبان ۱۲۰۵ھ (مئی ۱۷۹۱ء) میں یکشنبہ کے دن رحلت فرمائی۔ وہیں مشہد معروف بہ سیدہ رقیہ میں دفن ہوئے قبر اپنے لئے پہلے سے تیار کرالی تھی۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ ان کے معاصرین لکھتے ہیں کہ بڑے علم دوست و وسیع الاخلاق منکسر مزاج صاحب کیف و حال تھے۔

تصانیف شریفہ کا شمار سو سے متجاوز ہے، اکثر شروح و حواشی نہایت سنجیدہ و پسندیدہ لکھے ہیں، صاحب بحر الزخار نے بعض کے نام بھی بتائے ہیں:-

۱ - اتحاف الصفا فی صلوٰۃ المصطفیٰ،

۲ - اتحاف الاصفیا فی سلاسل الاولیا،

۳ - اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین۔ دس جلد میں عجیب و غریب چیز ہے۔ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔

۴ - کتاب الرجا والخوف من المنجیات،

۵ - الابتہاج بختم صحیح مسلم بن الحجاج،

۶ - اقرار العین بذکر اولاد الحسن والحسین،

۷ - اکلیل الجواہر الغالیہ فی روایۃ الحدیث العالیہ،

۸ - تفسیر سورۂ یونس فی الامالی الخفی،

۹ - حدیقۃ الصفا فی الدین المصطفیٰ،

۱۰ - الدرۃ المضیۃ فی الوصیۃ المرضیۃ،

توقع ہے اور آرزو کہ میری لغزشیں اور خطا کاریاں چشم عفو و نگاہِ مکرمت سے دیکھی جائیں۔
ابو الفیض محمد مرتضیٰ حسینی واسطی، جس کا خمیر اسی بلگرام کی خاک سے تھا مگر زبید (یمن) میں رہا اور مصر میں جا کر پیوند زمین ہوا میرا مدعا اپنی زبان میں ادا کر گیا ہے۔ ؎

۱۱ - رفع الاشتباہ من مناقب بسم اللہ،
۱۲ - المقاصد العبدیہ فی المشاہد النقشبندیہ،
۱۳ - عقد الجواہر الثمین فی تخریج حدیث اطلبوا العلم ولو کان بالصین،
۱۴ - الفیض الجاری فی اسانید البخاری،
۱۵ - عقد الجمان فی شعب الایمان،
۱۶ - عقد الجمان المنتظم فی ذکر امہات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،
۱۷ - کشف المغطی فی الصلوٰۃ الوسطیٰ،
۱۸ - النفحۃ القدوسیہ بواسطۃ البضعۃ العبیدروسیہ،
۱۹ - الازہار المتناثرہ،

علامہ الجبرتیؒ اور نواب صدیق حسن خاں نے بھی کم و بیش انہیں حالات کو نقل کیا ہے،
خیال رہے کہ تاج العروس و قمع النفوس ایک اور مختصر رسالے کا نام بھی ہے جو مواعظ و اخلاق میں ابن عطاء اللہ السکندری نے لکھا ہے۔
سید مرتضیٰ نے تاج العروس شرح قاموس کی تالیف قاہرہ میں شروع کی تھی۔ اپنے قلمی نسخہ کی ایک یادداشت میں لکھتے ہیں کہ چودہ سال دو ماہ کامل اس میں صرف ہوئے۔ عرب و عجم کو تسلیم ہے کہ تاج العروس فنِ لغت، اُس کے اصول و تاریخ اور اشتقاق کی تشریح و توضیح میں لاثانی ہے۔ لین Lane کہتا ہے کہ "وہ بہترین مطول و مکمل تالیف ہے جسمیں لغات عربیہ کو ایک رواں اور سہل الفہم شرح کے طور پر قلمبند کیا ہے جسمیں کوئی پہلو ضروری خوردہ گیری اور نکتہ بینی کا اٹھا نہیں رکھا گیا ہے جس میں امثال و نظائر اور حوالے اصلی ماخذوں سے اور صرف مشاہیر اُدبا و شعرا کے کلام سے دیے گئے ہیں ..... جسمیں قاموس اور دیگر لغات کے بعض اغلاط کی تصحیح بھی کر دی ہے۔" با ایں ہمہ عزیزانِ مصر کی ایک قلیل جماعت اسکے بارہ میں متشکک و متامل ہے۔ اُس کا زعم یہ ہے کہ تاج العروس کو سید مرتضیٰ نے نہیں بلکہ کسی اور اہل علم (شخص لا معلوم) نے ترتیب دیا تھا۔ وہ بزرگ افریقۃ الغرب سے ادائے حج کیلئے قاہرہ ہو کر مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ اس اندیشہ سے کہ صحرائے اعظم میں ساری زندگی کی

یا ناظراً فی کتابی حین تقرؤہٗ　　اقرء ھدیت بلاریب و لاشطط
ان مر سھو فلا تعجل بسبّک لی　　واعذر فلست بمعصوم من الغلط

محنت رائیگاں نہ ہو جائے اُس غریب الدیار نے یہ گنج شایگاں سید مرتضیٰ کے حوالہ کر دیا، اور راضی برضاء اللہ ہو کر خاک میں ملگیا، اہل درایت کو اس روایت کے ماننے سے قطعاً انکار ہے۔ پہلے تو اُس پاک طینت جاں باز کا نام ہی نہیں بتایا جاتا ہے، پھر سید مرتضیٰ کے علم و تبحر اور جامعیت و کمال کو دیکھکر ایسی بے سروپا حکایت کو کون باور کر سکتا ہے۔ سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ۔

سید نے لسان العرب (مولفہ امام جمال الدین محمد بن علی الافریقی المعروف بہ ابن منظور۔ ۲۸ جلد) اور المحیط (مولفہ صاحب بن عباد متولد ۳۲۶ھ و متوفی ۳۸۵ھ بہ ترتیب حروف ہجا۔ سات جلد) کے سوا ایک سو سے زائد اُن کتب لغت کے نام بتائے ہیں جن سے تاج کی ترتیب و ترصیع میں مدد لی تھی۔ یہ جامع کتاب (تاج العروس) مصر میں بڑی تقطیع کی دس جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

تاج کی تکمیل کے ساتھ ہی صاحب تاج کی قدر تاجداروں کی طرف سے ہونے لگی۔ سید مرتضیٰ نے ایک نسخہ اپنے قدیم محسن و منعم و مرتبہ شناس بادشاہ صنعاء کے حضور میں تحفۂ نیاز مندانہ بھیجا شیخ الجبرتی ناقل ہیں کہ ایک نسخہ محمد بائے ابو الذہب نے اپنے جامعہ میں رکھنے کیلئے لیا تھا اور ایک لاکھ درہم نقرہ سید کی نذر کئے تھے۔ یہ آٹھ ضخیم جلدوں میں تھا جسکی تصحیح اور حاشیہ نویسی خود اپنے قلم سے سیّد نے فرمائی تھی۔ ایک تیسرا نایاب نسخہ چوبیس ۲۴ ضخیم جلدوں والا لین صاحب نے الازہر میں دیکھا تھا جس کی نقل شیخ ابراہیم الدسوقی کے قلم سے تیرہ سال میں ختم ہوئی تھی۔

ان کے علاوہ خود سید مرتضیٰ کے قلم کے لکھے ہوئے کئی نسخے ۱۸۶۲ء تک مصر میں موجود تھے ایک جو جامع الازہر العظمیٰ کے رواق شامی میں رکھا تھا چودہ جلدوں میں تھا۔ کچھ حصے محفوظ تھے باقی غائب یا تلف ہو چکے تھے۔ دوسرا یحییٰ افندی الحکیم کے یہاں تھا جو سرکار خدیوی کے حکم سے مصر کی سالانہ تقویم مرتب و شائع کرتے تھے۔ یہ دو بڑی بڑی جلدوں میں تھا۔ سید مرتضیٰ کا خط باریک گٹھا ہوا اور کھنا تھا۔ اس نادر خزینہ کو وزیر اعظم نے سعی مفرط سے حاصل کر کے قسطنطنیہ روانہ کیا تھا۔ حسرت ہے کہ منزل مقصود اور قدر شناس ہاتھوں تک نہیں پہونچا ؎

ہر چہ دل کرد فراہم ہمہ اش دیدہ بباخت　　اللہ اللہ کہ بتہ کرد کہ اندوختہ بود

مخطوطات مبارک میں سے حدیث ام زرع کی تاویل بطور تصوف (سید مرحوم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی) مولانا ابو الحسن ذو الفقار احمد صاحب قضاء الارب نے بھوپال میں دیکھی تھی،

معجم المشائخ خود انکے قلم کی لکھی ہوئی شیخ الاسلام عارف حکمت بے کے کتب خانہ واقع مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ

اَسلاف کرام کا معمول تھا کہ ضبطِ آثار میں احوال زمانی کو حوادثِ مکانی پر تقدیم دیتے تھے۔ میر عبد الجلیل کے حالات و ذاتیات سے پیشتر اس تذکرہ یا عام شجرہ کے قلمبند کرنے میں راقم عاجز نے سنت الاولین کا اتباع کیا ہے۔

میر عبد الجلیل نے جس وقت عرصۂ ہستی میں قدم رکھا ہے طبقۂ اوسط کے نام اُس وقت لمبے چوڑے القاب سے پاک ہوتے تھے، نہ مولوی کا دورہ دورہ تھا نہ مولانا کا زور و شور۔ مولوی[1] اور ملا زیادہ تر اہل علم معلم پیشہ کے لئے استعمال ہوتے تھے، مولانا اکابر دین و مقتدایان ملت کیلئے

---

[1] مَوْلَوِی کو اہل لغت فتح میم و فتح لام کے ساتھ مَوْلَا (یعنی خداوند و آزاد کنندہ) سے منسوب بتاتے ہیں۔ یائے نسبت کے الحاق سے مَوْلَا کا الف جو چوتھا حرف تھا حسب قاعدۂ نحویہ واؤ سے بدل گیا۔ بہ روایت پروفیسر براؤن ترکوں میں مَوْلَوِی کا تلفظ مِوْلَوِی اور مَوْلَا کا مِوْلَا (بکسر میم) ہے۔ وہاں "درویشان رقصان" کا ایک مستقل فرقہ مِوْلَوِی کے نام سے قائم ہے، جو خود کو مولانا جلال الدین رومی سے منسوب کرتے اور حضرت مولوی کو اپنا مولا (آقا) اور مقتدی بتاتے ہیں۔

علمائے کرام کا قول ہے کہ عربی زبان میں مَوْلٰی کا استعمال چند معانی کے ساتھ پایا گیا ہے اور خود مصحف ناطق میں مختلف معانی کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ (۱) کبھی اولےٰ کے معنی ہیں جیسا کہ منافقین کے حق میں ارشاد ہوا ہے۔ مَاْوٰکُمُ النَّارُ ھِیَ مَوْلٰکُمْ۔ اے اَوْلٰی بِکُمْ تم سب کا ٹھکانا ہے دوزخ۔ وہی تمہاری رفیق ہے۔ جزء ۲۷، سورۃ الحدید ع ۲۔ ۸) یعنی تمہارے مناسب حال ہے۔ اور

(۲) کبھی بمعنی ناصر و یاور۔ جیسے قولہ تعالیٰ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ (یہ اس سبب سے کہ مسلمانوں کا مددگار تو اللہ ہے اور اس سبب سے کہ کافروں کا کوئی مددگار نہیں (جزء ۲۶۔ سورۂ محمد ع ۱۔ ۵) یعنی ناصر و حامی نہیں۔

(۳) کبھی بمعنی وارث، جیسے آیہ کریمہ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ط اسی ورثہ (اور

مخصوص تھا۔ ایک اور لقب بھی کبھی کبھی نظر آتا ہے یعنی علامہ[۳۲]۔ مگر ہندوستان میں مسلمانوں کے چھ سات سو برس کے عہد حکومت اور نشر علوم و فضائل میں اس کی ہمہ گیری و تصرف کی بدولت اس کے متصف و جامع صرف چند اشخاص پائے اور مانے گئے ہیں۔ پہلا اکبر کا مشہور اہل علم اور صاحب سیف و قلم وزیر ابوالفضل[۳۳] علامی تھا۔ دوسرا جہانگیر کا مایہ نازش امیر اور شاہجہاں صاحب قران

جو ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں تو ہم نے ہر ایک (مرنے والے کی میراث) کے حق دار ٹھہرا دیے ہیں۔ جزو ۲۵ سورۃ النساء ع ۲-۵) یعنی وارث۔ اور

(۴) کبھی بمعنی عصبہ کما قال اللہ تعالیٰ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَائِیْ ای عصبتی (اور اپنے [مرے] پیچھے مجکو بھائی بندوں سے خوف ہے۔ جزو ۱۶ سورۃ مریم ع ۱-۴) یعنی اپنے عصبہ سے۔

(۵) نیز بمعنے دوست، جیسے یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا ای صَدِیْقٌ عَنْ صَدِیْقٍ (جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئیگا۔ جزو ۲۵ سورۃ الدخان ع ۲-۱۵) اور

(۶) سید و معتق کے معنی میں بھی کبھی آتا ہے (یہ بحث نور الابصار میں ملاحظہ طلب ہے) جیسے حضرت عمر نے فیروز غلام مغیرہ سے کہا تھا۔ احسن الی مولاک واتق اللہ (اپنے سردار کے ساتھ بھلائی کر اور خدا سے ڈر)

[۳۲] علامہ۔ علامی۔ دونوں لفظ عین کے فتح اور لام کی تشدید کے ساتھ ہیں بمعنی "بہت بہت جاننے والا"۔ ان دونوں لفظوں کے آخر میں تا اور یا تانیث و نسبت کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ کے واسطے ہے گویا ان دونوں لفظوں میں سے ہر ایک میں دو دو علامتیں مبالغہ کی موجود ہیں۔

[۳۳] ابوالفضل۔ شیخ مبارک ناگوری کا منجھلا بیٹا اور ملک الشعراء ابوالفیض فیضی فیاضی کا بھائی تھا۔ شیخ صاحب ناگور کے رہنے والے تھے لیکن ان دونوں بھائیوں کا مولد اکبر آباد ہے۔ ابوالفضل ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں پیدا ہوا۔ پندرہ سال کا تھا کہ تمام علوم معقول و منقول سے فارغ ہو گیا۔ کئی سال عزلت و تجرد میں بسر کیے، پھر بعض خیر خواہوں کے اصرار سے اکبر اعظم کے دربار میں حاضر ہوا۔ آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھ کر پیش کی۔ الطاف خسروانہ مبذول ہوئے۔ پہلے منشی گری کی خدمت پر پھر عہدۂ وزارت پر ممتاز و سرفراز ہوا۔ بعض ممالک کی فوج کشی و فتح کے لیے بھیجا گیا۔ قلیل عرصہ میں بادشاہ کے دل میں اتنی جگہ پیدا کر لی کہ امرا اور شاہزادے بھی حسد کرنے لگے۔ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ء) میں دکن سے آگرہ حسب الطلب جا رہا تھا کہ شاہزادہ سلیم کے ایما سے راجہ بیر سنگھ دیو بوندیلہ والی اورچھ کے ہاتھ سے انتری (ریاست گوالیار۔ ضلع مرزاپور) میں ۱۴ ربیع الاول (۱۳ اگست) روز جمعہ کو مارا گیا۔ ترپن سال کی عمر تھی۔ اعظم خاں وزیر نے بطریق تعمیہ تاریخ نکالی۔ ۵۰ یفعل اللہ ما یشاء یحکم اللہ ما یرید۔ تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید۔ دونوں مصرعے تاریخی ہیں۔ دوسرے

ثانی کا مدبر و فلسفی وزیر، افضل خاں علامی[۳۴]۔ تیسرا، تاج شاہجہانی کا بے نظیر الماس، وزیر السلطنت سعد اللہ خاں[۳۵]۔ چوتھا، اُسی دور یا قرن کا لعل شب چراغ (سعد اللہ کا بیٹا) لطف اللہ خاں[۳۶] [آزاد مرحوم

میں سر باغی یعنی سب کے دور کر دینے سے باقی حروف کے اعداد سے تاریخ نکل آتی ہے۔ صحیح تاریخ نکالنے کے لیے پہلے مصرعہ کو یفعل اللہ ما یشاء یحکم ما یرید پڑھنا چاہیے۔ مشہور ہے کہ شیخ نے خواب میں آ کر کہا تھا کہ "تاریخ فوت من بندہ ابو الفضل"۔ اس کی ضخیم و عظیم الشان تصانیف میں جامع اللغات و مکاتبات علامی و عیار دانش (۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۸ء) اور اکبر نامہ (۱۰۰۴ھ یعنی ۱۵۹۵ء) و رسالہ مناجات (۹۹۳ھ مطابق ۱۵۸۵ء) اور آئین اکبری (۹۹۸ھ یعنی ۱۵۹۰ء) ہیں۔ آئین اکبری کا ترجمہ کلکتہ میں فرانسیس گلیڈوین نے ۱۷۸۳ء میں شائع کیا تھا۔ امور سلطنت ہند میں انگریزوں کو اس سے ابتداءً بڑی مدد ملی۔ اکبر نامہ کا ترجمہ انگریزی میں مستشرق نامور مسٹر ایچ، بیوریج H. Beveridge نے کیا ہے اور شائع ہو گیا ہے۔

۳۴ نواب افضل خاں علامی کا اصلی نام شکر اللہ (ولد عبد الحق) اور لقب ملا تھا۔ جہانگیر کے عہد میں شیراز سے دکن آئے۔ عبد الرحیم خاں خانخاناں سے کمال موافقت حاصل ہوئی۔ اُسی کی معرفت بارگاہ جہانگیری میں رسائی ہوئی۔ منصب ملا۔ جوہر قابل دیکھ کر شاہجہاں نے ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۸ء) میں ارادت خاں برادر آصف خاں جعفر بیگ کی جگہ وزارت کل پر مقرر کر دیا۔ شہ فلاطون وزیر اسکندر (۱۰۳۸ھ) تاریخ ہے۔ آخر میں ہفت ہزاری منصب اور چار ہزار سوار کے رتبہ تک پہونچ گیا تھا۔ ستر سال کی عمر میں ۱۲ رمضان ۱۰۴۰ھ (۷ جنوری ۱۶۳۱ء) کو لاہور میں انتقال کیا۔ ع زخوبی بردہ گوے نیکنامی تاریخ ہے۔ دوسری تاریخ "علامی از دہر رفت" ہے۔ چینی روضہ آگرہ میں دفن ہے۔ صاحب مفتاح التواریخ نے علامی کو غلامی پڑھا اور غلامی کو نواب کا تخلص بتایا ہے۔ افضل خاں بڑا مزاج داں اور موقع شناس تھا۔ شاہزادہ دارا شکوہ اپنے منشی چندر بھان برہمن تخلص کو شاہجہاں کے سلام کے لئے لے گیا، بادشاہ نے حکم دیا کہ اپنا کوئی شعر پڑھے۔ برہمن نے عرض کیا۔ ؎

مرا دلے است بکفر آشنا کہ چندیں بار ۔ بکعبہ بردم و بازش بر برہمن آوردم

بادشاہ نہایت ناخوش ہوا اور پوچھا اس کا کوئی جواب دے سکتا ہے؟ افضل خاں حاضر تھا۔ بڑے تکبر سے شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھا ؎

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود ۔ چوں بیاید ہنوز خر باشد

بادشاہ نے تبسم فرمایا اور پھر کچھ نہیں کہا۔

۳۵ نواب سعد اللہ خاں چنیوٹی شاہجہاں کے منصب داران کبار سے تھا۔ پیشگاہ سلطانی سے جملۃ الملک جنگ

دربار اکبری میں لکھتے ہیں کہ ابوالفضل کے بعد علامہ کا خطاب سلاطین تیموری میں سعد اللہ خان چنیوٹی کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا کہ وزیر شاہجہاں کا تھا]۔ اودھ کی کم عمر و ناپائیدار امارت یا مملکت نے بھی اپنے ایک رکن تفضل حسین خاں کشمیری کو یہ عزت بخشی تھی اور محققین کی ایک جماعت اعتراف کرتی ہے

تھا، اہل علم و کمال کے متفقہ فتوے سے "علامی فہامی" کہلاتا ہے۔ انگریز مورخین (جن میں نواب کا معاصر اور چشمدید شاہد ڈاکٹر برنیر اور دوسرا انیسویں صدی کا تاریخ نویس و گورنر الفنسٹن خاصکر قابل ذکر ہیں) لکھتے ہیں کہ "سرزمین ہند پر سعد اللہ خاں سے بڑھکر کوئی مدبر کوئی قابل کوئی راستباز وزیر پیدا نہیں ہوا۔ اس کی ذات پر ہندوستان جس قدر فخر کرے بجا ہے۔" وہ ایشیائی وزراء کا بہترین نمونہ بتایا جاتا ہے۔ شاہجہاں کے ہر ایک ملکی و انتظامی کام میں وہ پیش پیش نظر آتا ہے۔ دہلی کی مسجد جامع شاہجہانی مشہور بہ مسجد جہاں نما کی بنیاد بادشاہ کے حکم سے ۱۰۔ شوال سنہ ۱۰۶۰ھ (۲۸۔ اکتوبر سنہ ۱۶۵۰ء) کو ڈالی جاتی ہے تو دیوان اعلیٰ (سعد اللہ) اور خان ساماں (فاضل خان ملا علاء الملک تونی) کی موجودگی حضرت سلطانی کے جانب سے کافی سمجھی جاتی ہے۔ عالمگیر بھی اپنے مراسلات میں برابر اس کا حال دیتا اور مدح و ستایش کے ساتھ متواتر ذکر کرتا ہے۔ سعد اللہ خاں نے درد قولنج میں ۲۲۔ جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۶ھ (۹۔ اپریل سنہ ۱۶۵۶ء) کو اڑتالیس برس کی عمر میں وفات پائی۔

۵۳۶ سعد اللہ خاں کا بیٹا لطف اللہ خاں (باپ کے مرنے کے وقت) گیارہ سال کا تھا۔ شاہجہاں نے اسکی سرپرستی کی۔ منصب دیا۔ خاندان کے مرتبے کے مناسب اعلیٰ التعلیم و تربیت فرمائی۔ عالمگیر کے عہد میں پایۂ والائے وزارت پر ممتاز ہوا۔ ۱۰۔ شعبان سنہ ۱۱۱۴ھ (۲۸۔ دسمبر سنہ ۱۷۰۲ء) کو بزمانہ تحیر قلعہ گندانہ غلبۂ استسقا سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ اُنسٹھ سال عمر پائی۔ "صد افسوس زلطف اللہ خاں" میں سنہ ۱۱۱۴ھ تاریخ نکلتی ہے۔

۵۳۷ خان علامہ۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں نائب الریاست اور مدار کل تھے۔ بڑے صاحب تصانیف تھے۔ ایک کتاب ہیئت حکمائے فرنگ میں دوسری صناعت جبر و مقابلہ میں یادگار دنادر چھوڑی ہیں، نواب وزیر علی خاں کی معزولی اور اُسکو صحیح النسب تسلیم نہ کرنے میں یہ بھی شریک تھے اور اسی لئے شعرا اور اہل غرض نے انکو ناشائستہ الفاظ سے یاد کیا ہے، سعادت علی خاں کے عہد میں لکھنؤ واپس آرہے تھے کہ مابین کلکتہ و مرشد آباد کے ۱۵۔ شوال سنہ ۱۲۱۵ھ (۲۸۔ فروری سنہ ۱۸۰۱ء) کو وفات پائی۔ میر انشاء اللہ خاں نے دریائے لطافت میں ان (کے ایک شاگرد) کی گفتگو سے روزمرہ اور ایک دہقانی خادم بادام سنگھ سے طریق مکالمت کا یہ نمونہ نقل کیا ہے "اس مردک بدرگ نے خود کو کیا قرار دیا ہے کہ رُو دس غطارنہ سے دم تسادی مارتا ہے اور عواقب امور سے بے اندیشہ محض ہو کر طوالت کلام لاطائل سے سماع سامعین پریشان کرتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ احوال زمانے کا علیٰ بخاء

کہ خان علامہ اپنے تبحر علمی میں فرید عصر تھا۔ حکمائے فرنگ کی ہیئت جدیدہ، جیر و مقابلہ اور بہت سے علوم و فنون غریبہ میں جو نادر کتابیں اُس نے یادگار چھوڑی ہیں، اُس عصر عشرت و عیش میں اُن کی مثال پائی نہیں جاتی۔ میر عبدالجلیل کو اُن کے بعض معاصرین و اخلاف نے اُن کا فضل و کمال اور تقدس

شتی ہے۔ غایت مافی الباب یہ کہ سفہا و بلہا و وہاتین کے اذہان قاصرہ میں مرتسم ہو کہ یہ شخص اپنے اکفاء و اماثل و اقران میں بڑا طلیق و ذلیق، لوذعی، المعی لا یکل لسانہ فی الکلام ہے۔ لو فرض و سلم کہ کوئی اپنے افراط اخلاق سے اس کی خرافات و طامات بیجا پر راضی نہ ہوا تو بھی تسادی اُس کی اذہان اشخاص رفیع القدر کے ساتھ مابونی کے زاویتین کی طرح ساقین سے ثابت نہو سکے گی۔"

۵۳۸ شاہ میر عبدالجلیل بن میر عبدالواحد قدس سرہ پنجشنبہ ۲۰ ماہ رجب ۹۷۲ھ (۲۴۔ فروری ۱۵۶۵ء) کو پیدا ہوئے۔ جذبات قویہ اور کیفیات عالیہ رکھتے تھے۔ آغاز شباب میں وحشتِ دل دامنگیر ہوئی۔ سب کو چھوڑ چھاڑ کر جنگل کو چلدیے، بارہ سال باہر رہے۔ دلق درویشی میں اقصائے عالم کی سیاحت کی۔ مدتہائے دراز صحرا و بیابان میں بسر فرمائیں۔ درختوں کے پتے اور خودرو نباتات قوت لایموت بہم پہونچاتے۔ خلق اللہ سے اجتناب و گریز رہا۔ ایک زمانہ تک ان کی جو خیریت نہیں ملی۔ اقربا مایوس و ناامید ہو چکے تھے۔ بارہ سال کے بعد حضرت بدیع الدین شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ کا موسم عرس آیا جن کی زیارت کے لئے اطراف و اکناف دُور دست سے خلائق اُمڈی چلی آتی تھی۔ تو زائرین کی ایک جماعت کے ساتھ آپ بھی وارد بلگرام ہوئے۔ یہاں سے شاہ مدار کا مرقد منور واقع مکن پور بارہ کوس رہ جاتا ہے۔ اتفاقاً شاہ عبدالجلیل کا گذر اُس کوچہ سے ہوا جہاں آپ کی حقیقی ہمشیرہ رہتی تھیں۔ میر صاحب اُس وقت اکثر بیخودی کے عالم میں رہتے اور نعرے لگایا کرتے تھے۔ جب بہن کے مکان کے سامنے پہونچے تو وہاں بھی نعرہ لگایا۔ بہن نے باوجود طول ایام جدائی اور اُن کی حیات سے مایوس ہو جانے کے بھائی کی آواز پہچان لی اور یہ کہتی ہوئیں کہ "یہ آواز تو عبدالجلیل کی معلوم ہوتی ہے" بے اختیار ڈیوڑھی (دہلیز خانہ) تک دوڑی چلی آئیں اور بھائی سے لپٹ کر زار زار روئیں۔ شاہ صاحب نے ہر چند ناآشنا بنتا اور کنارہ کرنا چاہا لیکن صلۂ رحم غالب آیا اور وحشت مہر و الفت سے بدل گئی۔ پھر وہ عفیفہ ان کو گھر میں لے گئیں۔ رفتہ رفتہ لباس پہنایا۔ میر صاحب نے بعد چندے شادی بھی کی۔ صاحب اولاد ہوئے۔ آخر عمر میں بلگرام سے قصبہ مارہرہ (حال واقع ضلع ایٹہ) کو تشریف لے گئے اور قیام فرمایا۔ وہیں دوشنبہ کے دن آٹھویں ماہ صفر ۱۰۵۴ھ (۵ مارچ ۱۶۴۴ء) کو رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار خالص الانوار مارہرہ میں زیارت گاہ انام اور سجادۂ ہدایت باعث فیضان خاص و عام چلا آتا ہے (از مآثر الکرام)

واقعاً تسلیم کرنے پر بھی عموماً صرف "میر" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ البتہ اُن کے فرزند ارجمند میر سید محمد شاعر اور اُن کے مایۂ نازش نواسہ میر غلام علی آزاد نے کبھی کبھی "علامہ" بھی لکھا ہے جو بادی النظر میں محض اُن کے حسن عقیدت اور شرف انتساب پر محمول ہو سکتا تھا مگر دیدۂ حقیقت میں اسکی وجہ اور بھی بتاتا ہے

۳۹ ہندوستان کے مغل بادشاہ تیمور یا تمرلنگ کی نسل سے براہ راست تھے، اسی نے ہندوستان فتح کیا تھا لیکن اس کی نوہ پوہ سمرقند The Maracanda of Quint-Curtius میں رہی سہی اور بڑھی۔ اُس کے پرپوتے بابر کو یہ خیال سب سے پہلے پیدا ہوا کہ اُس نے اپنے ممالک و جاگیر کو جو اوزبک تاتاری (عرفاً توران) میں واقع تھی چھوڑ کر اُس سے کم دشوار طلب اور زیادہ زرخیز ملک (ہندوستان) میں قیام اختیار فرمایا۔

۴۰ یہ تخت نادرۂ روزگار اور شاہجہاں کی دولت و حشمت کا بہترین اور مشہور یادگار تھا۔ اس کی سقف اندر سے بیشتر مینا کاری تھی اور کچھ جڑاؤ۔ باہر سے لعل و یاقوت اور بیش بہا پتھروں سے مرصع تھی۔ اس کا چتر بالکل مرصع و مغرق بنایا گیا تھا جو زمرد کے بارہ ستونوں پر قائم تھا۔ اس کے اوپر طاؤسوں کے دو پیکر جو جواہر دلآویز آبدار سے مکلل تھے لگائے گئے تھے ان دونوں طاؤسوں کے درمیان ایک درخت مرصع لعل و الماس اور زمرد و مروارید سے تعبیہ کیا گیا تھا۔ اس پر چڑھنے کے لیے تین پایوں کی ایک سیڑھی جو آبدار جواہر سے مرصع تھی بنائی گئی تھی۔ یہ تخت سات سال کے عرصہ میں ایک کروڑ روپیہ سے زائد کی لاگت میں تیار ہوا تھا۔ مشہور سیاح ٹیورنیر Tavernier جس کا موروثی پیشہ زرگری و جواہر فروشی تھا لکھتا ہے کہ اس میں تقریباً ساڑھے چھ ملین اسٹرلنگ (ساڑھے چھ کروڑ روپیہ) سے کم صرف نہ ہوا ہوگا۔ اس تخت میں جو جواہر نصب کئے تھے اُن میں صرف ایک لعل ایک لاکھ روپیہ کا تھا جس کو شاہ عباس صفوی نے زینبل بیگ کی معرفت جہانگیر بادشاہ کو تحفتاً بھیجا تھا۔ جہانگیر نے فتح دکن کے جلدو میں اسے شاہجہاں کو دیدیا تھا۔ وزن میں بارہ مثقال تھا (ایک مثقال اٹھائیس رتی کا ہوتا ہے) یہ لعل خاص مرزا الغ بیگ کی ملکیت تھا۔ مرزائے مذکور نے اُس پر خط نسخ میں الغ بیگ ابن مرزا شاہرخ بہادر بن امیر تیمور گورگان کندہ کرا دیا تھا۔ گردش روزگار سے یہ لعل منتقل ہو کر خاندان صفویہ میں پہونچا تو شاہ عباس نے اُس پر خط نستعلیق میں "بندۂ شاہ ولایت عباس" کندہ کرایا۔ جب جہانگیر کے پاس آیا تو اُس نے اپنا نام مع اپنے آباؤ کے ناموں کے اُس پر لکھایا۔ پھر شاہجہاں نے اپنا نام اضافہ کرا کے اُس کو تخت کے وسط میں جڑوا دیا۔ شاہجہاں نے اُس تخت کے اندر حاجی محمد جان قدسی کی ایک مثنوی بیس شعر کی بیتائے سبز سے لکھائی تھی۔ اورنگ شاہنشاہ عادل، اور سریر ہمایوں صاحبقرانی (۱۰۴۴ھ مطابق ۱۶۳۴ء) اس کے تاریخی نام تھے۔

کشمیر کے پہلے سفر سے واپسی کے بعد شاہجہاں نے اس تخت پر مستقر الخلافہ اکبر آباد میں جلوس فرمایا اور نو دن تک جشن

بزرگانِ بلگرام اور مشاہیرِ زمانہ میں ایک اور بزرگ بھی میر عبد الجلیل[علامہ] گزرے ہیں۔ ان کا نام نامی اور شہرۂ مشیخت و عظمت اہلِ وطن میں سے ہر ایک کی زبان پر تھا۔ اس لئے ان دونوں ہموطن و ہم نسب حضرات میں تمیز کرنے کے لیے یہ کلمہ (علامہ) اُس بزرگ کے لیے استعمال کرنا ضروری و لابد سمجھا گیا تھا جو اپنے اوصاف عالمانہ اور فضل و تبحر کے لحاظ سے حقیقتاً اس کا اہل بھی تھا۔ بہرکیف اس قدر معلوم ہے کہ "میر علامہ" کے لقب نے باوجود سبقت زمانہ "خان علامہ" (تفضل حسین) کے

منایا تھا۔ یہ تخت دودمان تیموریہ میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ تک چلا آیا جب نادر شاہ نے ہندوستان فتح کیا تو یہاں کے غنائم و امتعہ گرانمایہ کے ساتھ اسکو بھی لیکر ایران چلا گیا۔

۵۴۱ عمر بن عبد العزیز بن مروان رضی اللہ عنہ۔ ابو حفص کنیت۔ سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں مصر کے گورنر رہے تھے۔ یونانی علوم اور فنون سے خوب آگاہی رکھتے تھے اُن کی تحقیقات و اشاعت میں کمال رغبت و دلچسپی کا اظہار فرماتے۔ علوم و فنون کے بڑے شائق اور سچے قدر دان تھے۔ بعض کتابیں عبرانی و سریانی سے ترجمہ کرائی تھیں اور ایک اچھا خزانۃ الکتب مجتمع و فراہم کر دیا تھا۔

سلیمان کی جگہ مسند آرائے حکومت ہوئے تھے۔ تمام مورخین نے خواہ عرب کے ہوں خواہ عجم، خواہ فرنگ کے ان کا ذکر نہایت ادب و تکریم کے ساتھ کیا ہے۔ آپ نہایت زاہد و متقی تھے۔ ان کے اعمال خیر کی تفصیل سے ان کی سیرت و تذکروں کے اوراق معمور ہیں۔ مسٹر براؤن اپنی تاریخ ادبیات ایران میں لکھتے ہیں کہ "ناخدا شناس، حریص و خود پرست فرمانروایان خاندان امیہ میں عمر بن عبد العزیز تنہا ایک روشن اور شریف استثنا نظر آتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اُن کی حکمرانی تمام و کمال عالم معاد کے مفادات و لحاظات پر مبنی تھی نہ کہ اس دنیائے دنی کے، لیکن وہی (حکومت) آمدنی (مالگذاری) سلطنت کی تباہی کا باعث ہوئی۔ انھوں نے نہایت وفاداری و پابندی کے ساتھ انھیں طریقوں کی نقل و تقلید فرمائی جو اِن کے جلیل الشان و عظیم القدر ہمنام عمر بن الخطاب کے زمانِ خلافت میں رائج تھے۔"

براؤن پر کچھ منحصر نہیں، خود مورخان اسلام اور سیرت نویسِ خلفا عمر بن عبد العزیز کے پیشروؤں کو "ایسے جور اور خلفائے تغلب و مطامع" بتاتے ہیں۔

اکابر سلف ان کو عموماً "عمر ثانی" اور "شیخ بنی امیہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، اور عہد حاضر کے مورخین و مصنفین "مولوی خلیفہ" کے نام سے۔ ان کا شمار خلفائے راشدین میں (خامس) ہوتا ہے تخت نشین ہوتے ہی

مقابلہ میں زیادہ شہرت و بقا نہیں پائی۔ شاید اسکی وجہ یہ ہی رہو کہ سید موصوف وکالت مطلق، وزارت یا کسی بالا منصب تک نہ پہونچے تھے۔ بے شبہ میر عبد الجلیل ایک نہایت باکمال شخص تھے، اور ہر ایک شعبۂ کمال اور جملہ اصناف فنون میں ممتاز دخل رکھتے تھے۔ اُن کا ذکر اُن کے معاصرین اور بعد کو آنے والے تذکرہ نویسوں نے فضلاء، اہل لغت، شعراء اور صلحا کے ذیل میں کم و بیش ضرور کیا ہے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ زمانہ ناموافق پایا تھا اور اقبال نامساعد۔ میر نے سات بادشاہوں کا

انھوں نے اصطبل شاہی کے سب گھوڑے فروخت کرکے ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرادی، ان کی نیک خصال و متقیہ بی بی فاطمہ خاتون نے جو خلیفہ عبد الملک کی ناز پروردہ بیٹی اور دو بادشاہوں ولید اور سلیمان کی بہن تھیں اپنے تمام جواہر و زیور بیت المال میں بھیجدیے۔ یہ تقویٰ اور خشیت الٰہیہ کی کیفیت اُس شخص کی تھی جو ایام شاہزادگی میں بڑی امارت و عیش و تنعم کی زندگی گزار رہا تھا اور جس نے گورنر مدینہ ہوتے اور اختیار و حکومت پاتے ہی یک قلم زہد و درویشی اختیار کرلی۔ حضرت انس بن مالک (خادم رسول اللہ صلعم متوفی بصرہ ۹۳ھ) کی موعظت اور تعلیم صلوٰۃ و اسرار دین کا جناب عمر کی پاکیزہ طبیعت پر زیادہ اثر پڑا تھا۔

تحریر و تدوین سنن اور اخبار نبوی بھی آپ ہی کے آثار شریفہ سے ہے۔

آپ نے سمح بن مالک خولانی کو حاکم اندلس مقرر کیا جس نے جنوبی فرانس کے علاقہ اور ناربونہ فتح کئے۔

افریقہ کے بربروں نے محض عمر کے فضائل اور حسن خصائل کو سُنکر اسلام قبول کیا تھا، پھر تونس و طرابلس کے باشندوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ سندھ اور بعض ممالک ترکستان کے رہنے والے آپ ہی کی دعوت داعیٔ حق سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بعض گرجاؤں کی زمینیں عیسائیوں کو واپس دلادیں، دمشق کے گرجا کا وہ حصہ جسکو عیسائیوں کی مرضی کے خلاف انھیں کی تیز مزاجی و بدزبانی کی وجہ سے ولید نے جامع مسجد میں شامل کرلیا تھا، عیسائیوں کو واپس کردینے کا حکم دیا۔ پھر جب عیسائیوں اور مسلمانوں میں باہم صلح ہوگئی تو اس مصالحت کے موافق انہدام مسجد کو منع کردیا۔ اور عیسائیوں کو غوطۂ دمشق کے تمام گرجے واپس دوحوالہ کردیئے۔

مولانا شبلی اپنے رسائل میں بہ ذیل حقوق الذمیین لکھتے ہیں کہ "ایک عیسائی نے ہشام بن عبد الملک پر جو بڑی عظمت و اقتدار کا خلیفہ گزرا ہے ایک جایداد کا دعویٰ کیا، اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے دربار میں مقدمہ پیش ہوا۔ تو حضرت عمر نے ہشام کو عدالت میں طلب کیا، اور کہا کہ مدعی کے برابر کھڑے ہوکر جواب دہی کرو۔ ہشام نے وکیل مقرر کرنا چاہا حضرت نے کہا نہیں تم خود سامنے کھڑے ہوکر جواب دو۔ ہشام نے عیسائی کے ساتھ

زمانہ دیکھا، اُن کے درباروں میں رسوخ بھی حاصل کیا۔ سلطنت کے اہل حل وعقد اور امرائے دولت سے برابر کا رابطہ وسابقہ رکھا لیکن اُس وقت تیمور[۳۹] کے اخلاف کا تاج ہوا میں اُڑ رہا تھا، ملک میں منازعات وانقلابات عظیم رونما تھے۔ اکبر وجہانگیر کا ارث جاہ وجلال تخت[۴۰] طاؤس کے ساتھ ساتھ بیرونی واندرونی حملہ آوروں کی ہیبت وجلال سے تھرّا رہا تھا۔ بیچارے میر عبدالجلیل کی قدر اُن کے مرتبہ کے موافق کون کرتا، ملک الشعرا، یا تاج العلماء کون بناتا، علامہ کون کہتا۔

اب رہے امرائے دولت اور اعیان سلطنت۔ ایک تو وہ بجائے خود متردد وپریشان تھے، نوع بہ نوع

سخت کلامی شروع کی، حضرت عمر نے نہایت سختی سے ڈانٹا اور کہا کہ دوبارہ یہ حرکت سرزد ہوئی تو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ رویداد سے عیسائی کا حق ثابت تھا اُسکو ڈگری دلائی اور حکم دیا کہ ہشام کی دستاویز جو اُس نے پیش کی تھی چاک کردی جائے۔"

مساجد کے منبروں پر جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بُرائی خطبوں میں کی جاتی تھی اُسکو آپ نے بند کردیا۔ آل رسول کو باغ فدک نذر کردیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ذریت طیبہ وعترت اطہار کی بڑی تعظیم وتوقیر فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہما کسی کام سے ان کے پاس گئے۔ عمر نے کہا کہ "جب آپ کا کوئی کام ہوا کرے تو آدمی بھیجکر مجھے بلوا لیا کیجئے، میں حاضر ہوں گا۔ یا مجھے رقعہ لکھ بھیجا کیجئے۔ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ وہ آپ کو میرے دروازے پر دیکھے۔"

ایک بار آقائے مومنین مولائے رحمۃ للعالمین اسامہ بن زید کی صاحبزادی عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئیں، عمر نے اُن کو بڑی عزت وتکریم کے ساتھ اپنی جگہ پر بٹھایا خود اُن کے سامنے بیٹھے اور اُن کا ہر کام پورا کردیا۔

اسوۂ صحابہ میں بحوالہ اسد الغابہ مرقوم ہے کہ ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز شام میں لوگوں کا وظیفہ تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص اسی غرض سے حاضر ہوا اور کہا کہ "میں قریش سے ہوں" انھوں نے پوچھا "قریش کی کس شاخ سے ہو؟" بولا "بنو ہاشم سے" فرمایا "بنو ہاشم کے کس خاندان سے" بولا "میں علی بن ابی طالب کا غلام ہوں"۔ انھوں نے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ "میں بھی علی کا غلام ہوں"۔ پھر اپنے خزانچی سے دریافت کیا کہ غلاموں کو کیا وظیفہ دیا جاتا ہے۔ اُس نے کہا کہ "سو سے دو سو درہم تک" فرمایا "یہ علی بن ابی طالب کا غلام ہے، اس کو ساٹھ دینار دو"۔ پھر کہا کہ "اپنے ملک میں جاؤ ہر سال تم کو اس قدر رقم پہونچتی رہیگی، جتنی

کے مصائب و آفات میں مبتلا ہو۔ دوسرے حکماء کا قول ہے کہ جس شغل کی طرف سلاطین کے طبائع مشغول ہوتے ہیں زمانہ کے لوگ بھی اُسی کو پسند کرتے اور اُنھیں کی پیروی و تتبع کرنے لگتے ہیں۔ تجربہ اور بداہت عقلی سے بھی یہ کلیہ درست ثابت ہو چکا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز[۱۰۱] کے عہد میں لوگ جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو نماز، روزہ، نوافل و اذکار و اوراد کی بات چیت اور سوال و جواب ہوتا تھا۔ سلیمان[۱۰۲] بن عبدالملک کے زمانہ میں نکاح و عشرت، عشق بازی اور الوان طعام کا چرچا ہوتا اور گفتگو ہوتی۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی حکایتیں اور واقعات دانشمندان عرب کے اس قول کی

غلاموں کو ملتی ہے۔"

آپ کے عہد میں جب جدار قبر مطہر حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام درست کی گئی تو بقدر ایک شبر (بالشت) مُسنّم مُرتفع کر دی گئی، ائمہ اربعہ اس کی اجازت دیتے اور استحباب فرماتے ہیں، بخلاف مسلک قدمائے شافعیہ کے جو تسطیح کو مستحب بتاتے ہیں۔

دو سال پانچ ماہ خلافت کر کے رجب ۱۰۱ھ (۷۱۹ء) میں راحلہ پرداز بقا ہوئے یا بقول مستشرقین فرنگ آپکی وفات پہلی صدی اسلامی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ ہوئی۔

۱۰۲ سلیمان بن عبدالملک خلفائے بنی امیہ سے تھا اپنے بھائی ولید کی جگہ ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں سریر امارت پر بیٹھا اور دو سال سات (یا آٹھ) ماہ حکمرانی کر کے ۲۰ صفر ۹۹ھ (۲۔ اکتوبر ۷۱۷ء) کو وفات پائی۔ خراسان و دیگر ممالک و اقطاع فارس میں اسلام اس کے بھائی اور پیشرو ولید کے اور خود اس کے عہد میں پھیلا۔ یزید بن مہلب حاکم کوفہ نے طبرستان اور جرجان فتح کیا۔ اس کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی، اور عرصہ تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ بالآخر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے فوجیں واپس بلالی گئیں۔

یہ بادشاہ نیک نیت اور معتدل مزاج سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اختیار پانے پر حجاج کے اسیر ستم کئی ہزار قیدیوں کو مخلصی دیدی۔

شعراء اور اہل کمال کا بڑا قدردان اور سرپرست تھا۔ فرزدق اس کا درباری شاعر تھا۔ ایک بار مجلس خاص میں اپنا قصیدہ پڑھ رہا تھا جب اس شعر پر پہونچا ؎

فبتن بجانبی مصرعات　　وبت افض اغلاق الختام

تائید کرتے ہیں کہ الناس علیٰ دین ملوکھم بادشاہ وقت یا حکمران قوم کے شیم و اخلاق جب ہنرمندی و ہنرپروری پر رہبری و دلالت کرتے ہیں تو ارکان دولت اور اکابر مملکت بھی اکتساب فضائل میں پیش پیش اور استحصال فنون و کمالات میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ فرخ سیر اور محمد شاہ کی عادات و خصائل کو دیکھکر اہل علم و صاحبان کمال کی سرپرستی اور عزت افزائی کی توقع کس سے ہو سکتی تھی۔

مرزا غالب نے ایک موقع پر کہا ہے ؎

جاہ زعلم بے خبر، علم زجاہ بے نیاز ہم محک تو زر ندید ہم زر من محک نخواست

یہ محض ادّعائے مخمورانہ نہ تھا بلکہ "موئینہ پوش" شاعر کی سرگزشت تھی لیکن فلسفۂ ارتقا کا سبق یہ ہے کہ علم اور جاہ توام ہیں۔ دوش بدوش رہنا چاہیئے۔ بلا مساعدت یکدگر شہرت و عروج نصیب نہیں ہوتا۔ انھیں زندۂ جاوداں ہستیوں کو دیکھ لیجئے جن کے نام ابھی لے چکا ہوں۔ ایک امیرزادہ

(تو انھوں نے میرے پہلو میں پڑے پڑے شب گزاری اور میں نے یوں رات کاٹی کہ بند دروں کی مُہروں کو توڑتا رہا) تو خلیفہ بولا "ارے کمبخت فرزدق! تو میرے سامنے اقرار زنا کر رہا ہے، تجھپر حد شرعی لابد ہوگئی۔" فرزدق نے عرض کیا کہ "مجکو تو کتاب اللہ حد سے محفوظ ہونے پر آگاہ کرتی ہے۔" پوچھا "کہاں اور کیسے" کہا کہ خداوند غرّاسمہٗ فرماتا ہے وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (اور شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو گمراہ ہیں۔ جزء ۱۹۔ سورۃ الشعراء ع۔ ۱۱-۱۵) الیٰ قولہ تعالیٰ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (بیشک وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ جزء ۱۹۔ الشعراء ع ۱۱-۱۵) سلیمان ہنس پڑا اور چھوڑ دیا۔

فخرالدین محمد رازی صاحب تاریخ حدائق الانوار لکھتے ہیں کہ سلیمان نہایت پرخور شخص تھا۔ ہر روز ایک من کے قریب کھانا کھا جاتا تھا۔ جامع التواریخ میں مرقوم ہے کہ اسکو طعام و نکاح سے کمال رغبت تھی، اسی لئے اسکے زمانہ میں لوگوں کی خواہش بھی انھیں دو چیزوں پر منحصر تھی۔

اہل تاریخ نے اسکی بسیار خوری کے متعلق عجیب و غریب روایات نقل کی ہیں۔ اپنے زمانۂ خلافت میں پہلا حج کرنے ۹۷ھ (۷۱۶ء) میں گیا، مدینہ منورہ پہونچا تو بڑی سیر چشمی سے اہل شہر کی دعوت کی، چوراسی دُنبے ذبح ہوئے۔ ان سب کے کلیجے پائے اور گردے بھون بھون کر دعوت سے پہلے ہی ہضم کر گیا۔ پھر مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر شکم سیر ہو کر کھایا۔ طائف شریف میں ابن ابی زہیر ثقفی نے ضیافت کی۔ یہاں اس نے ایک دنبہ، چھ مرغیاں

لطف اللہ خاں) کو چھوڑ کر باقی سب نے جھونپڑوں میں پرورش پائی تھی، زوایا و مساجد کے صحن میں چٹائیوں پر بیٹھکر یا درختوں کے نیچے کسب علم کیا تھا لیکن شہرت و نام نے اُس وقت قدم چومے کہ جب تخت و تاج کے سایہ و سرپرستی میں آگئے۔

اپنی جامعیت کمالات و مہارت السنۂ اربعہ و تبحر علمی کے لحاظ سے میر فرد فرید تھے اور ورع و تقویٰ میں ممتاز۔ اُن کو خزینۂ غیب سے دولت و جمعیت دارین نصیب تھی وَاٰتَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (اور ہم نے اُن کو دنیا میں بھی بہتری دی تھی اور آخرت میں بھی وہ ضرور نیک بندوں میں ہوں گے۔ جزء ۱۴۔ سورۃ النحل ع ۱۶-۲۲-)

میر تقی میر کا یہ شعر بعینہٖ میر جلیل کے حسب حال تھا ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　　افسوس! تمکو میر سے صحبت نہیں رہی

بیس رقاق (نان تنک) اور ایک سو ستر انار نوش جان فرمائے تھے۔ حج کے لیے بھی بڑے تزک و احتشام اور سامان و اہتمام کے ساتھ گیا تھا۔ صرف اس کی ذات خاص کی پوشاکیں سات سو اونٹوں پر بار تھیں۔

یادِ بخیر پورب

سَلَامٌ عَلٰی شَرْقٍ وَّمَنْ حَلَّ فِیْ شَرْقٍ سَلَامٌ عَلٰی سُکَّانِہٖ ، قُلْ عَنْ حَقٍّ

پورب کی تاریخ قدیم سے علم و علماء کے دامن سے وابستہ، اور یہ سرزمین اُن کی بدولت معدنِ فضل و شرف رہی ہے۔ سید محمد کرمانی جو سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی کے مرید رشید تھے سیر الاولیا میں لکھتے ہیں کہ "مولانا فرید الدین شافعی، اودھ کے شیخ الاسلام تھے۔ جن کے روبرو بڑے بڑے علماء متبحرین نے زانوئے ادب تہہ کیا تھا، مولانا علاء الدین نیلی[۴۳] اودی، کشاف کے قاری ہوتے تھے اور مولانا شمس[۴۴] الدین یحییٰ سے نامور، اور دیگر فضلائے اودھ سامع۔ پائے تختِ خلافت کے حصار کو چھوڑ کر جو ہر قسم کے اہل کمال کا مرجع اور مرکز ہو رہا تھا، اور ہونا چاہیئے تھا، صوبۂ اودھ و الہ آباد کو جو خصوصیت حاصل تھی اور کسی قطعۂ مملکت ہند میں پائی نہیں جاتی۔ یہاں والوں نے ہر زمانہ میں اپنے تراکم افکار و اجتماع عقول سے جملہ کمالات نفسی کو علماً، عقلاً اور نقلاً انتہائے ترقی پر پہونچا دیا تھا۔ اودھ کے پورے صوبہ اور الہ آباد کے اکثر حصہ میں پانچ کوس تک شرفا و نجبا کی آبادی تھی جن کو سلاطین و حکام نے وظائف و زمین، مدد معاش میں دے رکھی تھیں۔ مساجد، مدارس، خانقاہیں تعمیر کی تھیں جن کے دروازے اہل تلاش کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ علما ہر جگہ مشغول افاضہ و تدریس تھے۔ اطلبوا العلم کی صدائے عام کانوں میں گونج رہی تھی۔ طلبہ جوق جوق ایک شہر سے دوسرے کو جاتے اور موافقت مزاج و مذاق پاکر مصروف

---

[۴۳] ابن ابی الحجاج شاعر کے ترجمہ میں قاضی ابن خلکان لکھتا ہے کہ "نیل" دراصل ایک نہر کا نام ہے جو حجاج بن یوسف نے کھودوائی تھی اور نیلِ مصر کے نام پر اسکا نام رکھا تھا۔

قاضی نور اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ "نیل" رود فرات کے کنارے بغداد اور کوفہ کے درمیان ایک شہر تھا۔

[۴۴] سألت العلم من احیاء حقا فقال العلم شمس الدین یحییٰ یہ مبالغہ شاعرانہ نہیں، بلکہ اظہار حقیقت ہے جو مولانا شمس کے نام آور شاگرد شیخ نصیر الدین محمود اودی الہ دہلوی کے معجز رقم قلم سے بے ساختہ ادا ہو گیا ہے۔ اہل علم نے متفقاً تسلیم کیا ہے کہ اس ملک میں علم کے جسم بے جان میں مولانا ہی نے جان تازہ ڈالی۔

تحصیل ہو جاتے، ہر بستی کے صاحبِ توفیق، طالبانِ علم پر نظر رکھتے اور اس جماعت کی خدمت کو سعادتِ عظمیٰ جانتے تھے۔ صاحب قرانِ ثانی شاہجہاں کو ناز تھا کہ "پور رب شیراز مملکت ما است"۔ سنہ ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۸ء) تک علم و علماء کا یہ ہنگامہ اس گل زمین پر گرم رہا تا آنکہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری آغاز جلوس محمد شاہ میں صوبۂ اودھ کا حاکم مقرر ہو کر آیا اور صوبۂ الہ آباد کے اکثر اچھے شہر مثل جون پور و بنارس و غازی پور و کڑہ مانک پور و کوڑہ جہان آباد وغیرہ کے ضمیمہ حکومت ہو گئے تو قدیم و جدید خانوادوں کے وظائف و پنشنیں یک قلم ضبط کر لیں۔ شرفا و نجبا پریشان ہو گئے۔ اضطرار معاش نے کسب علم سے باز رکھا۔ سپہ گری کی طرف توجہ کرنا پڑی۔ تدریس و تحصیل علوم کا اُس درجہ رواج نہ رہا۔ پرانی پرانی مشہور درسگاہیں تباہ ہو گئیں اور اربابِ کمال کی مجلسیں برہم۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وہ اودھ (یا جودھیا۔ دار الامارۃ پورب) کے رہنے والے تھے، اور مولانا ظہیر الدین بکری اور مولانا فرید الدین شافعی کے تلمیذ رشید، خرقۂ خلافت سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین بدایونی دہلوی سے پہنا تھا۔ اپنے مرشد کے وصال کے دو سال بعد ۷۲۷ھ (۱۳۲۷ء) میں رحلت فرمائی۔

۴۵ محمد امین نام، سادات موسوی نیشاپور سے تھا۔ شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ میں ایران سے ہندوستان آیا۔ ابتداءً کچھ روز نواب سربلند خاں تونی صوبہ دار گجرات کے ساتھ گذارے پھر محمد فرخ سیر لعبازاں محمد شاہ کے حضور میں پہونچا ترقی کی رسوخ حاصل کیا نواب برہان الملک سعادت خاں خطاب مرحمت ہوا صوبہ داری اودھ پر سرفراز کیا گیا ہفت ہزاری منصب پایا

محاربۂ نادر شاہی میں موجود تھا۔ جنگ کے بعد مگر قتل عام سے ایک شب پہلے ۲۹۔ ذیحجہ ۱۱۵۱ھ (۱۰ مارچ ۱۷۳۹ء) کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا۔ وجہ موت درد کی شدت اور زخم کی کلفت تھی کئی ماہ سے ایک بنیل نے ستار رکھا تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ "برہان الملک" امیر الامرا ہونا چاہتا تھا۔ اسمیں ناکامی ہوئی تو آزردہ خاطر ہو کر نادر شاہ قہرمان ایران سے ملگیا۔ اور بدگوئی و سعایت کی۔ جنگ کے آغاز میں مجروح و اسیر ہوا پھر صلح کے لئے سلسلہ جنبانی اور پیغام رسانی کی۔ نادر شاہ محض اُسی کی تحریک و اشارہ سے بہ بہانۂ ضیافت کرنال کے میدان جدال سے شاہجہاں آباد آیا، اور قلعہ میں داخل ہو گیا تھا۔ ورنہ در اصل اُس کا ایسا ارادہ نہ تھا۔ زر موعودہ موقعہ پہونچنے میں دیر ہوئی۔ نادر شاہ نے سختی کی اور برہان الملک کے منھ پر تھوک دیا۔ میر محمد قاسم عبرت نامہ میں لکھتے ہیں کہ برہان الملک اسی وجہ سے زہر کھا کر مر گیا تھا۔ تاریخ وفات "بے سعادت نمک حرام بمرد"

برہان الملک کی رحلت پر اُس کا بھانجہ ابو المنصور خاں صفدر جنگ حکمران ہوا، اُس کے وقت میں بھی وظائف واقطاعات بدستور ضبط رہے۔ محمد شاہ کے آواخر عہد یعنی ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) میں صوبہ داری الہ آباد پر بھی صفدر جنگ کا تقرر ہوگیا تو رہے سہے وظائف جو اس صوبہ میں اب تک ضبطی سے محفوظ تھے اُنکی بھی شامت آگئی۔ احمد شاہ کے زمانہ میں صفدر جنگ نے پایۂ وزارتِ اعلیٰ پر ترقی و سرفرازی پائی۔ نائب صوبہ نے ارباب وظائف کو نہایت تنگ اور پریشان کیا اور ان صوبجات میں حوادث روزگار سے یہ پامالی حدِ انتہا تک پہونچگئی۔

اس داستان الم یا سرگذشت عہد گل کو میر غلام علی بلگرامی کے خوں چکاں و خونیں نو اقلم نے مآثر الکرام کے صفحات پر خوب ادا کیا ہے ع

عندلیب آشفتہ تر گفت است ایں افسانہ را

۱۱۵۲ھ ہے۔ ۱۱۵۱ھ ہونا چاہیئے تھا، ایک عدد زیادہ ہے۔

عمدۃ الملک نواب امیر خاں (تخلص بہ انجام) سے نوک جھوک ہوتی رہتی تھی۔ ایک روز دونوں نواب دربار شاہی میں حاضر تھے، سعادت نے طنزاً کہا ؎ پسر نوح با بداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد طعن یہ تھا کہ شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد ہو کر تم نے یہ شیوۂ ناشایاں اختیار کیا ہے اور مسخر و مذاق کیا کرتے ہو امیر خاں نے فی البدیہہ جواب دیا کہ صحیح ہے ؎ سگِ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد یعنی آپ گمنام تھے یہ شہرہ و مرتبہ پاگئے۔ سعادت خاں دہلی میں اپنے بھائی سیادت خاں کے مقبرہ میں دفن ہے والہ داغستانی نے مرثیہ لکھا تھا ؎

دُور از تو سپہر دائرہ گوں می گرید بنگر کہ زمانہ بے تو چوں می گرید
رفتی زجہاں و پشت شمشیر شکست با قامت خم ہمیشہ خوں می گرید

میر غلام علی آزاد نے خزانۂ عامرہ میں برہان الملک کی زندگی کے ہر پہلو کو پاک اور خوشنما بنا کر دکھایا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مورخ نہ تھے۔ شاعر تھے اور شاعروں کی طرح تذکرہ نویس۔ یا یوں کہئے کہ بلگرام کی سکونت و تعلقات اور نواب شجاع الدولہ کی حکمرانی اودھ سے مجبور تھے ؎

حافظ ز خود نہ پوشید ایں خرقۂ مے آلود اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را

پورب کی تعریف میر آزاد سبحۃ المرجان میں فرماتے ہیں کہ "وہ دہلی سے جانب شرق ایک وسیع ملک ہے، جس کے متعلق تین صوبے، اودھ، الہ آباد اور عظیم آباد ہیں"۔ اور "صوبہ زمین وسیع و محدود کو کہتے ہیں کہ جسمیں دارالامارۃ واقع ہو۔ اور دیگر شہر بھی متعلق ہوں"۔ "ہر شہر کے تابع چند قصبے ہوتے ہیں جو اُس کی طرف مضاف کردیے جاتے ہیں"۔ "پورب کے قصبے بھی شہروں کے برابر ہیں، ان میں عالیشان عمارات اور شرفا و نجبا، مشائخ و علما اور مختلف اقوام اور انواع و اقسام کے پیشہ وروں کے مکانات اور مساجد و مدارس و پرستش گاہیں موجود ہیں۔ وہاں کی مسجدیں جمعہ و جماعت کی نمازوں سے آباد ہیں اگر اُن کو شہر کہیے تو بجا ہے"۔

صوبۂ اودھ کے مردم خیز قصبات نے جس قدر اور جس پایہ کے اہل علم و فضل پیدا کیے ہیں مجموعاً سارے ملک ہند نے بھی ایسے باکمال پیش نہیں کیے۔ مولانا شیخ سعد الدین خیرآبادی، ملا قطب الدین شہید سہالوی، مولوی قطب الدین شمس آبادی، شیخ غلام نقشبند لکھنوی، شیخ احمد ملا جیون امیٹھوی، مولانا بحر العلوم فرنگی محلی، ملا حمد اللہ، ملا حسن، ملا کمال، قاضی مبارک، ملا نظام الدین صاحب درس نظامیہ، میر عبد الجلیل بلگرامی، میر غلام علی آزاد، اسی خاک سے اُٹھے تھے جو علم و شہرت کے آسمان پر شمس و قمر ہو کر چمکے۔

---

۴۶ اصلی نام مرزا مقیم، ابو المنصور خاں کنیت و لقب، وزیر الممالک نواب منصور علی خاں صفدر جنگ خطاب تھا۔ سیادت خاں کا بیٹا، برہان الملک سعادت خاں کا بھانجا اور داماد تھا۔ ماموں کے مرنے کے بعد شروع سال ۱۱۵۲ھ (اپریل ۱۷۳۹ء) میں دو کرور روپیہ بطریق پیشکش نادر شاہی خزانہ میں داخل کرکے محمد شاہ کے حضور سے صوبۂ اودھ کا خلعت حاصل کیا۔ ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں احمد شاہ بادشاہ کے تخت نشین ہونے پر عہدۂ وزارت اعلیٰ پر سرفراز ہوا۔ سات سال تک تمام انتظامات سلطنت اور اختیارات شاہی اپنے ہاتھ میں رکھے۔ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) میں وزارت سے معزول ہوا۔ پائے سریر سلطنت سے رخصت ہو کر اپنے مستقر حکومت صوبۂ اودھ و الہ آباد کو جا رہا تھا کہ لکھنؤ سے تین منزل اس طرف پاپڑ گھاٹ میں ۱۷ ذیحجہ (۴۔ اکتوبر ۱۷۵۴ء) کو جادہ نورد منزل بقا ہوا۔ برہان الملک کی طرح اس کا خاتمہ بھی ایک بڑے دانہ کے نکلنے اور درد کی شدت سے ہوا تھا۔ اس کی لاش برائے چندے گلاب باڑی فیض آباد (اپنے دار الحکومت) میں امانتاً سپرد زمین رہی۔ بعد ازاں

سلام! اے پورب کی سرزمین سلام!! تجھ پر اور اُن قدسی پیکروں پر رحمت اور سلام!!! جو تیری پاک آغوش میں راحت گزیں اور محوِ خواب نوشیں ہیں جن کے اعمال حسنہ اور حسنات جاریہ کی برکات ایک عالم پر سایہ فگن ہیں جن کی یاد میرے اور تیرے سینہ میں موجزن ہے۔ اس تار و تنگ دنیا کے در و دیوار شاہد ہیں کہ کبھی تو نے اپنی تجلیوں سے اُسکو بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ اہل دل اور اہل نظر کے لیے تو محبت کی چیز ہے ؎

ومن شیمتی حب الدیار لاھلھا　　وللناس فیما یعشقون مذاھب

شاہجہاں آباد بھی گئی۔ شاہ مردان کی درگاہ کے متصل اس کا رفیع الشان اور منیع البنیان مقبرہ مع ایک وسیع و پُر فضا باغ کے اب بھی نہایت اچھی حالت میں موجود ہے۔ تیس لاکھ روپیہ اس کی تعمیر میں صرف ہوا تھا۔ اُس کی بجائے اُس کا بیٹا نواب شجاع الدولہ صوبہ داری اودھ پر مامور ہوا۔

صفدر جنگ کے زمانۂ وزارت میں بہت سے تنازعات برپا ہو گئے تھے۔ وزارت سے ہٹایا گیا تو مقابلہ و مقاتلہ کے لئے مستعد و آمادہ ہو گیا۔ چند امرائے با اقتدار سے سازش کر کے اپنے مخالفین سے جنگ پیکار شروع کر دی۔ اس کے رفیق اور مددگار مہاراجہ سورج مل جاٹ نے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ دہلی کا یہ محشر خیز سانحہ 'جاٹ گردی' کے نام سے مشہور ہے۔ ہر نند اس کی جاگیر کے محالات کا محصل و مہتمم اور راج اندر گوشائیں ملتزم خدمت و نگران کار تھا۔ اس کی فرد جرائم کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ بہ حیلۂ ضیافت و مہمانی اس نے نواب بہادر جاوید خاں کو بلوا کر مروا ڈالا تھا اور دغا کی تھی۔

ن　دیدنی

دارالسلام بلگرام

بلگرام کا نامور شاعر شاعرؔ تخلص جس کا تذکرہ مختصراً پایان کتاب ہذا میں بھی آئیگا، اپنے وطن کی مدحت وستائش میں نوا سنج ہے:-

سیر باید کرد یاراں نوبہارِ بلگرام — برزمرد نازد ازسبزہ زارِ بلگرام
ہر نفس عطرِ گلستانِ یمن بو می کنند — خوش دماغاں، از نسیم مشکبارِ بلگرام
عطف از فردوس می سازد عنانِ دیدہ را — چشم بینائے کہ می گردد دوچارِ بلگرام
اہلِ معنی کسب انوارِ سعادت می کنند — از سوادِ اعظمِ دولت مدارِ بلگرام
شش جہت تنگ است بر جولانِ رخشِ ہمتش — برفرازِ عرش نازد شہسوارِ بلگرام
یاد ہندوستاں کجا از خاطرِ طوطی رود — میکند شاعرؔ بجا وصفِ دیارِ بلگرام

شاعرِ سخنور پر منحصر نہیں، خود اُسکے پدر گرامی قدر (صاحبِ تذکرۂ ہذا، میر عبدالجلیل) نے ایک پوری مثنوی "امواج الخیال" نام لکھ کر وطن پسندی اور وطن دوستی کی داد دی ہے۔ "حب الوطن من الایمان" کا حق بلگرام کے اور بھی بہت سے اہلِ کمال نے ادا کیا ہے۔ امواج الخیال کی چند لہریں اپنی رَو میں قارئین محترم تک آجائیں گی لیکن اوروں کے نغمہ ونشید کی ان معدود اوراق میں گنجایش نہیں۔ اِسی الفت کا اقتضا کہئے یا سوئیت طوئیت وحُسنِ عقیدت کا جاذبہ کہ بزرگانِ بلگرام، بلگرام کا نام بھی ہمیشہ کمال عظمت وحرمت کے ساتھ لیتے رہے ہیں۔ میر غلام علی نے اسکو "دارالسلام" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ وزن وقافیہ کی رعایت سے یہ نازک خیالی قابلِ داد ہے!

حسب تحریر محققین متاخرین (وروایت مآثر الکرام) بلگرام کا طول البلد ایک سو سولہ درجہ پندرہ دقیقہ اور عرض البلد چھبیس درجہ پچپن دقیقہ سمت قبلہ ہے اور پچپن دقیقہ مغرب سے جانب شمال۔ مسافت مابین مکہ وبلگرام پینتیس ۳۵ درجہ ترین دقیقہ ہے اور باعتبار شمال فراسخ سات سو ۷۰۰ نواسی کوس۔ مساحت جدیدہ

(گرین ایچ واقع انگلستان) کے مطابق بیشتر عرض البلد ستائیس درجہ دس دقیقہ تیس ثانیہ شمالاً اور طول البلد اسّی درجہ چار دقیقہ تیس ثانیہ شرقاً بتایا جاتا تھا مگر اب ستائیس درجہ گیارہ دقیقہ شمالاً اور اسّی درجہ دو دقیقہ شرقاً ثابت ہوتا ہے۔

بلگرام کی وجہ تسمیہ کی نسبت رُواۃ اور افسانہ خوانانِ کہن کا بیان ہے کہ یہ نام ایک دیو "بل" نامی سے منسوب ہے۔ بعض "الال پسر بلال" سے اس کا انتساب ظاہر کرتے ہیں جسکو نیمسار کے متبرک و مرتاض رشیوں کے ایما سے سری کرشن جی کے بھائی بلرام نے قتل کیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بل وہ دیو تھا جس کو ابتدائے زمانہ اسلام میں شیوخ نے ہلاک کیا تھا۔ شیوخ بلگرام کا دعوےٰ ہے کہ ان کے اسلاف نے جو محمود غزنوی کی رفاقت و ہمرکابی میں یہاں آئے تھے ۴۰۵ھ (۱۰۱۴ء) میں راجکواروں کو خارج البلد کرکے قصبہ کا نام بلگرام رکھا تھا جس کی تائید و تصدیق میں اشعار ذیل پیش کرتے ہیں:-

مسلماں رسیدہ بہ ہندوستاں — زقوماں ہمی بود صد بیقیاں
جنود و جلیس بود انصاریاں — ترکمان و اخوان بود صاریاں
زچار و صد و خمس ہجری تمام — سری لکر را نام شد بلگرام

آزاد لکھتے ہیں کہ اکابر طریقت میں سے خواجہ عماد الدین[۵۴] و سید محمد معزے[۵۵] نے سب سے پہلے بلگرام کو بلگرام بنایا اور اپنے مقدم گرامی سے شرف و اکرام بخشا تھا۔ چنانچہ میر سید محمد خواجہ صاحب کی شان میں فرماتے ہیں ؎

---

۵۴ خواجہ عماد الدین، حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی (اوشی) دہلوی کے مرید اور اسی مقام کے صاحب ولایت تھے۔ حسب روایت مآثر الکرام خضر علیہ السلام سے ملاقات تھی۔ فقر و تصوف میں مقامات عالیہ طے کر چکے تھے اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری کا نقاب ڈالکر ایک خاموش زندگی بسر کرتے رہے۔ کبھی کسی کو خلیفہ حتیٰ کہ مرید بھی نہیں کیا۔ سید شریف بن سید عمر حسینی واسطی بلگرامی نے کتاب مرآت المبتدین میں آپ کے حالات کمال عظمت و احترام کے ساتھ لکھے ہیں۔ باوجودیکہ قنوج اور بلگرام کے مابین دریائے گنگ حائل ہے لیکن بحالت طالب علمی روزانہ

خواجۂ کامل عماد الدین قطب الاولیا — حلقۂ باب حریم او حصارِ بلگرام
از دُرودِ موکب این خسروِ عالیجناب — سرمۂ چشمِ ملک باشد غبارِ بلگرام
آستانِ اشرفِ او بوسہ گاہِ آسماں — بارگاہِ اقدس او افتخارِ بلگرام

دسویں صدی کے پیشتر کی تاریخ تو بہت کم معلوم اور کم قابل اعتماد ہے، تاہم بلگرام کے متعلق کچھ افسانے یا حوالے 'پھونپیت کرت' اور اس کے ترجمہ 'پریم ساگر' میں ملتے ہیں۔ یا کچھ قصے کہانیاں بعض زبانوں پر باقی ہیں۔ البتہ دریائے گنگا کے فراخ و دراز کنارے اور بلند پہاڑیاں اُن خونریزیوں کی شاہد ہیں جو اس زرخیز و مردم آفریں خطہ کی فتح و تسلط کے لئے ازمنۂ ماضیہ میں وقوع میں آئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مقام ٹھٹیرا قوم کی حکومت و قبضہ میں مدت ہائے دراز سے چلا آتا تھا کبھی اس کا تعلق ہستنا پور کی غربی سلطنت سے ہو جاتا (جس کا تذکرہ مہابھارتہ میں ہے) اور کبھی اجودھیا کی شرقی بادشاہت سے (جس کے کارنامے راماین میں مرقوم ہیں) پھر پچھم سے راجپوتوں نے قدم بڑھایا۔ ریکوار راجہ سری رام نویں یا دسویں صدی عیسوی میں دریائے گنگ کو عبور کر کے قنوج سے مع اپنے رفقا و عساکر کے یہاں آیا اور اس کے بلند ٹیلہ پر قصبہ آباد کیا، قلعہ و شوالہ تعمیر کیا، ایک وسیع تالاب یا ساگر بنا کر شہر کا نام سری نگر رکھا۔ بعد ازاں ۴۰۵ھ (۱۰۱۴ء) میں بسر کردگی قاضی یوسف جو امرا و سالاران فوج محمود سے تھے فتح مند عثمانی شیوخ آئے اور ریکواروں کو شکست دیکر پورے راج کو فتح کر لیا۔ مشہور ہے کہ مصالح ملکی کے اقتضا سے یا اپنے راج کے استحفاظ کے لئے راجہ سری کا بھائی بھی مشرف باسلام ہو گیا تھا۔ اُس کا نام مختار الدین اور اُس کے بیٹے کا اختیار الدین رکھا گیا۔ "شریف عثمانی" کی تالیف

صبح کو قنوج جاتے اور سبق پڑھکر شام کو واپس آجاتے تھے۔ کبھی کسی کو اپنی کیفیت سے آگاہ نہ ہونے دیا۔ آخر ایام زندگی میں ایک امر خارق عادت سرزد ہو گیا تھا جس نے سارا راز فاش کر دیا۔ سلطان شمس الدین التمش کو بھی حقیقت حال سے خبر ہو گئی۔ اعتقاد و انقیاد کا شرف بجا لایا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد خواجہ نے ۲۔ شوال ۶۳۲ھ (۲۷۔ جون ۱۲۳۵ء) کو عالم ارواح کو انتقال فرمایا۔ مرتے وقت وصیت فرمائی تھی کہ فلاں بلندی پر مجھے دفن کرنا۔ وہ پریوں اور دیووں کی جگہ ہے۔ ان کا آسیب شہر سے دور ہو جائے گا۔

کے وقت تک قاضی یوسف موصوف کا ایک سجل[۴۹] مرقومہ ۴۳۳ھ (۱۰۴۲ء) میر سید عزیز الدین معروف بہ لال پیر گو پاموی کے احفاد و اخلاف کے قبضہ میں موجود تھا۔ میر غلام علی آزاد بھی اس روایت کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن انگریز مورخین اسکو تسلیم نہیں کرتے انکی تحقیقات کا ماحصل اسکو مشتبہ کرتا ہے ان کے خیال کے مطابق یہ تو ممکن ہے کہ محمود کی فوجیں بلگرام سے گزری ہوں اور لوٹ مار ہوئی ہو کچھ شیوخ یہاں رہ گئے ہوں مگر نظر بہ واقعات مابعد مسلمانوں کا قبضہ اور مستقل قیام تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ایلیٹ صاحب (Sir H. M. Elliot) نے اپنی تاریخ ہندوستان جلد دوم میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مرأت مسعودی سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ سید سالار مسعود قنوج سے سترکھ جاتے ہوئے اس طرف سے (۴۲۳ھ یا ۱۰۳۲ء میں) گزرے تھے۔

بہر حال جب بہ عہد شہاب الدین محمد غوری اُسکے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں راجہ جے چند پر حملہ کرکے قنوج فتح کیا اور قرب و جوار کے تمام رؤسا و راجگان کی قوت، حکومت و سطوت کو خاک و برباد کردیا تو اُسی سلسلہ بلکہ اُسی سال میں بلگرام پر مسلمانوں کا قبضہ بھی مسلسل و مستحکم ہوگیا۔ اس کے ایک قرن بعد سلطان شمس الدین التمش نے اپنے عساکر قاہرہ پھر قنوج نیز ان اطراف [illegible] تسلط و تنظیم حکومت کے لئے بھیجے۔ چنانچہ اُس کے دو سردار شیخ محمد فقیہ عراقی اور سید محمد صغریٰ نے (جو [illegible] خراسان کی جانب سے ہندوستان آئے تھے) ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں سری نگر اور اس کے مضافات کو رکیواروں سے چھین لیا اور رعایا و باشندگان کو مطیع و منقاد کیا۔ تاریخ فتح "خداداد" ۶۱۴ھ ہے۔ انہیں دونوں حضرات (شیخ و سید) کی اولاد یہاں آباد و اقامت گزیں ہوگئی اور پرگنہ بلگرام کے مختلف مناصب و خدمات، چودھری و قانونگو و قاضی پر ان کا تقرر اُس وقت بالذات عمل میں آیا مگر بعد چندے یہ عہدے

---

۴۹ سید محمد صغریٰ، بلگرام کے تمام سادات حسینی واسطی کے جد اعلیٰ ہیں ان کا لقب دراصل صاحب الدعوۃ الصغریٰ تھا۔ آپ بھی خواجہ قطب الدین دہلوی کے مرید اور فضائل صوری و معنوی میں فرد فرید تھے۔ اعلائے کلمۂ دین اور احیائے سنت سنیہ میں ہمیشہ راسخ قدم اور استوار رہے۔ بحسب ظاہر سلطان التمش کی ملازمت میں بسر کرتے اور خود کو نظر خلائق سے پوشیدہ و متواری رکھتے تھے۔ ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں غازیان اسلام کی ایک جماعت کے ساتھ بلگرام آئے۔ راجہ سری

ان کے خاندانوں اور قبیلوں میں موروثی اور مستمر کر دیے گئے۔

سید محمد صغریٰ فاتح بلگرام نے جب بحکم سلطانی یہاں قیام فرمایا تو ۶۲۷ھ (۱۲۳۰ء) میں وسط شہر میں ایک بلند ٹیلہ پر ایک قلعچہ حاکم نشیں تعمیر کرایا، سنگ کتابہ پر یہ عبارت منقوش تھی۔

حامی البلاد راعی العباد ذی الامان لاہل الایمان وارث ملک سلیمان، صاحب الخاتم فی ملل العالم ظل اللہ فی الخافقین ابو المظفر التمش السلطان ناصر امیر المومنین ادام اللہ تمکینہ فی شہور ۶۲۷ھ سبع وعشرین وست مائۃ۔

اس کے بعد کی تاریخ بھی دلچسپ واقعات اور اہم معرکوں سے معمور ہے لیکن راسم اوراق اپنے تذکرہ کی تنگ دامانی سے معذور۔ ضروری و مختصر یہ ہے کہ جب ۷۷۹ھ (۱۳۷۷ء) میں صوبۂ اودھ کی حکومت ملک حسام الملک کو تفویض ہوئی تو اس نے سلطنت کے اس حصہ پر بھی توجہ کی اور تاسیس و استحکام ملک داری و امن کی تدابیر عمل میں لایا۔ ۷۹۶ھ (۱۳۹۴ء) میں ملک الشرق خواجہ جہان کا قبضہ ہوا۔ باوجود متواتر و متوالی معرکہ آرائیوں کے حسین شاہ کے وقت تک اودھ کا خاندان جونپور کے حدود مملکت میں داخل رہا۔ ۸۹۳ھ (۱۴۸۸ء) میں حسین شاہ کو شکست ہوئی اور یہ قطعہ پھر سلطنت دہلی کے متعلق ہو گیا۔ ظہیر الدین بابر نے ۹۳۴ھ (۱۵۲۷ء) میں فتح کیا۔

تاج و تخت دہلی کے دور قریب دعویداروں میں ۹۴۰ھ (۱۵۴۰ء) میں اس جگہ معرکہ آرائی و قوت آزمائی ہوئی۔ مغل تاجدار ہمایوں نامدار کی رفاقت میں نوے ہزار نبرد آزما جوان تھے، اور حوصلہ مند شیر خاں سوری کے زیر فرمان پچاس ہزار آزمودہ کار سپاہی۔ ان شیر دل جوانمردوں

نے مقابلہ و مقاتلہ کیا۔ خود مع اقارب و اعیان سپاہ کے تہ تیغ ہوا۔ آپ نے مع فرشوری شیوخ اور ترکمانوں کے یہاں قیام اختیار فرمایا۔ اور ایک ہی مقام پر اکتیس سال بسر کر دیے۔ ۱۴ شعبان ۶۴۵ھ (۱۵۔ دسمبر ۱۲۴۷ء) کو عالم قدس میں راحت فرمائی۔ مزار پر پشتیر ایک لوح سنگین نصب تھی جس پر آیۃ الکرسی اور تاریخ وفات منقش تھی۔ پتھر گر گیا ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۸ء) میں قبر کی دینی و مرمت از سر نو ہو گئی

کے خون کی بو خاک بلگرام سے اب تک آجاتی اور اُس موقع کا نشان دیتی ہے جہاں ناہمایونی و نامساعدت بخت سے ہمایوں کو ناکامی و شکست ہوئی تھی۔

آئین اکبری[۵۸] میں بلگرام کو "بلگرانو" لکھا ہے جو ایسے ناموں کے تلفظ و املا کا قدیم طریقہ تھا۔ بلگرام اُس وقت سرکار قنوج متعلق صوبۂ اودھ میں شامل تھا۔ جامع آئین لکھتا ہے کہ "بلگرام قصبہ ایست خوش ہوا، بیشتر مردم آں خوش فہم و سرد و سرا و در آنجا چاہے است کہ ہر کہ چہل روز آب از و آشامد شناسائی و حسن منظر افزاید"۔ "قلعہ از خشت پختہ دارد"۔ سنہ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) یعنی آئین اکبری کی تالیف کے زمانہ میں اس قلعہ میں ایک ہزار فوج پیادہ اور بیس سوار رہتے تھے۔

اکبر کی وفات سے لیکر اودھ کی جداگانہ امارت یا سلطنت کے قائم ہونے تک ان اطراف کے متعلق تاریخوں میں بہت کم حالات پائے جاتے ہیں لیکن بلگرام اور اہل بلگرام کی تاریخ اس سے مستثنیٰ ہے۔ یہ مقام ہمیشہ ممتاز و معروف رہا ہے۔ بلگرام والوں نے اپنے شہر کا نام ہر صورت و عنوان سے روشن کیا ہے۔ اس شہر کی اہمیت کسی وقت اس قدر تھی کہ اس سرزمین پر سلطان اورنگ زیب نے بھی قدم رکھا تھا۔

میر غلام علی آزاد مآثر الکرام میں تحریر فرماتے ہیں کہ "در صوبۂ اودھ محروسۂ بلگرام از قدیم منشاء فضلاء کرام و مظہر علمائے عظام است و فراواں دانشمند ازیں شہر برخاستہ و مجلس افادہ و استفادہ بہ کمال خوبی آراستہ ....."

آرائش محفل (تاریخ ہندوستان) میں بلگرام کی نسبت مرقوم ہے کہ "..... ایک بڑا قصبہ ہے۔ اکثر وہاں کے لوگ قابل و شاعر، صاحب طبع ہوئے ہیں۔ قصبہ مذکور میں ایک کنواں ہے جو کوئی

---

[۵۸] سجل بکسر سین جیم و تشدید لام۔ چک جس پر مہر ہو۔ یا کوئی تحریر جس پر قاضی کی مہر و دستخط ثبت ہوں۔ مثلاً شرعی یا قاضی کا حکمنامہ۔

[۵۹] قلعہ کی عمارت مرور دہور سے جب گرنے لگی تو ڈھائی سو برس ہوئے یہ پتھر سید میاں کی مشہور مسجد واقع محلہ سید واڑہ کی دیوار میں نصب کر دیا گیا۔ اللہ رے انقلاب محل ہے یہ پتھر ہے۔ پتھر فقط عمارت شاہی کا رہ گیا

چالیس دن متصل اُس کا پانی پیئے، خوب گانے لگے، سوائے اس کے اکثر اہل کمال گندے ہیں" محفل میں یہ نے غالباً آئین کی بلند آہنگی سے پہونچی ہے۔ مسٹر جے۔ سی ولیمس نے پہلی رپورٹ مردم شماری میں اسکو نقل و ترجمہ کرکے اس قدر اضافہ کیا ہے کہ "بزرگان بلگرام کے علم و فضل کا شہرہ مدتہائے دراز سے چلا آتا ہے، تاریخ و فلسفہ و منظومات میں تالیفات عالیہ یہاں کے لوگوں نے فرمائی ہیں"۔

سوشیر رایمان فرانسیسی معروف بہ حاجی مصطفےٰ سیر المتاخرین کے ترجمہ (جلد اول صفحہ ۳۵۲) کے تحت میں لکھتا ہے کہ "باشندگان بلگرام بھی اپنی شجاعت و دلاوری کے لئے ہندوستان میں شہرت رکھتے ہیں"۔

فی الواقع خاک بلگرام سے بڑے بڑے نام آور اُٹھے اور نام کرکے پیوند ہو گئے ہیں۔ علم و ادب کے علم بردار بھی اور تیغ و تفنگ کے دھنی، مرد میدان بھی۔ تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے مقرب و مزاجداں امیر نعمت خاں عالی[۵۲] نے، جو اپنی ظرافت، وغوش طبعی، شوخ نگاری و معاملہ بندی سے شہرت تمام رکھتا ہے، ایک موقع پر لکھا تھا کہ "سادات بلگرام فی الواقع ذوی الاحترام اند چوں تختۂ مسجد و ورق قرآن۔ نہ لایق سوختنی نہ قابل فروختنی۔ باید کہ سرہنگ شدید مثل ابن زیاد و یزید بر سر ایشاں گمارند تا زر باقی بہ معرض وصول در آرند" سادات کی اس سے زیادہ توصیف و تکریم کیا ہو سکتی تھی؟

---

۵۱ گلیڈون Gladwin نے اپنے انگریزی ترجمہ آئین اکبری میں اس کو Belgrong لکھا ہے۔

۵۲ مرزا محمد شیرازی، عالی تخلص۔ طبابت پیشہ حکمائے شیراز کے خاندان سے تھے۔ ان کے والد حکیم فتح الدین بھی ہندوستان آئے تھے۔ حکیم محسن خاں چچا تھے جو عہد شاہزادگی میں شاہ عالم بہادر شاہ کی مصاحبت کا اعزاز رکھتے تھے۔ حکیم حاذق خاں اُن کے بیٹے تھے جنکو اپنی حیات کے آخر سال میں عالمگیر نے "حکیم الملک" کا خطاب دیا تھا۔ بعد ازاں عہد محمد شاہ میں پنج ہزاری منصب اور "حکیم الملوک" کے خطاب سے عزت پائی۔ مرزا محمد ہندوستان میں پیدا ہوئے صغیر سن میں پدر بزرگوار کے ہمراہ شیراز گئے اور کسب کمال کیا تھا۔ ملا شفیعائی یزدی مخاطب بہ دانشمند خاں سے بھی تلمذ تھا۔

اکبر کے درخشاں جواہر میں ایک بے نظیر الماس، شیخ میر عبدالواحد بلگرامی[۵۳] شاہدی نام تھا جس نے بہت سے رسائل و کراسات مختلف فنون و علوم میں لکھے تھے۔ اصطلاحات و مسائل تصوف کو نہایت خوب سمجھا اور سمجھایا تھا۔ ابوالفضل علامی، میر علاؤالدولہ قزوینی اور شیخ عبدالقادر بدایونی و دیگر معاصرین نے آپ کا ذکر کیا ہے۔ آئین اکبری کے انگریزی ترجمہ (جلد اول جزو ششم صفحہ ۵۴۷) میں بلاک مین Blochmann بھی آپ کا حوالہ دیتا ہے۔

شیخ نظام[۵۴] بلگرامی متخلص بہ ضمیری ان سے کچھ پہلے گذرے تھے جو علم و عمل اور فقر و فضل میں یکتا تھے اور شیخ سلیمان[۵۵] ضمیری کے ماموں اور سرپرست، جن کے زیر بار منت ہمایوں بادشاہ تھا۔

لکھنؤ کا اکبری دروازہ قاضی محمود[۵۶] بلگرامی کی یادگار ہے جو اسی عہد امن و فلاح کے آخر میں یہاں نائب صوبہ دار تھے۔ جنھوں نے چوک کے متصل داہنی طرف محمود نگر اپنے نام سے اور بائیں جانب شاہ گنج بادشاہ کے نام سے آباد کیا اور یہ (اکبری) دروازہ تعمیر کرایا تھا۔

مرزا خلد مکاں کے سلسلۂ ملازمت میں داخل تھے۔ ۱۰۹۷ھ (۱۶۸۶ء) میں شہر حیدرآباد فتح ہوا تو تاریخ فتح "شد فتح بہ جنگ حیدرآباد" حضور شاہی میں پیش کی اور خلعت پایا۔ ۱۱۰۴ھ (۱۶۹۲ء) میں نعمت خاں خطاب اور داروغگی نعمت خانہ (باورچی خانہ) کا عہدہ پایا۔ اسکی تاریخ "شکر نعمت واجب" واجب نکالی۔ اواخر عہد میں مقرب خاں خطاب ملا اور داروغہ جواہر خانہ مقرر ہوئے۔

عالمگیر کے انتقال کے بعد جب محمد اعظم شاہ اپنے بھائی شاہ عالم کے مقابلہ کے ارادہ سے دکن سے ہندوستان کی جانب روانہ ہوا تو میرزا اُسکے ہمرکاب تھے، دونوں فوجوں کے آمنے سامنے ہونے کا موقع قریب آیا تو اعظم شاہ نے بنگاہ کو گوالیار میں چھوڑا۔ جواہر خانہ کی حفاظت کے لئے مرزا گوالیار میں رہے۔ اعظم شاہ کے مارے جانے پر مرزا شاہ عالم کے ملازم ہو گئے اور نواب دانشمند خاں عالی خطاب پایا۔ شاہ نامہ کی تحریر پر مامور ہوئے، مگر سرہنگ اجل نے اتنی مہلت نہ دی کہ اس کو پورا کر لیتے۔ ۱۱۲۱ھ (۱۷۰۹ء) یا ۱۱۲۲ھ میں نسخۂ حیات کا ورق اُلٹ گیا۔ حیدرآباد دائرہ میر مومن میں دفن ہیں۔

مرزا کو نظم و نثر دونوں پر قدرت عالی حاصل تھی۔ بالخصوص نثر میں حیرت انگیز طلسم بندی کرتے تھے۔ ان کے دیوان میں ہر قسم کے قصائد و غزلیات موجود ہیں۔ منشآت و منشورات بھی مدون تھے۔ سخن عالی نام مثنوی لکھی تھی۔ دیگر تالیفات

حافظ محمود قرآن خواں کا ذکر شیخ عبد الصمد بن افضل محمد (خواہر زادہ فیضی و ابو الفضل) نے کتاب اخبار الاصفیاء میں ان الفاظ میں کیا ہے:-

حافظ محمود قرآن خواں ممتاز وقت و سر آمد عصر بود۔ گویند از آں روز کہ او بہ روحانیاں پیوستہ ہر شب جمعہ نکتہ نیوشان خدا شناس از مرقد منور او آواز قرآن خواندن می شنوند۔ و من بہ زبان آں حق گویاں کہ خود بہ گوش ہوش شنودہ اند نوشتہ ام۔ آرام گاہ بلگرام۔

قاضی کمال کا حال صاحب مرآت المبتدین نے لکھا ہے، یہاں نقل کی گنجایش نہیں۔

میر عبد الواحد کے پر پوتے سید برکت اللہ ملقب بہ صاحب البرکات متخلص بہ عشقی نے بھی بڑی شہرت پائی تھی۔ درویش کامل تھے، سجادہ کالپی سے اجازت و خلافت پائی تھی۔ آخر ایام میں اپنے جدّ امجد شاہ میر عبد الجلیل کے مرقد منور پر مارہرہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ بروز عاشورا ۱۱۴۲ھ (۲۶ جولائی ۱۷۲۹ء) فردوس اعلیٰ میں قدم رکھا۔ ہندی و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ "ریاض عشق" دیوان اسم بامسمیٰ چھوڑا تھا۔

"حسن و عشق"، "محاصرہ گلکنڈہ"، "وقائع نعمت خاں عالی"، "خوان نعمت"، "باورچی خانہ"، "جنگ نامہ" وغیرہ مشہور ہیں۔ خان عالی کی وضع احتیاط و حقیقت نگاری کا ایک واقعہ رائے رایان انند رام مخلص لکھتے ہیں کہ جب دونوں شاہزادوں کی معرکہ آرائی کے متعلق خان نے جنگ نامہ تحریر کرنا شروع کیا تو ذوالفقار خاں کی نسبت لکھا تھا:-

"اول کسے کہ مقدمۂ جنگ یک رو ناشدہ پشت داد اسماعیل ملقب بہ ذوالفقار خاں بود"۔ ذوالفقار خاں نے ہر چند منت و سماجت کی، پانچ ہزار روپیہ بھی پیش کیا تاکہ یہ فقرہ نکال دیا جائے مگر خان عالی نے نہ مانا اور نہ نکالا۔ اللہ اللہ اُس وقت اہل قلم کا کس قدر وقار و اختیار تھا۔ اُن کا ایک ایک حرف نقش صداقت بنکر صفحۂ روزگار پر باقی رہجاتا تھا۔

۵۳ میر عبد الواحد حسینی واسطی شاہدی تخلص۔ شیخ صفی سائی پوری کے بیعتیان خاص اور شیخ حسین سکندرہ کے خلفائے پیش قدم سے تھے۔ رَوَّحَ اللہ روحہم۔ ایک مدت دراز تک مسند ارشاد و ہدایت پر زیب افزا رہے۔ اہل حق کو حق شناسی و حق پرستی کے سبق دیئے۔ تصانیف شریفہ سے سنابل (۹۶۹ھ مطابق ۱۵۶۱ء) حل شبہات شرح کافیہ ابن حاجب (بطور تصوف) حقانی ہندی۔ شرح قصہ چار برادر۔ شرح مصطلحات دیوان خواجہ حافظ شیرازی

میر عبدالواحد ترمذی، واحد و ذوقی تخلص (پسر سید اشرف درگاہی) ہندی و فارسی میں بڑے پایہ کے شاعر و سخن شناس تھے۔ شکرستانِ خیال، نظم میں آپکی بڑی پر لطف اور دلچسپ تصنیف ہے، جسمیں ہر قسم کی مٹھائیوں اور حلووں کا بیان ایک انداز خاص سے کیا ہے جمعہ ۲ محرم ۱۱۳۴ھ (۱۳۔ اکتوبر ۱۷۲۱ء) کو حوالی موضع راہون ملک پنجاب میں شہادت پائی۔

میر عبدالجلیل اور اُن کے نواسے میر غلام علی آزاد کے علمی و ادبی و تاریخی کارناموں کے لیے ایک دفتر درکار ہے، ان صفحات پر صرف ایک دھندلا سا خاکہ کھینچا گیا ہے۔

میر عظمت اللہ بیخبر کا تذکرہ سفینۂ بے خبر مشہور اور کسی تعریف و تعارف سے بے نیاز ہے۔

موجود ہیں۔ سید محمد گیسو دراز کے رسالہ عجیبہ (تصوف) کی شرح نہایت عمدہ لکھی ہے۔

شرح نزہۃ الارواح نے کسیوقت زیادہ شہرت پائی تھی۔ اصطلاحات صوفیہ میں بہت سے رسائل لکھے تھے۔ شعر کم کہتے تھے مگر جب اور جس قدر کہتے تھے نہایت خوب کہتے تھے۔ کسی سے تلمذ نہ تھا۔ الشعراء تلامیذ الرحمٰن۔ حل شبہات میں فرماتے ہیں "در ابتداے حال بعضے مشکلات علم شریعت و طریقت از علماء کبار و مشائخ نامدار می پرسیدم و جواب شافی نمی یافتم۔ بخاطر قرار دادم کہ اقصاے عالم را بگردم تا مگر بامردے ملاقات شود کہ حل ایں مشکلات نماید ....."

شیخ عبدالقادر بداؤنی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ "شیخ عبدالواحد بلگرامی بسیار صاحب فضائل و کمالات ریاضت و عبادات است و اخلاق سنیہ و صفات رضیہ دارد و مشرب او عالی است ...." میر علاؤالدولہ بن میر یحییٰ اسفی قزوینی نفائس المآثر میں تحریر کرتے ہیں "میر عبدالواحد از اکابر سادات قنوج است۔ و خالی از نشاء فقر و درویشی نیست و سلیقۂ شعر خوب دارد"۔ شیخ محمد غوثی مندوی کتاب گلزار ابرار میں رقم طراز ہیں "سید عبدالواحد بن سید ابراہیم قنوجی خداوند مجاہدہ و مشاہدہ، صاحب صحت حال و فصاحت مقال۔ بر نزہۃ الارواح شرحے لایق متین برنگاشتہ فراوان توجیہ و تاویل بکار بردہ۔ جمیع مقاصد عبارات را متوجہ سمت حقیقت گردانیدہ است"

حضرت سید قنوج میں کد خدا ہوئے تھے اور کچھ روز وہاں قیام بھی رہا تھا۔ اسی لئے ان دونوں مورخوں نے ان کو قنوجی لکھا ہے۔ مولانا بداؤنی کی تحریر سے بھی سید صاحب کے قیام قنوج کا پتہ چلتا ہے۔

شب جمعہ ۳۔ رمضان ۱۰۱۷ھ (۳۔ دسمبر ۱۶۰۸ء) میں وصال ہوا۔ غزلوں کا دیوان چھوڑا تھا۔

اکبر بادشاہ نے آپ کو کمال تمنا کے ساتھ ملاقات کے لیے بلایا تھا، جب درگاہ سلطانی میں پہونچے تو بادشاہ۔ نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا اور بطریق سیورغال (مدد معاش) بلگرام میں پانسو بیگہ زمین نذر کی

شیخ غلام حسن، صدیقی، ثمین تخلص ایک بلند پایہ مورخ اور وقائع نگار تھے۔ شرائف عثمانی کے سوا کئی تاریخیں اور سوانح نامے لکھے ہیں۔ ان کا تذکرہ پھر مناسب مواقع پر آئے گا۔

ہندی شعر گوئی کے فن میں مرزا جانجاناں مظہر مشہور درویش اور شاعر کا استاد ایک بلگرامی سید زادہ میر غلام نبی تھا، جس کا حال بقدر مقدور آیندہ لکھا جائے گا۔

بندگی سید محمد حسن متخلص بہ ایما، شاہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم کے ملازم خاص اور معتقد علیہ تھے۔

مفتی امیر حیدر کا نام عالم علم و عمل میں شہرۂ خاص اور وقعت و امتیاز رکھتا ہے جنھوں نے عہد اکبر کی ایک جامع تاریخ "سوانح اکبری" نام لکھی اور اس کی تکمیل و تہذیب تمامی ذرائع معلومات

---

۵۴ شیخ نظام بلگرام محلہ قاضی پورہ کے رہنے والے تھے۔ ضمیری تخلص تھا، صغر سن میں یتیم ہو گئے تھے۔ شیخ سلیمان ماموں نے جو اکبر شاہ کے ممتاز دربار رس تھے بہن کی عزیز یادگار اپنی آغوش عاطفت میں لے لی اور کمال شفقت و سلیقہ سے تربیت کی۔ شیخ نے علوم متعارف کی تحصیل کے بعد شعر و سخن کی طرف توجہ فرمائی اور اس فن میں بھی رشد و کمال حاصل کر لیا، قصیدہ خوب لکھتے اور تاریخ گوئی میں ملکۂ خاص رکھتے تھے۔ میر عبد الواحد نے کتاب سنابل میں شیخ کے حالات مع اُنکی روداد درد و عشق کے درج کئے ہیں۔

شیخ امرائے عہد کے ساتھ مساویانہ داعیہ و انداز سے ملتے اور رہتے اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ آخر زندگی میں تجرد و انفراد اختیار کر لیا تھا۔ قصبہ سفیدون تابع دار الخلافہ دہلی میں وارد تھے کہ ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) میں نزہت کدۂ آخرت کی گلگشت پسند فرمائی۔ "آہ، آہ نظام" تاریخ وفات مبارک خاں دہلوی نے لکھی۔ دیوان پندرہ ہزار شعر کا چھوڑا تھا۔

۵۵ شیخ سلیمان بلگرامی محلہ قاضی پورہ کے باشندے تھے۔ ہمایوں بادشاہ جب شیر شاہ سے شکست کھا کر بلگرام پہونچا تھا تو شیخ صاحب نے بقدر وسعت و مقدرت اسکی بڑی خدمت و تکریم کی تھی، بادشاہ اُنکو اپنی انگوٹھی دیکر کہہ گیا تھا کہ یہ میری نشانی ہے۔ اسکو احتیاط سے رکھنا، اور اگر میں پھر بادشاہ ہو کر ہندوستان آؤں تو میرے پاس آنا۔ چنانچہ جب ہمایوں دوبارہ بادشاہ ہو کر ہندوستان آیا تو شیخ مذکور پائے تخت کو گئے۔ اُسی انگشتری کے وسیلہ سے شرف ملازمت حاصل کیا۔ صاحب دولت ہو گئے۔ مولانا ضمیری اپنے بھانجے کو بھی ہمراہ لیتے گئے تھے۔ دونوں صاحب پائے تخت میں برابر موجود رہے۔

اور وسائل مختلفہ سے کی تھی۔ اکبر نامہ، طبقات بدایونی، تاریخ فرشتہ، اکبر نامہ شیخ الٰہ داد سرہندی، مکاتبات علامی (ابوالفضل۔ چہار دفتر) وغیرہ سے کی تھی۔ بلاک مین اس کا ذکر بڑے قابل قدر اور وقیع الفاظ میں کرتا اور تمام تاریخ نگاران مابعد کو اسکے تتبع اور تقلید اور اس سے اخذ و روایت کا مشورہ دیتا ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ اس کے ذرائع معلومات و استناد بالکل جدید اور نہایت واثق و معتبر ہیں، اس سے قبل کسی مورخ نے اس اہتمام و جامعیت کے ساتھ واقعات کا تفحص و تبصرہ اور استکمال نہیں کیا تھا۔ فی الواقع وسیع النظر مؤلف کو اسکی تالیف میں عہد مذکور کی ہر قسم کی تاریخوں پر نگاہ ڈالنا اور اُن کے اوراق و صفحات کو چھاننا پڑا ہوگا۔ یہ کتاب ولیم کرک پیٹرک William Kirkpatrick کے نام نامی سے منسوب کی گئی تھی۔ بلاک مین نے اس کے متعلق نہایت نکتہ بینی و دریدہ دہنی سے کام لیا اور اس کی ستائش و مدحت میں اتنا لکھا ہے جس کا ایک یورپین ماہر و ناقد کے قلم سے نکلنا حیرت و استعجاب سے خالی نظر نہیں آتا۔

شیخ سلیمان نے اکبر شاہ کے عہد میں ۱۰۹۷ھ (۱۶۸۵ء) میں وفات پائی۔

۵۶ قاضی محمود بلگرامی، پسر اوسط قاضی ابوالفتح عرف قاضی کمال، اکبر بادشاہ کے عہد میں پایۂ امارت پر پہونچے تھے۔ شاہ جہاں کے عہد تک زندہ تھے۔ شاہجہاں نے ان کو اپنا ایلچی مقرر کرکے بادشاہ ایران کے دربار میں بھیجا تھا، وکفیٰ بذالک فضلاً و فخراً۔

۵۷ میر عظمت اللہ، بے خبر، میر سید لطف اللہ کے خلف الصدق تھے ان کا درجہ تصوف اور شاعری دونوں میں بہت بلند تھا۔ اولے حقوق میں امتیاز و شہرت خاص رکھتے تھے خط شکستہ خوب لکھتے تھے موسیقی میں بھی دخل تھا۔ ان کے حسن اخلاق اور رنگینی صحبت سے ملنے والے بہت لطف اُٹھاتے تھے اور بقدر ظرف و استعداد متمتع ہوتے تھے۔

مرزا عبدالقادر بیدل سے راہ و رسم خاص تھی جسکا تذکرہ اپنے تذکرہ میں کیا ہے میر غلام علی آزاد کا سا تھا بہت رہا تھا۔ بے خبر نے کسی مجلس میں اپنا ایک مطلع پڑھا، ایک دوسرے بزرگ نے جنکو اپنی شاعری کا دعویٰ اور اپنی ذہانت و مضمون آفرینی پر ناز تھا جواباً اپنا مطلع پیش کیا، جو معنی و مطلب سے مطلقاً معرّیٰ تھا۔ کسی بے تکلف دوست نے کہا کہ بے خبر کے مطلع کا لطف تو ظاہر ہے مگر آپ کے مطلع کا لطف سمجھ میں نہیں آیا؟ جواب دیا کہ ابھی

سید غلام مصطفےٰ اور شیخ نواز محی الدین، نواب مبارز الملک سربلند خاں تونی کے درباری اور حضور رس اور باہمہ اعزاز دنیوی و وجاہت و حشمت ظاہری درویش کامل اور خداشناس و خداپرست تھے۔

سید عبداللہ قابل کی اُن کے فضل و کمال اور سپہگری و دلاوری کی وجہ سے، نواب موصوف بڑی قدر کرتے تھے پہلے عدالت معسکر کی خدمت پر ممتاز کیا پھر صوبہ گجرات احمد آباد کا منصب صدارت تفویض فرمایا تھا۔

سادات بلگرام نے بعہد اورنگ زیب عالمگیر خاصکر شہرت و ترقی پائی تھی۔ محمد فاضل بلگرامی نے ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۷ء) میں پرگنہ باون فتح کیا اور جاگیر سیر حاصل، حاصل کی تھی۔ ارباب دانش و خبرت میں سے سید دادر اور محمد ماہ اورنگ زیب اور شاہ عالم کے دربار میں مناصب جلیلہ و خدمات معزز پر مامور رہے تھے۔ رکن عالم خاں گجرات کی صوبہ داری تک پہونچ گئے تھے۔

سید احمد احمدی، سید عظیم الدین اور سید غلام نبی محب، نواب صفدر جنگ کے مصاحب و معتمد و مشیر خاص تھے جن کا انکے زمانہ کی تاریخوں اور وقائع میں بار بار نام آیا ہے۔

حسب تحریر سیر المتاخرین سید نور الحسن خاں بلگرامی اس عہد کے تمام اہم امور ملکی اور معاملات سیاست میں کافی و وافی دخل رکھتے تھے۔ راجہ بنارس اور نواب وزیر (شجاع الدولہ) اور حکام انگریز کے مابین ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء) میں انھیں نے فیصلہ کرایا تھا۔ اس سے پہلے جب ۱۱۶۳ھ (۱۷۵۰ء) میں نواب احمد خاں بنگش اور عساکر مغلیہ و وزیر کے باہم لڑائی ہوئی تھی تو یہ ہی فوج ہراول کے سردار تھے اور کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔

گزشتہ صدی کی تاریخ و سرگزشت پر نظر ڈالنے سے چند اشخاص اور ممتاز و قابل ذکر نظر آتے ہیں

اس میں لطف ڈالنا باقی ہے! بروز دوشنبہ ۲۴۔ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ (یکم جون ۱۷۳۰ء) دہلی میں رحلت فرمائی۔ جوار مرقد سلطان المشائخ میں دفن ہوئے۔ سفینۂ بیخبر تذکرہ شعرا ۱۱۴۱ھ کی تالیف ہے۔

بعہد شجاع الدولہ ..... باقر علی چکلہ دار بانگر۔ اور

بزمانۂ آصف الدولہ ..... حشمت علی و چراغ علی، و قدرت علی مختلف مقامات پر چکلہ دار

اور بہادر علی خاں لکھنؤ میں کوتوال یا پولیس کے افسر اعلیٰ تھے۔

بعہد غازی الدین حیدر ..... شیخ محمد عطا چکلہ دار جلال آباد اور

بزمانۂ واجد علی شاہ ..... محمد عسکری چکلہ دار رسول پور تھے۔

اس ذیل میں شیخ الٰہ یار خاں بلگرامی اور اُن کے خلف الصدق شیخ مرتضیٰ حسین مصنف حدیقۃ الاقالیم کا نام لینا باقی ہے۔ شیخ الٰہ یار مخاطب بہ رستم زماں خاں مبارز الملک کے بخشی اور سردار فوج تھے۔ شش ہزاری منصب ہوگیا تھا، بعہد فردوس آرام گاہ محمد شاہ راجہ ابھے سنگھ فرمانروائے مارواڑ کے معرکے میں دسہرہ کے دن ۸ ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ مطابق ۵۔ اکتوبر ۱۷۳۰ء کو شہید ہوئے۔ تسخیر قلعہ احمد آباد میں کارہائے نمایاں کئے تھے۔ روح الامین خاں پسر قاضی شیخ محمد سعید، شیخ الٰہ یار کے عزیز قریب (بہنوئی) تھے۔ شش ہزاری منصب مع جاگیر اور دو ہزار سوار کے پایا تھا۔ بڑے معاملہ فہم اور خوشگو شاعر تھے۔ ۱۵۔ ذیقعدہ ۱۱۵۱ھ (۱۳۔ فروری ۱۷۳۹ء) کو انتقال کیا۔ بعض محالات اودھ میں بھی حکمراں رہے تھے۔

بارھویں صدی ہجری میں عربی شاعری اور عربی ادب و زبان میں تبحر کی وجہ سے حسان الہند میر غلام علی آزاد نے جو شہرت عربستان اور دیگر ممالک اسلامی میں پائی تھی وہی شہرت و نام ڈاکٹر سید علی بلگرامی اور نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کو قرون حاضرہ میں حاصل ہوا ہے۔ یہ دونوں بھائی زبان انگریزی اور دیگر السنۂ یورپ کے جیسے مسلم الثبوت ماہر اور انشا پرداز تھے، ویسے ہی وہ مشرقی فنون میں کامل اور قدیم علوم کے زبردست فاضل تھے۔ ان کے احیاء و قیام میں ہمیشہ ساعی رہے۔ دکن کی بزم علم و ادب کو ان ہی شمعوں کی روشنی نے منور کیا تھا۔ نواب صاحب کی ادبی قابلیت اور اعلیٰ خدمات و اوصاف کا اعتراف سرکاری تاریخ نویس نے بھی (تتمہ گزیٹر ضلع ہردوئی مطبوعہ ۱۹۱۵ء میں) کیا ہے نواب صاحب کا انتقال حال میں ہوا ہے۔ اُن کی

رحلت پر قدیم و جدید (دونوں) علم دوست طبقوں نے یکساں ماتم کیا ہے ؎

نعاہ الفضل والعلیاء والنسب ناعیہ الارض والافلاک والشہب

ذہب رأینا وجوب الذہب حین مضی فای حزن وقلب فیہ لم یجب

نعم الارض نعی والسماء علی فقیدکم یا سراۃ المجد والحسب

نواب مرحوم کے سلسلہ میں اُن کی ایک برمحل روایت یاد آئی جو لطف و دلچسپی سے خالی نہیں فرماتے تھے کہ اُن کے خاندان کے متوسل بھاٹ (باد فروش) نے ایک دہ مجلس، ہندی بھاشا میں لکھی تھی۔ اُس کا شہرہ نواب وزیر کے دربار تک پہونچا اور وہ لکھنؤ بلایا گیا۔ اس کو پشتہا پشت کی نمکخواری و وفاشعاری کا کرشمہ کہیئے یا اپنے مخادیم کا جذبۂ احترام کہ وہ شاہی شوکت و شان سے مرعوب نہیں ہوا اور اُس نے سب سے پہلے اپنے ججمانوں یعنی سادات بلگرام کی مدح و ثنا کے گیت گائے اُس کے بعد بادشاہ کی تعریف و توصیف کی۔

ان افراد فرید کے ذکر خیر کے بعد بلگرام کی گزشتہ علمی و عملی صحبت، زمین کی سرسبزی و زرخیزی کی نسبت بعض شرق نوازان و سیاحانِ فرنگ کے اقوال و تحریرات یا ہدایاے رہ آورد و حالات چشمدید نقل کئے جاتے ہیں۔

مشہور عالم اور اہل قلم مسٹر بلاک مین J. H. Blochmann (جلد دوم صفحہ ۱۰۱) جرنیل میں) رقمطراز ہے کہ "عہد اکبر سے لے کر موجودہ صدی تک بلگرام مسلمانوں کے علوم و فنون کا ایک بڑا مرکز رہا ہے۔" یہاں کے اہل کمال کے متعلق وہ اپنے قلمی نسخۂ "سرو آزاد" کا حوالہ دیتا اور اُس سے استنباط کرتا ہے۔

بشپ ہیبر Rt. Revd. Reginald Heber, D. D., Lord Bishop of Calcutta ۱۸۲۴ء میں بلگرام آیا تھا، اس قصبہ کے متعلق اُس کی یادداشتیں، اس کے سیاحت نامۂ صوبجات بالائی ہند، واقع ۱۸۲۴ء و ۱۸۲۵ء

Narrative of a journey through the Upper Provinces of India from Calcutta to Bombay in 1824-25. London, 1828.

نقل کی جاتی ہیں۔

"ہماری منزل آج ملانواں سے سات کوس چلکر بگرام تھی۔ وہی ہموار زمین اور پُر برگ و بار اشجار اور درختان میوہ دار برابر یہاں تک چلے آئے ہیں۔ اس مقام کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ سب سے پہلے انگریزی فوج جو اُس وقت برٹش ایڈوانسڈ فورس British Advanced Force کہلاتی تھی یہیں مقیم رہی تھی۔ بعد کو کانپور منتقل کر دی گئی تھی۔ اب تک (۱۸۴۷ء میں) بہت سے نشانات باقی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس جگہ بادشاہی سواروں کی فرودگاہ تھی۔ اور اُس جگہ افسران فوج کے بنگلے ضرور تھے مگر اب تو وہاں صرف چند ویرانوں کا ایک کھنڈر ہے اور خشت پاروں کا ڈھیر۔

"قصبہ چھوٹا ہے مگر آثار کہتے ہیں کہ کسی وقت بڑا رہا ہوگا چنانچہ اب بھی بڑے سے بڑے اور اچھے سے اچھے کہنہ مکانات، نیز تحصیلدار و کوتوال وغیرہ کے مساکن یہاں موجود ہیں۔ ایک مدت دراز کے بعد میں نے یہاں بھی بہت سے متفرق درخت تاڑ اور کھجور کے دیکھے۔ اور درختان انبہ تو ہر سمت نہایت عالی اور شاندار نظر آتے ہیں۔

"گماشتہ نے کہا کہ اودھ کی اراضی دنیا کی بہتر سے بہتر زمینوں میں شمار ہوتی ہے۔ ہر چیز خواہ بنگالہ میں پیدا ہوتی ہو خواہ ایران میں یہاں بھی پیدا ہوتی اور خوب بڑھتی ہے۔ یہاں ایک ہی وقت میں چانول، نیشکر، روئی اور کھجور ہمکو ملتی ہیں اور گندم، جو، جوار اور تمام دالیں بھی۔ ہوا اچھی، پانی اچھا، اور گھاس مویشی کے لئے بالخصوص مفید اور پرورش کرنیوالی بافراط میسر ہے۔ مگر قانون و آئین اچھے نہیں ہیں۔ حکام بُرے ہیں، زمینداران بدتر، امینان (عاملان) بدسے بد۔ ہر چیز رعیت سے چھین جاتی ہے۔ بادشاہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے، نہ خبر رکھتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اراضی کا لگان فی بیگہ کیا ہوگا۔ جواب دیا کہ عموماً چار روپیہ اور بعض جگہ چھ روپیہ۔

یہاں سے ہم لوگ شلجم اور آلو کے ایک عمدہ اور صاف قطعہ میں پہونچے۔ اُس نے آلوؤں کی نسبت کہا کہ پہلے تو لوگ ان کو نہایت ناپسند اور ان سے احتراز کرتے تھے مگر اب یہ چیز مرغوب و مقبول ہوتی جاتی ہے۔ خصوصاً مسلمان ان کو کارآمد اور اپنی ثقیل و غذا غذاؤں کے لئے لابد سمجھتے ہیں۔"

ٹیفن تھیلر مشہور سیاح اور اہل نظر جس Des Pater J. Tieffenthaler.
نے بشب ہیبر سے تقریباً ساٹھ سال پیشتر بلگرام کو دیکھا تھا اپنے وقائع نامہ Beschreibung
von Hindustan, I. P. 193.1785. میں لکھتا ہے کہ "یہ قصبہ بہت سے باغات
و مرغزاروں کے وسط میں واقع ہے۔ کوچے تنگ ہیں، بہت سے مکانات پختہ اینٹ کی تعمیر ہیں۔ ایک قلعہ
خام بھی ہے جس کے چاروں گوشوں پر چار مدور اور بلند برج بنے ہوئے ہیں"۔

ایک دوسرا نامور سیاح اور مورخ ٹنانٹ Tennant جو یہاں ۱۷۹۹ء میں آیا تھا اپنے
سیاحت نامہ ہند The Indian Recreations, II.397-398. میں تحریر کرتا ہے کہ
"بلگرام ویران عمارات کا ایک ڈھیر ہے، انمیں چند خس پوش بھی نظر آتی ہیں جن کے نیچے مقتدر و متمول
اسلاف کے خلف باقی، اپنا وقت مجبورانہ عسرت سے گذار رہے ہیں"۔

وہ اس قصبہ کی ویرانی و تباہ حالی کی وجہ الماس خاں خواجہ سرا کی بیدردی، جبرستانی اور سخت گیری
بتاتا ہے۔ جو آصف الدولہ اور سعادت علی خاں کے عہد میں مالگذاری اودھ کا اجارہ دار تھا۔

آئین اکبری کی تحریر کو کپتان تھارنٹن نے گزیٹر مطبوعہ ۱۸۵۴ء میں نقل کیا ہے مگر وہ اسکی نسبت
کمال حیرت و استعجاب ظاہر کرتا اور کنوئیں والے حصہ کو تو بڑے اشتباہ و شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

آثار قدیمہ میں سے جتنی عمارات اب بھی یہاں باقی ہیں اطراف و نواحی کے کسی اور قصبہ میں اتنی
نہیں پائی جاتیں، نہ قدامت و استحکام و خوبی تعمیر کے اعتبار سے اپنی نظیر رکھتی ہیں۔

(۱) درگاہ قاضی یوسف۔ سالار فوج سلطان محمود غزنوی۔ ۶۰۰ھ (۱۲۱۱ء)

(۲) سید صغریٰ کی درگاہ واقع باغ سید مبارک، بلگرام کے شمال موضع بوجہر میں ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء)

(۳) مسجد محلہ سید واڑہ۔ ۶۲۷ھ (۱۲۳۰ء)

(۴) مسجد چوہٹہ۔ ۸۸۲ھ (۱۴۷۷ء)

(۵) درگاہ پیر عبداللہ۔ ۹۰۹ھ (۱۵۰۳ء) واقع سواد جنوبی شہر طرف میدان بیل۔

(۶) مسجد شیخ ڈھن (عہد اکبری)۔ ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) جسکی ۱۰۶۶ھ (۱۶۵۶ء) میں شیخ

ابو المعانی نے تجدید کرائی تھی۔

(۷) گنبد مرقد حاجی افضل۔ سنہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) ۵۸

ان کے کتابے یا قبروں کے سنگ ہالیں، ان کا سال وتاریخ زبان حال سے بتا رہے ہیں۔ انکے علاوہ

(۸) مولوی پیر بخش کی مسجد۔ سنہ ۹۵۶ھ (۱۵۴۹ء)

(۹) ویران مسجد واقع موضع نصرت نگر قریب کھجوا تالاب۔ سنہ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ء) کتابۂ فارسی موجود ہے۔ ایک کنواں بھی اُسی سال کا تعمیر ہے۔

(۱۰) مسجد قاضی محمود۔ سنہ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ء) ۵۹

(۱۱) درگاہ قاضی ابو العلا معروف قاضی بڈہ۔ واقع موضع محمود نگر۔ سنہ ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) ۶۰ تحصیل کے جنوب میں، کتابہ فارسی نصب ہے۔

---

۵۸ حاجی افضل بلگرامی۔ بڑے بزرگ اور معتقد علیہ تھے۔ بلگرام میں عرصہ تک مسند ارشاد وہدایت پر متمکن رہے ان کی وفات کے بعد تردی بیگ سلطان نے سنہ ۹۸۰ھ میں انکے مرقد پر گنبد عالی شان سنگین تعمیر کرایا۔ شیخ نظام ضمیری کا یہ قطعہ نستعلیق میں نہایت خوشخط لوح سنگیں پر کندہ کر کے دروازۂ گنبد کی پیشانی پر تعبیہ کیا گیا۔ لیکن تردی بیگ کا نام کوئی نہیں جانتا سالار بیگ کے نام سے جو تعمیر کا میر اہتمام تھا یہ گنبد شہرت رکھتا ہے ۵

بدوران شہ اکبر کہ گشتہ — خطاب او جلال الدین محمد
چو حاجی افضل از تقدیر حق رفت — ازیں دار فنا در دار سرمد
نہ تردی بیگ سلطان یافت بنیاد — برائے مرقدش ایں پاک گنبد
ضمیری جست سال این بنا را — بلفظ فارسی وہم بہ ابجد
بتاریخش نہان و آشکارا — خرد گفتا سنہ ہشتاد و نہصد ۹۸۰ھ

"سنہ ہشتاد و نہصد" جو آخر مصرع میں آیا ہے خود بھی تاریخ ہے اور از روے حساب ابجد بھی تاریخ شکلتی ہے۔

۵۹ قاضی محمود بلگرامی نے یہ جامع مسجد بعہد اکبر بادشاہ تعمیر کرائی تھی تاریخ تعمیر یہ ہے

گفتم ایں مسجد عالی بہ کہ نسبت دارد — ہاتفم گفت ہمانے کہ بقاضی محمود سنہ ۱۰۱۱ھ

۶۰ قاضی ابو العلا معروف بہ قاضی بڈہ پسر قاضی کمال، قاضی محمود کے چھوٹے بھائی تھے عربی وفارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ قاضی محمود کی نیابت میں بلگرام وغیرہ محالات اودھ کی حکومت انجام دی تھی کچھ روز امور قضا میں بھی مشغول رہے تھے۔ بلگرام میں قاضی عبد الدائم کے باغ کے متصل ایک باغ نصب کیا تھا اور اس میں نفیس وپختہ تعمیرات کرائی تھیں

(۱۲) مسجد محمد زاہد۔ ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ء)

(۱۳) عیدگاہ محلہ کٹرہ۔ ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء)

(۱۴) مسجد سید کرم اللہ۔ واقع وسط محلہ میدان پورہ۔ ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۰ء)

(۱۵) مسجد علی حسن۔ ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء)

(۱۶) مسجد مرزا حسن علی دانا۔ ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۳ء) میں نواب صفدر جنگ نے از سر نو تعمیر کرائی۔

(۱۷) گردھر ناتھ کا مندر واقع لکھنیا ٹولہ

اور بھی بہت سی پختہ عمارات اور چاہات پرانے اور فن تعمیر کے بہترین نمونے موجود ہیں مثلاً سجن کنواں اور امیر تردی بیگ کا کنواں جو عہد اکبری کی یادگار ہے، اور جس پر فارسی میں کتبہ موجود ہے۔ تین کنوئیں ڈھائی سو برس پرانے ہیں۔ دست برد زمانہ سے پرانا قلعہ جو وسعت و کہنگی میں خود اپنی مثال تھا اور ویران و مسمار ہو گیا تھا کھود کر ہموار کر دیا گیا ہے۔ صنادید دیرینہ کے عوض اس پر سرسبز و شاداب قطعات زراعت لہلہاتے نظر آتے ہیں۔ سرکاری مدرسہ بھی اسی اراضی پر بنایا گیا ہے۔ پتھروں کی بڑی بڑی چٹانیں، سڈول و خوش قطع تراشیدہ کنکر، نبشت کار ستون، مورتیں، وسیع و فراخ محلات و قصور کے نشانات، پرانے مندروں اور شوالوں کے آثار، دور دور تک اور بکثرت پائے جاتے ہیں ؎

چپہ چپہ پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک　　دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

ان دیرپا جمادی اور حجری تاریخوں کے سوا بولتی ہوئی اور زندہ تاریخیں بھی بلگرام کی بہت سی ہیں

(۱) مآثر الکرام جس کا حوالہ صفحات آئندہ میں بارہا ملیگا خانوادہ ہائے سادات کی تاریخ ہے اور جسکے

ایک گنبد بلند ۱۰۲۴ھ میں تعمیر کیا تھا جسمیں بعد مرگ دفن ہوئے۔ قطعہ تاریخ یہ تھا ؎

خوشا گنبد کز الطاف الٰہی　　ثنائے او بہر شہر و بہر کو

بعہد شاہ نور الدین جہانگیر　　مرتب شد مثال چرخ مینو

چو تاریخش ز ہاتف جستم آنگہ　　بگفتا گنبد قاضی بلگرام کو　　۱۰۲۴ھ

معارضہ وایراد بلکہ جواب میں شرائف عثمانی شیوخ کی تاریخ لکھی گئی تھی۔

(۲) تبصرۃ الناظرین۔ فارسی۔ میں بھی سادات کے حالات ہیں، مولفہ میر سید محمد بن میر عبدالجلیل

(۳) مثنوی امواج الخیال جس کا ذکر ہو چکا اور آیندہ بھی ہوگا۔ اولیائے بلگرام کے مدائح میں ہے

(۴) جنوبیہ (۵) شجرہ طیبہ، دو جلد۔ میں سادات کے خاندانوں کے احوال و انساب ہیں۔

(۶) شرائف عثمانی (۷) نضرۃ الناظرین۔ تاریخ اولیائے قصبہ میں بزرگان شیوخ کے کارنامے، محامد و فضائل مندرج ہیں۔

ان مبسوط و مکمل مقامی تاریخوں کے علاوہ مرآۃ المبتدئین۔ کتاب سنابل، نفائس المآثر، گلزار ابرار نورس سنگھار، معارج الولایۃ اور بستان الزمان میں بھی بزرگان بلگرام کے حالات کم و بیش ملتے ہیں اسی سلسلہ میں یہ آگاہی رکھنا بھی ضروری ہے کہ سرہنری ایلیٹ نے نادر قلمی کتابوں کا ایک عمدہ ذخیرہ چھوڑا تھا جس پر مشہور مشرق نواز ڈاکٹر اسپرنگر Dr. Springer نے ایک مقالہ تحریر کیا تھا جو ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ جلد بست و سوم بابتہ ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا ہے۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ بلگرام کے متعلق (حسب ذیل) کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مسٹر آیروین اسکو پرانے گزیٹیر میں نقل کرتے ہیں۔

"شمارہ ۱۹۰۔ مثنوی میر عبدالجلیل بلگرامی۔ ڈاکٹر اسپرنگر لکھتے ہیں کہ یہ نظم شہنشاہ فرخ سیر اور مہاراجہ اجیت سنگھ کی لڑکی کی شادی کے متعلق ہے جو ۱۱۲۸ھ یعنی ۱۷۲۴ء میں ہوئی تھی۔ اس کے نو سال بعد مصنف نے دہلی میں وفات پائی۔

شمارہ ۱۷۵۔ مآثر الکرام، مؤلفہ میر غلام علی آزاد۔ اس کتاب میں ممتاز مسلمانان ہند کے سوانح حیات مندرج ہیں۔ اس کتاب کی نسبت وسیع النظر ڈاکٹر نے نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کا مصنف شاعر مذکور الصدر کا نواسہ تھا مگر اس خلف صالح نے اپنے سلف محترم سے کہیں زیادہ شہرت پائی۔

شمارہ ۱۸۰۔ تبصرۃ الناظرین۔ مشہور اولیائے بلگرام کی یہ تاریخ فارسی زبان میں ہے کئی سو صفحات کی

ضخیم و مطول تالیف ہے۔"

سرکاری رپورٹوں اور یوروپین سیاحوں کی تحریرات میں سے بلگرام کا تذکرہ حسب ذیل میں ملتا ہے

(۱) سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ممالک محروسہ واقع کشور ہند اور ریاست ہائے ہندوستانی کا گزیٹیر جو آنریبل کورٹ آف ڈائرکٹرس کے حکم سے مسٹر ایڈورڈ تھارنٹن نے انھیں کاغذات و تحریرات سے مرتب کیا تھا جو کمپنی کے قبضہ و دفاتر میں موجود تھے۔ مطبوعہ لندن ۱۸۵۴ء

A Gazetteer of the Territories Under the Government of the East-India Company and of the Native States on the Continent of India. By Captain Edward Thornton. Vol. I. 1854. Lon- Pages 325-329.

(۲) اودھ کی بادشاہت میں سفر۔ سر ولیم سلی مین کے۔ سی۔ بی۔ مطبوعہ ۱۸۵۶ء۔

A journey through the Kingdom of Oude, by Sir W. Sleeman, K. C. B.—1856.

(واضح رہے کہ سر ولیم ۱۸۴۹ء میں یہاں آئے تھے اور اسی وقت کے حالات تحریر کئے ہیں)

(۳) تاریخ ہندوستان حسب تحریر مورخین ہند۔ مولفہ سر ایچ۔ ایم۔ ایلیٹ۔ ۱۸۶۷ء

The History of India as told by its own Historians, by Sir H. M. Elliot, 1867.

(۴) صوبۂ اودھ کا گزیٹیر۔ مرتبہ اے کاٹرل ٹپ۔ مطبوعہ ۱۸۷۷ء۔

The Gazetteer of the Province of Oudh. By A. C. Tupp. 1877.

(۵) تاریخ ہندوستان حسب تحریر مورخین خود۔ مولفہ پروفیسر ڈاؤسن۔ مطبوعہ ۱۸۷۷ء

History of India by its own Historians, by Pro. Dowson, 1877.

(۶) ہندوستان کا امپیریل گزیٹیر مرتبہ مسٹر ہنٹر۔ مطبوعہ ۱۸۸۱ء لندن۔ جلد دوم۔

The Imperial Gazetteer of India by W. W. Hunter, C. I. E., LL. D., Vol. II, London, 1881.

(۷) مملکت ہند کا امپیریل گزیٹیر جلد دوم مرتبہ مسٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء

The Imperial Gazetteer of India by W. W. Hunter, C. S. I., C. I. E., LL. D., Volume II, 1885, London.

(۸) اخیر رپورٹ بندوبست ضلع ہردوئی ۱۸۹۷-۹۸ء

Final Settlement Report of the Hardoi district, 1897-98, by Mr. J. S. C. Davis.

(۹) منتخبات کاغذات سرکاری، محفوظ محکمہ فوج۔ مرتبہ جی، ڈبلیو فارریسٹ۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کلکتہ ۱۹۰۲ء

Selections from State papers preserved in the Military Department, by G. W. Forrest, C. I. E., Calcutta, 1902.

(۱۰) گزیٹیر ضلع ہردوئی۔ جلد ۴۱۔ مطبوعہ ۱۹۰۴ء مرتبہ ایچ۔ آر۔ نیول۔ الہ آباد۔

The Gazetteer of Hardoi, Vol. XLI, by H. R. Nevill, 1904, Allahabad.

(۱۱) مملکت ہند کا گزیٹیر صوبہ متحدہ قسمت لکھنؤ ۱۹۰۵ء۔ گورنمنٹ پریس الہ آباد۔

The Imperial Gazetteer of U. P., Lucknow Division. Government Press, Allahabad. 1905.

(۱۲) مملکت ہند کا گزیٹیر جلد ہشتم مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۰۸ء

The Imperial Gazetteer of India, Vol. VIII, Oxford, 1908.

(۱۳) تتمہ فوائد و اعداد۔ جلد ۴۱ متعلقہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ۔ بابتہ ضلع ہردوئی۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۱۵ء

Supplementary Notes and Statistics to Vol. XLI of the District Gazetteer of the United Provinces of A. and O., Allahabad. 1915. Hardoi District. B. Vol.

بلگرام کی تاریخ کی چند اور کڑیاں (بے لطف سہی، مگر) تحریر کے قابل ضرور ہیں۔

۱۔ نواب برہان الملک سعادت خاں نے سلطنت دہلی سے اودھ کا افتراق کرکے جداگانہ سلطنت قائم کی تو سرکاروں اور محالات کا نظم و سلسلہ بحالہ قائم و برقرار رکھا۔

۲۔ ۱۷۷۳ء کے معاہدہ کے مطابق اودھ میں امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے زیر قیادت افسران برطانیہ ایک فوج کا رکھا جانا قرار پایا تھا جسکی چھاؤنی بلگرام سے ڈھائی میل پر تھی اور جہاں اب تک لشکرگاہ ہونے کے نشانات موجود اور کھیتوں کے نام فوجی تعلقات اور اصطلاحات سے منسوب چلے آتے ہیں۔ یہ موقع اُس وقت اہم اور قدیم شاہ راہ (یا بقول انگریزوں کے (King's high way) پر واقع تھا، جو لکھنؤ سے سانڈی و فرخ آباد ہوتی ہوئی دہلی جاتی ہے۔ بشپ ہیبر کی تحریر اسکے متعلق نقل کر چکا ہوں۔

۳۔ سعادت علی خاں نے جب ۱۸۰۱ء میں مالگذاری کا نیا طریقہ جاری کیا تو محال[۱] بلگرام لکھنؤ سے منتقل کرکے نظامت خیرآباد میں شامل کر دیا گیا۔

۴۔ فروری ۱۸۵۶ء میں اودھ کا الحاق سلطنت برطانیہ ہند سے ہوا تو بلگرام بھی اُسکے ساتھ انگریزوں کے پرچم دولت و اقبال کے سایہ میں آگیا۔

وہ بلگرام جو کبھی ایک بڑا قصبہ، علم و فضل کا مخزن اور امارت و شہریت کے لحاظ سے شہرۂ ہند تھا آج اس سے علم و عمل و دولت و اقبال تقریباً رخصت ہو چکا اور اجازت دائمی لے گیا ہے۔ علمی جوش سرد پڑ گیا،

---

[۱] محال اُس زمانہ میں ملک کا ایک بڑا قطعہ کہلاتا تھا۔ انگریزی عملداری کے طریقۂ بندوبست و تشخیص جمع میں ہر موضع یا اس کا جزو ایک محال لکھا جاتا ہے جسکے لئے اقرار نامہ ادائے مالگذاری سرکاری جداگانہ لیا جاوے۔ قطعات اور دیہات کی تقسیم و ترتیب کے متعلق قدیم و جدید اصطلاحیں یہ ہیں

سابق	حال	سابق	حال
۱ محال	پرگنہ	۱ دستور	ضلع
۲ سرکار	تحصیل	۲ صوبہ	صوبہ

انکے سوا ایک نام اور ملتا ہے "پٹی" یہ وہ قطعہ اراضی تھا جو کسی چھوٹی پہاڑی کے ارد گرد واقع ہو۔ یہ عموماً پرگنہ سے چھوٹا ہوتا تھا۔

اور درس و تدریس کا چرچا جاتا رہا ہے۔ تعلیم و تعلم کے مستمرہ طریقے سب مٹ گئے۔ وہ دو ڈھائی ہزار مکانات ویران و نیم آباد کا ایک مجموعہ رہ گیا ہے ؎

پھول بھی تھے پھل بھی تھے اس سرزمیں پر کیا نہ تھا آج ہے ویران کبھی آباد ہر ویرانہ تھا

موجودہ قصبہ بلگرام دریائے گنگ کے کنارے بلندی پر آباد ہے۔ ہردوئی سے جانب جنوب سو ۱۶ میل اور فرخ آباد سے تینتیس ۳۳ میل پر قنوج سے شمال و غرب دخل میل پر واقع ہے۔ قنوج جانے کے لئے بلگرام سے کچھ دور چلکر دریائے گنگ کو عبور کرنا پڑتا ہے۔

صوبۂ اودھ کے سلطنت برطانیہ سے الحاق پر اودھ کی سب سے پہلی مردم شماری ۱۸۶۹ء میں ہوئی اُسوقت اودھ کے شہروں اور قصبوں میں بلحاظ آبادی بلگرام کا نمبر بارھواں اور نفوس کا شمار ۱۱،۵۳۴ تھا۔

دوسری مردم شماری بارہ سال بعد ۱۸۸۱ء میں ہوئی تو یہاں کی آبادی ۱۱،۶۰۷ پائی گئی اس کے بعد ہر دسویں سال شمار ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء میں آبادی ۱۱،۴۵۷ اور ۱۹۰۱ء میں ۱۱،۱۹۰ اور ۱۹۱۱ء میں ۷،۵۰۹ اور ۱۹۲۱ء میں ۹،۱۱۲ تھی۔

بلگرام میں میونسپلٹی یکم اپریل ۱۸۷۷ء کو قائم اور اپریل ۱۸۹۰ء میں شکست ہوئی۔ ایکٹ ۲۰ ۱۸۵۶ء (چوکیدارہ) کے رُو سے قصبہ (ٹون) قرار دیا گیا۔ یکم اپریل ۱۹۱۱ء سے رقبۂ مشتہرہ (نوٹی فائیڈ) کر دیا گیا ہے۔

عمارات محلہ میں حکیم مہدی علی خاں ناظم (عہد غازی الدین حیدر) کی تعمیر کردہ دو بازار (چھوٹی اور بڑی) ایک سرائے اور دو مسجدیں، ایک امام باڑہ اور قصبہ سے باہر بازار کفایت گنج ہے حکیم صاحب ۱۸۰۲ء سے ۱۸۱۶ء تک اضلاع محمدی و خیر آباد میں اجارہ دار رہے تھے دیگر عمائد اور اہل دولت کے بنوائے ہوئے آٹھ امام باڑے اور مساجد ہیں۔ سرکاری عمارات میں تحصیل و منصفی و تھانہ و شفاخانہ و ڈاک خانہ و مدرسہ ہیں۔ ریل کا اسٹیشن قصبہ کے قریب ہے

ولادت

دم صبح از نفس بادِ صبا مشکیں شد　　جدمے می رسد و ہم نفسے مے آید

اہل سیر کا دستور ہے کہ روداد ولادت کو دلفریب اسلوب اور بہین آئین کے ساتھ باغ وبہار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ راقم عاجز کو نہ یہ قدرت حاصل ہے نہ میرے نزدیک اسکے لئے رنگین عبارت اور پرشکوہ الفاظ کی ضرورت۔ اس واقعہ یا فاتحۃ الآثار کے متعلق مجھے اس قدر تحریر کر دینا کافی ہے کہ میر عبدالجلیل نے ۳ ماہ شوال ۱۱۷۱ھ کو اس عالم آب وگل میں قدم رکھا تھا۔ اس تاریخ کی یادداشت خود میر جلیل کے قلم سے لکھی ہوئی، اُن کے کاغذات میں میر غلام علی آزاد کی نظر سے گزری تھی۔ آبائی مسکن محلہ میدان پورہ، قصبہ بلگرام تھا۔ وہی انکا مولد و مسقط الراس ہے۔

مسٹر بیل اپنی محققانہ تالیف "بیاگرافی کل ڈکشنری" میں انگریزی تاریخ ۲ جون ۱۷۶۱ء لکھتے ہیں۔ زیج جدیدہ یعنی گریگوری کی تقویم کے حساب سے یہ تاریخ بالکل صحیح ثابت ہوتی ہے۔ دن سہ شنبہ کا پڑتا ہے۔

یہ محلہ میدان پورہ ایک وسیع اور ہوا قطعہ زمین پر آباد ہے، جو دریائے گنگ کے بازگشت وگریز سے پیدا ہو گیا تھا۔ اسی مردم خیز خطہ کو بہت سے نام آور اہل علم اور اہل قلم حضرات کی ولادت گاہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

تسمیہ

دریائے رحمت وکرم جوش میں آیا۔ خاندان کی مُراد بر آئی۔ شکر گزار باپ نے بارگاہِ حق سبحانہٗ عزشانہٗ میں سجدۂ نیاز ادا کیا۔ حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اَحَبُّ اسمائکم الی اللہ تعالیٰ آنحضرت نے رہنمائی و دستگیری فرمائی۔ عبدالجلیل نام رکھا گیا۔ یُمن و اقبال نے آغوش میں لیا۔ دعا دی کہ یہ بندۂ جلیل، خدائے جلیل کا سچا بندہ، جلیل القدر، جلیل العلم اور جلیل الشان ہو۔

بزرگوں کا نام روشن کرے، افتخار دودمان ہو الاسماء تنزل من السماء نے آمین کہی اور تصدیق کی۔

شرف نسب و فضل نجابت و حسب

شرافت نسب اور فضیلت حسب کا مسئلہ ہمیشہ سے متنازعہ فیہ و زیر بحث رہا ہے۔ اہل عقل و نقل اور اکابر ملل و امم نے اسکے متعلق مختلف و متضاد رائیں اور خیالات ظاہر کئے ہیں۔ ہندوستان جہاں ذات پات اور چھوت چھات کا بہت بڑا زور ہے اور جس نے کثیر التعداد فرقے مختلف المراتب والدرجات پیدا کر رکھے ہیں یہ بانگ بلند کہتا ہے ؎

جات پانت پوچھے نہ کو (ذات) (فرقہ) ہر کو بھجے سو ہر کا ہو (خدا) (یاد کرے)

عرب العرباء ارشاد خداوندی یاد دلاتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ بیشک خدا کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔ جزء ۲۶ سورۃ الحجرات ع ۲-۱۴)۔ اکبر کا مشہور فلسفی ندیم و کاتب ابوالفضل پایان اکبر نامہ (دفتر سوم) میں لکھتا ہے۔ کہ "نسب سرا شدن از تہیدستی باستخوان نیاکان بازرگانی نمودن و کالاے نادانی بہ بازار آوردن است و از شوریدہ مغزی بہ ہنر دیگراں نازش کردن و آہوئے خویش نادیدن" لیکن اسی کا بڑا بھائی فیضی جب افتخار و مباہات شاعرانہ کا موقع پاتا ہے تو بے تکلف سخن سرا ہوتا ہے ؎

جائیکہ از بلندی و پستی سخن رود — از آسماں بلند تر، از خاک کمترم
با ایں چنیں پدر[۵۶۲] کہ نوشتم نگارش — در فضل مفتخر ز گرامی برادرم

---

۵۶۲ شیخ مبارک عرف، مبارک اسم نام، شیخ خاندانی لقب تھا۔ بزرگوں کا وطن یمن تھا۔ شیخ موسیٰ ہندوستان چلے آئے اور سیوستان (سندھ) کے علاقہ میں قصبہ رہل میں قیام گزیں ہو گئے۔ دسویں صدی کے شروع میں شیخ خضر اپنے ان غریب الدیار بھائیوں اور ہندوستان کے مشائخ کو دیکھنے آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ناگور میں جا بسے ۹۱۱ھ (۱۵۰۵ء) میں شیخ مبارک پیدا ہوئے۔ ابھی بچے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے ایک شریف الطبع

اسی برادر گرامی قدر (شیخ فیضی[۵۶۳]) کا دعویٰ تھا۔

آنم کہ فنون ذوفنوناں دارم — انوار چراغِ رہ نموناں دارم
ایں کالبدم زخاک ہند[۵۶۴] است ولے — در ہر بُن مو ہزار یوناں دارم

کریم النفس سید کے یہاں مغربت و تکلیف کے ساتھ ان کی پرورش و تربیت کی اور تعلیم دلائی۔ چودہ سال کی عمر میں تحصیل علوم و اکتساب فنون سے فارغ ہو گئے۔ خواجہ عبداللہ احرار (مدفون ہرقند) کے مرید ہوئے۔ حضرت سید احمد گیسو دراز احمد آبادی سے بھی رسم و عقیدت تھی۔ خطیب ابوالفضل گازرونی شیرازی نے بہت سی معقولات طے کرا دیں اور الٰہیات و فلکیات کے تمام درجے اور راستے دکھا دیے۔ شیخ یوسف مجذوب کے کہنے سے گرہ آئے شیخ علاء الدین مجذوب نے خیر مقدم فرمایا۔ رام باغ (جو پہلے چار باغ کہلاتا تھا) کے قریب اُترے۔ وہیں شادی کی۔ شہرت بڑھی تو شیر شاہ اور سلیم شاہ نے خزانۂ عامرہ سے کچھ مقرر کر دیا۔ جاگیر دینا چاہی منظور نہ کیا۔

معاصرین میں سے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری اور شیخ عبدالنبی اور شیخ صدر نے کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ مگر ہمیشہ زک اُٹھائی۔ ان کے لڑکوں کے دربار میں پہونچنے سے پیشتر بڑی بڑی آفتیں ڈھائی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انکی دو ثلث زندگی یعنی ترسٹھ برس تک تمام تر مصائب و محن میں گزری۔

اکبر نے شیخ مبارک سے پڑھا بھی تھا۔ آخر عمر میں بعبارت نے رفاقت ترک کر دی تھی۔ درس و تدریس مجبورانہ چھوڑ دیا تھا۔ اسی عالم میں ایک مبسوط و کامل تفسیر چار جلدوں میں مسمّٰی نفائس العلوم لکھی جس کو اہل الرائے اور صاحبان نظر امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کے ہم پلہ بتاتے ہیں۔ حیوٰۃ الحیوان کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ فارسی نہایت شیریں لکھتے تھے۔ ابوالفضل نے زبان کی حلاوت باپ کی میراث میں پائی ہے۔ شیخ جید عالم اور بڑے محقق و دانشمند تھے آئین اکبری میں شیخ مبارک کا نام "خدیو نشانین" میں سرفہرست ہے۔

شیخ اپنے سعادت مند اور نامور فرزندوں کا عروج و عزّ و جاہ دیکھکر نوے سال کی عمر میں ۱۰ ذیقعدہ سنہ ۱۰۰۱ھ (۱۵ اگست ۱۵۹۲ء) کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ گردن میں دنبل نکلا تھا جان لیکر ٹلا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے "شیخ کامل" تاریخ کہی۔ فیضی نے "فخر الکمل"۔ لاہور میں سپرد خاک کیا۔ وہاں سے لاکر آگرہ میں لاڈلی بیگم کے مقبرہ میں دفن کیے گئے۔ عالی شان دروازہ کا عربی کتبہ شاہد حال ہے۔

یہ لاڈلی بیگم شیخ مبارک کی بیٹی اعتقاد الدولہ اسلام خاں شیخ علاء الدین چشتی سے بیاہی تھی۔ اپنے سلیقہ و حسن معاشرت اور جود و سخا سے اسلام خاں کے نام کو چار چاند لگا دیے تھے۔ شیخ کی چاروں بیٹیوں میں سے شہرت اُسی نے پائی اور دنیا میں اپنی یادگار نیک چھوڑ گئی ہے۔

شیخ کے لڑکے آٹھ تھے، (۱) فیضی ابوالفیض (۲) ابوالفضل (۳) ابوالبرکات (۴) ابوالخیر (۵) ابوالمکارم۔

ایک دوسرا ادب آموز فرماتا ہے ؎

چو نادانان نہ در بند پدر باش — پدر بگزار و فرزند ہنر باش
چو دود از روشنی بنو و نشانند — چہ حاصل زانکہ آتش راست فرزند

(۶) ابو تراب (۷) ابو حامد (۸) ابو راشد

۵۶۳ شیخ ابو الفیض فیضی فیاضی نادرۂ روزگار شخص گذرا ہے عجائب و غرائب علوم مین اپنا ثانی نہین رکھتا تھا یہ اُسکی کا دعویٰ ہے اور بالکل بجا ہے

مورخین کا اتفاق ہے کہ شعر و معمّٰی و عروض و قافیہ و تفسیر و تاریخ و خط انشا مین ہندوستان مین نہین بلکہ آفاق مین اس جامعیت کا کوئی شخص نہین گذرا

ابو الفیض پانچوین شعبان ۹۵۴ھ (۱ ستمبر ۱۵۴۷ع) کو مستقر الخلافہ اکبر آباد مین پیدا ہوا۔ اکتساب علوم اپنے باپ شیخ مبارک سے کیا صغر سن یعنی چودہ سال کی عمر مین علوم و فنون متداولہ کی تحصیل سے فراغت پائی اور فضل و کمال حاصل کر لیا اسکی قدرت کلام اور وسعت علم و نظر کی شہرت سُنکر اکبر بادشاہ نے ۹۷۴ھ و ۱۵۳۶ع مین طلبی کا فرمان بھیجا فیضی دربار مین حاضر ہوا تو نقرئی کٹھرے کے باہر کھڑا کیا گیا۔ اُس نے بے تکلف و برجستہ یہ رباعی پڑھی ؎

بادشاہا! برون پنجرہ دام — از سر لطف خود مرا جادہ
زانکہ من طوطی شکر خایم — جائے طوطی درون پنجرہ بہ

۹۹۶ھ و ۱۵۸۸ع مین "ملک الشعرا" خطاب پایا [یہ خطاب فیضی سے پہلے سلاطین تیموریہ مین سے اکبر نے عزالی مشہدی کو دیا تھا، اُسکے بعد جہانگیر نے طالب آملی کو، اور شاہجہان نے ابو طالب کلیم ہمدانی کو عطا کیا تھا] حسن اتفاق یہ ہے کہ فیضی نے دو تین روز پہلے ایک قصیدہ لکھا تھا جسمین لسان الغیب نے اُسکی زبان سے یہی مضمون ادا کرا دیا تھا ؎

آن روز کہ فیض عام کردند — مارا ملک الکلام کردند
مارا بتمام در ربودند — تا کار سخن تمام کردند
از بہر صعود فکرت ما — آرائش ہفت بام کردند

فیضی کو ہر قسم کا تغزل و اختصاص مصاحبت والا مین حاصل تھا۔ اسنے بادشاہ کی مدح مین بڑے بڑے قصائد فارسی مین لکھے ہین۔ علمی و ادبی خدمات کے علاوہ فیضی نے بہت سی سیاسی اور مُلکی ذمہ داریان بھی اپنے سر لے لی تھین جن کے حُسن انجام سے اُسکی ذہانت و لیاقت، روشن دماغی اور خوبی تدبر کا سکہ قدر شناس بادشاہ کے دل پر جم گیا تھا۔ وہ ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ع) مین راجہ علی خان حاکم اسیر و برہان پور کے یہان بسلسلہ سفارت بھیجا گیا۔ پھر اُسی جنبت سے برہان الملک والی احمد نگر کے حضور مین پہونچا ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۴ع) مین ان تمام خدمات کو بہ احسن وجوہ انجام دے کر پاپوس سریر سلطنت ہوا

بادۂ حقیقت کا مست جام معرفت بدست نواسنج ہے ؎

اعتبارِ شرفِ آدمیاں از حسب است　　بہر تحقیق نسب آدم و حوا کافی است

باوجود اشتغال ملازمت، وہ فضلا کی صحبت، شعرا کے کلام اور کتابون کی تصنیف و تالیف کا بڑا شائق تھا۔ اسکی فضیلت کی ایک روشن دلیل، اسکی غیر منقوط اور بسیط تفسیر موسوم بہ 'سواطع الالہام' ہے جسکو دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہے اور جس کو اس نے صرف دو سال مین لکھا تھا باوصف کمالات ذاتی وہ شعرا اور اہل فن کی بڑی قدر کرتا تھا جب میر حیدر معمائی کاشانی نے اس تفسیر کی تاریخ سورۂ اخلاص (پوری سورت قل ہو اللہ) سے (۱۰۰۰ھ) نکالی تو اسکو فیضی نے دس ہزار روپیہ صلہ دیا۔ اسنے ایک اور مہمل (بے نقط) رسالہ مواعظ و نکات علم اخلاق مین موارد الکلم لکھا ہے بادشاہ کے ایما سے لیلی مجنون کے مقابلہ مین 'نلدمن' چار ہزار دو سو بیت کی مثنوی، صرف پانچ ماہ مین نظم کی۔ لیلاوتی کا، جو بھاسکر پنڈت متوطن بیدر کی باکمال و ہنرمند دختر کی، فن مساحت و حساب مین، مشہور کتاب ہے سنسکرت سے فارسی مین ترجمہ کیا۔ بیج گنت (ریاضی) کے ترجمہ سے ہندو لٹریچر بھی اسکے گونہ چشم التفات کا منت گذار ہے بھگوت گیتا کا بھی سنسکرت سے ترجمہ کیا تھا جیسا کہ خود پسند اہل کمال اور نازک مزاج لوگون کا شیوہ ہے فیضی کو بھی اساتذہ ماسبق کے کلام کا جواب دینے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ خمسۂ نظامی مین سے مخزن اسرار کے مقابلہ مین مرکز ادوار لکھی تھی تبییض کی نوبت نہین آئی تھی فیضی کی وفات کے بعد شیخ ابوالفضل نے مسودہ کو صاف کرایا۔ اسنے شیرین خسرو کے پہلو بہ پہلو سلیمان و بلقیس کو جلوہ گر کرنا چاہا اور کر گذرا۔ اسیطرح سکندر نامہ کے مقابلہ مین اکبر نامہ لکھا تھا دیہفت پیکر کا جواب ہفت کشور لکھ رہا تھا کہ پیغام اجل آپہونچا اور تمام نہ کر سکا مہابھارتھ کا فارسی ترجمہ درست کر رہا تھا کہ اور ضروری کامون مین لگا دیا گیا تھا گوت اور انھرون دید کی طرف بھی توجہ کی تھی بعض تسلیم کرتے ہین اور بعض انکار۔ ان کے علاوہ اور رسائل بھی عربی و فارسی مین یادگار چھوڑے ہین۔ وہ اپنے معاصرین و متقدمین پر بھی طعن و تعریض کرنے مین بے باک تھا فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (وجس بات مین یہ لوگ جھگڑ رہے ہین قیامت کے دن اللہ ان مین اس کا فیصلہ کر دے گا۔ الجزء الاول سورۃ البقرہ۔ ع ۱۴-۱۴)

باین ہمہ ہم عصر شعرا نے دل کھول کر اسکی ستائش و ثنا کی ہے شیخ علی نقی کمرہ نے پینتیس ۳۵ شعر کا قصیدہ اصفہان سے لکھ کر ہندوستان بھیجا تھا۔ حکیم عین الملک شیرازی کے بیٹے نورالدین محمد عبداللہ نے شیخ کے مکتوبات جمع کئے اور ان کو فیضی و لطیفۂ فیاضی کے نام سے ۱۰۳۵ھ مین ترتیب دئے تھے۔ ملا ظہوری ترشیزی نے ایک لطیف شرح شیخ کی مدح مین لکھ کر بھیجی تھی اسکو بھی مکتوبات کے اخیر مین درج کر دیا ہے۔ مرزا صائب ہمیشہ شیخ کو بڑی عظمت سے یاد کرتے اور لکھتے ہین ؎

این آن غزل کہ فیضی شیرین کلام گفت　　در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ است

شیخ نے آخر عمر مین چھوٹے بھائی علامی کے موازنہ و مناسبت سے فیضی کی بجائے فیاضی تخلص اختیار کیا تھا

ایک دوسرے موقع پر سبق ملتا ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی[۶۵] — کہ درین راہ فلان ابن فلان چیزی نیست

وہ کہتا ہے ؎

زین پیش کہ سکّہ ام سخن بود — فیضی رقم نگین من بود
اکنون کہ شدم بعشق مرتاض — فیاضی ام از محیط فیاض

شیخ کو بنا مخلص راس نہ آیا وہ دو تین مہینے کے اندر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ بسوین صفر ۱۰۰۴ھ (۱۴ اکتوبر ۱۵۹۵ء) کو ضیق النفس (دمہ) سے رحلت کی اور اپنے باپ شیخ مبارک کی قبر کے پاس اکبر آباد میں دفن ہوا۔

فیضی کی کلیات میں ہر قسم اور ہر درجہ کا کلام ملتا ہے۔ پندرہ ہزار شعر کا مجموعہ ہے۔ دیوان خود ترتیب دیا تھا طُباشیر الصبح نام۔ قصائد بڑے جوش سے لکھے ہیں۔

مسٹر بیل اس کی تصانیف کی تعداد ایک سو ایک بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر براؤن اپنی تاریخ ادبیات فارسی کی جلد خامس میں لکھتے ہیں کہ ضیا دپاشا مشہور ترکی شاعر و مصنف نے اپنے "مجموعۂ خرابات" کے دیباچہ میں جہاں شعرائے فارسی کے متعلق بحث کی اور جامی اور اسکے کمال و کلام کی داد دی ہے وہاں عرفی و فیضی کو بھی قابل صد مدحت و ستایش شمار کیا ہے۔ اسکے ایک قصیدہ غرّا میں فیضی و عرفی میدان سخن میں ہمدوش نظر آتے ہیں

اسی کے ساتھ اہل وطن اور بعض معاصرین کا طرز عمل بھی قابل لحاظ ہے۔ اس جماعت نے فیضی و ابوالفضل پر لعن و طعن کا کوئی دقیقہ نہ اُن کی حیات میں اٹھا رکھا تھا نہ بعد ممات فیضی کی وفات کی تاریخ ان الفاظ میں نکالتے ہیں

(۱) بود فیضی ملحدے

(۲) ؎ فیضی بیدین چو مُرد سال وفاتش فصیح — گفت "سگے از جہان رفتہ بحال قبیح"

۵۶۴ فیضی خود آگرہ میں پیدا ہوا لیکن بزرگ باپ کا مولد و منشا ناگور تھا۔ اس نے ناگور کو ہمیشہ یاد رکھا اور دلی تعلق و محبت سے ذکر کیا ہے۔ یہ ناگور (اجمیر کے شمال و مغرب) اب ریاست جودھپور مارواڑ (راجپوتانہ) میں ایک ضلع ہے۔ عالمگیر کے عہد میں ایک سرکار صوبۂ دارالخیر اجمیر کے متعلق تھا۔ شہر کی آبادی ۱۹۰۱ء میں ۱۳۳،۷۷ نفوس تھی، جو بیس سال بعد ۱۰۲۲۷ رہ گئی۔ اس کے بانی ناگا راجپوت تھے۔ یہی وجہ تسمیہ ہے۔ پرتھوی راج چوہان اور محمد غوری وغیرہ سلاطین کے زیر حکومت رہا۔ اکبر نے راجہ بیکانیر کو جاگیر میں دیا تھا۔ شاہجہان نے ایک راٹھور خاندان کو عنایت کیا۔

شہر پناہ طول میں چار میل ہے۔ بروج فصیل اور دمدموں پر عربی و فارسی کے بہت سے کتبے لگے ہوئے ہیں۔ جب لڑائی اور محاصروں سے اسکی حالت خراب ہونے لگی تو راجہ بخت سنگھ نے مساجد کو منہدم کرا کے اسکی مرمت کرا دی اور اُن پتھروں کو اسی دیوار پر نصب کرا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ انسانون مین اشرف کون ہے۔ آپ نے سامنے کی خاک سے دو مٹھیان بھر لین پھر فرمایا کہ ان دونون مین شریف تر کون ہے؟ بعد ازان دونون کو یکجا کر دیا پھر پھینک دیا اور فرمایا کہ انسان سب مٹی ہین ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

حضرت سلمان فارسیؓ صحابی رسول صلعم کی جلالت شان و مرتبت معلوم ہے۔ ایرانی النسل تھے اور آب الملک کی اولاد سے۔ لیکن ایک مرتبہ جب خود آپ سے نسب پوچھا گیا تو آپنے "سلمان بن اسلام"

قلعہ کی دیوار دہری ہے۔ اس مین اب بھی بعض محلات، فوارے اور چشمے، عہد اکبری کی یادگار ہین۔ شاہجہان کی تعمیر کردہ ایک مسجد بھی باقی ہے۔

اس قطعہ کے (ناگوری) بیل بڑی عمدہ نسل کے ہوتے اور سارے شمالی ہند مین شہرت رکھتے ہین

اکبر نے اپنی بہن بختی بیگم کے شوہر شرف الدین حسین مرزا کو ناگور مع متعلقات ناگور کے جاگیر مین دیا تھا۔ اجمیر سے واپسی پر ناگور مین مقام ہوا تو باشندگان شہر کی عرض پر گیلانی تلاؤ، اور شمس تلاؤ، (گوکر تلاؤ) کو صاف کرا دیا۔ گوکر تلاؤ ایک سوداگر نے اپنے کتے کی محبت اور اسکی یادگار مین بنوایا تھا۔ انھین دونون تالابون کے پانی پر رعایا اور جاندارون کی زندگی منحصر تھی۔

شیخ مبارک کے سوا (خود مبارک کے استاد) شیخ عطن ترک نژاد اور شیخ سالار اسی ناگور کے رہنے والے تھے قاضی شیخ حمید الدین کے علاقہ سکونت کا شرف و شہرہ بھی اسکو حاصل ہے۔

۵۶۵ مولانا نور الدین عبد الرحمن بن احمد جامی کے فضائل و کمالات آفتاب سے زیادہ روشن ہین۔ ان کے دادا صاحب مولانا شمس الدین محمد اصفہانی محلہ دشت کے رہنے والے تھے۔ نوائب زمانہ سے وطن چھوڑ کر خراسان چلے آئے اور قصبہ جام مین متوطن ہوئے۔ ان کے والد مولانا نظام الدین احمد دشتی اصفہانی تھے۔ مولانا جامی جام مین ۲۴ شعبان ۸۱۷ھ (۷ نومبر ۱۴۱۴ء) کو متولد ہوئے اسی لئے جامی تخلص اختیار کیا تھا۔ بعد ازان دار السلطنت ہرات مین سکونت گزین ہو گئے۔ خواجہ عبید اللہ احرار سے بہت اخلاص و اتحاد تھا۔ مولانا نے کاشغری کے خلیفہ تھے۔ چوبیس سے زیادہ تصانیف یادگار چھوڑی ہین شرح کافیہ، شواہد النبوۃ، یوسف زلیخا، نفحات الانس، سلسلۃ الذہب اور تفسیر القرآن زیادہ مشہور ہین۔

ستر برس کی عمر مین ۸۸۹ھ (۱۴۸۴ء) مین یوسف زلیخا لکھی تھی۔ اکیاسی برس کی عمر مین جمعہ ۱۸ محرم ۸۹۸ھ ہجری (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) کو رحلت فرمائی۔ تمام بادشاہان ہرات کے یہان مقبول و محترم تھے سلطان بایزید خان نے بمنت و اصرار اپنے یہان بلایا۔ ہدایائے گران بہا بھیجے۔ مگر پائے قناعت نے جنبش گوارا نہ کی عذر کر دیا۔ بعض اہل طریقت تاریخ وفات ۱۹ ربیع الثانی ۸۹۹ھ شب جمعہ (۲۰ جنوری ۱۴۹۲ء) بتاتے اور اسی حساب سے عرس و وصال مناتے ہین ہرات مدفن مزار ہے۔

بتایا۔ یہ جذبہ شیفتگی اسلام کا تھا کہ غیر ملک کے شاہزادے اسکی عظمت کے سامنے اپنے خاندان اور شرف سلف کو تحقیر و بے وقعتی سے دیکھنے لگتے تھے۔

ایک روایت خالد بن عبد اللہ القسری[۵۶۷] سے ہے۔ آپنے وہب بن عطا[۵۶۸] سے اُن کا نسب دریافت کیا

مصنف نصار الارب نے سال وفات ۸۹۲ھ تحریر کیا ہے۔

۵۶۶ حضرت سلمان فارسی کا ایرانی نام دمایہ تھا بڑے خاندانی اور صاحب نسب عالیہ تھے۔ رام ہرمز (خلیج فارس) وطن تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے فرمایا تھا کہ خوب جانچ پڑتال کرکے اور صداقت اسلام سے مطمئن ہوکر یہاں لاایا ہوں اور جستجو کرتا ہوا آستانۂ رسالت پر پہونچا ہوں۔ انکے متعلق خندق کھودتے وقت مہاجرین و انصار میں حجت پیش آئی۔ انصار ان کو اپنا بتاتے تھے اور مہاجرین اپنا۔ رحمت دو عالم کی زبان صدق ترجمان نے بیچ میں پڑکر یوں فیصلہ چکا دیا کہ سلمان منا اھل البیت "سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے" کسی صاحب نظر کا قول ہے ؎

کانت مودۃ سلمان لہ نسبا ولم یکن بین نوح وابنہ رحم

اہل عقیدت لکھتے ہیں کہ ڈھائی یا تین سو سال کی عمر میں ۱۰ رجب ۳۳ھ (۵ فروری ۶۵۴ء) کو وفات پائی اور شہر مدائن میں دفن ہوئے۔

۵۶۷ ابو یزید و ابو الہیثم خالد بن عبد اللہ القسری کا پورا نام و نسب قاضی احمد بن خلکان نے خالد بن عبد اللہ بن یزید بن اسد بن کرز البجلی ثم القسری لکھا ہے۔ اسی کو مزید تفصیل کے ساتھ ہشام بن الکلبی نے بھی کتاب جمہرۃ النسب میں نقل کیا ہے۔ [قسری (بفتح قاف و سکون سین مہملہ بعد ازاں را) قسر بن عبقر کیطرف منسوب ہے جو بجیلہ کا ایک قبیلہ ہے]

طبری اپنی تاریخ کبیر میں لکھتا ہے کہ خالد ۸۹ھ (۷۰۸ء) میں والی مکہ رہا تھا پھر ہشام بن عبد الملک اموی (تخت نشین ۱۰۵ھ متوفی ۱۲۵ھ) نے شوال ۱۰۵ھ (مارچ ۷۲۴ء) میں عمر بن ہبیرہ کو معزول کرکے خالد کو عراقین کا والی (گورنر) مقرر کردیا۔ جمادی الاول ۱۲۰ھ (مئی ۷۳۸ء) میں ہشام نے اسکو بھی برخاست کردیا اور اسکی جگہ یوسف بن عمر الثقفی (حجاج کے برادر زاد) کو دی

خالد کے دادا یزید کو رسول اکرم صلعم کا شرف صحبت نصیب ہوا تھا مگر اُس کی ماں نصرانیہ (عیسائی) تھی۔ خود خالد کی دینداری کی نسبت شبہ کیا جاتا اور اتہام لگایا جاتا تھا لیکن اسمیں شک نہیں کہ وہ مذہبی تعصبات سے بیگانہ تھا۔ اپنی ماں کے لئے اُس نے خود کلیسا (گرجا) بنوا دیا تھا جہاں وہ عبادت کرنے جاتی تھی۔ اسی بنا پر فرزدق نے

جواب ملا "میرا نسب اسلام ہے" جس نے اُس کو ضائع کر دیا اُس نے اپنا نسب بھی ضائع

اُس کی ہجو کی تھی۔

اسی غیر ملتزم الدین خالد کی دینداری کا ایک تاریخی واقعہ یادگار ہے۔ جعد بن درہم جسکی طرف خاندان اموی کا نسب سے آخری خلیفہ مروان ابن جعدی منسوب ہے۔ صفات الٰہیہ کا منکر اور عقیدۂ تعطیل کا بیباک مُنظّر تھا مسلمانوں میں اس فتنہ کا آغاز اُسی نے کیا۔ خالد نے اس (جعد معطل) اور اسکے متبعین کا استیصال کیا تھا۔ وہ منبر پر گیا اور مسلمانوں سے مخاطب ہوا "اے مسلمانو اسلام قربانی کرو خدا تمھاری قربانی قبول کرے گا میں جعد بن درہم کی قربانی کرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ نہ خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور نہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا" پھر منبر سے اُتر کر جعد کو ذبح کر دیا۔ اعاظم اسلام حسن بصری وغیرہ نے اُسکے اس عمل کی ستائش کی اور شکر گذار ہوئے۔

خالد کا شمار عرب کے ممتاز لوگوں اور نامور خطیبوں میں ہوتا ہے جو فصاحت و بلاغت کے معرکوں میں بقائے دوام کی سند پا چکے ہیں۔ وہ نہایت سخی اور کثیر العطا تھا ہفتہ میں ایک دن محض شعرا کے لئے دربار کرتے اُن کا کلام سننے داد سخن دینے اور بخشش و اکرام کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ اُسکی داد و دہش کے کئی واقعات طبری نے بیان کئے ہیں۔ اُس نے بہت سی نادر کتابیں ترجمہ کرائیں اور قابل اہل و دماغ والوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا جو گروہ یا فرقے کسی حکمران یا امیر کی سخت گیری و مذہبی پاسداری سے بے در و بے کس پھرتے تھے، اُن کی سرپرستی و دستگیری کرتا۔ پناہ دیتا اور مراعات کرتا۔ خالد اپنے مشاغل علمی اور دلچسپ ادبی صحبتوں کے لئے ہمیشہ مشہور رہے گا جسوقت کہ قید و بند میں تھا اُس وقت بھی شعرا اُسکی مدح کرتے اور وہ حسب حال صلہ بھیجتا تھا

معزولی کے بعد بدنصیب خالد کچھ مدت تک قید و حبس میں رکھا گیا اور پھر بڑی بے رحمی و بے دردی سے ہلاک کر دیا گیا۔ اُسکے ضبط و تحمل کی یہ کیفیت تھی کہ باہمہ تکلیف یابی اور اذیت رسی وہ نہ زبان سے کچھ نکالتا اور نہ آہ و زاری کرتا۔ اُس کا دردناک خاتمہ ذی قعدہ ۱۲۵ھ (ستمبر ۷۴۳ء) یا محرم ۱۲۶ھ (نومبر ۷۴۳ء) میں ہوا شب میں ناحیہ حیرہ میں دفن کر دیا گیا۔ حیرہ کوفہ سے ایک فرسخ ہے۔ کبھی ملوک عرب آل نعمان بن المنذر کا تخت گاہ رہا تھا

قاضی ابن خلکان کے سوا ابو الفرج اصبہانی نے بھی کم و بیش یہی واقعات تحریر فرمائے ہیں

۵۶۸ وصل بن عطاء الغزال القاسی (ابو حذیفہ کنیت) مرد زبان دان اور قادر الکلام گذرا ہے مذہب سے وہ الثغ (توتلا) واقع ہوا تھا حروف راکو بول نہ سکتا تھا غین کی آواز نکلتی تھی۔ بات اس طرح کرتا تھا کہ اُسکے کلام میں "ر" نہ آنے پاتی اور اُسکے لثغہ (توتلے پن) کا عیب سامعین پر کھلنے نہ پاتا حتیٰ کہ اس قدرت زبان اور احتیاط اظہار مطالب سے وہ ضرب المثل ہو گیا تھا شعرا اور مورخین نے اسکا تذکرہ کیا ہے۔

کر دیا اور جس نے اُس کو محفوظ رکھا اُسنے اپنا نسب بھی محفوظ رکھا" خالد بولے" واقعی عبد (بندہ) کا مہرہ اور مرد آزاد کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے"۔

ابو عمار ابراہیم النخعی سے (جو مشاہیر فقہائے تابعین سے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے اُستاد تھے) کسی نے پوچھا کہ "آپ کا نسب کس شخص تک پہونچتا ہے" فرمایا "تم کو میرے نسب کے جاننے سے کیا حاصل ہوگا

ابو العباس المبرد کتاب الکامل میں لکھتا ہے "کان واصل بن عطاء احد الاعاجیب وذالک انہ کان اشنع قبیح اللثغۃ فی الراء فکان یخلص کلامہ من الراء ولا یفطن لذالک لاقتدارہ علی الکلام وسہولۃ الفاظہ"

صاحب بن عباد وزیر کی مدح میں ابو محمد رازان لکھتا ہے ؎

فَهُوَ جَنْبٌ لَا يَوْمَ الْعَطَاءِ لَمَّا ... تَجَنَّبَ ابْنُ عَطَاءٍ لُثْغَةَ الرَّاءِ

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

وَجَعَلْتَ وَصْلِي لَامَ لَمْ تُطْلِقْ بِهِ ... وَقَطَعْتَنِي حَتَّى كَأَنَّكَ وَاصِلُ

ملا فرج اللہ شوستری جو فارسی کا نغز گو شاعر تھا اور جس کا حال سید علی معصوم نے سلافۃ العصر و تذکرہ شعرائے عرب میں بڑے طمطراق سے لکھا ہے عربی بھی خوب کہتا تھا اسی واصل کی نسبت اشارتاً کہہ رہا ہے ؎

لَا غَرْوَ إِنْ لَمْ تَفْهَمِ الْأَيَّامُ لِي ... أَنَّ ابْنَ عَطَاءٍ وَافِي الرَّاءِ

وَلِمَنْ أَجْرَى طَبْعَ الزَّمَانِ وَأَهْلِهِ ... دَقَّ الْكَلَامِ وَأَهْلُهُ أَحْيَاءُ

پروفیسر براون اپنی تاریخ ادبیات میں لکھتے ہیں اور مسلمہ مورخین اسلام نے بھی نقل کیا ہے کہ یہ واصل حضرت حسن بصری کا شاگرد تھا جو ائمہ تابعین اور اکابر متکلمین عراق سے تھے۔ اُستاد سے اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ آیا مومن ارتکاب گناہ کبیرہ کے بعد بھی مومن کہلانے کا مستحق رہتا ہے یا نہیں۔ خود واصل کا خیال یہ تھا کہ ایسا آدمی نہ تو مومن کہا جا سکتا ہے نہ غیر مومن (یا کافر) بلکہ منزلۃ بین المنزلتین دونوں کے درمیان کی ہے۔ یہ سنکر واصل مسجد جامع کے ایک گوشہ میں چلا گیا تاکہ وہاں اپنے ہم سبق طلبا سے گفتگو اور اپنے نئے خیال کا اظہار کسی قدر شرح و بسط سے کرے خصوصاً اُن سے جو اُسکے ہم آہنگ ہوتے تھے۔ شیخ حسن بصری نے سنا تو اُن لوگوں سے جو اُن کے گرد تھے فرمایا "اعتزل عنا" ہم سے علیحدہ ہو گیا۔ واصل کی جماعت اُسی وقت سے معتزلہ کہلانے لگی۔ عراق و دمشق میں اسنے بڑی شہرت پائی۔ اس فرقہ کا پیشوا و مقدم تھا۔ اسکے پیرو اور ہم خیال خود کو اہل العدل والتوحید کہتے تھے۔ اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار ممکن نہ ہوگا۔ انھیں کا قول یہ ہے کہ نیکی خدا کی جانب سے ہے اور بدی خود اپنے نفس سے۔ واصل نفی اثبات اور قدر کا قائل تھا۔ مرتکب کبائر کے لئے خلود فی النار کو تسلیم کرتا تھا۔

بیچارے حسن بصری اپنے تلامذہ کی ناسعادتمندی و کج روی کا ہمیشہ شکار رہے ہیں انکا ایک اور

میرا جدّ اعلیٰ اپنے نام سے خود آگاہ ہے"

فخر المتاخرین مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہین کہ "حقیقت حسب کسی شخص کے خاندان کی

شاگرد ابن ابی العوجا تھا جو مرکز توحید و خدا شناسی سے منحرف ہو گیا تھا۔ لوگون نے پوچھا کہ اپنے استاد کے مذہب کو کیون چھوڑ دیا اور ایک بے اصل و حقیقت مذہب اختیار کر لی۔ جواب دیا کہ میرا استاد ایسی باتین کرتا تھا جو عقیدۃً ہم کو پریشان ہوتی تھین۔ کبھی قدریہ کے آئین پر چلتا اور کبھی جبریہ کے طریق پر۔ میرے پندار مین تو کبھی ایک مذہب پر وہ قائم نہ تھا

واصل نے تصانیف کی ایک تعداد کثیر چھوڑی ہے کتاب اصناف المرجیۃ۔ کتاب فی التوبۃ۔ کتاب فی المنزلۃ بین المنزلتین۔ کتاب معانی القرآن۔ کتاب طبقات اہل العلم والجہل وغیرہ۔ اسکے خطبون کی بھی کتاب ہے جسکی خصوصیت یہ ہے کہ حرف راء کہین آنے نہین پایا ہے۔

۸۰ھ (۶۹۹ء) مین مدینۃ الرسول مین پیدا ہوا اور ۱۳۰ھ (۷۴۹ء) مین رحلت کی

۶۶۹ ابو عمار۔ مشاہیر فقہائے تابعین سے تھے۔ آپ کے والد یزید بن الاسود النخعی اور والدہ ملیکہ دختر یزید بن قیس تھین ۲۰ھ یا ۲۷ھ (۶۴۰ء یا ۶۴۷ء) مین جس شب مین کہ حکم بن عیینہ فقیہ تابعی کی ولادت ہوئی آپ بھی پیدا ہوئے تھے۔ ایام کہولت و شباب مین شوق علم بدرجہا غالب تھا۔ پہلے اپنے دونون ماموں عبد الرحمن اور اسود پسران یزید بن قیس سے تلمذ و اکتساب کیا۔ پھر علقمہ بن قیس النخعی سے جو ان دونون صاحبون کے چچا اور فقہائے سبعہ کے معاصر تھے استفادہ فرمایا اور ہر علم و فن کو سیکھا۔ ابو زرعہ نے آپکی نسبت لکھا ہے النخعی من اعلام الاسلام یعنی ابراہیم نخعی علمائے دین حنیف سے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیارت بھی کی تھی نخعی کے حالات خصوصیات مین مروی ہے کہ نوامیس آلہیہ اور شرائع مقررہ کے سوا دوسری طرف توجہ نہ فرماتے تھے بلکہ اسکو بیہودہ و لغو جانتے تھے اور قطعاً التفات نہ کرتے۔ اگر کوئی اس قسم کے سوال کر بیٹھتا تو جواب مین تعرض نہ فرماتے بلکہ تعریف مین لب کھولتے۔ آپ کے ملنے والون مین سے کسی نے پوچھا "آپ کے حالات شب و روز کیسے گذرتے ہین؟" جواب دیا "اگر آپ کی یہ رائے ہو کہ میری پریشانی کو مجتمع (رفع) کرین یا قرض کو ادا فرما دین یا عریانی مین مجھے پوشاک پہنا دین تو اپنا حال بار بار عرض کر سکتا ہون ورنہ میری حالت آپ کی حالت سے زیادہ عجیب نہ ہوگی کہ میرا حال تو پوچھ رہے ہین اور خود بدولت اپنی کیفیت نہین دیکھتے"

کسی نے پوچھا کہ "آپ کب متولد ہوئے تھے اور اس عالم مین کب قدم رکھا؟" فرمایا کہ "جس وقت میری ہستی کی حاجت ہوئی مین نے عرصہ ہستی مین قدم رکھا"

آپ کی جلالت قدر اور رفعت شان اس حد تک تھی کہ امام اعظم کوفی نے آپ کے ورود حضوری پر فخر کیا ہے اُنچاس سال تک زندہ رہکر ۹۵ھ یا ۹۶ھ (۷۱۴ء یا ۷۱۵ء) مین دار فانی سے رخصت ہوئے۔ جب

بزرگی ہے بشرطیکہ آبائے قریبہ یعنی سات پشت کے اندر پائی جائے مثلاً کوئی شخص سلاطین یا اُمرائے کبار یا کسی اچھے شیخ کی اولاد سے ہو یا کسی مشہور عالم کی نسل میں نسب کی حقیقت کسی شخص کے خاندان کی بزرگی آبائے بعیدہ کے سلسلہ سے مانی جاتی ہے جیسے حسینی و ہاشمی ہونا یا فارسی ہونا یا ابراہیمی ہونا وعلیٰ ہذا القیاس بعض اشخاص میں یہ دونوں تفوق موجود ہوتے ہیں مثلاً حضرت غوث اعظم کی اولاد، جو سیّد بھی ہیں اور انھیں ایسے بزرگ جلیل القدر کی اولاد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

آفتاب عمر معرض غروب میں دیکھا اور سکرات کے آثار اپنے میں مشاہدہ کرنے لگے تو اضطراب سخت وجزع شدید طاری ہوا۔ لوگوں نے پوچھا، کیا حال ہے آپ ایسے آشفتہ و پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ کہا کہ "میری کیفیت جو اس وقت ہے اس سے زیادہ سخت اور کون حالت ہوگی! اسلئے کہ رب العزۃ کی جانب سے قاصد کا انتظار کر رہا ہوں کہ آیا جنات نعیم کی بشارت دیتا ہے یا درکات جحیم کی خبر خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میری آرزو یہی ہے کہ قیامت کے دن میری جان عزیز میرے حنجرہ (گلے) میں گردش کرے اور اس کالبد سے باہر نہ جائے تاکہ جو ہولناک عقوبتیں ہر شخص دیکھے گا میں نہ دیکھوں"

فائدہ۔ فقہائے سبعہ کا ذکر یہاں آگیا اسلئے کسی قدر تفصیل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں فقہائے سبعہ جنکو کتب رجال میں قلمبند کیا ہے فرقہ تابعین سے تھے۔ جو مدینہ طیبہ میں احکام الٰہیہ و احادیث نبویہ و علوم شرعیہ کو اصحاب رسول اکرم صلعم سے حاصل کر کے مسلمانوں کو تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ کتب معتبرہ میں انکے نام نامی یہ لکھے ہیں (۱) سعید بن مسیّب بن حزن (۲) عروہ بن زبیر بن العوام (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (۴) عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام (۵) عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ ہذلی (۶) خارجہ بن زید بن ثابت (۷) سلیمان بن یسار

اہل تشیع خصوصاً ثقۃ الاسلام کلینی صاحب کافی، اسحق بن جریر سے حکایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ سعید بن مسیّب، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور ابو خالد کابلی کو علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہما کے حضور مبارک میں وثوق و اعتماد حاصل تھا۔

۵ مولانا شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی حافظ قرآن و امام مفسرین و مقتدائے متکلمین زمانہ تھے۔ سلالۂ علم و علمائیں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ سے تمام علوم معقول و منقول پندرہ سال کی عمر میں حاصل کر لئے۔ کمالات باطنی کی تکمیل فرمائی پدر بزرگوار کی رحلت پر اپنے آبا و اجداد کی مسند افادہ و ارشاد پر متمکن ہوئے۔ اسّی سال کی عمر میں صبح یکشنبہ، ۷ شوال ۱۲۳۹ھ (۵ جون ۱۸۲۴ء) کو وفات پائی۔ فنون مختلفہ میں تصانیف کثیرہ چھوڑی ہیں۔ تفسیر میں فتح العزیز، مناظرہ میں تحفہ اثنا عشریہ، مجموعہ فتاویٰ۔ وغیرہ بہت

بعض مین حسب ہوتا ہی نسب نہین ہوتا جیسے تیموریہ اور راجپوتان - اور اولاد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بعض مین صرف نسب ہوتا ہی حسب نہین ہوتا جیسے قدوائیان جاہل وسادات بارھہ شرافت ونجابت عرف عام مین بزرگی نسب کے مقام پر استعمال ہوتی ہی۔ واللہ اعلم بالصواب "

اہل لغت حسب کو شرف وبزرگی بلحاظ مال وجاہ ودین بتاتے ہین اور لکھتے ہین کہ یہ لفظ اکثر نسب کے ساتھ مستعمل ہوتا ہی نسب کے معنی نسل ونژاد کے ہین ابن السکیت[۵۷] کہتا ہے "الشرف

مقبول اور مستند کتابین ہین - سال ولادت ۱۵۹ھ (۷۷۶ء) تھا

۵۷ ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الشیعی - المعروف بابن السکیت نحوی کی نسبت قاضی احمد بن خلکان لکھتے ہین کہ اس کا باپ اسحاق اصل مین دورق نورستان (خراسان) کا متوطن صالح نیک کردار - علم دوست وعالم نواز تھا - آستان مقدس حضرت رضا کی حضوری اور امامین کرام تقی ونقی علیہما السلام کی زیارت وصحبت سے بھی مستفیض ہوا تھا - چنانچہ ان حالات وواقعات واقوال واحادیث کو کتاب عیون اخبار الرضا مین نقل کیا ہی - یعقوب اپنے باپ کے ساتھ مدت تک بغداد مین تعلیم وتربیت اطفال مین مشغول رہا - باپ نے کسی وقت خانہ کعبہ مین دعا مانگی تھی کہ لڑکا فن نحو مین امام ہو - چنانچہ یہ دعا بارگاہ الٰہی مین قبول ہوئی اور یعقوب فن نحو (کو نہین) اور لغت مین یکتائے عصر ہوا - اس نے ان فنون کو اساتذہ وماہرین سے مثل فراء ابی عمر، اسحاق بن مرار الشیبانی، اثرم، ابن اعرابی وغیرہم سے تحصیل کیا تھا - بعد فراغ کچھ عرصہ تک بطور خود امرا کے لڑکون کو پڑھاتا رہا حتے کہ اسکے علم وفضل کا شہرہ بڑھا اور محمد بن عبد اللہ بن طاہر خزاعی قائد وسپہ سالار عباسیہ نے اسکو اپنی اولاد کی تعلیم کے لئے پانچسو دینار سالانہ پر مقرر کرلیا پھر ہزار دینار سالانہ تک ترقی کردی - رفتہ رفتہ خود خلیفہ متوکل کی صحبت ودربار مین پہونچگیا اور معتز وموفق دونون شاہزادون کی تربیت پر مامور ہوا - بارہا انعام واکرام پائے - ایکمرتبہ خلیفہ نے پچاس ہزار درہم عطا کئے تھے - تقدیر الٰہی تھی کہ اسی قدر شناس ونکتہ نواز سرپرست کے حکم سے اپنے عقائد کے اظہار کی بدولت باکسی گستاخی وبدزبانی کی سزا مین مارا گیا - متوکل نے اسکے فرزند یوسف کو بیس ہزار درہم بھیجے اور کہلا بھیجا کہ تمھارے باپ کا خون بہا ہے - ابو العباس ثعلب کہتا ہے کہ ابن سکیت تمامی علوم مین مہارت رکھتا تھا اور بالاجماع ابن اعرابی کے بعد علم لغت مین یعقوب سے زیادہ کوئی مستند ومعتبر شخص نہین گزرا - کتب تاریخ وسیر مین ابو الحسن علی بجیانی کے ساتھ یعقوب کا جوانی اور طالب العلمی کے زمانہ مین مناظرہ، اور ابو الحسن کا ناکام وشرمندہ ہونا اور پھر باہمہ تبحر وکمال ایک وقت پر یعقوب کا ابو عثمان مازنی سے وزیر محمد بن عبد الملک زیات کی محفل مین مغلوب وخجل ہوجانا منقول ہی - ابن السکیت نے اٹھاون سال کی عمر مین ۵ یا ۶ رجب ۲۴۴ھ

والمجد یکونان بالآباء۔ یقال رجل شریف ماجد لہ آباء متقدمون فی الشرف۔ والحسب والکرم یکونان فی الرجل وان لم یکن لہ آباء لہم شرف"

پلاس[۵۲] بن ہرمز کا قول ہے "حسب زیور است ونسب جمال۔ چنانکہ زیور صاحب جمال را درخور است حسب اہل نسب را لائق تر"

اب ہادیان کرام و مقتدایان عظام کے اقوال نقل کرتا ہوں جو احتفاظ نسب و حسب اور نگہداشت مراتب اقربا کے بارہ مین تقریباً متفق و یکسان ہین۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین کہ "اپنے خاندان کی تکریم کرو۔ یہ تمھارے بازو ہین جن سے تم اڑتے ہو یہی تمکو ملاتے اور یہی تمکو بڑھاتے ہین یہی مصیبت کے وقت آڑے آتے ہین۔ ان مین کے کریم کا اکرام کرو جو بیمار ہو اُسکی عیادت کرو اپنے معاملات مین اُن کو شریک کرلو اور اُنکی مشکلات و تکالیف مین اُن کو آسانی بخشو"۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی تمھارا قریب ہو اور تم پاؤن سے چل کر اُسکے پاس نہین گئے

(۱۸ ر یا ۱۹ ر اکتوبر ۱۸۷۵ء) کو دوشنبہ کے روز وفات پائی۔ بہت سی نافع اور جامع تالیفات یادگار چھوڑین۔ اس کی کتاب اصلاح المنطق کی تعریف مین علما کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ "از جسر بغداد کتابے در علم لغت مانند او نہ گذشتہ است ... ہر لغتے کہ در سائر کتب بہمت نمی آمد باصلاح المنطق رجوع می کردند"۔ ایڈورڈ ولیم لین Edward William Lane بھی اسکی نہایت تعریف کرتا اور لکھتا ہے کہ ابن السکیت نے عروہ بن الورد بن زید العبسی شاعر جاہلی کے دیوان کی نہایت عمدہ شرح لکھی تھی

[۵۲] یہ تحریر مسلمان اہل قلم کی ہے جنھین نے یہ نام بھی لکھا ہے۔ لیکن دانایان پارس کو اسکی اصلیت مین کلام ہے۔ میرے واجب الاحترام مکرم اور زردشتیون کے مقتدائے اعظم شمس العلماء ڈاکٹر جیون جی جمشید جی مودی کی تحقیق یہ ہے کہ طبقہ حکما یا مشاہیر سے کسی پلاس کا "پلاس بن ہرمز" کے نام سے پتہ نہین چلتا ہے۔ البتہ ایران مین ایک بادشاہ "پلاش" یا "بلاش" نامی تھا جو ۴۸۴ء سے ۵۰۸ء تک فرمانروا رہا اسکے سکے بھی ملتے ہین۔ مگر اسکا عہد چندان ممتاز نہ تھا۔ اسی وجہ سے بعض مورخین نے اسکا نام بھی نہین لیا نہ ذکر کیا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ ہرمز پسر یزدجرد دوم کا بھائی تھا۔ بعض کہتے ہین کہ نہین وہ ہرمز کا بھتیجا یعنی فیروز برادر ہرمز کا بیٹا تھا۔ رومانی مورخین اسی کو Pacuus بتاتے اور لکھتے

اور اپنے مال سے اُسے کچھ نہین دیا تو ضرور تم نے اُس سے قطع تعلق کیا

ایک صاحب کہتے ہین کہ اقارب کا حق یہ ہے کہ چھوٹا اپنے بڑے کی تعظیم کرے اور بڑا چھوٹے پر شفقت"۔ رحمت عالم و عالمیان صلعم نے فرمایا ہے کہ بھائیون مین سے بڑے کا حق اپنے چھوٹون پر اتنا ہی ہے جتنا باپ کا اپنے بیٹے پر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ اپنے انساب کا علم حاصل کرو۔ اس سے تم اپنی اصل و

فاضل ڈاکٹر نے اسکے متعلق اپنی تالیف "ایشیاٹیک پیپرس حصۂ دوم" مین لکھا ہے نیز اُس مضمون مین جو خوارزم (خیوا) کے سفید پوش لوگون (ہنو۔ مزدکیان۔ ایران) کی قدیم تاریخ پر "دائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی" کے رسالہ مین ۱۹۱۶ء مین شایع کیا۔ شرح سنجانی مین لکھا ہے کہ بلاس بہرام گور کا بیٹا تھا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ سکندر کے ناموربدیم حکیم بلیناس کا اس روایت سے کچھ تعلق ہو۔

۵۷۳ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو حفص تھی۔ لقب فاروق تھا۔ بڑے جلیل القدر صحابی اور سپہ سالار اسلام و اسلامیان تھے۔ علی الراجح نبوت کے سال ششم مین ستائیس ۲۷ برس کی عمر مین ایمان لائے تھے (الذہبی)۔ آیہ پاک یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ (اے پیغمبر اللہ اور مسلمان جو تمھارے تابع فرمان ہین تمکو کافی ہین۔ جزو ۱۰ سورۃ الانفال ع ۸۔۴) کا نزول مفسرین آپکی شان مین بتاتے ہین اور مَنِ اتَّبَعَكَ سے مراد مشار فاروق اعظم کو لکھتے ہین۔ جامع ترمذی اور مستدرک حاکم مین مناقب عمر مین جو احادیث مروی ہین اُنسے آپکے علو مرتبت اور جلالت شان کا اندازہ ہو سکتا ہے لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب۔ لو کان بعدی نبی لکان عمر۔ ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر رحمۃ و عالم نے آپکے حق مین دعا فرمائی تھی اللھم اعز الاسلام بہ۔ اللھم ایدا الاسلام بعمر بن الخطاب یہ دعا بدر ہوئی (دارقطنی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے آپکا نسب کعب ابن لوی پر پہونچکر ملتا ہے۔ حضرت کے مولد شریف سے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپکی شادی سات بار ہوئی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم بھی آپ کی زوجیت مین تھین۔ آپ کی بیٹی حضرت حفصہ زوجہ رسول اور ام المومنین تھین ایام جاہلیت مین جب قریش کے قبیلون مین لڑائی ہوتی تھی تو آپ سفیر ہو کر جایا کرتے تھے۔ اکثر منافرہ (حسب و نسب کے فیصلہ) کے جلسون مین بھی پیش ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات پر بروز سہ شنبہ ۲۳ جمادی الآخر ۱۳ھ (۲۵ اگست ۶۳۴ء) کو مسند آرائے خلافت ہوئے سب سے پہلے آپ ہی امیر المومنین کہلائے

دنیا سے آگاہ ہو جاؤ گے پھر صلۂ ارحام تک پہونچو گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر انساب سے آگاہی نہ ہوتی تو دشمنوں کی صولت سے احرار اور برابر والوں سے تنازع برپا رہتا۔ اسکا سکھانا

مورخین لکھتے ہیں چونکہ حضرت ابوبکر خلیفۂ رسول کہلاتے تھے۔ اسلئے جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو فرمایا کہ اگر لوگ مجھے خلیفۂ خلیفۂ رسول اللہ کہنے لگین گے تو بڑا المیا خطاب ہو جائے گا، مغیرہ بن شعبہ اوٹھ کھڑے ہوئے اور بولے کہ آپ ہمارے امیر ہین اور ہم مومن ہین تو آپ امیر المومنین ہین، تمامی حاضرین و اصحاب نے بالاتفاق اس کو پسند و منظور کیا۔ اسوقت سے آپ امیر المومنین کہلانے لگے اور پھر آپ کے بعد آنیوالون نے بھی اس کی تقلید و تبعیت کی۔ مدینہ مین مسجد نبوی کی توسیع ۱۶ھ مین آپکے عہد مین ہوئی سب سے پہلے آپ ہی نے تاریخ لکھی اور حضرت ابوبکر کو مصحف قرآنی کے جمع و یکجا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ ماہ رمضان المبارک کا قیام اور رونق آپ ہی کی بدولت ہوئی۔ تعزیر و تادیب کے لئے دُرّہ آپ ہی نے مقرر فرمایا تھا۔

حضرت عمرؓ نے تمام ممالک شام و فونیشیا کو ہرقلیس قیصر روم کے ہاتھ سے چھینا۔ یروشلم (بیت المقدس) کو سخت محاصرہ کے بعد صلحاً ۱۶ھ (۶۳۷ء) مین فتح کیا جسکی کنجیان لینے کے لئے خود حضرت عمرؓ کو مدینہ سے وہان تشریف لیجانا پڑا۔ ہجرت کے سولھوین سال مسلمان ملک عجم پر بھی مستولی ہو گئے۔ سلطنت کسریٰ برباد ہوی۔ یزدجرد پسر خسرو پرویز سے فارس لے لیا۔ کلمہ گویان اسلام کی تعداد بڑھائی۔ مصر و اسکندریہ آپکے عہد مین فتح ہوا۔ کتب خانہ اسکندریہ کے جلا دینے کی جھوٹی روایت جو معاندین حضرت عمرؓ اور مخالفین اسلام نے ایک مدت تک مشہور کر رکھی تھی دانایان محققین نے نہایت قوی و وثیق ذرائع و دلائل سے اُس کی تردید کر دی ہے۔ آپ کے زمانہ خلافت مین بحر احمر و دریائے نیل کے درمیان بھی نہر قائم کی گئی۔ چھتیس ہزار شہر اور قصبے جیسے بعلبک، حمص، حلب، انطاکیہ، تبریز، آذربیجان، ہرات، جرجان وغیرہ مسلمانون نے فتح کئے۔ چودہ ہزار مساجد تعمیر کین۔ بروایت حدائق الانوار و دیگر کتب معتبرہ آپ کی مدت خلافت دس سال پانچ ماہ اٹھائیس روز تھی۔ بڑے عادل اور منصف، صاحب عظمت و جبروت خلیفہ تھے۔ رات کے وقت شہر کی پاسبانی فرماتے۔ کسی گھر سے گانے بجانے کی آواز آتی یا شرابیون کا شور و غل سنتے تو احتساب شرعی فرماتے توبہ کرلیتا تو درگزر کرتے سزائے تازیانہ اور رات کے لئے چوکیدار مقرر کئے۔ دفتر مرتب کیا گیا شہرون مین قاضی بھیجے۔ رمضان کے مہینے مین مسجدون مین قندیلین جلائین

تقدیر الٰہی تھی کہ چہارشنبہ ۲۵ ذیحجہ ۲۳ھ (۳ نومبر ۶۴۴ء) بروایت مجالس المومنین ۲۶ ذیحجہ کو ابو لؤلؤ فیروز فارسی (مجوسی یا یہودی) غلام مغیرہ نے بحالت اشتغال نماز مسجد نبوی (واقع مدینہ منورہ) مین آپ کو خنجر سے مجروح کیا۔ پھر سات اور آدمیون کو قتل کر کے خود بھی ہلاک ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اسکے تین دن بعد وفات پائی۔ بروایت واقدی روز یکشنبہ غرہ محرم ۲۴ھ (۱ نومبر ۶۴۴ء)

بھی نہایت ہوشمندی اور انتہائے ثواب کی بات ہے حضرت شعیبؑ علیہ السلام کی قوم کا قول یاد رکھنے کی چیز ہے۔ وہ بولی وَ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ (اور اگر تمھاری برادری کے لوگ نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر چکے ہوتے جزو ۱۲ سورۂ ہود ع ۸۰) ظاہر ہے کہ خاندان والوں کی بدولت یہ بچ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ عربیت سکھاؤ۔ اس سے جو امر دی

کو دفن کیے گئے۔ ۱۰۰ سال عمر تھی۔ اہل ایران نے اس واقعہ کی یادگار جس طریقہ پر قائم کی اور جسکو وہ صدیوں سے مناتے چلے آتے ہیں۔ اس کو نامور فرنگی سیاح وارنگ Warring نے اپنے سفرنامہ شیراز ۱۸۰۴ء میں بتفصیل لکھا اور اس کی بدعات و مراسم کو بیان کیا ہے۔ انھیں حرکات ناپسندیدہ کو قاضی نور اللہ شوستری نے اہل کاشان سے منسوب کرکے اپنی کتاب مجالس المؤمنین میں میر مخدوم شریف شیرازی کی کتاب (نواقض الروافض) کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

آپ بڑے سخن شناس اور سخنور تھے۔ لیکن احتیاط و ادب کا یہ پایہ تھا کہ کوئی شخص حدود بعیدہ شرعیہ سے تجاوز یا کلام میں مبالغہ نہیں کرنے پاتا تھا۔

آپ کے حالات و کرامات و عادات کو حیوۃ الحیوان، فوائد ابوالقاسم بن بشران، کتاب العظمۃ لابی الشیخ، ریاض النضرۃ، دلائل النبوۃ لابی نعیم، شرح السنۃ للالکائی، کرامات الاولیا لابن الاعرابی، اصابہ لحافظ ابن حجر، تلقیح فہوم الاثر لابن الجوزی، المستطرف للابشیہی نے نقل کیا ہے۔ شاہنامہ اسلام بزرجمہر کے آغاز میں فردوسی کہتا ہے ؎

چنان بد کجا سرفراز عرب — کہ از تیغ او روز گشتے چو شب
عمر آنکہ بد مومنان را امیر — نمودہ ورا خالق بے نظیر

۵۴ حضرت شعیبؑ انبیائے کرام اور اولاد حضرت صالح علیہ السلام سے تھے خدا کے نہایت برگزیدہ اور صالح بندے، بڑے فصیح اللسان تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پیغمبروں کا خطیب فرمایا ہے۔ خدائے عزوجل نے اپنے کلام پاک کے بارھویں پارے (وما من دابۃ) سورۂ ھود میں آپ کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ آپ کی بددعا سے آپکی ناخدا ترس قوم پر ہلاکت اور آگ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ مدین میں قیام تھا مصر سے نکلنے کے بعد حضرت موسےٰ نے آپ کی آغوش تربیت میں کامل ۱۰ سال بسر کیے تھے اور فرعون کے تاج و تخت کو تاخت و تاراج کرنے یہیں سے تشریف لے گئے تھے اس عالم فانی میں ۱۰۰ سال تک ابصارت ظاہری سے محروم مگر دعوت حق اور اعلائے کلمۃ اللہ میں مشغول رہے۔

بڑھتی ہے اور نسب بتاؤ بہت سے ارحام ایسے مجہول تھے جو اپنے نسب کے پہچان لینے سے واصل ہو گئے۔

یاد رہے کہ عرب کی صحت نسب کی تصدیق نہ صرف نسب نامون اور تاریخی و خاندانی روایات سے ہوتی تھی بلکہ سب سے معتبر عیار اُن کی روایات و حکایات کا اُن کے اشعار تھے۔ وہ اُمّی تھے اسلئے بدون آمیزش و تحریف پانے کے اُن کے کلام و قصص آباءً عن جدٍ محفوظ چلے آتے تھے۔

شرافت پر نظر مختلف پہلوؤن سے

اسلام نے علو انساب و شرف قبائل کی بزرگی و فضیلت کو دور کر کے اخلاقی زندگی کو ایک برتر و بہتر معیار قرار دیا اور اس کا مکمل نمونہ پیش کیا اور نوع بشر کی مساوات اور تمام کلمہ گویان اسلام کی مواخات کا بلا فرق مرتبت اعلان کیا ہے نسب اور سلف کا امتیاز ہٹا کر صرف تقوی کو وجہ فضیلت قرار دیا

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (ورنہ) اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے (جزو ۲۶ سورہ الحجرات ع ۱۴-۲)]

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوا ہے کہ قیامت میں نسب کا حصہ یکسر اُٹھا دیا جائے گا اور قرابت مندی کام آئے گی نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا چنانچہ (جزو ۱۸ سورہ مومنون ع ۶-۶ میں) وارد ہوتا ہے

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ [پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ لوگوں میں رشتے داریاں باقی رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے]

اپنے حبیب و رسول صلعم سے اللہ جل شانہ خطاب فرماتا ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [اور (خاص کر) اپنے قریب کے رشتہ داروں کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ (جزو ۱۹ سورہ الشعراء ع ۱۱-۱۵)]

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم نے فرمایا مَنْ اَبْطَاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ

بِہٖ نَسَبُہٗ [جسکے ساتھ اسکے عمل نے دیر لگائی اسکے ساتھ اس کا نسب کچھ جلدی نہ کر سکے گا]

انھین پاکیزہ تعلیمات کے روشن نتائج وہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ تھے جو جماعت اسلامی کے ایک ایک فرد مین نظر آنے لگے۔

یہ صحیح ہی کہ بارگاہ خداوندی مین کوئی لحاظ انساب و خاندان و اقوام و قبائل کا نہین رکھا گیا ہے وہان دولت و افلاس آزادی و غلامی، رنگ اور روپ، ملک و زبان کی پرسش نہ ہوگی۔ وہان جس گرانمایہ متاع اور کمیاب جنس کی قدر ہوگی وہ فقط ورع و تقویٰ ہی لیکن اس کے ساتھ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر ملت و ائمہ دین کی اولاد امجاد اور آل اطہار کے دنیوی اعزاز اور اُخروی احترام کو نظر انداز نہین کیا جا سکتا۔ امامت و خدمات شرعیہ کی انجام دہی کے لئے بھی اچھے نسب والے متقی اشخاص کو ترجیح دی گئی ہی یعنی امام کے لئے لازم کر دیا ہی کہ حسب مین رعیت سے افضل اور نسب مین اشرف ہو

نماز کی امامت کے بارہ مین جو حقیقتاً نیابت رسالت ہے فقہائے عظام کا متفقہ فتویٰ یہ ہے

اَلْاَوْلٰی بِالْاِمَامَۃِ الْاَعْلَمُ بِالسُّنَّۃِ ثُمَّ الْاَقْرَءُ ثُمَّ الْاَوْرَعُ ثُمَّ الْاَسَنُّ ثُمَّ الْاَحْسَنُ خُلُقًا ثُمَّ الْاَشْرَفُ نَسَبًا ثُمَّ الْاَصْبَحُ وَجْهًا ثُمَّ الْاَحْسَنُ صَوْتًا ثُمَّ الْاَتْقٰی ثَوْبًا

اتقی اُسکو کہتے ہین جو حرام سے بچتا ہو مگر جو شخص شبہات حرام سے بھی پرہیز کرے وہ اورع ہے اور اُسکا درجہ اتقی سے بالاتر۔ اسلئے احکام سنت کے جاننے تجوید و قرأت کی واقفیت اور قرآن مجید کے یاد رکھنے اور خدا ترسی اور اخلاق پسندیدہ مین بھی جب لوگ برابر ہون تو جو سب سے زیادہ عمر ہو امامت کے لئے اُسکو ترجیح و فضیلت حاصل ہوگی۔ اگر سن مین بھی مساوی ہون تو جو شخص نسب مین سب سے زیادہ شریف ہو وہی امام مقرر ہوگا۔ توجیہ کی ضرورت نہین اول کے فضائل محض اکتسابی ہین جو انسان کی ذات سے جدا نہین ہو سکتے۔ باقی فضائل خلقیہ پر مرجح و مقدم ہون گے رہے فضائل خلقی، ان مین نسبی شرافت کے سبب سے تفوق و برتری ملحوظ رہے گی علمائے کرام شریف النسب کو امام بنانے کی وجہ بتاتے ہین لِاِحْتِرَامِہٖ وَتَعْظِیْمِہٖ یہ دعویٰ محتاج دلیل نہین کہ شریف النسب

شخص سب لوگون کی نظرون مین محترم اور معظم ہوتا ہے۔ اسی لئے منصب امامت جو ایک مکرم اور معزز عہدہ ہے اسکے سپرد ہونا چاہیئے تاکہ یہ امر جماعت کی تمکین و وقار کا باعث ہو۔

جدنا امام علی رضا رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول فصل الخطاب مین مرقوم ہے کہ ہم مین سے جو کوئی ایک نیکی کرے دونا ثواب پائے گا۔ اسیطرح جو بدی کرے اسکو عذاب بھی دونا ہوگا۔ ہم مین سے جو کوئی خدا کی بندگی نہ کرے وہ ہم مین داخل ہی نہین ہے۔ پس اسی مخاطب جب تک تو اطاعت الٰہی کرے گا ہم اہل بیت رسول مین شمار ہوگا" کسی نے امام ہمام سے عرض کیا کہ "خدا کی قسم آپ بہترین اولاد آدم ہین" فرمایا کہ "اے شخص سوگند نہ کھا جو کوئی زیادہ پرہیزگار اور خدا تعالی کی اطاعت و بندگی کرنے والا ہے وہ مجھسے بھی بہتر اور زیادہ اچھا ہے۔ خدا کی قسم کھاتا ہون کہ یہ آیت منسوخ نہین ہوئی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کسی نے امام عالی مقام سے کہا کہ "روئے زمین پر کوئی شخص باپ دادا کے لحاظ سے آپ سے زیادہ شریف نہین ہے" فرمایا کہ "ہمارے آبا کو تو اسی تقوی نے شریف تر بنا دیا تھا"

عموم فضائل کے اعتبار سے ایک گروہ نے بزرگی و شرف کا مستحق صرف اُن لوگون کو سمجھا ہے جن سے جماعت انسانی کو نفع پہونچے خیر الناس من ینفع الناس۔ بنا بر اعلیہ مامون الرشید عباسی کا عقیدہ یہ تھا کہ بنی آدم مین سب سے بہتر و برگزیدہ صرف اہل علم و فضل ہین جنہین اُنکے ابنائے جنس کو لازوال منفعت و برکت پہونچتی رہتی ہے جنھون نے اپنی حیات ظاہری کو اپنے بنی نوع کے سود و بہبود کے لئے وقف کر رکھا ہے

ایک دوسری جماعت شریف ترین عوائد و فضائل و بہترین قبائل بنی فاطمہ یعنی سادات کو بتاتی ہے۔ آیت پاک اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (ہم اُن کی اولاد کو بھی جنت مین) اُنکے ساتھ لے جا ملائینگے جزو ۲۷ سورۃ الطور ع ۱-۳ جنکے لئے نازل ہوئی ہے سید الانبیا علیہ علی آلہ التحیۃ و الثنا کی یہی سادات اولاد ہین۔ حدیث نبوی ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علی بن ابی طالب (بیشک خدا نے عزوجل نے ہر ایک نبی کی ذریت اُسکی پشت سے پیدا کی ہے درحالیکہ میری ذریت علی بن ابی طالب کی پشت سے پیدا کی) انھین کی شان مین آئی ہے۔ دستور الحقائق

والبداہتہ اور مناقب السادات مین منقول ہے کہ بنی فاطمہ کے سوا اور کسی طبقہ کی شرافت نسبی پر اہل حق کا اجماع نہین ہے انکا فضل و شرف تمام قبائل پر مجمع علیہ اور متفقاً مسلم ہے محمد بن سیرین کہتے ہین کہ آیۂ کریمہ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا [اور وہی ہے جسنے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اسکو کسی کا بیٹا بیٹی اور کسی کا داماد بہو بنایا - جز ۱۹ سورۂ الفرقان ع ۵-۳] نسب و صہر سے مراد خود حضرت اور علی ہین جو ابن عم نبی اور زوج فاطمہ بنت الرسول تھے محاضرۃ الابرار و مسامرۃ الاخیار مین شیخ اکبر محی الدین محمد بن عربی نے ابن عباس سے نقل فرمایا ہے کہ اُسے یُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ہ (جو منتین پوری کرتے ہین

---

۵۷۵ اہل سنت و جماعت کے یہان نسب و صہر سے مراد علی و فاطمہ ہونے کیلئے کوئی حدیث اس مجتہد ان کی نظر سے نہین گذری مگر یہ قول متفقاً مسلمانون کی ایک جماعت یعنی اکابر مفسرین اہل تشیع کا ہے اور خازن وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے۔

[شیخ علاء الدین بن علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی معروف بخازن کو تفسیر اللباب فی معانی التنزیل کی تالیف سے چہارشنبہ دسوین رمضان ۷۲۳ھ (۱۲ اگست ۱۳۲۳ء) کو فراغت ہوئی تھی - خود لکھتے ہین کہ امام بغوی (محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود فراء شافعی متوفی ۵۱۶ھ) کی تفسیر (معالم التنزیل) باوجود مکمل اور مشتمل بہ جمیع اوصاف حمیدہ تھی مگر اسکی طوالت اُسکے استفادہ کامل سے باز رکھتی تھی - لہذا اسکی تلخیص بعبارتہ کردی گئی اور بعض فوائد مثل شرح غریب وغیرہ کے اپنی طرف سے اضافہ کردیے بحذف اسناد احادیث کا ایراد کیا گیا - اسکی دو باتین قابل ذکر ہین - ایک مسائل فقہیہ تفسیر کی تکثیر - اسکو مخدومین حاجب اصلی سے زیادہ پاتے ہین - دوسرے قصص کا بدون تصحیح و تضعیف ایراد جسکی وجہ سے کتاب بڑھ گئی ہے مصر مین چار جلد مین چھپی ہے - واضح ہے کہ خازن کے بعد شیخ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن محمد حسینی (متوفی ۷۷۱ھ) نے بھی اسی تفسیر بغوی کا اختصار کیا تھا۔]

۵۷۶ اوحد الموحدین محی الدین محمد بن علی العربی الطائی الحاتمی الاندلسی خاندان علم و جود سے تھے آپکی سی جامعیت علوم و فضائل و کمالات والے بزرگ دنیا مین بہت کم پیدا ہوئے ہین - آپ کے خرقہ کی نسبت حضرت خضر تک ایک واسطہ سے پہونچتی ہے شاعر بھی تھے - مدائح اہل طہ مین آپکے اشعار کتاب الاحیاء مین موجود ہین - حضرت شیخ وحدت وجود کے قائل اور شہود مشہود کے طوف کرنے والے تھے - باوجود پیوست فقیہانہ شیخ علاء الدولہ سمنانی نے فتوحات کے بہت سے

اور اُس روز سے ڈرتے ہین جسکی مصیبت پھیلی ہوئی ہوگی پ جزء ۲۹ سورۃ الدہر ع ۱-۹ علی و فاطمہ کے حق مین اُتری ہے۔

ایسے (شریف النسب) حضرات کی تکریم و تبجیل اسلام کے اصول مساوات کے بھی منافی نہین ہوسکتی۔ بے شبہ احکام الٰہیہ و شرعیہ خواہ عبادات سے متعلق ہون خواہ معاملات و معاشرات سے ان کا عمل و اتباع تمام مسلمانون پر یکسان واجب و لازم ہے۔ جسکے لئے استثناء کی کوئی صورت نہین

حواشی مین شیخ کی بزرگی کا اقرار و اعتراف فرمایا ہے۔ اور ایھا المدقق، ایھا المقرب، ایھا الولی، ایھا العارف الحقانی کہکر جابجا خطاب کیا ہے۔ علاء الدولہ کی اور تصانیف مین بھی یہی حق پسندی و انصاف گوئی کی کیفیت شیخ ابن عربی کی نسبت نظر آتی ہے۔ وہ رسالہ اقبالیہ مین لکھتے ہین کہ شیخ سعد الدین حموی سے پوچھا گیا کہ شیخ محی الدین عربی کو کیسا پایا۔ فرمایا بحر صوابہ لا نہایۃ لہ۔ یافعی نے اپنے مدائح مین شیخ عز الدین عبد السلام دمشقی وغیرہ کے بہت سے اقوال نقل کئے ہین

اس معنی مین کہ ابن عربی نے حضرت حق کو وجود مطلق بتایا ہے۔ اکثر اہل ظواہر اُنکی خطا سمجھتے ہین ولیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام اسی لئے ایک بڑی جماعت علمائے شام کی ان کی تکفیر و تضلیل پر مائل و مصر تھی۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا [اصطلاح صوفیہ مین شطحیات ایسے ہی اقوال کا نام ہے جو ظاہر بعض احکام اسلام اور شریعت بیضا کے موافق نہون۔ اگرچہ ایسے کلمات مستی و ذوق مین بے اختیار نکل گئے ہون اسی لئے منصور کے دعوے انا الحق اور جنید کے لیس فی جبتی سوی اللہ کہنے اور بایزید کے سبحانی ما اعظم شانی کہنے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ معدن المعانی مین تحریر ہے کہ مشائخ ایسے کلمات خلاف شرع کو نہ مانتے ہین نہ رد کرتے ہین]

اکابر شیعہ بھی شیخ کو بڑی عظمت و احترام سے یاد کرتے ہین صاحب مجالس وغیرہ نے ہر جگہ "شیخ اعظم قدس اللہ سرہ" لکھا ہے۔

عرصۂ عالم مین ۱۸ رمضان ۵۶۰ھ (۱۱ اگست ۱۱۶۵ء) کو قدم رکھا جوار قدس کو شب جمعہ ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۷ھ (۱۲ نومبر ۱۲۳۹ء) مین رفیق بخشی۔ قبر طاہر دمشق کے ایک موضع مین ہے جو صالحیہ سے معروف و مشہور ہے۔

بعض مورخین نے سال ولادت ۵۶۱ھ (۱۱۶۶ء) اور سال وفات ۶۳۸ھ (۱۲۴۰ء) تحریر کیا ہے

تصانیف عالیہ (۱) فتوحات مکیہ (۲) فصوص الحکم (۳) رسالہ عقیدہ (۴) کتاب الاحیاء (۵) محاضرات و مسامرات وغیرہ مین شیخ نے ایک بڑی تفسیر اہل تصوف کے طریقے پر لکھی تھی جو تفسیر ابن عربی کہلاتی ہے۔ اسکی ساٹھ جلدین تھین اور صرف سورۂ کہف تک پہنچنے پائی تھی۔ ایک دوسری تفسیر جو تفسیر صغیر کے

نہ کسی بزرگ یا شریف کی اولاد ان احکام کی پابندی سے معاف و بری ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جو منہیات شرعیہ ہیں اُن سے باز رہنا بھی ہر مجہول و ہر معروف النسب پر لابد ہے۔ ایسے جنایات و جرائم کے لئے جو سزا مقرر ہے دونوں پر یکساں عاید ہوگی

لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اہل بیت کبار اور آل اطہار یا بزرگان دین کی اولاد کسی خاص عزت و محبت کی مستحق نہیں اُسکے ساتھ عوام انفار کا سا برتاؤ و سلوک کیا جائے خیال رہے

نام سے مشہور ہے آٹھ حصوں میں مفسرین کے اسلوب پر بھی تحریر فرمائی تھی

اضافہ - خاک ہند نے بھی ایک محی الدین عربی پیدا کیا تھا - یہ توحید و تصوف کے علمبردار بزرگ شیخ مان پانی پتی تھے جنھوں نے لوائح اور نزہت الارواح کی ضخیم شرحیں لکھی ہیں اور جنکی روحانی بارگاہ دستگیر (تاج العارفین شیخ تاج الدین ولد ذکریا اجودھنی (پاک پٹنی) کے سے نامور اور صاحب معرفت لوگ تھے مشائخ اہل ہند سے چند بزرگ اور بھی قابل ذکر ہیں جنھوں نے شیخ اکبر کے اقوال و ارشادات کا احیاء اور اُن کی تصانیف و کتب کے مطالعہ و تشریح پر اعتنا عظیم فرمایا ہے۔

۱۔ مولانا الشیخ عبد الرشید جونپوری الملقب بہ شمس الشریعہ صاحب مختلف کتب حقائق شارح کتاب اسرار خلوت (مصنفہ شیخ اکبر) و مترجم بعض کلام شیخ (بہ ترجمہ الحکوم المربوط کے نام سے مشہور ہے)

۲۔ حضرت مولانا شیخ محب اللہ الہ آبادی مصنف رسالہ تسویہ (تصوف میں) اور شارح فصوص بزبان فارسی۔

۳۔ مولانا نور الدین بن شیخ محمد صالح احمد آبادی صاحب الطریق الاتم شرح فصوص الحکم

۴۔ شیخ محمد حسین، کلیم جنھوں نے بارھویں صدی کے آخر میں فصوص کا ترجمہ ہندی زبان میں کیا تھا

۵۔ شیخ محمد علی حزین (اصفہان نژاد، بنارس مدفن) نے بھی شیخ اکبر کے اقوال و تحریرات سے استفادہ کیا تھا۔ لکھتے ہیں "آنچہ را شیخ ابن عربی رحمہ اللہ در فص ادریسی از کتاب فصوص الحکم ذکر کردہ مرا محقق و معلوم شد و آخر شرحے وافی بر کلام شیخ نوشتہ ام"

شرق پسندان یورپ کی شیخ کو تکریم و تعظیم، پروفیسر براؤن وغیرہ کا ادب و احترام مناسب موقع پر مذکور ہوگا ہسپانیہ کا مشہور فاضل، میڈرڈ یونیورسٹی میں عربی زبان و ادب کا استاد، علوم اسلامیہ کا ماہر و محقق پادری آسین Rev. Miguel Asin اپنی تازہ تالیف Islam and the Divine Comedy میں لکھتا ہے کہ یورپ کا قرون وسطے کا مسلم الثبوت دانشمند رے مان لل Raymond Lull مسلمان علما، و حکما کی تحقیقات اور فلسفیانہ تخیلات سے زیادہ مستفید و متمتع ہوا تھا۔ لل کی زبان و قلم سے جو کچھ نکلا ہے شیخ اکبر ابن عربی کی تعلیمات کا آئینہ نظر آتا ہے دانتے Dante of Florence (Italy) جو فلارنس (واقع اٹلی) کا نامور شاعر تھا اور جس کا درجہ شہرہ باعتبار کمال و کلام یورپ میں دوسرا

کہ یہ وہی گروہ پاک ہے جسکی شان مین حق سبحانہ وتعالی ارشاد فرما چکا ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی، اے رسول کریم اُمت مرحومہ سے فرما دیجئے کہ مین تم سے اس تبلیغ احکام الٰہی وتعلیم اخلاق اسلامی کا کوئی عوض نہین چاہتا مگر یہ کہ تم میرے قرابت دارون سے محبت ومودت رکھنا (جزء ۲۵ سورۃ الشوریٰ ع ۳-۴)

یہ تفسیر صرف شیعون ہی کی نہین بلکہ اسکو قاضی بیضاوی نے بھی نقل کیا ہے روی اَنَّھا لما نزلت قیل یا رسول اللہ من قرابتک ھؤلاء الذین وجبت مودتھم علینا قال علی وفاطمہ وابناھما [صفحہ ۵۳ جزء خامس تفسیر انوار التنزیل مطبوعہ مصر] اور اسکے بعد کی آیت کو حضرت ابوبکر کی شان مین بتایا ہے) نواب صدیق حسن خان تشریف البشر مین لکھتے ہین کہ "جب یہ آیت اُتری قل لا اسئلکم تو حضرت سے پوچھا گیا کہ آپ کی وہ کون قرابت ہے جنکی مودت ہم پر واجب ہے فرمایا علی وفاطمہ وابناھما"

قرآن مجید کی کوئی تفسیر احادیث پاک سے زیادہ صحیح ومستند نہین ہو سکتی۔ اسلئے جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی کے رسالہ احیاء المیت سے دو حدیثین نقل کی جاتی ہین

اول۔ اخرج سعید بن منصور فی سننہ عن سعید بن جبیر فی قولہ تعالی قل لا

یعنی ہومر کے بعد مانا جاتا ہے۔ اسکی نسبت ایٹین کا دعوی ہے کہ دانتے نے ایک فلسفی متصوف کے عالم افلاک پر جانے اور سیر کرنے اور دوزخ کے احوال مطہرہ کے احوال جنت کے تذکرے اور سیر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اسلامی روایات متعلق معراج نبوی اور سیر عرش وکرسی کی ایک نقل ہے انہین تمام حالات وتخیلات کو، دانتے کی پیدائش سے پچیس سال پیشتر شیخ اکبر نے اپنی تقریر وتحریر سے نمایان کیا تھا۔ ابن عربی کی تمام ترتیبات وترکیبات دانتے کی نظم مین جلوہ گر ہین

افادہ ۔ رے مان الل جسکے لغوی معنی "حکیم روشن خیال" کے ہین اسپین کے ایک مشہور فلسفی کا نام تھا جو ۱۲۳۵ء مین اس جہان مین آیا اور ۱۳۱۵ء مین رخصت ہو گیا

۲ دانتے شاعر کی ولادت کا سال ۱۲۶۵ء اور وفات کا ۱۳۲۱ء ہے

۳ گروہ مخالف سے بھی ایک صاحب تصنیف قابل تذکرہ ہے۔ محمد طاہر بن محمد حسین الشیرازی الحنفی القمی نے جو گیارھوین صدی ہجری کے نامور اہل علم وخبرت سے تھا ایک کتاب تحفۃ الاخیار قصیدہ مونس الابرار

اسألكم عليه اجرا الا المودة فی القربی قال قربی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم

ثانی اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویه فی تفاسیرهم والطبرانی فی المعجم الکبیر عن ابن عباس قال لما نزلت هذه الآیة قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی قالوا یا رسول الله من قرابتك هؤلاء الذین وجبت علینا مودتهم۔ قال علی وفاطمه وولدها

مودت قرابت اور محبت آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مین اور بھی حدیثین موجود ہین

ثالث۔ اخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس فی قوله تعالی ومن یقترف حسنة قال المودة لآل محمد

رابع۔ اخرج احمد والترمذی وصححه والنسائی والحاکم عن المطلب بن ربیعة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والله لا یدخل قلب امرئ مسلم ایمان حتی یحبکم لله ولقرابتی

بزرگان دین رحمہم اللہ اجمعین کے اقوال وارشادات بھی اس بارہ مین قابل عمل وتقلید ہین

امام شعرانیؒ منن کبری مین لکھتے ہین وممّا منّ الله به علی محبتی للشرفاء واهل البیت ولو من قبل الام فقط ولو کانوا علی غیر قدم الاستقامة لانهم بیقین یحبون الله ورسوله ومن احب الله ورسوله لا یحق بغضه ولا سبه الی قوله ولا یلزم من اقامة الحدود علی الشرفاء اننا نبغضهم بل اقامتنا الحد علیهم انما هو محبة فیهم وتطهیر لهم

شیخ اکبر ابن عربیؒ فرماتے ہین کہ ذنوب اہل بیت صورتاً ذنوب ہین حقیقتاً نہین۔ اللہ جل شانہ نے بسابقہ عنایت اُنکے گناہ معاف فرمادیے ہین جسکی دلیل آیۂ تطہیر موجود ہے۔ اور ذنوب سے بڑھکر

کی شرح مین لکھی تھی۔ اس مین تصوف اور اصول تصوف اور مشائخ اکابر صوفیہ پر نہایت زبردست حملے کئے ہین جناب شیخ کی شان بھی اسکی گستاخی اور زبان درازی سے محفوظ نہین رہی۔ آغاز یون ہوتا ہے ؎

بخون دیدہ نوشتیم بر در و دیوار ۔۔۔ کہ چشم مردمی از اہل روزگار مدار ۳

۳۳ رکھتا اور عظمت کرتا تھا۔ ان کا کلام زیادہ تر فتوحات، الکنہ، المحکم المربوط، الدرۃ الفاخرۃ، مطالع النجوم وغیرہ مین میری نگاہ سے گزرا تھا۔ لیکن ان کے مقصود کی حقیقت پر مجھے بعد کو اطلاع وآگاہی ہوئی تو پھر مین نے فصوص وغیرہ کا مطالعہ نہین کیا۔

۳ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی کو بھی شیخ اکبر کے بعض اقوال واحوال پر اعتراض تھا۔ ابن تیمیہ نے ۷۰۷ھ میں اپنی ارشادات صوفیہ کے بارہ مین ایک مطول خط شیخ القدوۃ ابو الفتح نصر المنبجی کو لکھا تھا۔ اس مین ابن عربی اور ان کی بعض تالیفات کی نسبت اظہار خیال کیا ہے۔ وہ ھذا اور اس کے ساتھ مومنین کے لئے "مکاشفۃ اسرار طریق وتوسط استاد" کی اصطلاح کے قائل نظر نہین آتے ہین۔ فرماتے ہین کہ ابن عربی کی کتابون کو دیکھکر ان کے فوائد کے متعلق میں ہمیشہ شک مین ۳

کوئی رحس نہین ہے۔ ان سے اگر ہمکو کچھ ایذا پہونچے تو ہم پر اوبا واجب ہے کہ ہم اسکو مقادیر الٰہیہ کے شبیہ مثلاً مرض وغیرہ سمجھ کر راضی رہین اور صبر کرین۔ اگر وہ ہمارا مال چھین لین اور ہمکو ندین تو ہمکو شایان ہے کہ انکو حبس نہ کرین یا اُن کے مقدمہ کو حکام تک نہ پہونچائین۔ اسلئے کہ یہ بضعۂ رسول ہین

سادات

سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ طٰہٰ وَیٰسٓ سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ خَیْرِ النَّبِیِّیْنَ

سادات کرام کے متعلق اس ہیچمیرز ہیچ مدان کا عزم کچھ زیادہ لکھنے کا تھا جسکی معلومات بقدر مقدور حاصل ہے اھل البیت ادری بما فیہ مزید برآن ذخیرہ کتابی و قلمی بھی مہیا ہے یہ ناچیز متشکر نعمت بھی انھین ہادیان حق اور ائمہ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام لیوا ہے۔ انھین کی بدولت فقر کی نعمت اور دنیا کی سلطنت ہمارا حق ہے اور ہمارے اجداد امجاد کا ورثہ۔ ائمہ اثنا عشر مین سے سات امام آبا عن جد میرے نسب مین داخل و شامل ہین جد اعلیٰ علیہ وعلیٰ آلہ التحیۃ والثنا ہندوستان مین مشہد[۵۷] اقدس سے آئے تھے۔

سَلَامٌ عَلٰی رَوْضَۃٍ حَلَّ فِیْھَا اِمَامٌ تُبَاھِیْ بِہِ الْمُلْکُ وَالدِّیْنُ

[۵۷] مشہد مقدس رضوی، نیشاپور سے دس فرسخ پر واقع ہے جو (نیشاپور) خراسان کا دارالملک اور مدینۃ العلم رہا ہے اور اپنی قدامت اور بزرگی کے لحاظ سے اُس مردم خیز خطہ کا اُمّ البلاد سمجھا جاتا ہے۔ ایران کے قدیم شہر یا قریہ سنا باد رستاق نام، توابع طوس کے ویرانہ پر مشہد کی بنیاد پڑی تھی۔ ہارون کے گورنر حمید بن قحطبہ نے عظیم الشان محل اور مکانات بنائے پُر فضا باغ لگایا۔ ہارون نے جب اسی سرزمین پر اس عالم آب و گل کو خیرباد کہا تو اسی ایوان حمیدی کا صحن اُس کا آرام گاہ اخیر قرار پایا۔ مامون الرشید نے اس پر قبہ ہارونیہ بنوایا جب ۲۰۳ھ (۸۱۸ء) مین امام ہمام نے نزہت گاہ قدس مین قدم رکھا اور اس قطعہ خاک کو مرقد پاک کہلانے کا شرف حاصل ہوا تو مشہد قلیل مدت مین خراسان کے اعاظم بلاد سے ہو گیا حتی کہ اُسنے خود طوس کی رونق و شہرت کو منسوخ بلکہ مندرس و مطموس کر دیا۔ مضجع منور کی برکت اور سادات رفیع الدرجات موسوی و رضوی کے شرف قدوم و ظل عاطفت سے وہان کے باشندے اور آستان والا کے مجاور فراغ و فلاح کیساتھ بسر کرنے لگے۔ امیر سبکتگین نے اسکو ویران

اور امام ثامن ابوالحسن علی رضا بن موسی کاظم علیہما السلام

امام بحق شاہ مطلق کہ آمد — حریم درش قبلہ گاہ سلاطین
شہ کاخ عرفان گل باغ احسان — دُرِ دُرج امکان مہ برج تمکین
علی ابن موسی رضا کز خدا ایش — رضا شد لقب چون رضا بود دینش آئین

ویران و تباہ کیا۔ یہ خرابی و بربادی کچھ مدت تک قائم رہی سلطان محمود غزنوی نے اسکی آبادی و تزئین پر کمر ہمت باندھی سلطان سنجر سلجوقی کے عہد میں شرف الدین قمی نے اسکی زیب و رونق کو مزید ترقی دی۔ تاتاریوں کے تباہ کن اور جوئے خون بہانے والے حملوں سے پھر برباد ہوا۔ مغلوں کے عہد میں پھر بانسہ ملا۔ ہلاکو خان کے پوتے سلطان خدا بندہ نے حتی الوسع اسکی اصلاح و تجدید کی۔ ابن بطوطہ ۷۳۴ھ (۱۳۳۴ء) میں طوس سے گذرا تھا اپنے سفر نامہ میں عمارات و آبادی شہر کا حال لکھتا ہے۔ اسکے بعد سے مشہد کی آبادی و تزئین کو برابر ترقی ہوتی رہی حتی کہ سلطان مرزا شاہرخ گورگانی نے ۸۰۰ھ (۱۴۰۹ء) میں یہاں متعدد عمارات بنوائیں جن سے مشہد کی زینت و رونق حد کمال پر پہونچ گئی اور اسکی عظمت و رفعت اور دولت و ثروت کا شہرہ اطراف و اکناف میں پھیل گیا ۹۵۱ھ (۱۵۴۴ء) میں ازبکوں نے اس پر دفعتاً حملہ کیا اور شہر میں قتل عام کر ڈالا۔ شاہ عباس حسینی موسوی نے اُن کا استیصال کیا۔ چنانچہ شاہ موصوف نے عبدالمومن خان کو اسکے خط کے جواب میں لکھا تھا ؎

بمشہد دگر شاہ رخ بادشاہ — بنا کرد خود مسجد و خانقاہ
بتعظیم و تکریم ہشتم امام — علی ابن موسیٰ علیہ السلام
طواف درش شد بقول رسول — برابر بہ ہفتاد حج قبول
تو کردی چنین روضۂ را خراب — رسول خدا را چہ گوئی جواب
بدنیا تبہ کار و بد روزگار — بعقبیٰ سیہ نامہ و شرمسار

صفویوں کے ضعف اور زوال قوت پر ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۳ء) میں نادر شاہ فتح ممالک کرتا ہوا یہاں پہونچا۔ وہ قتل ہوا تو اسکا بھتیجا علی قلی خان ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ء) میں قابض ہوا۔ افاغنہ نے محاصرہ کرکے زندیہ فوج کا اخراج کیا۔ کچھ عرصہ تک طوائف الملوکی رہی۔ تیرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں قاچاریوں کا علم تسلط بلند ہوا اور اسیوقت سے مشہد کی رونق و ترقی کی کیفیت تقریباً کیساں رفتار کے ساتھ قائم اور باقی ہے

مشہد کے تاریخی حالات نزہۃ القلوب، زینۃ المجالس، مجالس المومنین، ہفت اقلیم، ریاض الجنۃ اور جام جم میں بہ تفصیل ملتے تھے۔ لیکن صنیع الدولہ محمد حسن خان نے اپنی تصنیف و تلخیص کو انتہا تک پہنچا دیا

کے آل و عترت ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ مگر یہ خیال دامنگیر ہوا کہ اُن کی شرافت و نجابت (جو عالم اسلامی مین آفتاب سے زیادہ روشن ہے) کی حقیقی و واقعی تعریف بھی کہین اپنی خودستائی اور نیاکان سرائی

اور ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء) مین "تاریخ مشہد خراسان" کے نام سے دو ضخیم جلدین مرتب کرکے قدرشناسان علم و ادب کے نذر کین۔

یورپ کے نامور مورخین اور سیاحین مین سے ہالوی، نورشارٹ، سرجان ملکم، سکیڈ و نیل کنیر، موسیو کنولی اور موسیو فریہ نے یہان کے حالات تاریخی، جغرافیائی اور اقتصادی بقدر مقدور تحریر فرمائے ہین۔ مسٹر فریزر ایک انگریز سیاح گذشتہ صدی مسیحی کے وسط مین یہان آیا تھا۔ بعض مصالح کے اقتضا یا دنیوی ضرورتون سے اُسنے اپنے اسلام کا اعلان بھی کردیا تھا، جس سے ہر طبقہ و جماعت مین اُسنے رسوخ و رسائی پیدا کرکے کامل واقفیت و آگاہی حاصل کرلی تھی۔ اسی عصر مین ایک روسی عالم نیکولا خانیکوف اسطرف آیا اور معلومات و تحقیقات کا ایک قابل قدر ذخیرہ فراہم کرکے اہل عالم کو نوید بقا دے گیا

مشہد اقدس (خاص) ایک مربع عمارت عین وسط شہر مین ہے۔ ضریح مبارک دس ذراع مربع ہوگی۔ قبہ بیس ذراع بلند ہے۔ اسکے احاطہ یا چہار دیواری مین بارہ دروازے ہین۔ ان دروازون پر بہت سی آیات شریفہ و احادیث کریمہ نبویہ و قطعات نفیسہ اور اشعار عربی و فارسی لکھے ہوئے ہین بعض دروازے سونے کے پترون سے اور بعض چاندی کے اوراق سے منڈھے ہوئے ہین۔ نہایت روشن اور درخشان، سونے سے قبہ کی تلمیع کی گئی ہے۔ اسکی زیارت کیلیے ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ء) مین شاہ عباس اعظم نہایت خلوص عقیدت کے ساتھ دار السلطنت اصفہان سے چل کر یہان آیا تھا اُسی کے حکم سے قبہ کی تزئین و تذہیب کی گئی جو چھ برس مین تکمیل کو پہونچی۔ اس قبہ پر بھی بہت سی عبارات عربی مین تحریر ہین ۱۰۸۴ھ (۱۶۷۳ء) کے زلزلہ سے جب اس عمارت کو صدمہ پہونچا تو شاہ سلیمان صفوی نے ۱۰۸۷ھ (۱۶۷۶ء) مین اسکی مرمت و درستی اور قبہ پر طلا کاری کرادی جو ابتک نظر کو خیرہ کرتی ہے۔

ضریح شریف مین متعدد طاقچے ہین سب سے پہلا اور پرانا فولاد کا ہے۔ باقی برنجی ہین پیتل پر گہرا سنہرا کام کیا گیا ہے۔ ان مین کثیر التعداد، بیش بہا جواہر کامل صیانت و حفاظت کے ساتھ رکھے ہین

مشہد مبارک کے اندر مختلف مقامات مین بہت سے کتبے ہین سب عربی زبان مین ہین بعض محرابون کے پاس کے خط کوفی مین ہین بعض طویل بھی ہین بعض چوب قلم اور اعلیٰ خطاطی کا نمونہ ہین۔ بلحاظ قدامت و کہن سالی بعض پانچوین صدی ہجری تک کے ہین۔ یہ نہایت سبق آموز، اور اسلام کی پاک اور مقبول تعلیمات اور رب الارض والسموات کے احکام و ارشادات کا اقتباس ہین۔ ایک مرقع پر پوری سورۂ توحید نہایت خفی قلم سے ۶۱۲ھ (۱۲۱۵ء) کی لکھی ہوئی ہے۔

محصول نہ کی جاے ۔ اسی اندیشہ سے شبدیز تمنت نے قدم اور دست قدرت نے قلم روک لیا
اہل نظر جانتے ہین کہ وہ کون سی روایات اور واقعات ہین جو ان کے مدائح واحوال مین علمائے اعلام نے

مشہد کی عمارات کے مقابل واطراف مین متعدد عمارات واقع ہین

(۱) دار الحفاظ، ایک بلند مربع عمارت ہے ۔ اسمین کاشانی پتھر کی چوڑی چوڑی گوناگون اینٹون کا فرش ہے (شاہرخ مرزا، امیر ہرات وخراسان کی بیگم) ملکہ گوہر شاد نے اسکو تعمیر کرایا تھا ۔ چند شاہان ایران اور امراء ووزراء بھی یہان راحت گزین ہین ۔

(۲) دار السیادۃ ۔ یہ مستطیل عمارت بھی اسی درۃ التاج امارت کی یادگار ہے ۔ زلزلہ سے اسکو بھی نقصان پہونچا تھا مگر شاہ سلیمان صفوی کے حکم سے فوراً مرمت ودرستی کردیگئی ۔ آب شیرین وخنک کی ایک نہر اس عمارت کے اندر روان ہے ۔ دیوارون پر اکثر اشعار فارسی مندرج ہین چند کتبے قدیم ہین ۔ اس عمارت کی تاسیس چھٹی صدی مین ہوئی تھی ۔

(۳) قبۃ اللہ یار خان مختلف الالوان اور بدیع الصنائع احجار کی یہ نہایت مستحکم ومنیع اور شاندار ورفیع، مشہور آفاق عمارت، وضع مین ہشت پہل ہے ۔ اندرونی حصہ مین آٹھ صفین ہین ۔ ائمہ اثنا عشر علیہم التحیۃ والثنا کی تواریخ ولادت ووفات اسمین مندرج ہین ۔ احادیث ماثورہ اور اشعار فارسی بھی بافراط منقوش ہین ۔ دائرہ بالائی مین سورۂ جمعہ ودیگر سور قرآنی مکتوب ہین ۔

(۴) مشہد مبارک کے شمال مین ایک نہایت قدیم اور وسیع وفراخ صحن، سلاطین صفویہ کی یادگار ہے ۔ ایک صحن جدید، فتح علی شاہ قاچار کے عہد کا ہے ۔ اس کا فرش سنگ رخام کا ہے ۔ دیوار نہایت پرتکلف اور خوشنما کاشانی پتھرون سے مستور ہے ۔

(۵) گوہر شاد کے آثار باقیہ مین ایک مسجد بھی ہے ۔ یہ عمارت اپنی خوبی ودلکشی، حسن وجمال، استواری واستحکام مین نظیر نہین رکھتی مختلف رنگ اور وضع کے کاشانی پتھر اسمین لگے ہین ۔ قبہ بلند ہے مانند ایک اونچا چبوترہ ہے مسجد مین چار دروازے ہین ۔ اسمین پہلا کتبہ اوائل شہر رجب المرجب ۸۳۱ھ (اواخر اپریل ۱۴۲۸ء) کا ہے اسکے بعد جو اصلاحات یا اضافے سلاطین صفویہ وقاچاریہ کے دست کرم سے ہوے اُن کی تفصیلات سنگ رخام یا سنگ کاشان پر کندہ ہین ۔

یہان کے دیگر آثار قدیمہ مین رودخانہ طوس کے کنارے ربیع بن خثیم ثوری کوفی مشہور تابعی کا مزار بارونق ہے ۔ شاہ طہماسپ صفوی، عباس مرزا پسر فتح علی شاہ قاچار اور بادشاہون، وزراء اور صدور کے مقابر ہین

شاہ طہماسپ صفوی کی بنوائی ہوئی شہر کی ایک نام چہار دیواری ہے اسکا محیط تقریباً ایک فرسخ

سپرد قلم نہین فرمائے ہین۔ اُن کی تحقیقات انساب و تحریر حالات کا دفتر بے پایان ہے[۵۶]
عباسیہ و علویہ کے معارضات و مناقشات کو نہ دیکھیے۔ یہ تو صفحات تاریخ پر یادگار رہین گے
اور اُن کی خود ستائیان اور زبان آرائیان اوراق زمانہ پر باقی۔ دربار خلفائے بغداد کا مشہور
وطلیق اللسان شاعر اور آل عباس کا ممتاز رُکن عبداللہ بن معتز[۵۷] عرصہ پیکار مین آتا ہو

ہوگا۔ ۱۴۱ بروج مین اور چھ دروازے شہر کے وسط مین ہو کر آبادی کو نصف نصف کرتی ہوئی ایک طویل سڑک بائیس گز چوڑی نکل گئی ہے۔ آبادی دو لاکھ کے قریب ہوگی۔

ایران کے تمام شہرون سے زیادہ مشہد مین مدارس تعلیم گاہین ہین۔ بیس مدرسے تو اپنی شاندار عمارات اور طلبہ کی کثرت اور جمعیت کے اعتبار سے اصفہان کے مدارس سے بھی گوے سبقت لے گئے ہین مدرسہ بابین، سب سے پرانا ہے۔ شاہرخ گورگانی کے عہد فرمانروائی مین ۸۴۳ھ (۱۴۳۹ء) مین قائم ہوا تھا صفویون کے بابرکت زمانہ کی یادگار بھی کئی مدرسے ہین۔

سکنۂ شہر قبائل مین سے چھ بڑے اور نہایت بارسوخ و ذی اثر ہین اور دس چھوٹے۔ سرائین گیارہ اور حمّام تیس سے زیادہ ہین۔ بڑے بڑے پرنالے اور مدّ روز زمین کے نیچے نیچے بہتے ہین

۵۷ مناقب السادات، دستور الحقائق والبداہتہ، مناقب المحبوبین، مرأۃ الاسرار، روضۃ السلام سیر الاقطاب، خزینۃ الاصفیار، تذکرۃ العاشقین، اقتباس الانوار، روضۃ الشہدار، فصل الخطاب (از خواجہ محمد بادشا) فضائل ائمہ اہل بیت (از شیخ عبدالحق محدث) شجرۃ الانساب، اخبار الاخیار (جمال الدین محمد بکری شافعی) کتاب صفوۃ الصفوہ (لابی الفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی) دُرر الاصداف (از شیخ عبدالجواد شیرینی) وہ کتابین ہین جن سے دُنیاے اسلام کا ہر گوشہ منوّر و معطر ہے۔

ان کے علاوہ ابن مغازلی شافعی کی مطالب السئول فی مناقب الرسول، امام جلال الدین سیوطی کی احیاء المیت بفضائل اہل البیت (جسمین صحاح سے اٹھاون حدیثین نقل کی ہین) شیخ شبلنجی عرف سید مومن کی نور الابصار ابن الخشاب کی موالید اہل البیت، حافظ جلال الدین محمد بن یوسف زرندی کی درر السمطین فی فضائل المصطفے والمرتضی والسبطین، شیخ جمال الدین طاہر بن حسین بن عبدالرحمن اردل کی کتاب بغیۃ الطالب لمعرفۃ اولاد علی بن ابی طالب، ابن الجوزی کی منتظم العقود، سید جمال الدین عطاء اللہ اشتکی الشیرازی کی روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبی و الآل والاصحاب، سید مرتضیٰ حسینی، بلگرامی یمنی زبیدی کی اقرار العین بذکر اولاد الحسن والحسین بالخصوص پڑھنے کے قابل ہین

مائۃ حاضرہ (چودھوین صدی) کی سادہ و مختصر تالیفات مین سے نواب صدیق حسن خان کی تشریف البشر

نحن بنی العم اولی بھا" کہہ کر علم مقابلہ بلند کرتا ہے۔ اُس کی زبان پر ایک طرف بنی العباس کے مفاخر و دعاوی ہوتے ہین تو دوسری طرف سادات فاطمی کی تخفیف و تحقیر کے نعرے

مذکر الائمۃ الاثنی عشر بھی معتمد و مستند ہے

۵۷۹ ابن المعتز، ابو العباس عبد اللہ بن المعتز بن المتوکل بن المعتصم العباسی کی شرافت نسب اور جلالت قدر، دودمان سلطنت اور خاندان خلافت مین ہونیسے روشن ہے جسکو کسب کمالات ظاہری اور حصول فوائد معنوی نے اور بھی زیب و زینت دیدی تھی۔ فن لغت، صرف و اشتقاق، نحو و معانی، بیان و عروض و قافیہ، و ترسیل خطوط و رسائل، اور تقریض اشعار، فہم تاریخ اور علم موسیقی مین یکتائے روزگار تھا۔ کتاب الاغانی مین ابو الفرج اصفہانی لکھتا ہے کہ اسکے زمانہ مین فضل و ادب و شعر و حسب و شرافت و دیگر ادبیات کے لحاظ سے اہل عصر مین کوئی اُس سے تفوق و تقدم نہین رکھتا تھا۔ اسیطرح وفیات الاعیان مین قاضی ابن خلکان نے بڑی عظمت و امتیاز کے الفاظ سے اس کو اور اسکے کمالات ذاتی و اصنافی کو یاد کیا ہے۔ سید صدر الدین شیرازی المعروف بہ سید علی خان عنوان کتاب انوار الربیع مین لکھتے ہین کہ علم بدیع، کو اسی عبد اللہ بن معتز نے اختراع کیا تھا، اور اس علم کا نام بدیع بھی اسی نے رکھا تھا۔ ابن معتز بھی اپنی کتاب کے آغاز مین اسکا تذکرہ کرتا ہے جو ۲۷۴ھ (۸۸۷ء) کی تالیف ہے۔ صاحب تاریخ مجالس، ابن المعتز کو شعراء مین امیر ابو فراس الحارث الثغلبی پر ترجیح دیتا ہے جسکا زمانہ اس سے مؤخر ہے

مؤلف قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب ابن معتز کو غزیر الفضل بارع فی الادب فائق حسن الشعر و کبیر الشعر لکھتا اور اسکے اعجازات ادبیہ مین سے

اخذن من شبابی الایام — وتولی الصبا علیہ السلام
وادعوی باطلی وبان حدیث النفس — منی وعفت الاحلام

کو نقل کرتا ہے صلاح الدین کتبی نے کتاب فوات الوفیات مین تحریر کیا ہے کہ ابن معتز شعبان ۲۴۹ھ (اکتوبر ۸۶۳ء) مین پیدا ہوا۔ احمد بن سعید دمشقی، ابو العباس سبرد، اور ابو العباس ثعلب سے علم ادب اور قواعد عرب کو سیکھا اور نادرۂ روزگار رہا حتی کہ بعض اہل ادب اُسکو فصحائے جاہلین و مخضرمین اور اسلامیین سے بھی برتر بتاتے ہین صنعت موسیقی مین بھی مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اس فن مین ایک رسالہ لکھ کر عبید اللہ بن عبد اللہ بن طاہر کے پاس بھیجا تھا جسکے جواب مین عبید اللہ نے بھی ایک رسالہ لکھا اور اسمین ابن معتز کے کمال کی بے حد ستایش و نیایش کی۔ نامۂ دانشوران ناصری مین اس کے بعض اشعار جو دوسرون کی تخفیف یا توصیف مین ہین نقل کئے گئے ہین اور اُس پر اس گزاری

یا ناموجہ باتین وہ اپنا قصیدۂ الفیہ پڑھتا ہے

الا من تعین وتسکابھا　　تشکی الفذی وبکاھا بھا

وثنا گستری کا بھی ذکر کیا ہے جو باکمال معاصرین نے ابن معتز کی کی تھی۔ ابن معتز کہا کرتا تھا کہ شعراء مین سے چار شخص یَقُولُونَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ (کہتے ہین اپنی زبان سے جو نہین انکے دل مین جزو ۲۶۔ سورۃ الفتح ع ۲۔۱) کے مصداق گذرے ہین۔ پہلا ابوالعتاہیہ جو اشعار زہد و اتقا کے کہا کرتا مگر خود جادۂ الحاد پر قدم زن تھا۔ دوسرا ابو نواس جس کی زبان تو جوانان ناہوش کی حرکات اور انپر فریفتگی کے بیان کے لئے وقف تھی۔ مگر خود بندرون سے زیادہ بدکار تھا۔ تیسرا ابوحکیمہ کاتب، جو مباشرت سے عجز و فقد کی باتین بناتا تھا مگر مباشرت کے لئے حرص و ہیجان بُزنر سے بھی زائد رکھتا تھا چوتھا محمد بن حازم، جو اپنے کلام سے صبر و قناعت کی تلقین کرتا لیکن خود کتے سے بڑھکر حریص تھا۔

ابن معتز کے بہت سے نوادر و ظرائف اوراق روزگار پر باقی ہین۔ جعفر بن قدامہ کہتا ہے کہ مین ایکدن ابن معتز کی محفل مین حاضر تھا۔ نمیری بھی وہان موجود تھا۔ جب نماز فریضہ کی بجا آوری کا وقت آیا تو نمیری نے کھڑے ہو کر کمال سرعت و خفت سے نماز ادا کر ڈالی کچھ اوراد و دعائین بھی پڑھین پھر سجدہ مین گیا اور اسکو اتنا طول دیا کہ تمام حاضرین کسل و سنگین ہو گئے۔ ابن معتز بھی اسکو تعجب و حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جب نمیری نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ابن معتز نے اس کی نسبت یہ دو شعر پڑھے

صَلٰوتُكَ بَيْنَ الْوَرٰى نَقْرَةٌ　　كَمَا اخْتَلَسَ الْجُرْعَةَ الْوَالِغُ
وَتَسْجُدُ مِنْ بَعْدِهَا سَجْدَةً　　كَمَا خَتَمَ الْمِزْوَدَ الْفَارِغُ

تیری نماز خلق کے درمیان ایسی چیز ہے جیسے کوئی کتا اطراف زبان سے سرعت کے ساتھ پانی کا گھونٹ پی لیوے۔ اور نماز پوری کرنے کے بعد تو سجدہ ایسا کرتا ہے جیسے کوئی شخص توشہ دان پر مُہر لگا دیوے۔

ابن معتز کی عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ ایک روز ابوعیسی بن متوکل کی بیان قاضی علی بن محمد بن ابی الشوارب آئے اور اپنے تردداتِ اور خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ اسکے شوہر کی بیوفائی و بے مہری بلکہ بے دردی و جفاکاری کا شکوہ کر کے دستگیری کے خواہان ہوئے۔ اعانت کا وعدہ اور ہمدردی کا جواب پاکر رخصت ہوئے ابوعیسی نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا "کتنے بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسا بزرگ شخص، ایسے فضل و شرافت والا کس ورطہ مین پھنسا ہوا ہے خوشا حال اس شخص کا جسکے لڑکی نہ ہو۔ ابن معتز بولا کہ اس نادان نے اس بارہ مین کچھ عرض کیا ہے پھر لوگون کے اصرار سے یہ دو شعر پڑھے۔ ہر طرف سے تحسین و

وَنَحْنُ وَرِثْنَا ثِيَابَ النَّبِيِّ ۔۔۔ فَكَمْ تَجِدُونَ بِأَهْدَابِهَا
لَكُمْ رَحِمٌ يَا بَنِي بِنْتِهِ ۔۔۔ وَلَكِنَّ بَنِي الْعَمِّ أَوْلَى بِهَا
بِهِ نَصَرَ اللهُ أَهْلَ الْحِجَازِ ۔۔۔ وَأَبْرَأَهَا بَعْدَ أَوْصَابِهَا
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ فَدَاعَيْتُكُمْ ۔۔۔ وَقَدْ أَبْدَتِ الْحَرْبُ عَنْ نَابِهَا

افسرین ہونے لگی۔

وَبِكْرٌ قُلْتُ مُوتِي قَبْلَ بَعْلٍ ۔۔۔ وَإِنْ أَثْرَى وَعُدَّ مِنَ الصَّمِيمِ
أَأَمْزِجُ بِاللِّئَامِ دَمِي وَلَحْمِي ۔۔۔ فَمَا عُذْرِي إِلَى النَّسَبِ الْكَرِيمِ

مین نے اپنی دختر دوشیزہ سے کہا کہ ایسے شوہر کے وصال تک پہونچنے سے پہلے جو بڑا باثروت اور صاحب نسب واصالت ہو تم اس جہان سے رخصت ہو جانا۔ کیا مین اپنا خون اور گوشت ناکسون سے مخلوط کردون گا تو میرا عذر نسب کریم کے جاتے رہنے کی نسبت کیا ہوگا۔

عبداللہ بن معتز کا ایک غلام نشوان نام تھا۔ ملاحت صورت اور حلاوت سیرت مین یکتا۔ غنا وسرود مین فتنۂ روزگار تھا۔ یہ اسکے بادۂ صحبت و وصال سے ہمیشہ سرمست رہتا۔ اتفاقاً وہ غلام مرض چیچک مین مبتلا ہوا۔ چہرہ آبلون سے بھر گیا۔ عبداللہ نے سنا تو نہایت قلق ہوا۔ کچھ روز بعد نشوان نے صحت پائی اور چیچک کے نشان رخسارون سے بالکل مٹ گئے بلکہ اسکا حسن سوا ہو گیا۔ ابن معتز اسکی شان مین کہتا ہے۔

لِي قَمَرٌ جُدِّرَ لَمَّا اسْتَوَى ۔۔۔ فَزَادَهُ حُسْنًا فَزَادَتْ هُمُومِي
أَظُنُّهُ غَنِيَ لِشَمْسِ الضُّحَى ۔۔۔ فَنَقَّطَتْهُ طَرَبًا بِالْجُمُومِ

میرا چاند مرض آبلہ مین گرفتار ہو گیا تھا جب مرض کا زور کم ہوا بیماری کی شدت گھٹ گئی یہ تو اسکی خوبصورتی اور بھی بڑھ گئی اور میرے اندوہ افزون ہو گئے۔ میرا گمان یہ ہے کہ اسنے آفتاب نیمروز کے لئے گایا تھا جسپر سورج نے مسرت وطرب سے دانہائے انجم اسکے رخ پر نثار کر دیئے۔

حسب روایت نامۂ دانشوران اسی مضمون کو بہ تغیر الفاظ کسی شاعر ہندی نژاد نے ابن معتز کے کلام سے اقتباس کر کے لکھا ہے ؎

ماہ من آبلہ روی است ولے عیبش نیست ۔۔۔ روئے بہ آبلہ تیغے است کہ جوہر دارد

ابن معتز کے معاصرین اور قدر شناسون نے اسکی مدح وثنا مین نادر اشعار وقصائد لکھے ہین۔ خود ابن معتز بھی اورون کے کلام کی داد دینے مین بیحد سخی تھا۔ اسکے تذکرۂ شعرا کا ایک ایک ورق جسکی شہادت دے رہا ہے۔ سید ابو ہاشم اسمٰعیل الحمیری کے ایک قصیدہ کے جو اپنی انتہا درجہ کی نفاست کی وجہ سے

قتلنا امیّة فی دارها ونحن احق باسلابها
اذا ما دنونم تلقیتم زبونا اقرّت بجلابها
فمهلا بنی عمنا انها عطیة رب حبانا بها
واقسم انکم تعلمون انا بها خیر اربابها

مُتَ هَبَّہ کہلاتا ہے اس نے بہت سے شعر نقل کئے ہین اور لکھا ہے کہ قصیدہ بہت مشہور ہے اسلئے ان ہی اشعار پر اقتصار کرتا ہون۔ ایک قصیدہ نونیہ کا بھی انتخاب درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ "ہیچ چیز در عذوبت برابر با این ابیات نیست۔"

ابن معتز مذہباً سُنّی اور امام ابو حنیفہ کا پیرو تھا شیعی مورخین کا خیال ہے کہ اسکو سلسلۂ علوی بلکہ ذریت نبوی سے انحراف تھا۔ آل فاطمہ سے تنفر کرتا تھا۔ انکے مطاعن اور اپنے مفاخر مین مبالغہ کرتا چنانچہ اسکا یہ ہی قصیدہ مابیہ شاہد ہے

مکتفی باللہ کے مرنے پر آل عباس مین اختلافات اور سلطنت مین بعض انقلابات پیدا ہو گئے ایکسال تک برابر تخت خلافت کے لئے مناسب اشخاص کی تلاش ہوتی رہی تھی۔ بالآخر ارکان حکومت و اہل حل و عقد نے ابن معتز کو انتخاب کیا۔ اور ۱۸ ربیع الاول ۲۹۶ھ (۶ دسمبر ۹۰۸ء) کو مقتدر کو خلع (جدا) کرکے عبد اللہ بن معتز کے پاس پہونچے اور اسکی بیعت کی۔ المرتضی باللہ، الراضی باللہ۔ الغالب باللہ۔ المتصف باللہ لقب پائے۔ عنوان مراسلت یہ ہوتا تھا "از امیر المومنین المرتضی باللہ ابی العباس عبد اللہ بن معتز باللہ کذا و کذا" اُدھر مقتدر اور اُسکے تابعین و ہوا خواہون کی جماعت قوت پا گئی جس نے ابن معتز کے مقابلہ و قتل کا تہیہ کر لیا تھا۔ ابن معتز کو مجبورانہ کیہ و تنہا راہ گریز اختیار کرنا پڑی۔ بغداد مین ایک تہلکہ عظیم اور بد امنی شدید برپا ہو گئی۔ ابن معتز ایک معتمد امیر کے گھر مین پناہ گزین ہوا۔ اُسی امیر کے غلام نے مخبری کی۔ ابن معتز پکڑ لیا گیا دن بھر قید رکھا گیا۔ شب کو اتنی اذیت پہونچائی گئی کہ روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ گلا گھونٹ گھونٹ کر اُس کا کام تمام کیا گیا تھا۔ لاش ایک بورے مین لپیٹ کر اُسکے اقربا کے پاس بھیجدی گئی۔ علی بن محمد بن بسام شاعر نے مرثیہ لکھا۔ یحییٰ بن علی نے بھی چند کہین۔ مرثیے کے دو شعر یاد رہگئے ہین

لِلّٰہِ دَرُّکَ مِنْ مَیْتٍ بِمَضْیَعَہٖ نَاھِیْکَ فِی الْعِلْمِ وَالْاٰدَابِ وَالْحَسَبِ
مَافِیْہِ لَوْ وَلَا لَوْلَا فَتَنْقُصُہٗ وَاِنَّمَا اَدْرَکَتْہُ حِرْفَۃُ الْاَدَبِ

خدا اُس مرنے والے کو خیر دے کہ جو مراتب علمی اور آداب و حسب مین تم کو اور لوگون سے کافی ہو۔ لو اور لولا (جو کلمات شرط ہین) اُس مین نہ تھے یعنی اگر تم کہتے کہ ایسا ہوتا تو ایسا ہو جاتا اور اگر ایسا کرتا

۵۸۰ صفی الدین عبد العزیز بن سرایا الحلی۔ ابن معتز کا جواب دینے میدان مین آتا ہے۔ اُسکی پشت پر امیر تاج الدین آدی، نقیب النقبائے اشراف عراق کا دست کرم ہوتا ہے اور اُسکی زبان پر آل عباس کی ہجا و تذلیل کرنیوالے شرارے۔ ایک گستاخ بے ادب کا جواب وہ بھی کمال ریدہ ذہنی سے دیتا ہے

تو اس طرح نہ ہوتا۔ بلکہ حرفت ادب نے اُسکو پالیا تھا۔

ابن معتز سیاہ چردہ گندم گون تھا۔ چہرہ خوب روشن و درخشان۔ داڑھی مین سیاہ خضاب کرتا تھا اُس کا قول تھا البلاغۃ بلوغ المعنیٰ۔

اُس کا دیوان چھپ گیا ہے۔ اسکی بہت سی تالیفات و تصنیفات شہرت رکھتی ہین۔ کتاب الزہر والریاض، کتاب البدیع، کتاب مکاتبات الاخوان بالشعر، کتاب الجوارح والصید، کتاب المسرقات، کتاب اشعار الملوک، کتاب الآداب، کتاب علی الاخیار، کتاب طبقات الشعراء۔ کتاب الجامع فی الغنا، کتاب فیہ ارجوزۃ فی ذم الصبوح وغیرہ۔

سخن الف قدان را ہمہ عمر می توان گفت کہ سخن روا ست چون مدبہ محل دراز کردن

۵۸۰ مولانا صفی الدین ابو المحاسن عبد العزیز بن سرایا ابن ابی القاسم الحلی التنیسی سحر بیان شاعر در فنون ادب کے کامل ماہر تھے۔ اُن کا قصیدہ بدیعیہ مشہور ہے ملوک دیار بکر کے معاصر و منوسل تھے۔ ان کی مدح مین بعض نفیس قصائد لکھے ہین۔ اُن کے دیوان سے واضح ہوتا ہے کہ انکے باپ دادا حلۂ مارودین (ملک عراق عرب) کے رئیس اور بزرگان روزگار سے تھے۔ دیوان مین کئی جگہ اپنے باپ اور ماموں (دادا۔ نانا) کی بزرگی اور عالیشان پر افتخار کیا ہے۔ جابجا حسب شیوہ شاعرانہ کمال بے نیازی و استغنار سے اپنی ستائش بھی فرمائی ہے۔

شیخ مجد الدین فیروزآبادی بھی کہ اکابر متاخرین فن حدیث اور ائمہ لغت مین داخل ہین اُنکی صحبت سے محظوظ ہوئے تھے۔ اپنی کتاب مجموعات مین لکھتے ہین کہ ۷۴۷ھ مین ادیب شاعر صفی الدین عبد العزیز بن سرایا الحلی سے شہر بغداد مین ملاقات ہوئی۔ دیکھا کہ شیخ کبیر السن تھے اُن کو نظم و نثر پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ علوم عربیہ اور شعر سے نہایت باخبر تھے۔ اُن کی غزل نہایت پاکیزہ و شیرین ہوتی تھی۔ شیعی تھے حالت زار و دردمندانہ تھی۔ ہیئت البتہ خراب تھی۔ عمامہ نہایت میلا۔ چہرہ اور بھی قبیح اور بدنما تھا۔ اُن کی صورت دیکھ کر کبھی کوئی شخص یہ گمان نہ کرتا کہ وہ ایسے لطیف اشعار نکالنے پر قادر ہین جیسے صدف مین سے گوہر آبدار۔

اُن کے دیوان مین حمد و نعت و مناقب آل اطہار مین بہت سے بے مثل قصائد موجود ہین۔ جن مین

الا قل لشر عباد الاله — وطاغی قریش وکذابها
وباغی العباد وبانی العناد — وهاجی الکرام ومغتابها
اانت تفاخر آل النبی — وتجحدها فضل احسابها
رکم باهل المصطفی ام بهم — فرد العداة باوصابها
اعنکم نفی الرجس ام عنهم — کطهر النفوس وارباتها
اما الرجس والخمر من دابکم — وفرط العبادة من دابها
وقلتم ورثنا نباب النبی — فلم تجذبون باهدابها
وعندک لا تورث الانبیاء — فکیف حظیتم باثوابها
فکذبت نفسک فی الحالتین — ولم تعلم الشهد من صابها
اجدک یرضی بما قلته — وما کان یوما بمرتابها
وقولک انتم بنو بنته — ولکن بنو العم اولی بها
بنو البنت ایضا بنو عمه — وذالک ادنی لانسابها
فدع فی الخلافة فصل الخلاف — فلیست ولولا لرکابها
وما انت والفحص عن شانها — وما قمصوک باثوابها
وما شاورتک سوی ساعة — فما کنت اهلا لاسبابها
وکیف تخوضون یوما بها — ولم تتادب بادابها
ودع ذکر قوم رضوا بالکفاف — واجاعوا الخلافة من بابها

اس باکمال نے انواع واقسام کے صنائع اور اسالیب سخن کا کمال دکھایا ہے۔ دیوان دمشق مین ۱۲۹۷ھ مین طبع ہوا تھا۔

ابن تاج الدین آدمی نقیب النقبائے اشراف عراق کے کہنے سے مولانا صفی نے معتز کے قصیدۂ لامیہ کا یہ جواب دیا تھا۔ ان کے گمان کے موافق اہلبیت رسالت کیساتھ جو بے ادبی معتز نے کی تھی یا جو ناموجہ کلمات اُنکی زبان سے سرزد ہوئے تھے اُنکے ایراد مین ایک طولانی قصیدہ علی سبیل الارتجال کہہ ڈالا تھا۔

هم الزاهدون هم العابدون　　هم الساجدون بحمد ربها
هم الصائمون هم القائمون　　هم العاملون بآدابها

سادات و شرافت

سیادت کے معنی عربی زبان مین بزرگی و سرداری کے ہین۔ اسی سے سیّد (فتح سین، یای مشدد، مکسور بوزن جید) بنا ہے جو پیشوا و سردار و مہتر قوم کو کہتے ہین۔ اس لفظ (سیّد) کا استعمال بتخفیف تحتانی (بروزن قید) بھی اسی معنی مین ہوتا ہے حسب قواعد صرفی یائے مشدد کی تخفیف جائز ہے۔ جیسے میّت کو بتخفیف یا میت بروزن بیت بولتے ہین سیّد کو یاے مشدّد مفتوح کے ساتھ سید بولنا غلط ہے سائد بھی سیّد کے ہم معنی ہے۔ سائد اور سیّد کی جمع "سادۃ" اور جمع الجمع "سادات" آتی ہے

اس عہد عروج و ارتقا مین جب کہ بدون پابندی کسی قانون بین الانساب الاقوام کے مسلمانون کی اکثر قومین پستی سے عروج و فراز کی طرف بڑھ رہی ہین اور سادات عظام کی مردم شماری بلا سعی تولید و تخلیق محض تبادلہ ذات کے اثر سے خود بخود افزایش پا رہی ہے۔ چند روایات و حقائق کا نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہون۔

شرف و فضل کو آل فاطمہ سے متعلق و منحصر کرنے کے بارہ مین بہت سی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ وارد ہین وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا (اور سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑے رہو جزء ۳ سورۂ آل عمران ع ۱۱-۲ کی تفسیر مین سیدنا جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نَحْنُ حَبْلُ اللّٰهِ (خدا کی رسی ہم ہین) آیۂ معظمہ اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (یا خدا نے جو اپنے فضل سے لوگون کو نعمت عطا فرمائی ہے اس پر جلے مرتے ہین جزء ۵ سورۃ النساء ع ۸ کی نسبت امام محمد باقر علیہ السلام نے کہا ہے کہ اَهْلُ الْبَيْتِ هُمُ النَّاسُ (لوگون سے مراد اہل بیت ہے

ارشاد باری عز اسمہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ (جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے رحمٰن عنقریب اُنکی محبت پیدا کر دے گا (جزء ۱۶ سورۂ مریم ع ۶-۹) کے متعلق محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ لَا یَبْقٰی مُؤْمِنٌ اِلَّا وَفِیْ قَلْبِہٖ وُدٌّ لِعَلِیٍّ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ (باقی نرہیگا کوئی مومن بغیر اسکے کہ اُسکے دل مین علی اور اُنکے اہلبیت کی محبت ہو) حضرت نقاش کہتے ہین کہ اس آیۃ کا نزول علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی شان مین ہوا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اُنھون نے نیک عمل کیے یہی لوگ بہترین خلائق ہین (جزء ۳۰ سورۃ البینۃ ع ۱-۲۳)

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہین کہ تمام بلاد و امصار مین حقیقتاً اشراف وہی لوگ ہین جو اہل بیت کی اولاد از دواج اور حسنؑ و حسینؑ و علیؑ کی اولاد ہین، آل علی کے ساتھ شرف کی تخصیص خاص اہل مصر کی اصطلاح و تجویز ہے۔

علی خواص فرماتے ہین کہ شریف کا حق ہم پر یہ ہے کہ ہم اپنی جان اُن پر قربان و فدا کردین کیونکہ اُن مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لحم و دم کریم ساری و جاری ہے اور وہ آنحضرت کا ایک پارۂ گوشت ہین، بعض اہل علم صاحبان بصیرت کا ارشاد یہ ہے کہ "ہم پر شرفا کے حقوق اگرچہ وہ نسب مین بعید ہون، یہ ہین کہ ہم اُن کی رضا کو اپنی ہوا پر اختیار کرین اور اُن کی تعظیم و توقیر بجالائین، وہ زمین پر ہون تو ہم سر پر نہ بیٹھین" امام شعرانی اپنی کتاب المنن مین لکھتے ہین "ادب یہ ہے کہ ہم مین سے کوئی کسی شریفہ سے اُس وقت تک نکاح نہ کرے جب تک کہ اپنے نفس سے یہ اطمینان و عہد نہ کرلے کہ اُسکے تابع حکم رہے گا۔ اُس کے اشارے پر کام کرے گا حتی کہ اُس کی جوتیان سیدھی کرکے رکھدے گا جب وہ آئے تو اُسکے لئے کھڑا ہو جائے اور اُسپر دوسری عورت نہ لائے۔ اُس پر معیشت کی تنگی نہ کرے۔ اور اگر وہ اجنبی ہو تو اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے و نحو ذالک"

امام ملک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ "جو کوئی شرف (شریف یعنی سید ہونے) کا جھوٹا دعوے کرے تو اُس کو خوب مارنا اور ایک مدت تک قید رکھنا چاہیئے۔ یہان تک کہ توبہ کرلیوے اسلیئے کہ اسمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استخفاف ہوتا ہے۔ با این ہمہ ارشاد و موعظت جس کے نسب مین طعن کیا جاتا امام صاحب اُسکی بھی تعظیم کرتے اور کہتے کہ شاید وہ نفس الامر مین شریف ہو لیکن قول اوّل "فتویٰ" ہے اور فعل ثانی "تقویٰ"۔

میر غلام علی آزاد نے ایک کتاب سند السعادات[۵۸۱] فی حسن خاتمۃ السادات لکھی ہے۔ اسمین خصوصاً اور اپنی دیگر تصنیفات مین عموماً انھون نے سادات کے متعلق وہ تمام حالات و روایات و مباحث بالتفصیل نقل کردئے ہین جو میر عبد الجلیل اور اُن کے دُودمان شریفہ کی خصوصیات و مآثر قدیمہ مین داخل تھے اور جن پر اُنکے اسلاف کو وثوق اور اُنکا اساس عمل تھا

علم الانساب یعنی قبائل کے نام و نسب اور خاندانون کے پچھلے سلسلون اور بزرگون کے تعلقات کا جاننا اور یاد رکھنا اس خاندان کا آبائی ورثہ یا خاندانی علم تھا جو پشتہا پشت سے سینہ بہ سینہ چلا آتا تھا۔ میر عبد الجلیل خود بڑے ماہر اور اس فن مین کامل تھے۔ اِن کے گھرانے کی بڑی بوڑھیان بھی سادات کے بہت سے خاندانون کے متعلق خاص معلومات اور وسیع آگاہی رکھتی تھین جن کا بے تکلف حوالہ دیا جاتا اور اِسناد کیا جاتا تھا۔ اِن کو اپنی شرافت اور خالص سیادت پر ناز و فخر تھا۔

دُنیا پر روشن ہے کہ سادات (حُسینی) کا نسب ایک طرف رسُول عرب (سیّد وُلد آدم) سے ملتا ہے اور دوسری طرف تاجداران ایران سے۔ لیکن آل حسین کو اپنے نسب مادری کا شرف اور ننہالی اسلاف کا علو مرتبت ثابت کرنے کے لئے سرزمین ہند سے فارس جانے کی ضرورت نہین ہے۔ وہ تجلّیان جو کوہ بے ستون اور راوکان پر نظر آتین اردلی پہاڑ کی چوٹیون سے نگہ افروز

---

۵۸۱ سند السعادات طبع ہوچکی ہے بمبئی مین مرزا احمد شیرازی ملک الکتاب کے یہان ملتی ہے۔

ہوسکیں گی۔ مہاراجگان اودے پور[۹۲] کی، جن کا لقب مہارانا[۹۳] چلا آتا ہے عظمت و شان ہندوستان میں مسلم ہے۔ راجپوتانہ کے تمام راجگان پر اُن کو تفوق حاصل تھا

[۹۲] اہل ہند پر اس خاندان کی عظمت و احترام روشن ہے۔ انھوں نے بھی اپنی شرافت و شجاعت سے اپنی یکتائی اور خوبیوں کو حتی المقدور قائم رکھا۔ بادشاہان اسلام نے باوجودیکہ ان راجاؤں سے سخت مقابلے ہوئے ان کی بہادری اور حفظ ناموس کی ہمیشہ داد دی ہے۔ زمانہ سلف میں دستور یہ تھا کہ جب کوئی راجہ کسی گدّی پر بیٹھتا تو پہلے دربار میواڑ میں حاضر ہوتا۔ فرماں روا رانا اپنے پانوں کے انگوٹھے سے تھوڑا سا خون نکالتا اور نئے راجہ کی پیشانی پر تلک (ٹیکا) لگا دیتا۔ مسند نشینی کی رسوم آگے چل کر ادا ہوتیں۔

بابر اپنے واقعات میں لکھتا ہے کہ اُس (بابر) کا مقابلہ سنگھ رام (رانا سانگا) سے ہوا۔ رانا اسّی ہزار سوار، سات راجہ مہاراجہ، نو راو، ایک سو چار راول اور راوت، پانسو ہاتھی لیکر میدان میں آیا۔ سیکری (فتحپور) میں مقابلہ ہوا۔ ترکوں کے اقبال نے یاوری کی۔ رانا رن سے بھاگا۔ رانی نے زہر دیدیا، اودے سنگھ سب سے چھوٹا بیٹا گدّی پر بیٹھا۔ اس سے اکبر نے چتور اور رن تھمبور اور میرٹھ فتح کئے۔ بااین ہمہ اُودے سنگھ نے نہ اطاعت قبول کی نہ دربار میں حاضر ہوا۔ بلکہ ملک کی حفاظت اور راج کی بقا کے لئے پُر پیچ گھاٹیوں میں اُودے پور آباد کیا اور راجدھانی مقرر کی۔ کئی طرف بند باندھے، اودے ساگر جھیل بنائی۔ اسکا بیٹا پرتاب مسند پر بیٹھا۔ اس نے بھی بزرگوں کی آن بان قائم رکھی اور مغلوں کے سامنے گردن نہیں جھکائی۔

۹۷۴ھ (۱۵۶۶ء) میں اکبر نے حسین قلی خاں، خان جہاں کو رانا کی مہم پر بھیجا اُسنے اودیپور لے لیا اور رانا بھاگ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔

۹۷۵ھ (۱۵۶۷ء) میں اکبر نے بذات خود قلعہ چتور کا محاصرہ کیا۔ یہ قلعہ تین کوس لمبا اور آدھ کوس چوڑا نہایت مستحکم و استوار تھا۔ قدرتی چشمے بہتے تھے۔ غلہ مدتوں کے لئے بافراط جمع رہتا تھا۔ اسی طرح سامان حرب و ضرب بھی۔ یہ قلعہ اس سے پہلے دوبار مسلمان فتح کر چکے تھے۔ مگر راجپوت اغیار کے قبضہ میں اپنے راج کے قدیم و متبرک مقام کو دیکھنا کب گوارا کر سکتے تھے۔ اتفاق سے رانا اُودے سنگھ کا لڑکا سکٹ سنگھ باپ سے بگاڑ کر کے اکبر کے یہاں چلا آیا اُس نے اکبر سے بہت سے وعدے اور قول و قرار کئے مگر پھر بھاگ کر باپ کے پاس پہنچا اور اکبر کی فوجکشی کی خبر دی۔ اکبر پہنچا۔ محاصرہ نے طول کھینچا۔ مجبور ہو کر سرنگیں لگا دی گئیں۔ توپ اور گولے دہین چھاؤنی میں ڈھالے جاتے تھے۔ نہایت خونریز بہادرانہ معرکہ تھا۔ ہولناک

اِن میں سے جو کوئی مسند نشین ہوتا اُس کے لئے قشقہ صندلین راجہ اودے پور کے یہاں سے آتا تھا جسکو وہ بڑے افتخار و احترام سے اپنی پیشانی اور ماتھے پر جگہ دیتا تھا۔ میر غلام علی آزاد (خزانۂ عامرہ صفحہ ۳۹ میں) اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ رانائے اودے پور اپنا نسب نوشیرواں

سُرنگیں اُڑائی گئیں سوا چار مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ فتح ہوا "دل گفت کہ بکشاد بزودی چتور" تاریخ ہوئی۔ علاء الدین خلجی نے سوا سات مہینہ کے محاصرہ کے بعد ۳ محرم ۷۰۳ھ (۱۷ اگست ۱۳۰۳ء) کو چتور کو فتح کیا تھا۔ اِسی واقعہ کے ساتھ وہ دلچسپ افسانہ یا افسون جنون وابستہ ہے جسکو ملک شیخ محمد جائسی اور ہندی بھاشا کے دیگر باکمال شعرا نے اپنی سخن سنجی، بلندی خیال، طرز ادا اور حسن کلام سے شہرت و بقا کی سند دے رکھی ہے اور اپنی مشہور و بے نظیر مثنوی میں پدماوت یا پدمنی کی دلآویز داستان نظم فرمائی ہے۔ پدماوت کے حسن بے مثال کا ذکر ایک طوطی کی زبانی سنکر رتن سین والی چتور نادیدہ عاشق ہو جاتا ہے۔ ایک دریوزہ گرد لاابالی یا سادھو کے بھیس میں اپنے کعبۂ مقصود لنکا (جزیرہ سیلان) پہونچتا ہے۔ کامیاب ہوتا اور پدماوت کو بیاہ کر لاتا ہے۔ اِس کا شہرہ علاء الدین کے کانوں تک پہونچتا ہے تو نسیم صبا کی معرفت پیام محبت بھیجتا ہے ؎

یا من ناصبور را پیش خود از وفا طلب　　یا چو تو پاک دامنی صبر من از خدا طلب

آخر رانی کے عشق یا شوق دیدار سے مغلوب ہو کر چتور آتا ہے (تکلفات شاعرانہ اور تخیلات نازک سے دور ہو کر بھی یہ قصہ پُر لطف ہے) رانی نہیں ملتی۔ سلطان حصول مرام سے محروم رہتا ہے۔ رتن سین کو قید کر کے دہلی لے آتا ہے۔ ماہ سیما پدمنی اگر علاء الدین کے پنجہ میں پھنسنے سے بال بال بچ جاتی ہے تو اپنے جمال جاں ستان کی بدولت راجہ دیو پال کے تعشق اور ناوک افگنی کا ہدف بنتی ہے۔ رتن سین اپنی مہر لقا لڑکی کی کرشمہ سازی و عشوہ بازی سے (جسکو مورخین دغا و حیلہ سے تعبیر کرتے ہیں) جب خلاصی پاتا ہے تو سب سے پہلے دیو پال پر حملہ کرتا اور اُس کو عشق بازی و دراندازی کا مزہ چکھاتا، شربت فنا پلاتا ہے۔ حسن و عشق کے اس معرکہ میں غیور رتن سین سخت مجروح ہوتا ہے حتیٰ کہ چتور پہنچکر اس محبوب دُنیا اور اپنی محبوب رانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا ہے۔ وفا پیمان اور فدائی پدمنی اپنے شیدا اور بہادر شوہر کے ساتھ ستی ہونے کے لئے چتا میں بیٹھتی ہے۔ علاء الدین کے پیغام اُلفت کا جواب آج اُسکی زبان حال پر ہوتا ہے ؎

آنکہ دائم ہوس سوختن ما می کرد　　کاش می آمد و امروز تماشا می کرد

ناگہان علاء الدین صاعقۂ برق کی طرح چتور کے دروازے پر نظر آتا ہے۔ شہر و قلعہ کو مسخر و مفتوح کر لیتا ہے لیکن نازنین و نازپیکر پدماوت کی جگہ ایک مشت خاکستر پاتا ہے۔

کسریٰ تک پہونچاتے ہیں جب سعد وقاص[۵۸۲] نے ایران کو فتح کیا تو نوشیروان کی اولاد آوارہ و منتشر ہوگئی۔ انھیں میں رانا کا ایک دادا بھی تھا جو ہندوستان آیا اور راجہ کے مرتبہ پر پہونچا جب شہربانو

دربار اکبری میں لکھا ہے کہ "راجپوتوں میں بھی ایک خاندان ہے جس نے مسلمان بادشاہوں کو بیٹی نہیں دی" شاید یہ جملہ لکھتے وقت مرحوم آزاد کو خیال نہ رہا ہوگا کہ اورنگ زیب کے آخر حیات تک کی رفیقہ ایک اودے پوری شاہزادی تھی جسکی خدمت گزاری و وفاشعاری کا اعتراف اُسنے دم نزع بھی کیا ہے ادب و انشاے فارسی کے اکثر قدرشناسوں نے مطبوعہ رقعات عالمگیری کو دیکھا ہوگا۔ میرے پاس بھی ایک نہایت قابل قدر قلمی مجموعہ "خدیو خدا آگاہ خلد آرام گاہ محمد اورنگ زیب عالمگیر" کے شقہ جات کا موجود ہے جو وقتاً فوقتاً شاہزادگان والا تبار اور امراے ذوی الاقتدار کے نام صادر و ارسال ہوئے تھے۔ بادشاہ مبرور کے رسائل و رقعات اکثر مقربان حضور نے جمع کئے تھے مگر سب سے مکمل اور صحیح نسخہ وہی ہے جو راجہ آیامل نے ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ء) میں ترتیب دیا اور "دستور العمل آگہی" نام رکھا تھا۔ میرے نسخہ کے ساتھ "وصایاے اورنگ زیب بادشاہ براے بہادر شاہ" بھی شامل ہیں۔ اسکی کتابت ۲۲ ربیع الاول ۱۲۳۴ھ (۲۰ جنوری ۱۸۱۹ء) کو ختم ہوئی تھی۔ یاد ہوگا کہ ہنگام واپسیں بادشاہ مغفور نے شاہزادہ اعظم شاہ کو تحریر فرمایا تھا "بیگم اگرچہ بظاہر ملول ست لیکن مالک دلہا خدا است کو تہ اندیشی مؤنثات جز ناکامی ثمرہ ندارد" اسی مجموعہ میں وہ شقہ خاص بھی ہے جو پانچویں شاہزادے سلطان محمد کام بخش کو خلد مکاں نے وقت مرگ لکھا تھا "حال بیگم، بیگم داند۔ اودے پوری کہ والدۂ شماست در بیماری با من بودہ، ارادۂ رفاقت دارد" اورنگ زیب کی اور بیگموں کو آج کوئی جانتا بھی نہیں لیکن یہ نیک نہاد ہندو نژاد ملکہ اپنے حق شناس و منت گذار سرتاج کے دو لفظوں کی بدولت بقا و دوام کا خلعت پہنے کھڑی ہے۔ فطرت انسانی کا اقتضا ہے کہ رخصت ہونے والا زیادہ باتیں پسند نہیں کرتا نہ کہ اورنگ زیب سا با جبروت، خود دار اور کم سخن لیکن اس بیگم کے بارہ میں احسان مند دل کی بات زبان تک آئے بغیر نہ بنی۔

ہندوستان کے دیگر والیان ریاست اور مہاراجگان والا شان کی طرح اودے پور کے مہارانا بھی بادشاہان مغلیہ کے مطیع و تابع فرماں رہے ہیں۔ شاہی مراسلات و فرامین میں وہ مطیع الاسلام لکھے جاتے تھے۔ ایک ہندو مدبر اور انشا پرداز پنڈت چندر بھان متخلص بہ برہمن بادشاہ کا فرمان لیکر اودے پور گیا تھا۔ وہاں کے احوال میں جو عرائض اُس نے بھیجے ہیں پڑھنے کے قابل ہیں۔ وہ مہارانا کے حسن سلوک، نیک رویہ اور سوئیت طوئیت و عقیدت کی تحسین و ستایش کرتا ہے۔

۵۸۳ موشیو ریمان عرف حاجی مصطفےٰ لکھتا ہے کہ رانا راجہ سے کسی قدر زیادہ مرتبہ و امتیاز کا خطاب ہے

دختر یزدگرد (نبیرۂ نوشیرواں) اسیر ہوکر امام حسین رضی اللہ عنہ کے حبالۂ نکاح میں آئیں تو اُن (شاہزادی) کے بطن سے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ متولد ہوئے سادات حسینی کی نسل امام ہمام پر منحصر ٹھہری تو ایسی صورت میں قبائل و عشائر سادات حسینی کے راجہائے اودے پور کے ماموں (اخوال) ہوئے اور اس طور پر ان راجگان والاشان اور دیگر امرا و قبائل (مثلاً مرہٹہ وغیرہ) کو جو خود کو خاندان اودے پور سے منتسب یا متوسل مانتے ہیں صلہ رحم کا حق ادا کرنا اور سیدوں

اگرچہ مخرج دونوں کلموں کا ایک ہی ہے۔

۸۴ قشقہ فارسی سے معرب لفظ ہے مگر اس ملک میں بہت زیادہ مستعمل سنسکرت میں تلک اور ہندی میں ٹیکا کہلاتا ہے قشقہ ایک چھوٹے سے مصفے پتھر یا مجلے سنگ مرمر پر بھیجا جاتا ہے جو ایک کالی یا چاے کی طشتری کے برابر یا اُس سے کسی قدر بڑا ہو۔ اس میں کچھ چوب صندل ہوتی ہے اور کچھ دیسی زعفران اور کبھی چونا اور ہلدی۔ یہ چیزیں سُرمہ کی طرح باریک پیس لی جاتی ہیں اور بوقت ضرورت تھوڑا سا گلاب یا پانی ڈال کر سب کو ملا لیا جاتا ہے۔ لازم ہے کہ بھیجنے سے پہلے بھیجنے والا اسکو اپنے داہنے انگوٹھے سے مس کرے پانے والا اسکو بڑی مسرت و انبساط اور ادب و احترام کے ساتھ لیتا ہے پھر اپنی انگلی کا پورا اسمیں ڈالتا اور اُس محلول مرکب یا اُس کے کسی جزو سے اپنے ماتھے پر چند لکیریں یا دھاریاں بالوں کی جڑ سے لیکر ناک کی نوک تک دراز کھینچ لیتا، یا دونوں ابروؤں کے مابین نشان لگا لیتا ہے یا صرف کان کی لو پر۔

دیبی کے پوجنے والے اکثر پوری پیشانی پر ایک بنا گوش سے دوسری بنا گوش تک قشقہ لگاتے ہیں، لیکن جو رام کے بھگت ہیں وہ سر کے بالوں کی جڑ سے ابرو تک لکیریں کھینچ لیتے یا نشان لگا لیتے ہیں۔

۸۵ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ نام سعد، کنیت ابو اسحاق، باپ کا نام مالک ابی وقاص، لقب فارس الاسلام تھا۔ اپنے قبیلہ بنی زہرہ میں مقتدر و محترم اور اشراف مکہ میں معزز و ممتاز تھے۔ دنیوی وجاہت و امارت بھی حاصل تھی۔ رشتہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہوتے تھے سابقین اولین یعنی ایمان لانے والوں میں آپ ساتویں شخص تھے۔ سترہ (یا بروایت دیگر انیس ۱۹) سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اُس وقت سے برابر مکہ معظمہ اور بعد ہجرت مبارک مدینہ منورہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر اور باریاب رہے۔

بعد اعلان رسالت صحابۂ پاک کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُن میں سے بعض کو سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے خود حضرت سعد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آگیا اُسکو میں نے پانی سے دھویا

کے ساتھ مراعات و مدارات سے پیش آنا لازم ہے"۔

اس بارہ میں آزاد دہلوی بھی آزاد بلگرامی کے ہم نوا پائے جاتے ہیں اور دربار اکبری میں لکھتے ہیں کہ راجگان اودے پور میواڑ اپنا سلسلہ نسب نوشیروان کسریٰ سے ملاتے ہیں

پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔

آپ رواۃ حدیث اور ائمہ رجال کے طبقہ سوم میں شمار ہوتے ہیں۔ دو سو پندرہ حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ رسول مقبول روحی فداہ کے خدمت گزاران خاص سے تھے۔ صاحب حیوٰۃ الحیوان لکھتا ہے کہ آپ نازک مواقع پر حراست و وقایت نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماتے تھے حتیٰ کہ فرمان باری وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا جزو ۶ سورۃ المائدہ ع ۱۰ ۱۱] نازل ہوا اور اس خدمت سے سبکدوش کر دیا۔

آپ تمام غزوات اور اکثر سرایا میں شریک تھے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اسلام میں پہلا خون جو بہایا اور خدا کی راہ میں پہلا تیر جو پھینکا گیا وہ آپ ہی کے دست حق پرست سے تھا۔ آپ مع چند مخلصین مومنین کے بعض شعاب کے اندر مصروف نماز تھے۔ مشرکین نے اطلاع پائی تو ان پر عیب لگائے اور حملہ و جدال سے پیش آئے۔ حضرت سعد نے انہیں سے ایک شخص کے تیر مارا۔ اُس کا سر زخمی ہو گیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں اِنِّیْ لَاَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یہ واقعہ ۱ھ (۶۲۲ء) کا ہے۔

اُحد کے دن (۱۴ شوال ۳ھ مطابق ۲۹ مارچ ۶۲۵ء روز جمعہ کو) آپ نے کارہائے نمایاں فرمائے اس پر سرور اکرم صلعم نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اَسْدِدْ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ اے خدا! سعد کی تیر اندازی کو مضبوط و قوی فرما دے اور اُس کی دعا قبول کر (شرح السنۃ) دوسری مرتبہ ارشاد ہوا اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاكَ بار الٰہا تو سعد کو مستجاب الدعوات بنا (ترمذی) اس کا اثر یہ تھا کہ آپ جو دعا فرماتے مقبول ہوتی تھی۔ اِن کے قبول دعا کے بہت سے واقعات سیر و احادیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ آپ جب امیر کوفہ تھے تو چند فتنہ پردازوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے انکی جھوٹی شکایت کی۔ حضرت عمر نے اسکی تحقیق و تفتیش فرمائی۔ خلیفہ کا معتمد مسجد میں جا کر حضرت سعد کے بارہ میں دریافت کرتا پھرتا تھا ایک شخص ابو سعدہ نے غلط شہادت دی کہ سعد نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے ہیں۔ آپ بے اختیار ہو گئے اور فرمایا کہ "خداوندا! اگر یہ جھوٹا ہو تو اس کو آزمائش میں ڈال" یہ دعا بارگاہ الوہیت میں قبول ہوئی اور اس شخص کا یہ حال ہوا کہ پیرانہ سالی میں پلکیں لٹک آئی تھیں مگر بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ "مجھے سعد کی بد دعا لگ گئی ہے"۔

آزادوں کی بات کا ماننا نہ ماننا تو اہل بصیرت مورخ اور محقق اسلاف و انساب کا کام ہے۔ تذکرہ نگار کو اِن تحریرات و روایات کے نقل و یکجا کر دینے سے چارہ نہیں اُسکے لئے نہ تصدیق کا موقع ہے نہ تکذیب و تغلیط کا۔ غالباً اِن سب کا ماخذ اصلی ابوالفضل علامی کی تحریر ہے۔ آئین اکبری میں چیتور کے متعلق لکھا ہے "سردار بومی را پیشتر راول گفتے و از دیر باز رانا گویند۔ از قوم گھلوت خویشتن را از نژاد نوشیروان عادل برشمارد"۔

حضرت سعد رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب مکہ معظمہ گئے وہاں سخت بیمار اور قریب مرگ ہو گئے تو حضرتؐ عیادت کو تشریف لائے اور تین بار دعائے صحت فرمائی۔ چنانچہ شفا پائی اور حضرتؐ کی رحلت کے بعد چوالیس ۴۴ پینتالیس برس زندہ رہے۔

ترمذی نے اپنے جامع میں ایک باب مناقب سعد بن وقاص کے نام سے لکھا ہے اور روایت کی ہے کہ ایکبار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑے چبوترہ پر جلوہ افروز تھے اور شمع نبوت کے گرد اُسکے پروانے یعنی صحابۂ کرام نثار ہو رہے تھے کہ اس اثنا میں حضرت سعد تشریف لائے تو جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ "یہ میرے ماموں ہیں بھلا تم میں سے کوئی بھی میرے ماموں کیسا اپنا ماموں دکھا سکتا ہے"؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ما جمع رسول اللہ صلعم اباہ وامہ الا لسعد۔ قال لہ یوم احد ارم فداك ابی وامی ایھا الغلام الحزور (رواہ الترمذی)

حضرت عمر کے عہد خلافت میں یزدگرد کے مقابلہ کے لئے جو لشکر بھیجا گیا تھا آپ اُسکے سردار تھے۔ آپنے پہلے نرمی و آشتی سے کام لینا چاہا مگر جب کام نہ نکلا تو آپ لڑے اور خوب لڑے۔ محرم ۱۵ھ (فروری ۶۳۶ء) میں قادسیہ کے تینوں معرکے اور اُن کی فتح، تاریخ اسلام میں یادگار ہیں۔ پھر بابل۔ کوثی۔ بہرہ شیر۔ مدائن (پایہ تخت ایران) پر مسلمانوں کا جھنڈا بلند کیا۔ ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں جلولاء کی لڑائی سے عراق اور ۱۷ھ میں جزیرہ کا سارا علاقہ فتح ہو گیا۔ سب سے پہلے مفتوحہ ممالک کی مردم شماری کرائی پھر بصرہ و کوفہ کو آباد کرایا۔ بعض شکایات کی بنا پر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آپ گورنری کوفہ سے معزول اور آپ کے بجائے عمار بن یاسر مامور ہوئے لیکن حضرت عثمانؓ کی خلافت میں دوبارہ وہی خدمت پھر سپرد ہوئی۔ پہلے ۲۴ھ (۶۴۵ء) سے ۲۵ھ (۶۴۶ء) تک چند مہینے۔ پھر دوسری بار ۳۰ھ (۶۵۱ء) سے ۳۴ھ (۶۵۴ء) تک انجام دی

باایں ہمہ کہ حضرت عمر نے باقتضائے مصالح آپ کو ولایت کوفہ سے سبکدوش کیا تھا لیکن اُنکے دل میں آپ کا احترام اور آپ کی دیانت کا وثوق باقی تھا حتی کہ اپنی وفات سے پہلے جن چھ صحابیوں کو اپنے میں سے خلیفہ تجویز کر لینے کا اختیار دیا تھا اُن میں سعد بھی تھے لیکن آپنے خلیفہ ہونا منظور نہ فرمایا۔

ڈاکٹر ولیم ہوئی William Hoey, M. A., D. Lit. (بحوالہ تاریخ فرخ بخش مولفہ محمد فیض بخش) اپنی کتاب تذکرۂ دہلی و فیض آباد Memoirs of Delhi and Faizabad. (جلد اوّل مطبوعہ ۱۸۸۸ء) میں مرہٹوں کی اصل و نسل کے متعلق لکھتے ہیں کہ "مورخین نے سنتا پسر سیواجی کے اجداد و اسلاف کی نسبت بہت کچھ لکھا اور اسکے سلسلہ نسب کا پتہ نوشیرواں تک چلایا ہے۔ رانا یان اودے پور، سنتا کے رشتہ دار ہیں۔ سنتا کا پردادا اپنے بھائیوں سے بگڑ کر اودے پور سے چلا آیا تھا۔ دکھن میں بمقام قصبہ مرہٹ قیام گزین ہوا۔ اسی لئے "مرہٹہ" کہلاتا ہے"۔

اور حضرت عبدالرحمٰن کو اپنا حق دیدیا۔

حضرت عثمان کے آخر زمانۂ خلافت میں جو سازشیں اور شورشیں رونما ہوئیں اُنکی اصلاح و اندفاع میں آپنے بقدر مقدور سعی مبذول فرمائی اور ناکام رہے وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا (اور خدا کا حکم ہو ہی کر رہا۔ جزء ۲۲ سورۃ الاحزاب ع ۵-۲)۔ اُنکی شہادت سے نہایت ملول و دل شکستہ ہو کر گوشہ گزیں ہو گئے تھے۔ حضرت علی اور امیر معاویہ کے مناقشات و معاملات سے بھی دور دور رہے۔

۵۵ھ (۶۷۵ء) یا ۵۸ھ (۶۷۸ء) میں اسّی یا نوّے سال کی عمر میں موضع عقیق میں رحلت فرمائی آپ کا جنازہ (نو میل کے فاصلہ پر) مدینہ منورہ لایا گیا۔ مروان بن حکم نے جو مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین سے اُس وقت تنہا زندہ اور باقی تھے مسجد نبوی میں نماز پڑھائی۔ بقیع پاک میں سپرد خاک کیا۔

عمر بن سعد وقاص (آپکا بیٹا) بڑا شاعر اور مرتبہ شناس اہل بیت اطہار تھا۔ جسکے بعض اشعار قاضی نور اللہ شوستری نے فاتحہ کتاب مجالس المومنین میں نقل کئے ہیں۔

[اہل سیرت و عقیدت کو عمر بن سعد کے اوصاف و محامد میں مبالغہ و غلو کا اختیار ہے لیکن مورخ کا قلم اس الم انگیز حقیقت کے اظہار پر مجبور ہے کہ یہی عمر بن سعد رے و اعمال رے کا والی تھا جسکو ابن زیاد نے امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ و قتال کے لئے سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا جس نے وادی کرب و بلا میں فرات کا پانی امام اور حزب انصار امام پر بند کر دیا تھا اور تشنگی کے ساتھ ہر قسم کی اذیات روحانی و جسمانی پہونچائی تھیں اور جب یزید بن حصین ہمدانی سمجھانے گئے اور پانی کے لئے گفتگو کی تو نہ مانا نہ کچھ جواب دیا ہمدانی نے جل کر کہا هذا ماء الفرات يشرب منه الكلاب والدواب وتمنعه ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم واولاده واهل بيته والعترة الطاهرة يموتون عطشا وقد حلت بينهم وبين الماء وتزعم انك تعرف الله ورسوله تو عمر نے سرنگوں کر لیا اور کہا کہ اے اخا ہمدان! میں نہیں جانتا کہ آپ کیا کہتے ہیں میں اپنے نفس کو اس قابل نہیں پاتا کہ وہ رے کی مملکت ترک کر کے غیر کے ہاتھ میں جانے دینا گوارا کرے۔ عمر بن سعد کا یہ کارنامہ بھی

اَدَبِ سِیادَت

ایک ضروری اور نازک بات خود سادات عظام کو اپنا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کے متعلق ہے

مولانا سید قمر الدین حسینی اورنگ آبادی سادات خجندی اور اجلہ اتقیا سے تھے ادائے فریضہ حج کے لئے جب مکہ معظمہ پہونچے تو وہاں کے عمائد و اعیان نے اُنکی بڑی تعظیم و تکریم کی اور ضیافت

تاریخ اسلام کے اوراق پر ہمیشہ ثبت رہیگا کہ امام اور اُنکے اصحاب کے سرہائے مبارک سنان بن انس نخعی کے ہمراہ اسی نے ابن زیاد کے پاس بھیجے تھے ؎ جامی چہ لاف می زنی از پاک دامنی + بر دامن تو ایں ہمہ داغ شراب چیست؟

۹۶ یزدجرد ثالث پسر شہریار و نبیرہ خسرو پرویز ملکۂ آرزم دخت Arzami Dakht کے عزل کے بعد ۱۱ھ (۶۳۲ء) میں تخت نشین ہوا اسی کو اہل یونان Isdigertes III لکھتے ہیں۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب کا معاصر تھا اپنے اجداد کی شان میں خواہ سلسلہ پدری میں ہوں خواہ مادری میں کوئی بے ادبانہ کلام زبان سے نکالنا خلاف آداب شرافت ہے، لیکن مورخین لکھتے ہیں اور مجھکو اُنکے الفاظ کے نقل کر دینے سے چارہ نہیں کہ "یہ شاہزادہ جتنا بدنصیب تھا اُتنا ہی کمزور و بزدل بھی" تخت پر نو سال رہا۔ یہ زمانہ تخت نشینی سے شروع ہو کر نہاوند کی لڑائی پر ختم ہو جاتا ہے جس نے ایران کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا جو اُسی تاریخ یعنی ۲۰ھ مطابق ۶۴۱ء سے اہل عرب کے تحت حکومت آگیا۔ اسکے بعد یہ بادشاہ دس سال تک آوارہ و سرگرداں پھرتا رہا۔ کوئی حکومت یا اختیار کسی قسم کا نہ رکھتا تھا۔ پہلے سیستان بھاگ کر گیا پھر خراسان کو، وہاں سے مرو۔ بالآخر مرو میں ۳۱ھ (۶۵۱ء) میں قتل کر دیا گیا۔ ساسانی خاندان کا وہ اخیر بادشاہ تھا۔ اس خاندان نے فارس میں چار سو پندرہ سال تک فرماں روائی کی۔ اسی کے عہد کے آغاز سے ایرانی سال چلتا ہے جو آج تک اُس ملک میں مروج اور اُسکے نام سے منسوب "سال یزدجردی" کہلاتا ہے۔ سہ شنبہ ۲۰ ربیع الاول ۱۱ھ (۱۶ جون ۶۳۲ء) یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے آٹھ یوم بعد سے شروع ہوتا ہے۔

نیک نفس براؤن جو عجم کی ہر ادا کا دلدادہ اور ہر فرد کا ستائشگر تھا لکھتا ہے کہ "یزدجرد جب خراسان کو بھاگا ہے تو اسکی قوت زائل ہو چکی تھی ..... یہ یزدجرد ثالث شاہانہ اور شریفانہ نسل ساسانیاں کا خاتم و آخر تھا۔ اُس نے ایک کم بخت خبیث کے ہاتھ سے جسکے دندان آز اسکے رخشندہ و درخشندہ جواہرات کو دیکھ کر تیز ہو گئے تھے یکہ و تنہا مصیبت کے ساتھ جان دی۔ اس کے پاس یہی جواہر باقی رہ گئے تھے جو اس آفت رسیدہ و خستہ حال بادشاہ کے علو مرتبت اور زوال دولت کا پتہ دے رہے تھے .... یزدجرد سوم اخیر ۶۳۲ء یا شروع ۶۳۳ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ یزدجرد اوّل کا زمانہ ۳۹۹ء سے ۴۲۰ء تک

وہمہانیان کین ۔ اتفاقاً وہان کے سرداران مین سے ایک صاحب نے جو شریف مکّہ کے مدار المہام اور سیّد بھی تھے مولانا سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور خواہش کی کہ مولانا تقدیم فرمائین ۔ مولانا نے منظور کیا ۔ ملے تو فرمایا کہ مین دو وجہ سے آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہون ۔ اولاً آپ حاکم ہین اور حکم حاکم کی اطاعت لابد ہے ورنہ مستحق تقدیم خود جناب تھے ۔ مشہور ہے کہ اَلْقَادِمُ مُیَزَّارٌ ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ شوق جس طرف سے ہوتا ہے کھینچ لاتا ہے نہ کہ بالعکس ۔ ثانیاً سادات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو نسبتین ہین ۔ ایک خاص یعنی یہ کہ وہ حضرت صلعم کے بضعہ و پارہ ہین ۔ دوسری عامہ یعنی حضرت اقدس کی اُمّت محبوبہ سے ہین ۔ پس جس طرح تمامی اُمت پر آپکے ایک پارہ کی تعظیم واجب ہے ۔ اسی طرح خود اُن پر بھی لازم ہے کہ بعض کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے ، بعض کے بضعۃ الرسول ہونے کی شان سے تعظیم کرین بلکہ ہر ایک پر یہ بھی واجب و لازم ہے کہ خود اپنی بھی توقیر و تکریم کرے تاکہ دونون حق ادا ہو جائین ۔ مولانا نے اسی سلسلہ مین یہ بھی بیان فرمایا کہ جب میرے بدن کا کوئی جزو مثلاً ناخن یا بال جُدا ہو جاتا ہے تو مین اس کو کسی پاک جگہ مین دفن کر دیتا ہون اور اُمتیت کی حیثیت سے بضعیت کا احترام کرتا ہون ۔

صاحب مرآۃ المبتدئین میر سید حسین[۵۸۶] بن سید ابراہیم ملقب بہ سید السادات ۔ کے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ "گرد و پیش خانۂ میر مردم سادات از قوم و خویشانش متوطن بودند ۔ اگر بسر بدان راہی رفت تمام قدر می خاست ۔ و اگر مرضعہ طفلے را از سادات بخدمتش می آورد تا دعا خواندہ برو دمد ، برپا خاستہ دعا می دمید ، و میر عمر بسیار یافت تا زندہ بود حالش

تک مورخین عرب کی تحریر کے مطابق تھا ۔ مورخون نے یہ سنین دہلوی نامہ شاہان ، سے نقل کئے ہین یہ سب یزدجرد کو گناہگار (اہل فارس بزہ گر) اور اعراب الآثم) لکھتے ہین ... گونیو Gobineu کا یہ لکھنا صحیح ہے کہ اہل عجم اور بعد کے فارسی مورخین آل ساسان کی فوق البشریت یعنی اُنکی الوہیت کے قائل تھے ..."

۵۸۷ سبحۃ المرجان

۵۸۶ میر سید حسین بڑے عالی شان بزرگ تھے حضرت شیخ عبد العزیز دہلوی (مدفون خالفا ، اشرف) کے شاگرد و مرید و داماد اور بڑے عالم متبحر تھے ۔ اُن کے سوانح نگار لکھتے ہین کہ اُن کے چہرہ پر سیادت

ہمین بود۔ ونیز در مجلس خاص وعام می فرمود کہ اولاد فاطمہ ہمہ مبشر بجنت اند۔ ہر چند مردم منع می کردند کہ سادات بسیار اند از عبادت باز خواہند ماند۔ این چنین گفتن مصلحت نیست۔ جواب می داد۔ اگر مصلحت نمی شد۔ نمی نوشتند۔ ما نوشتۂ آنہا را نقل میکنیم تا دم آخر ہمین کلمہ از زبانش جاری می شد"

میر سید حسین کا یہ قول کہ حضرت فاطمہ کی تمام اولاد کی شان مین جنت کی بشارت آچکی ہے حضرت شیخ محی الدین بن العربی کے مذہب کے موافق ہے جسکو فتوحات مکیہ[۵۶۹] کے اونتیسوین[۲۹] باب مین بیان فرمایا ہے۔ شیخ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ مین احادیث نبویہ اور علماء کے اقوال اس بارہ مین نقل کئے ہین ان شئت ذالك فاطلب هنالك

شیخ عبد العزیز[۹۹۰] دہلوی جو خانوادہ ہائے سہروردیہ وچشتیہ کے چشم وچراغ اور تمام امراء اعیان دولت اکبری کے مقتدا تھے بحر مواج کہلاتے، اتباع سنت سنیہ مین بالکل محو ہو چکے تھے۔ خاندان نبوت کے ساتھ اخلاص واعتقاد ہر شے سے زیادہ رکھتے تھے حتی کہ اُن کے محلہ مین بعض اہل حرفہ بھی رہتے تھے جو اپنے کو سید بناتے اور بتاتے تھے۔ شیخ صاحب جب

ونجابت کے آثار وانوار نمایان تھے۔ شیخ کو اُن کے تعلق وقرابت پر بڑا فخر تھا

[۵۶۹] فتوحات مکیہ۔ احکام شرعیہ کے اسرار اور حکم الٰہیہ کے دقائق کے بیان مین نہایت ضخیم اور لاجواب کتاب شیخ اکبر محی الدین محمد بن عربی کی تصنیف ہے۔ سارے عالم اسلامی مین شیخ کی شہرت ایک عارف حقیقی اور حکیم الٰہیات ہونے کی حیثیت سے چلی آتی ہے۔ مشرق پسند ان فرنگ پر بھی اُن کی تحریر وتقریر کا بڑا اثر ہے۔ برہون انجمانی نے کمال عقیدت واحترام کے ساتھ آپ کو بارہا یاد کیا اور آپ کی کثیر وکبیر الحجم تالیفات کا ذکر کیا ہے وہ آپ کو مغرب کا سب سے بڑا صوفی بتاتا ہے۔

سینارڈان میگوئیل آسین Senor Don Miguel Asin جو ایک کیتھولک (کلیسائے رومہ کا پیرو) پادری اور اسپین کا مشہور عربی دان محقق وپروفیسر ہے لکھتا ہے کہ اٹلی کے غیر فانی شاعر دانتے Dante نے اپنی نظم The Divine Comedy مین دنیا اور عالم معاد کی نسبت جو کچھ تخیل وتصور قائم کیا اور بنایا ہے وہ تمام تر روایات اسلامی پر مبنی اور بالخصوص حکیم ابن عربی Murcian Mystic کی تالیفات وفتوحات سے ماخوذ ومستنبط ہے۔ یہ معلومات دانتے بے برونیتو لاطینی Brunetto Latini اور دیگر ذرائع سے حاصل فراہم کی تھین

درس دینے کے لئے باہر نکلتے تو طلبہ کا ازدحام ہوتا تھا۔ اُسی حالت میں اگر لوگوں میں سے کوئی خُرد سال کھیلتا ہوا آپ کو نظر آجاتا تھا تو درس کو بے توقف روک کر کھڑے ہو جاتے۔ وہ لڑکا جب تک کھیلتا رہتا آپ بہ ادب تمام کھڑے رہتے اور اپنے قرب سے ہٹاتے نہ تھے۔ طالبعلم نہایت تنگ آگئے تو کوچہ کے سر پر نگاہبان مقرر کر دئے تاکہ کوئی بچہ ادھر نہ آنے پائے۔ شیخ کو جب یہ خبر پہونچی تو طلبا کو زجر و تنبیہ فرمائی جبتک زندہ رہے یہی کیفیت قائم رہی۔[۹۱]

ظاہر ہے کہ مختلف ذرائع و وسائل سے مختلف جماعات و طبقات بجائے خود اپنی فلاح عاقبت کی امید کرتے اور آس لگاتے ہیں کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (ہر جس فرقہ کے پاس ہے اُسی سے خوش ہے جز ۱۸ سورۃ المومنون ع ۴۔ ۴۰)

رفع دخل معتقدان ملت اور خود میر عبد الجلیل کے اسلاف کا خیال سادات کی منزلت جلیلہ اور شان مغفرت کی نسبت جو کچھ رہا ہو لیکن میر اپنے اخلاف و متوسلین کو ہمیشہ کارہائے خیر کی موعظت، امر بالمعروف و النہی عن المنکر کرتے رہتے ہیں۔ میر سید محمد کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں

"عامہ نصیحت من بشما این ست کہ بر نماز پنج وقت مواظب باشند کہ از شخصے کہ نماز نہ کند خیر و برکت دین و دنیا مسلوب است، و ہر گاہ نماز فارق[۹۲] اسلام و کفر باشد اعتناء

حسرت و افسوس ہے کہ حال میں (سید عبد الجلیل کے کتب خانہ کی) فتوحات مکیہ کا مکمل نسخہ چار جلدوں میں میرے واجب الاحترام مخدوم مولانا عبد العزیز میمن راجکوٹی کی نظر سے گذرا تھا جسکے آخر میں سید صاحب کے دستخط اُنکے قلم سے ثبت تھے۔ مالک کے انتقال کے بعد ان مجلدات کا شیرازہ بکھر گیا۔ دو جلدیں لاہور کے ایک اہل علم مسٹر محمد سلیم ایم اے کے حصہ میں آئیں جن میں دستخط مذکور موجود ہیں۔ فاضل دوست بصیر النظر پروفیسر کی رائے ہے کہ فتوحات کا یہ نسخہ دُنیا کے بہترین نسخوں میں شمار ہونا چاہیے۔

[۹۰] ۹۷۵ھ (۱۵۶۷ء) میں محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں وفات پائی عموماً خطوط و صحائف پر "ذرۂ ناچیز عبد العزیز" لکھا کرتے تھے۔ اسلئے تاریخ بھی "ذرۂ ناچیز" قرار پائی۔ شیخ عبد القادر بدایونی نے "قطب طریقت نامہ" تاریخ نکالی (خیال رہے کہ شیخ عبد العزیز جنھوں نے ۱۰۰۹ھ میں وفات پائی تھی ایک دوسرے بزرگ تھے) آئین اکبری میں شیخ کا نام "خدیو نشانین" کے ذیل میں لیا گیا ہے

[۹۱] مرآۃ المبتدین

شان صلوٰۃ ازین جا معلوم باید کرد۔ بر من بمقتضائے کریمہ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ واجب بود کہ درین باب تاکید بشما بنویسم و در عاقبت از مداہنۃ درین امر برآیم شما ہم سعادت مند اید اطاعت امر والدین کہ بنص قرآنی واجب ست البتہ خواہید کرد و بر نماز پنجگانہ مواظبت خواہید نمود۔ زیادہ درین باب مبالغہ تاکجا نویسد"

شناخت سادات

ملک العلماء قاضی شہاب الدین[۹۴] دولت آبادی دہلوی مناقب السادات مین لکھتے ہین

" امارت صحت سیادت خلق محمدی است و سخاوت ہاشمی و شجاعت حیدری۔ باید کہ صحیح النسب ازین ملکات بہرہ وافی داشتہ باشد۔ و احیاناً بحکم نفس امارہ اگر مرتکب عصیانے شود آخر کار سببی رو دہد کہ باعث نجات آخروی می گردد"۔

قاضی صاحب بڑے نامور عالم و فاضل اور شیخ طریقت گذرے ہین۔ مولانا محمد خواجگی[۹۵] دہلوی کے

---

۹۲ صحابہ پاک رضی اللہ عنہم اسی نماز کو کفر و اسلام مین ذریعہ تمیز اور نشان ایمان سمجھتے تھے۔ فاروق اعظم نے فرمایا ہے کہ من ضیع الصلوٰۃ فھو لما سواھا اضیع نماز سب سے بڑی اور بزرگ چیز ہے جسنے اسکو ضائع کردیا اس سے کسی عمل خیر کی توقع نہین"۔ خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے الصلوٰۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین (نماز دین کا ستون ہے جس نے اسکو قائم رکھا اسنے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس کو ترک کیا اس نے دین کو منہدم کردیا) دوسرے موقع پر ارشاد ہوا ہے حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ "حیات دنیوی مین مجھے تین چیزین پسند ہین ایک خوشبو۔ دوسری عورتین تیسری نماز جو میری آنکھون کی ٹھنڈک ہے"۔ شریعت اسلامی نے لازم کیا ہے کہ نماز کی پابندی کیلئے ہدایت و تاکید سات سال کی عمر سے شروع کی جائے جو حضانت (مان کا بچہ کو گود مین رکھنے) کی مدت کے ختم کا وقت ہوتا ہے۔ دس سال کی عمر مین بھی اگر پابندی نماز نہ ہو تو زدوکوب کا حکم آیا ہے۔ زمانہ بلوغ سے مدت العمر کے لئے فرض ہوجاتی ہے۔ ادائے نماز کے لیے کوئی پہلو۔ کوئی بڑا موقع کوئی مناسب وقت فروگذاشت نہین ہونے پایا ہے۔ کلام پاک مین کتنی تاکیدات ادائے صلوٰۃ کے لئے وارد ہوئی ہین احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مین کیسی کیسی خبر اور سزا بتائی گئی ہے۔ اس مین تغافل و تساہل کیسا۔

اجلّ خلفا اور قاضی عبد المقتدر شریجی[۵۹۶] اور سیّد میر اشرف سمنانی[۵۹۷] کے مایۂ ناز شاگرد تھے۔ نحو و بلاغت و تفسیر و تقسیم علوم اور تقسیم صنائع مین بڑی مستند کتابین لکھی ہین۔ سلطان ابراہیم شرقی[۵۹۸] ان کا بڑا قدر شناس اور خدمتگذار تھا۔ ملک العلماء خطاب بھی اسی نے دیا تھا۔ اس رسالہ مناقب السادات

روز محشر کہ جانگداز بود — اولین پرسش نماز بود

۵۹۳ اپنے گھر والون کو نماز کا حکم دیجئے جزء ۱۶ سورۂ طٰہٰ ع ۱۷۔ ۸

۵۹۴ ۲۵ رجب المرجب ۸۴۹ھ (۳۰ اکتوبر ۱۴۴۵ء) کو جون پور مین وفات پائی۔ ان کے حالات اخبار الاخیار و خزینۃ الاصفیاء مین ملین گے۔ انھین کی نسبت ان کے استاد شفیق قاضی عبد المقتدر کہا کرتے تھے یا یتنی من الطلبۃ من جلدہ علم و لحمہ علم و عظمہ علم

جون پور اور سلطنت شرقیہ کے سلسلہ مین شیخ ابو الفضل آئین اکبری مین لکھتا ہے۔

دانائے ہند قاضی شہاب الدین درین روزگار نامور گردیدہ نادگاہ او دولت آباد دہلی است و آن مصر جامع عقلی و نقلی علوم را گرد آوری کرد و بہنگام رسیدن صاحبقرانی بہمراہی استاد خود مولانا خواجگی کہ خلیفہ نصیر الدین چراغ دہلی است بجون پور آمدہ و آنجا نشو و نما یافت و محسود زمانیان گشت۔ شاہ مدار کہ از اولیائے ہند است و سرچشمۂ سلسلۂ معاصر او بود درین جا بہم است کہ دانش فتان ظاہر را با دیدہ وران باطن سرگرانی باشد اندیشہ مشرب خیر اندیشی تیرگی داشت۔

۵۹۵ مولانا خواجگی عالم ربانی تھے۔ عالم رویا مین شیخ نے افواج تیموری کے حملہ کی خبر پاکر دہلی چھوڑ دی تھی اور کابلی چلے گئے تھے وہین وفات پائی۔

۵۹۶ قاضی عبد المقتدر الشریجی الکندی الدہلوی بڑے عالم و فاضل گزرے ہین۔ قاضی رکن الدین کے بیٹے اور شیخ نصیر الدین محمود اودی دہلوی کے تلمیذ رشید اور مرید سعید تھے۔ اشباہ سنّت سنیہ مین اپنے استاد بزرگ کے سچے پیرو تھے۔ شیخ عبد الحق دہلوی نے ان کا قصیدۂ لامیہ اخبار الاخیار مین نقل کیا ہے۔ میر غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین انکے حالات تحریر فرمائے ہین۔ ہندوستان کے اجل منتخب علماء دین مین ان کا شمار ہے ۲۶ محرم الحرام ۷۹۱ھ (۲۵ جنوری ۱۳۸۹ء) کو اٹھاسی سال کی عمر مین رحلت فرمائی۔ آپ کی ضریح منور دہلی مین حوض شمسی کے قریب ہے۔

۵۹۷ خراسان کے مشہور قصبات مین سے کسی وقت سمنان بھی ایک نفیس مردم خیز قصبہ تھا میوہ بافراط اور انار بالخصوص بے نظیر ہوتا تھا۔ اہل تمیز سے زیادہ شعرا کے کلام اور تشبیہات مین کام آتا تھا۔ سمنان۔ بلدہ من بلاد اسی سرزمین کو ابو المکارم شیخ علاء الدولہ خواجہ رکن الدین احمد بن محمد بن احمد سمنانی کے موطن و مولد ہونے کا بھی فخر حاصل ہے۔ شیخ کا نام ان اوراق مین کئی جگہ آیا ہے۔ اسلئے مختصراً ان کا ذکر کر دینا لازم ہے آپ کا خاندان امیر کبیر تھا۔ آپ کے چچا شیخ شرف الدین سلطان ارغون خان کے ندیم و مقرب خاص تھے

محسن بن الدین خان جو زاہد الہری ذکر شیخ من ذری ان ابو۔ ذکر کہا ہے کہ محسن بن احمد ابو القاسم السمنانی مشہور بالعلم و فاضل اسی سے منسوب ہے

مین اپنی عقیدت اور اہل بیت نبوّت کے ساتھ محبّت کا بہ احسن وجوہ و اسالیب بیان کیا ہے۔ باعث تصنیف یہ تھا کہ ایک صاحب سید اجمل نام سے جو سادات مین سے تھے مجلس مُلوکی مین تقدّم و تاخّر کے سبب سے کچھ نزاع ہوگئی تو قاضی نے ایک کتاب لکھی جس مین سادات پر علماء کی

اسی تعلق سے ایام شباب مین شیخ نے بھی بادشاہی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ کچھ زمانہ تک رَے کے قاضی رہے تھے۔ اسی زمانہ کی یادگار ایک بڑی تفسیر معروف بہ "تفسیر سمنانی" تیرہ جلد مین موجود ہے۔ دُنیائے دون سے دل بیزار ہوا تو نوکری چھوڑ دی طریقت مین قدم رکھا۔ مدّت دراز تک عبادت و یاد الٰہی مین مشغول رہے۔ رُسوم صوفیہ کا احیا کیا۔ مورخین لکھتے ہین کہ جنید بغدادیؒ کے بعد شیخ سے بڑھ کر کوئی بزرگ و متقی نہین گذرا۔ محدث بھی تھے۔ فقیہ بھی۔

شیخ کے انصاف اور تواضع و فروتنی کی یہ کیفیت تھی کہ جب مولانا نظام الدین ہروی نے شیخ کی تکفیر فرمائی اور لکھ کر بھیجا کہ "تم کافر ہو" تو مولانا کا رقعہ پڑھ کر شیخ زار زار روئے اور کہا کہ "اے نفس! مین ستر برس سے تجھ سے کہہ رہا تھا کہ تو کافر ہے۔ مگر تو باور نہین کرتا تھا!! اب بھی کچھ شبہ رہا؟ اب تو مسلمانون کے امام اور شرق و غرب کے مفتی نے تیرے کافر ہونے کا فیصلہ کردیا۔ مان لے۔ اب بھی گردن جھکا دے اور محجوب نہ سنا" پھر یہ رباعی پڑھی ؎

نفسے ست مرا کہ غیر شیطانی نیست — وز فعل بدش ہیچ پشیمانی نیست
ایمانش ہزار بار تلقین کردم — این کافر را سر مسلمانی نیست

شیخ نے ستتر (۷۷) برس کی عمر پاکر شب جمعہ ۲۳ رجب ۷۳۶ھ (۸ مارچ ۱۳۳۶ء) کو بغداد مین وفات پائی۔ صاحب مرآۃ التفسیر نے سال وفات ۷۳۰ ہجری لکھا ہے۔

۵۹۵ اس ناچیز تذکرہ کے حواشی مین، ہندوستان کے سلاطین و اُمرا کے مفصل حالات لکھنے سے عموماً احتراز کیا گیا ہے۔ بیشتر اہل نظر اُن سے آگاہ و واقف ہین لیکن یہ سلطان (ابراہیم) اور اس کا خاندان (شرقی) ایسا نہین گزرا ہے جسکا مختصر تذکرہ کردینے سے بھی دریغ کیا جائے

ملک سرور خواجہ سرا کو بادشاہ دہلی نے خواجہ جہان (بابر روایت ابوالفضل) خان جہان، خطاب دیا اور وزیر مطلق مقرر کیا تھا۔ سلطان محمود جب تخت پر بیٹھا تو صوبہ جات شرقی کا گورنر بنادیا۔ کچھ دن بعد وہ خود مختار اور سلطان الشرق بن گیا۔ ۷۹۶ھ (۱۳۹۴ء) مین قنوج سے لے کر بہار تک یعنی جملہ ممالک محروسہ ہند کا نظم و نسق اُسکے عنان قدرت مین آگیا تو اُس نے "اتابک اعظم" کا لقب اختیار کیا۔ اس کا دارالحکومت جون پور تھا جس کو سلطان فیروز شاہ بارہک مرزبان دہلی نے اپنے برادر عم زاد فخرالدین محمد جونان کے نام سے ۷۷۳ھ (۱۳۷۱ء) مین آباد کیا تھا۔ شہر جون پور، تاریخی نام ہے۔ یہ خاندان ایک صدی کے قریب حکمران رہا۔

فضیلت کا ذکر تھا۔ یہ بھی لکھدیا تھا کہ علما کی فضیلت علم کی وجہ سے ہے جو عالم مین یا ہر و ظاہر ہوتا ہے سادات کی علویت کی فضیلت موہوم ہوتی ہے۔ اُس کا ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے بعد شاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کو خواب مین دیکھا کہ قاضی صاحب پر عتاب فرماتے اور سیّد اجل کے

سلطان الشرق	سولہ سال	سلطان محمود	اکیس سال چند ماہ
مبارک شاہ	اکیسال سے زائد	محمد شاہ	پانچ مہینہ
سلطان ابراہیم	چالیس برس سے کچھ زیادہ	حسین شاہ	اونیس سال
چھ کس	ستانوے سال چند ماہ		

بادشاہان دہلی سے اِن کی مخالفت علانیہ رہی۔ لیکن حریف قوی تھا اور زور آزمائی و مقابلہ دشوار۔ ۸۰۲ھ (۱۳۹۹ء) مین خواجہ جہان فوت ہوا۔ وہ بڑا دانشمند، منتظم، مدبر و منصف فرمانروا تھا۔ اُس کا پسر خواندہ اور وارث ملک قرنفل نام، مبارک شاہ کے لقب سے اورنگ نشین ہوا۔ اس کا عہد مختصر اور نامتاز تھا۔ ۸۰۴ھ (۱۴۰۱ء) مین اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم شاہ (برادر زادہ خضر خان) اِس کا جانشین ہوا۔ ابراہیم اور اُسکے اخلاف بڑے صاحب خیر اور مُربّی علوم و فنون اور قدردان کمال ہنر تھے۔ اپنے قلمرو مین بڑی بڑی مسجدین، عظیم الشان مقبرے اور بلند و محکم قلعے اپنی یادگار چھوڑ گئے ہین۔ ابراہیم کی دیرینہ آرزو ۸۱۰ھ (۱۴۰۷ء) مین برآئی۔ اس نے قنوج، سنبھل اور برن (بلند شہر) پر قبضہ کرلیا۔ دہلی پہونچنے کے قریب تھا کہ مظفر شاہ اول والی گجرات کے حملہ اور ہوشنگ شاہ فرمانروائے مالوہ کی شکست کی خبر ملی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح مند مظفر کا قدم اب جون پور کی طرف بڑھنے والا ہے۔ چار ناچار اپنے مفتوحات جدیدہ سنبھل و برن کو چھوڑ کر ابراہیم اپنے دارالملک کو واپس آیا۔ ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) مین خضر خان کو دہلی مین اختیار کامل اور اقتدار تام حاصل ہوگیا تو ابراہیم کو اُس جانب کے خطرات اور اندیشون سے برائے چندے اطمینان ہوا۔ ۸۳۱ھ (۱۴۲۷ء) مین وہ کالپی پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا لیکن مبارک شاہ نے مزاحمت کی (جو ۸۲۴ھ (۱۴۲۱ء) مین خضر خان کا جانشین ہوا تھا) اُس نے پھر ۸۳۶ھ (۱۴۳۲ء) مین حملہ آور ہونا چاہا مگر ناکام رہا۔ بنگال اور دیگر ممالک متصلہ پر بھی فوج کشی کی تھی۔ ۸۴۴ھ (۱۴۴۰ء) مین ابراہیم اس جہان ناپائدار سے رخصت ہوا۔ یہ بڑا اولوالعزم صاحب حوصلہ اور قدر شناس بادشاہ تھا۔ اس کا بنوایا ہوا حمام شہر جون پور مین اب تک باقی و محفوظ ہے جو ۸۱۱ھ (۱۴۰۸ء) مین مکمل ہوا تھا۔ اُسی کے عہد مین مسجد (دریبہ) اسکے دو امیرون نے تعمیر کرائی تھی اور جھنجری مسجد بھی، جس کا کچھ حصہ اب باقی رہ گیا ہے جون پور کی سجد جامع (جس کا تاریخی نام "مسجد جامع الشرق" ۸۵۲ھ (۱۴۴۸ء) ہے) کی تعمیر بھی اسی خاندان کے دست دریا نوال کی منت گزار ہے۔ اسکی تجویز خود ابراہیم نے کی تھی، نقشہ بھی بنادیا تھا۔ مگر یہ شرف اسکے پوتے حسین شاہ کے مقدر مین تھا کہ دادا کے ارادے کو پورا کیا

استرضاء کی تحریص کرتے ہین علی الصباح، قاضی صاحب جیسے ہی خواب راحت سے بیدار ہوئے تو سید صاحب کی خدمت مین پہونچے۔ توبہ کی۔ اور اپنی کتاب دریا مین ڈال دی اور بلا خوف لومۃ لائم اپنی شرافت نفس و کرامت طبع سے اُس کے بجائے یہ رسالہ محامد و صفات سادات مین تالیف فرمایا۔

سادات حسینی کی شناخت کی نسبت ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی نے بھی ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کے ماننے مین دور حاضرہ کے فلسفی الطبع حضرات کو شاید تامل ہو یا اسکو اتفاقات و واردات ہنگامی پر محمول کرین مگر یہ ایک واقعہ ہے جسکو ایسے بڑے محقق اور نقاد مورخ نے بقائے عالم تک صفحہ ہستی پر ثبت رہنے کے لئے سپرد قلم کر دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک عورت نے شریفہ[۵۹۹] یا سیدانی ہونے کا دعوے کیا۔ خلیفہ عہد متوکل علی اللہ بن معتصم نے امام زمن علی ہادی ابوالحسن نقی العسکری سے اسکی صحت و تصدیق (یا جانچ اور تشخیص) کی درخواست کی حضرت تشریف لائے اور سریر خلافت پر متوکل کے برابر بیٹھے۔ اور فرمایا کہ اس کو درندون کے سامنے ڈال دیا جائے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ لُحُمَ اَوْلَادِ الْحُسَیْنِ عَلَی السِّبَاعِ اگر یہ واقعی سید زادی ہے تو اسکو جانورون سے گزند نہ پہونچے گا۔ یہ سُن کر عورت گھبرائی اور اپنے کذب کا اقرار کیا۔ حاشیہ بوسان بساط خلافت نے متوکل سے عرض کیا کہ حضرت کے اس قول کا تجربہ تو کسی طرح کر لیا جائے اس مقصد سے چند درندے صحن قصر مین لاکر چھوڑ دئے گئے۔ اور امام ہمام حسن عسکری سے تشریف آوری کی خواہش کی گئی حضرت اندر آگئے تو دروازہ بند کر دیا گیا۔ جانورون کے شور و غوغا سے کانون

قنوج کی جامع مسجد بھی ابراہیم کے عہد ہمایون کی باقیات صالحات سے ہے۔

۵۹۹ اٹھارہوین صدی مسیحی کا مشہور مصنف و مترجم رے مان فرانسیسی عرف حاجی مصطفےٰ و ترجمہ سیر المتاخرین جلد اوّل، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۰۲ء عیسوی شمارہ ۱۰۸ و ۲۲۷ میں لکھتا ہے کہ سید و شریف و وجداگانہ اصطلاحین ہین عُرف عام مین سید کا اطلاق اُس شخص پر ہوتا ہے جس کا باپ سید یعنی حسنؑ یا حسینؑ کی نسل سے ہو، مان خواہ کچھ ہی ہو۔ اسیطرح شریف وہ کہلاتا ہے جس کا باپ غیر سید ہو مگر مان سیدانی (سیدہ) ہو۔ کم از کم ہندوستان مین (آج سے دو صدی پیشتر) ان کلمات کا یہی مفہوم تھا۔

پردے پھٹے جاتے تھے لیکن جس وقت امام عالی مقام نے صحن سے زینہ پر قدم رکھا تو سب کے سب آپ کے نزدیک آکر خاموش ہو گئے اور دُم ہلا ہلا کر گرد پھرنے لگے حضرت نے اپنی آستین سے اُن کو مسح فرمایا تو وہ بیٹھ گئے۔ آپ کچھ دیر تک متوکل کے پاس بیٹھ کر نہضت فرما ہوئے۔ اُترے تو اُن جانوروں کا حال اور طریق عمل اُسی طرح تھا حتیٰ کہ آپ قصر شاہی سے باہر تشریف لے گئے۔ خلیفہ پر اس واقعہ کا بڑا اثر ہوا۔ اُس نے جائزہ عظیم پیش کیا۔ اہل دربار نے متوکل سے گزارش کیا کہ جیسا حضور کے ابن عم نے کیا ہے خود بھی تو آزمائش کریں۔ ایسی جسارت کون کر سکتا تھا؟ متوکل گھبرایا اور بولا کہ تم مجھے ہلاک کرا دینا چاہتے ہو۔ پھر حکم دیا کہ خبردار! یہ راز ہے، فاش نہ ہو۔

بعض حفاظ و رواۃ نے اس واقعہ کو سیدنا محمد جواد بن علی رضؑ کے متعلق بتایا اور حضرت کے احوال کے ذیل میں نقل کیا ہے مگر صحیح و معتبر یہی ہے کہ یہ قصہ امام علی ابوالحسن عسکریؑ کا ہے جو آپ کے فرزند تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ متوکل کے معاصر امام محمد جوادؑ نہ تھے، بلکہ حضرت علی ہادیؑ تھے مؤلف کتاب خرایج الجرائح کا بیان ہے کہ جمیع سباع و وحوش ائمہ معصومین علیہم السلام کے رام و تابع احکام تھے۔

سادات حسینی

میر عبدالجلیل (بلکہ تمام سادات حسینی) کے نسب کے متعلق چند ضروری باتیں قابل تحریر ہیں۔

جدِ امجد یا ابوالآبا سیدنا حسین سبط علیہ السلام ہیں جو امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دوسرے فرزند تھے اور ائمہ اثنا عشر میں تیسرے (امام)۔ آپ کی ولادت منتصف ماہ رمضان ۳ھ میں (۲ مارچ ۶۲۵ء کو) ہوئی بالقول دیگر ۴ یا ۵ شعبان ۴ھ (۱۰ جنوری ۶۲۶ء) کو حضرت کے مناقب و فضائل نہ صرف ہر مسلمان جانتا ہے۔ بلکہ اکثر ممالک کے ادیان و ملل غیر کے باخبر لوگ بھی اُن سے آگاہ ہیں۔ دنیائے اسلام میں سال اسلامی (ہجریہ) کے آغاز پر

کربلا کا دردناک واقعہ سنایا جاتا اور اُس کے خونین منظر کا نقشہ عالم کو دکھایا جاتا ہے۔ امام حسینؑ ۱۰ محرم ۶۱ھ (۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء) کو بروز جمعہ چھپن ستاون سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آپ کی شہادت کے متعلق تفصیلات صحیح کتب مقاتل و شہادت میں موجود اور تقریباً ہر ایک پڑھے لکھے مسلمان کو معلوم ہیں۔ نقل و اعادہ کی حاجت نہیں۔

حسین بن علی علیہما السلام کے چھ لڑکے اور تین بیٹیاں تھیں۔ اِن کے نام اہل سیر نے یہ بتائے ہیں۔

۱۔ علی بن حسین اکبر۔ اِن کی ماں لیلیٰ بنت مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ شہادت پائی۔

۲۔ علی بن حسین اوسط۔ جن کا لقب زین العابدین اور کنیت ابو محمد تھی۔ آپ شاہ زنان بنت کسریٰ نوشیروان کے بطن سے تھے۔

۳۔ علی بن حسین اصغر۔ میدان کربلا میں تیر لگا۔ شہید ہوئے۔

۴۔ جعفر بن حسین۔ آپکی ماں رضاعہ تھیں۔ اپنے والد ماجد کی حیات میں وفات پا گئے۔ نسل باقی نہیں ہے

۵۔ محمد بن حسین۔ نوعمر وفات حیات پدر میں پائی

۶۔ عبد اللہ بن الحسین صغیر السن تھے باپ کے ہمراہ کربلا میں تھے کہ ایک تیر آکر لگا اور جام شہادت پلا گیا

۷۔ سکینہ۔ اِن کی (اور عبد اللہ دونوں کی) ماں رباب دختر امرء القیس بن عدی کلبیہ تھیں، مدینہ میں پنجشنبہ ۵ ربیع الاول ۱۱۷ھ کو وفات پائی۔ آمنہ و امینہ بھی نام تھے سکینہ ماں نے نام رکھا تھا۔

۸۔ فاطمہ۔ اِن کی ماں ام اسحق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمیہ تھیں

۹۔ زینب۔

جدّہ ماجدہ

حضرت شہر بانو یزدجرد سوم بادشاہ اخیر ساسانیان کی دختر تھیں۔ اِن کی مبارک

ذات مین تمام شاہانہ اوصاف اور شریفانہ خوبیان مجتمع تھین۔ خاندان نبوّت سے آپ کی قرابت، دونون مین سے کسی کی شان و مرتبہ سے فروتر نہ تھی۔ اسی بانوئے محترم کی بدولت سادات حسینی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ ایک ہی وقت مین اولاد رسولؐ بھی ہین اور خاندان ساسان کے احفاد (نواسے) بھی۔

قاضی القضاۃ احمد بن خلکان لکھتے ہین کہ حضرت امام زین العابدین ابن الخیرتین بھی کہلاتے تھے۔ اس لئے کہ حضرت رسول اکرم سیّدِ ولدِ آدم روحی فداہ کا قول گرامی تھا۔ اللہ تعالےٰ من عبادہ خیرتان فخیرت من العرب قریش ومن العجم فارس۔

قاضی نور اللہ مجالس مین تحریر کرتے ہین۔

نظر بہین نکتہ است کہ ایرانیان علی زین العابدین، فرزند ارجمند امام حسین را کہ از شہر بانو بود فخر العرب والعجم می گفتند، چہ نسبت او از طرف پدر بہ بزرگ ترین عرب کہ پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) بود می رسید، و از طرف مادر بہ نجیب ترین سلاطین روئے زمین، یعنی بادشاہان عجم منتہی می گردید۔"

یہ مسئلہ[1] ہنوز غیر متفق علیہ ہے کہ آیا حضرت شہر بانو کی شادی ہوئی بھی تھی یا نہین شیعون نے تو اس کو صدیون سے تسلیم کر رکھا ہے (کہ نکاح ہوا تھا) مصنفین متقدمین مین سے صرف امام یعقوبی اس کا حوالہ دیتے ہین جو نوین صدی مسیحی کے آخر مین ایک مشہور عربی مورخ گذرے ہین۔ وہ حضرت امام حسین کی شہادت کا تبصرہ نہایت الم انگیز الفاظ مین کرتے ہوئے اس تذکرہ کو یون ختم کرتے ہین

"حسینؑ کے لڑکون مین ایک تو علی اکبر تھے جو الطف[2] مین شہید ہوئے اور کوئی اولاد

---

[1] از تاریخ ادبیات ایران مصنفہ براؤن A Literary History of Persia, By Edward G. Brown (1909).

[2] طف جانب و شاطی کو کہتے ہین اور اونچی زمین کو بھی۔ اور عرب کا وہ حصہ جو عراق کی مزروعہ اراضی کی سرحد پر واقع ہے۔ یہین کوفہ کے پاس ایک گانون کا نام بھی ہے۔ وہ جگہ جہان امام ہمام شہید ہوئے تھے طف اسلئے

نہین چھوڑی ان کی مان لیلے بنت ابو مرہ بن عروہ بن مسعود الثقفی تھین۔ دوسرے علی اصغر جنکی والدہ حرار[1] یا سلافہ[2] (دختر یزدگرد) تھین اور جن کو حسین غزالہ (ہرنی) کہا کرتے تھے۔

بعض مصنفین و سیرت نویسان نے شہر بانو کے علاوہ آپ کے دو لقب اور بھی لکھے ہین (۱) السلافہ (۲) شاہ زنان یعنی ملکۃ النساء۔ اہل ایران آجکل عموماً شہر بانو کہتے ہین۔

جناب شہر بانو کی محبت و عظمت نہ صرف ان کے اہل وطن بلکہ تمام مسلمانون کے دل مین راسخ و جاگزین ہے۔ طہران کے جنوب مین تین چار میل پر ایک پہاڑ آپ کے نام سے منسوب یعنی "کوہ بی بی شہر بانو" سے موسوم ہے۔ اس پر کوئی مرد قدم رکھ کر اس کی بزرگی و پاکیزگی کو زائل نہین کر سکتا۔ وہی بی بیان اسکی زیارت کرنے جاتی ہین جن کو اپنی حاجت روائی یا کاربرآری کیلئے بارگاہ خداوندی مین کسی کو شفیع لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شہر بانو اس دردخیز تعزیہ و مرثیہ کی جان (ہیروین) ہین جو ایران کے شہرون، قصبات اور بستیون مین سال بہ سال احیا کیا جاتا ہے۔ آنسو بہانے والے ماتمگسارون اور تماشائیون کے انبوہ کثیر انکو گھیرے ہوتے ہین۔ ایک ڈراما "تعزیہ غائب شدن شہر بانو" The passing of Shahrbánú کے نام سے ۱۳۱۴ھ ہجری مین طہران مین شائع ہوا تھا اسکے صفحات مین آپ یون گویا نظر آتی ہین[5]

ز نسل یزدجرد شہریارم	ز نوشروان بود اصل تبارم
دران وقتے کہ بختم کامران بود	بدان شہرے ام اندر مکان بود
شبے رفتم بسوئے قصر بابم	بیامد حضرت زہرا بخوابم
بگفت "ای شہر بانو! با صد آئین	ترا من بر حسین آرم بہ کابین"
بگفتم "من نشستہ در مداین	حسین اندر مدینہ ہست ساکن"

کہی جاتی ہے کہ وہ فرات کے متصل ایک طرف کو بردختگی ہے

[1] بندہ آزاد شدہ [2] فشارہ انگور

"محال است این سخن"؟ فرمود زہرا — "حسن آید بہ سرداری در این جا
تو می گردی اسیر، اے بے قرینہ — برندت از مداین در مدینہ
بہ فرزندم حسین پیوند سازی — مرا از نسل خود خورسند سازی
ز نسلت نہ امام آید بہ دوران — کہ نبود مثل شان در دار دوران"

درۃ التاج رسالت کا یہ ارشاد پورا ہوا اور جناب شہربانو کو امامون کی مان ہونیمین۔ چوتھے امام سے لے کر بارھوین امام تک آپکے بطن مطہر سے ہین۔ بہ تفصیل ذیل

(۱) سیدنا علی بن حسین ملقب بہ زین العابدین پنجشنبہ (یا جمعہ) ۵ شعبان ۳۸ھ (۱۵ جنوری ۶۵۹ء) کو بمقام مدینہ اپنے جد امجد علی بن ابی طالب کی حیات مین متولد ہوئے۔ ۱۲ محرم ۹۴ھ (۱۹ اکتوبر ۷۱۲ء) کو مسموم ہوکر بعمر ۵۷ سال وفات پائی۔ مدفن مدینہ منورہ، بقیع مبارک قبہ عباس متصل قبر حسن بن علی عم خود۔ ولید بن عبد الملک نے زہر دلا دیا تھا۔

(۲) سیدنا محمد باقر بن زین العابدین۔ متولد ۳ صفر ۵۷ھ (۱ دسمبر ۶۷۶ء) مدینہ متوفی ۲۳ صفر ۱۱۴ھ (۲۵ اپریل ۷۳۲ء) بعمر ۵۸ سال مسموم بمقام حمیمہ۔ نعش شریف مدینہ آئی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئی۔

---

۱۰۴ مداین، مدینہ کی جمع ہے۔ مدینہ عربی زبان مین شہر کو کہتے ہین۔ لیکن یہان 'مداین' سے (Ctesiphon) یعنی ساسانیون کا قدیم دارالملک (کلدانیہ Chaldaea کا) مراد ہے اسکی وجہ تسمیہ عرب جغرافیہ نویس یہ بتاتے ہین کہ سات شہرون (مداین) کو ملاکر اُن کی آبادی کو یکجا کردیا گیا تھا اسکو دام البلاد (شیخ البلاد) رے Ray سے (جو طہران حال کے متصل قدیم Rhagae ہے) اور اصطفان سے ممتاز رکھنا چاہیئے۔

یہ مداین جو کسی وقت ارض بابل کا سب سے بڑا اور قدیم شہر تھا۔ اب ویران پڑا ہوا ہے اور شہر حلہ کے توابع (پرگنہ) مین شمار ہوتا ہے۔ اس کے ویرانون مین وہ کنوان بھی ہے جسمین ہاروت و ماروت کا بند ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

وہ فلک پیما قصر جس مین شاہزادی نے یہ خواب دیکھا تھا ایوان کسریٰ کہلاتا ہے۔ مورخ اس اینٹ چونے کی عمارت کو بدیع المثال لکھتا اور اسکے ارتفاع و استحکام و استواری کی ستایش کرتا ہے لیکن اُسکی غیر فانی شہرت و بقا اور لازوال عظمت کا راز نکتہ شناس و ادب آموز فلسفی کچھ اور بتاتا ہے ؎

(۳) سیدنا جعفر صادق بن محمد باقر۔ ولادت، مدینہ، ۸ رمضان سہ شنبہ قبل طلوع آفتاب ۸۰ھ (جو سال سیل الجحاف[۱۰۵] کہلاتا ہے)، (۹ نومبر ۶۹۹ء)۔ انتقال ۱۵ رجب ۱۴۸ھ (۷ ستمبر ۷۶۵ء) بعمر ۶۸ سال مسموم۔ مدفن بقیع مذکور،

(۴) سیدنا موسیٰ کاظم بن جعفر صادق۔ ولادت سہ شنبہ قبل طلوع فجر بمقام ابواء، مابین مکہ و مدینہ، ۱۲۸ھ (۷۴۵ء)، وفات جمعہ ۲۵ رجب ۱۸۴ھ (۲ ستمبر ۷۹۹ء) بعمر ۵۵ سال مسموم۔ مدفن بغداد باب التبن، مقابر شونیزیہ۔ خارج قبہ

(۵) "جد المقبول" سیدنا علی الرضا بن موسیٰ کاظم۔ تولد ۷ شوال ۱۵۱ھ (۲۶ اکتوبر ۷۶۸ء) مدینہ۔ وفات آخر صفر ۲۰۳ھ (۷ ستمبر ۸۱۸ء) یا ۹ صفر ۲۰۵ھ (۲۶ جولائی ۸۲۰ء) مسموم بعمر ۵۵ سال مدفن قریہ سناباد رستاق از اعمال طوس، خراسان، حال معروف بہ مشہد مقدس۔

(۶) سیدنا محمد جواد بن علی رضا تقی۔ ولادت ۱۹ رمضان ۱۹۵ھ (۷ جون ۸۱۱ء) مدینہ۔ وفات آخر ذی قعدہ ۲۲۰ھ (نومبر ۸۳۵ء) مدفن مقابر قریش متصل مرقد جد خود موسیٰ کاظم شہر بغداد مسموم بعمر ۲۵ سال چند ماہ۔

(۷) سیدنا علی الہادی بن محمد الجواد بن علی رضا ابوالحسن عسکری نقی۔ ولادت ۱۳ رجب ۲۱۴ھ (۱۷ ستمبر ۸۲۹ء) مدینہ وفات، دوشنبہ، ۲۵ جمادی الاولیٰ ۲۵۴ھ (۲۲ مئی ۸۶۸ء) بمقام سرمن رائے معروف بہ عسکر، مسکن خود مدفن مسموم بعمر ۴۰ سال۔

(۸) سیدنا حسن خالص بن علی الہادی بن محمد جواد۔ ولادت ۸ ربیع الثانی ۲۳۲ھ (۲ دسمبر ۸۴۶ء) مدینہ وفات سرمن رائے۔ روز جمعہ ۸ ربیع الاولیٰ ۲۶۰ھ (۳ جنوری ۸۷۴ء) بقضائے الٰہی

جز اے حسن علی بین کہ روزگار ہنوز — خراب می نکند بارگاہ کسریٰ را

۱۰۵ یثرب قدیم، جب سے رسول پاک صلعم ہجرت فرما کر تشریف لے گئے تھے "مدینۃ النبی" کہلاتا ہے یا صرف "مدینہ"

۱۰۶ سیل جحاف۔ جس نے زمین کو کھود ڈالا اور جو کچھ پایا بہا لے گیا تھا۔

(۹) محمد بن الحسن الخالص بن علی الہادی ابوالقاسم مہدی۔ آخر ائمہ اثنا عشر (حسب مذہب امامیہ) ولادت شب جمعہ نصف شعبان ۲۵۵ھ (۳۰ جولائی ۸۶۹ء)۔ محرم ۲۶۵ھ (۱۰ ستمبر ۸۷۸ء) کو بروز جمعہ یا ۲۶۶ھ مین (۳۰ اگست ۸۷۹ء) کو بعمر نو سال سرداب سرمن رائے مین غائب ہو گئے۔ حسب روایت ابن الازرق صاحب تاریخ بافارقین آپ کی ولادت ۱۹ ربیع الاول ۲۵۸ھ (۴ فروری ۸۷۲ء) کو ہوئی تھی۔

[اعلام۔ ائمہ طاہرین کی ولادت و وفات کی تاریخین عموماً مختلف فیہ ہین۔ اختلافات روایات و بیانات کو نقل کرنے کے بجائے مین نے اصح اور زیادہ معتبر تاریخون کو درج کر دیا ہے]

باز آمد۔ پروفیسر براؤن لکھتے ہین کہ "چند سطر آگے چل کر وہ فقرہ آجاتا ہے جس سے ایرانیون کا تنفر حضرت عمر سے اور محبت حضرت علی سے خصوصیت کیساتھ پائی جاتی ہے" اور جس کا بیان نقل کر دینا بے محل اور غیر مناسب معلوم نہین ہوتا۔ "حضرت شہربانو مدینہ منورہ مین ایک محافہ کے اندر لائی جاتی ہین جیسا کہ ایک بادشاہزادی کی شایان شان تھا۔ شجاع ابن شجاع حضرت حسن انکو ساتھ لے کر آتے ہین۔ شاہزادی کی تکالیف کا دور یہین سے شروع ہو جاتا ہے" وہ فرماتی ہین ؎

ولے چون شد مدینہ منزل ما — غم عالم فزون شد در دل ما
یکے گفتہ کہ این دختر کنیز است — یکے گفتہ بہ شہر خود عزیز است
بمسجد مرد و زن در بام محضر — مرا نزد عمر بردند مادر
کلامے گفت کز او در خروشم — بگفت این بیکسان را می فروشم
علی جدت چو بر آمد خروشان — بگفتا لب بہ بند اے شاہ دوران
نشاید بردن ای میر وفادار — بزرگان را سر عریان بہ بازار
پس از آن خواری اے نور دو عینم — بہ بخشیدند بر بابت حسینم

اسی واقعہ کو امام ابوالقاسم زمخشری ربیع الابرار مین اور قاضی فقیر محمد فرید پوری جامع التواریخ مین اپنے اپنے الفاظ مین تحریر کرتے ہین کہ جب صحابہ پاک سبی (سندے) فارس کو عہد عمر بن الخطاب

۵۱۰۷ و ۵۱۰۸ اصل مین گستاخانہ الفاظ تھے۔ مین نے فرط ادب و احترام سے بدل دیے ہین۔

مین آستانہ خلافت پر لے کر آئے تو اُن مین یزدجرد بن شہریار بن خسرو کی تین بیٹیان بھی تھین۔ اور بندیان فروخت ہو چکین تو ان دختران یزدجرد کی نوبت آئی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کو بھی فروخت کردو حضرت علی مرتضیٰ نے ٹوکا ان بنات الملوک لا یعاملن معاملۃ غیرھن من بنات السوقۃ حضرت عمر نے پوچھا پھر ان کا کیا کیا جائے فکیف الطریق الی العمل بھن فرمایا کہ ان کی قیمت مقرر کرا دیجئے۔ قیمت ٹھہر جائے تو جو کوئی ان کو پسند کرے لے لیوے۔ چنانچہ قیمت تشخیص ہو گئی تو خود حضرت علی نے تینون کو لے لیا۔ سب سے بڑی مہر بانو محمد بن ابی بکر صدیق کو مرحمت فرمائی (ان سے قاسم پیدا ہوے) مجھلی ماہ بانو عبداللہ بن عمر فاروق کو عنایت کی (اُن سے سالم متولد ہوئے) اور چھوٹی شہر بانو حسین بن علی مرتضیٰ کو عطا کی (جن کے بطن سے امام زین العابدین تھے)۔ [یہ تینون حضرات بنو خالہ (خالہ زاد بھائی) ہین] چنانچہ ابن عمر بھی اس واقعہ کی تصدیق کرتے اور صحیح بتاتے ہین۔ کتاب الکامل مین مبرد نے اور کتاب المعارف مین ابن قتیبہ نے یہی روایت کی ہے۔

وسیلۃ السعادات سیدۃ السادات سلسلۂ کلام یون جاری فرماتی ہین ؎

حسین کردہ وصیت بر من زار — نہ مانم در میان آل اطہار
اگر مانم اسیر و خوار گردم — برہنہ سر بہر بازار گردم
تو چون ہستی امام و شہریارم — بدست تست مادر اختیارم
اگر گوئی روم در دست جانم — صلاحم گر نمی دانی بمانم

مورخین اور علمائے انساب کا اتفاق ہے کہ باوجود اتنی اولاد کے (جنکے نام جد امجد کے ذیل مین گذارش کر چکا ہون) آج روئے زمین پر حضرت حسین کا نام صرف سیدنا علی بن حسین اوسط ملقب بہ زین العابدین امام رابع سے زندہ اور انھین کے اعقاب سے باقی ہے لم یکن علی وجہ الارض حسینی الا من نسلہ (زین العابدین)

مقبول ناچیز بھی حضرت زین العابدین سید الساجدین کی آل سے ہے اللھم غفراً ووفاۃً

علی الایمان والاسلام

حضرت زین العابدین کی کُنیت ابوالحسن و ابومحمد تھی۔ آپ کی شان مین فرزدق شاعر کا (۲۸ شعر کا) فصیح و بلیغ قصیدہ شہرۂ آفاق ہے جو اُس نے طواف بیت اللہ مین استلام (بوسہ دینے) حجر اسود کے وقت ہشام بن عبدالملک کے طعن پر کہا تھا ؎

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته — والبیت یعرفه والحلُّ والحرمُ

هذا ابنُ خیرِ عبادِ اللهِ کلِّهم — هذا التقی النقی الطّاهر العلم

آپ کی اولاد مین ذکور و اناث پندرہ نفوس تھے۔ گیارہ پسر

(۱) محمد مکنی بہ ابی جعفر ملقب بہ باقر۔ فاطمہ (ام عبداللہ بن) بنت امام حسن کے بطن سے۔ اسلئے ایک ہاشمی تھے دو ہاشمیین سے اور ایک علوی دو علویین سے۔

(۲) زید[۱۰۹] } ان دونون کی مان اُم ولد تھین

(۳) عمر

---

۱۰۹ حضرت زید شہید کوفیون کے وعدون اور باتون اور اُن کے دام فریب مین آگئے اور خلق اللہ کو صلائے بیعت دی تھی۔ چالیس ہزار نے بیعت کی اور پھر بھر گئے بیعت شکست کردی، زید نے اس جماعت سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا "رفضتمونی" اسی لئے بعض عوام گروہ شیعہ کو رافضی کہنے لگے۔ بالآخر اول صفر ۱۲۲ھ (۱۰ جنوری ۷۴۰ء) کی شب مین آپ نے صرف پانچ سو رفقاء کے ساتھ خروج کیا۔ یوسف بن عمرو والی کوفہ نے مدافعت کی۔ اثنائے محاربہ مین ایک تیر آپ کے آکر لگا اور درجہ شہادت پر پہونچا دیا

زید نے اپنے پدر عالی مقام امام زین العابدین سے دربارہ خروج مشورہ کیا تھا آپ نے روکا اور فرمایا "مجھے اندیشہ ہے کہ کہین تم مقتول و مصلوب نہ ہو تم کو معلوم نہین کہ سفیانی کے خروج سے پہلے ولد فاطمہ سے جو کوئی خروج کرے گا قتل ہوگا" فکان کما قال

حمیری نے کتاب الدلائل مین لکھا ہے کہ ایکبار زید بن حازم ہمراہ باقر علیہ السلام کے تھے۔ (وہ کہتے ہین کہ) اسنے مین امام کے بھائی زید بن علی بھی وہان سے گذرے۔ امام نے زید بن حازم سے کہا کہ تم نے ان کو دیکھا۔ یہ کوفے مین خروج کرین گے۔ لڑین گے۔ اور انکا سر گنت کرایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوکر رہا واضح رہے کہ خاندان طاہرہ نبوت مین زید نام کے کئی اور ممتاز حضرات گزرے ہین۔ ایک زید

(۴) عبد اللہ (۵) حسن مثنی (۶) حسین	ان سب کی مان بھی ام ولد تھین
(۷) حسین اصغر (۸) عبد الرحمن (۹) سلیمان	ایضاً
(۱۰) علی۔ یہ ساری اولاد مین چھوٹے تھے	ان کی مان ام ولد تھین
(۱۱) خدیجہ (۱۲) فاطمہ (۱۳) علیہ (۱۴) ام کلثوم	اور چار دختر ایضاً

(۱۵) گیارھوین فرزند کا نام محقق نہین ہے، اکثر مورخین خاموش ہین صاحب جامع التواریخ "الاشرف" لکھتے ہین۔

خاندان، نسب و اسلاف

میر عبد الجلیل نے اپنے نسب و اسلاف کے بیان مین ایک قصیدہ لکھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُس مین اپنے شاعرانہ کمال اور علم و بلاغت کی داد دی ہے۔ اگرچہ اس کا نقل کرنا اطناب سے خالی

بن حسن جنکے باپ امام حسن تھے اور والدہ ام بشر بنت ابی مسعود عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ تھین، حضرت زید متولی صدقات رسول اللہ صلعم تھے اور جن سے (اور جن کے بھائی حسن بن حسن رضؓ سے) امام کی اولاد کا سلسلہ چلا انکا انتقال نوے سال کی عمر مین ۱۲۰ھ (۱۳۸ء) مین ہوا تھا۔ زیدی شیعہ جنکا اعتماد امامت مین نصوص پر ہے انھین کا اتباع کرتے اور بعد علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے امامت مین دعوت و جہاد کی رعایت کرتے ہین۔ دوسرے زید بن موسیٰ برادر عمزاد حضرت علی الرضا تھے جنھون نے مامون الرشید پر خروج کرنا چاہا تھا لیکن حضرت نے روکا اور سمجھا دیا تھا یہ بھی بڑے اولوالعزم تھے۔

نہ تھا لیکن مناسبت محل و سلسلۂ تحریر سے اس کا ترک بھی مذاق سلیم سے مستبعد نظر آیا۔ معہذا اطلاع اسمار و احوال آبا و اجداد کے لئے یہ ایک روشن آئینہ ہے ؎

مائیم نخل سبز ریاض پیمبری — احسان ماست بر ہمہ از سایہ گستری
نخلے کہ اصل ثابت او ختم انبیاست — فرعش گذشت از سر این چرخ چنبری
آن ختم انبیا کہ بتول است دخترش — آرایش منصہ پاکیزہ گوہری
آن دختر نبی کہ بود شوہرش علی — دریائے فیض ساقیِ صہبائے کوثری
فرزند اوست خامس آل عبا حسین — فرمود در محیط شہادت شناوری
سجاد آنکہ آدم آل حسین بود — ایزد نصیب دشمن او کرد اختری
زید شہید مصحف اسرار اہلبیت — پیداست از مناقب او شان حیدری
عیسیٰ کہ شد بموتم اشبال مشتہر — کردے شکار شیر ز روئے دلاوری
سید محمد آنکہ جہان راز خلق او — پیچید در دماغ نسیم معطری
سید علی کہ بر در عالم پناہ او — کیوان ستادہ است بہ عنوان قنبری
سید حسین شمسۂ ایوان مکرمت — روح الامین کند بر دلقش کبوتری
سید علی عراقی کز فیض مقدمش — خاک عراق یافتہ از عرش برتری
سید حسن کہ اختر اوج سیادت است — کسب سعادت از نظرش کرد مشتری
سید علی کہ دشمن شوریدہ بخت را — سازد کباب آتش خورشید محشری
شادابی بہار گلستان خلق زید — می کرد در تحفظ دلہا صنوبری
سید عمر کہ سرور عالی مقام بود — در بزم او ہمیشہ فلک گرم مجمری
زید سوم کہ خسرو اقلیم فقر بود — کردے ز روئے آئینۂ دل سکندری
یحییٰ کہ در ریاض صفات کمال او — یک شہر چشم حیرتیان کرد عبہری
سید حسین منتخب دودۂ شرف — باشد چراغ انجمن افروز مہتری

داود آنکه دشمن فولاد جسم را — چون موم نرم ساخت ز دست بهادری
والاگهر ابوالفرح واسطی که شست — از آب ذوالفقار بسی نقش کافری
سید ابوالفراس که هنگام کارزار — آمد ز دست او همه کار غضنفری
ثانی ابوالفرج که بآئین جد خویش — روز نبرد شیر نیستان صفدری
سید حسین صاحب شمشیر خونچکان — با قلب دشمنان بکهش کرد خنجری
سید علی که صارم خارا شگاف او — چون ذوالفقار دم زده از فتح خیبری
جد کلان محمد صفری که تیغ او — بر بلگرام یافته فتح مظفری
مفتوح گشت در زمن شاه التمش — تاریخ آن ز لفظ "خداداد" بشمری
در سال شش صد و چهل و پنج فوت کرد — آسوده بر بساط معلای عبقری
شعبان و روز چاردهم ضحوهٔ شنین — کرد از جهان بملک مقدس مسافری
باشد به بلگرام مزار مبارکش — بر مرقدش کنند ملائک مجاوری
سید عمر فروغ جبین محمدی — او راست بر سپهر شرف شان اختری
سید حسین از نظر التفات او — مینا ز مردی کند و سنگ گوهری
سید نصیر آنکه بمصداق نام خود — با زمرهٔ ستم زدگان کرد یاوری
سید حسین کان سخا معدن صفا — از گوهرش جمال شرف یافت زیوری
سالار از فروغ ضمیر منیر او — در یوزهٔ شعاع کند مهر خاوری
لطف الله آنکه قطب سپهر ولایت است — مردان راه را بخدا کرد رهبری
داود که نام اوست خداداد از پدر — صاحب کرامتیست ز تعریف مادری
جد القبیله حضرت محمود دین پناه — کردند جن و انس به حکمش مسخری
عالیجناب سید نوح آنکه عرف او — باشد نیارهٔ سرو گلستان سروری
سید حسین خلق مجسم که ذات او — خورشید شان مثل شده در ذرهٔ پروری

محمود در فضائل کسبی و موہبی — ہمتائے او نہ زادہ ز ارحام عنصری

عبد اللطیف آنکہ ز ابنائے روزگار — ممتاز بود در عمل فیض گستری

احمد کہ صاحب قلم و سیف قاطع است — بہرام و تیر بر در او کردہ چاکری

عبد اللہ آن برادر عبد اللطیف کو — احمد پسر گرفت ز لطف برادری

عبد الجلیل از پس احمد منم کہ ہست — وصفے ز من فصاحت سحبان و انوری

آنجا کہ نغمۂ نے کلکم شود بلند — آرند سر فرو متنبی و بحتری

مقصود من تفنن طبع است از سخن — ورنہ سزائے رتبۂ من نیست شاعری

دریائے موج خیز علومم کہ می کنند — با من خطاب جوہر اول ز مخشری

ایزد مرا بعلم و عمل امتیاز داد — شانم بلند کرد دگر از تونگری

با وصف این فضائل صوری و معنوی — گویم بہ نفس خویش کہ از جملہ کمتری

در یک ہزار یکصد و یک کلک واسطی — افشاند این لآلی بحر سخنوری

سید محمود صغری تمام سادات حسینی واسطی بلگرام کے جد اعلیٰ تھے سلطان شمس الدین التمش کے

ف ۱۱۰ واسط، عراق مین مابین بصرہ و کوفہ ایک شہر ہے۔ بروایت ابن خلکان اسکی بنا ۸۴ھ (۷۰۳ء) مین حجاج نے ڈالی تھی ۸۶ھ مین تعمیرات ختم ہوئین لیکن کتاب شذور العقود جسمین واقعات بہ ترتیب سنین مندرج ہین، مین مرقوم ہے کہ ۹۵ھ (۶۹۴-۹۵ء) مین آغاز اور ۹۸ھ (۶۱۷ء) مین تکملہ ہوا۔ شہر نہایت پر لطف و پر فضا واقع ہوا ہے۔ دجلہ کے دونون طرف آبادی ہے۔ آنے جانے کیلئے دریا پر پل بنا ہوا ہے بہت سرسبز اور شاداب زمین ہے، غلہ اور ہر قسم کے پھل بکثرت پیدا ہوتے ہین۔ یہان کا قلم (نیزۂ واسطی) مشہور ہے۔ میر عبد الجلیل اور اُن کے نواسون کے کلام مین واسط اور قلم واسط کا ذکر اکثر ملتا ہے صاحب تاریخ غیاثی لکھتا ہے کہ جب سید محمد بن سید فلاح جو سادات مشعشع والی خوزستان سے تھا، ایک سال تک جامع کوفہ مین معتکف رہا تو اپنے مسقط الرأس واسط کو یاد کرتا اور ان الفاظ مین حسرت و الم کا اظہار کرتا تھا ؎

اِقْلَسْتُنَا بِاَرْضِ الْعِرَاقِ بِوَاسِطٍ — مَدِیْنَۃُ اَھْلِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْبِرِّ

(واضح رہے کہ اقلیم خوزستان کو پہلے اہواز کہتے تھے آجکل محمرہ کہتے ہین)

تعلق ملازمت سے غازیان اسلام کی فوج کے ساتھ بلگرام آئے۔ راجہ سری سے معرکہ آرا ہوکر اُس کو شکست دی، قتل کیا۔ بلگرام کو فتح کرکے خود مع بعض خاندانہائے شیوخ فرشوری و ترکمانان کے یہین اقامت گزین ہو گئے۔ سلطان موصوف سے عُشر کا فرمان پایا۔ بلگرام مین اکتیس سال بسر کرکے ۱۴ شعبان المعظم ۶۴۵ھ کو رحلت فرمائی۔ اُس عہد سے لے کر سلطان ابراہیم بن سلطان لودی کے زمانہ تک پرگنہ بلگرام کا یہ محصول (دہ یکے) برابر قائم رہا بابر بادشاہ کے عہد مین اس کا سلسلہ شکست ہوا۔

سید محمد صغرے سے میر عبد الجلیل چودھوین پُشت مین تھے۔

---

۱۱۱ سلطان شمس الدین التمش، سلطان قطب الدین ایبک کا داماد و زرخرید تھا۔ شب خسوف مین پیدا ہوا تھا۔ اس لئے التمش نام رکھا گیا۔

ترکی زبان مین اَلتمش فوج کے اگلے حصہ کو بھی کہتے ہین یعنی وہ جماعت جو سردار اور ہراول (سب سے آگے کی فوج) کے مابین ہو۔ یہ لفظ چھ کے عدد کے معنی مین بھی آتا ہے۔ اُس کو بھی کہتے ہین جو شب خسوف مین متولد ہو۔ شمس الدین ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) مین سلطان آرام شاہ کو جو اپنے باپ قطب الدین کی جگہ تخت دہلی پر بیٹھا تھا گرفتار کرکے خود سریر آرائے سلطنت ہو گیا۔ پھر ۶۱۰ھ (۱۲۱۳ء) مین تاج الدین یلدوز بادشاہ غزنی کو جو تسخیر کے ارادہ سے لاہور آیا تھا گرفتار کرکے قتل کرا دیا۔ غیاث الدین حاکم بنگالہ پر فوج کشی کی، وہ بھاگا اور ملک التمش کے تصرف مین آگیا ۶۲۰ھ (۱۲۲۳ء) مین گوالیار کا عزم کیا۔ دیول والی قلعہ نے عاجز آکر شب مین راہ گریز اختیار کی۔ یہ قلعہ بھی ۶۳۰ھ (۱۲۳۳ء) مین فتح ہو گیا اور ۶۳۱ھ (۱۲۳۴ء) مین اُجین بھی۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ (۲۹ اپریل ۱۲۳۶ء) کو رہگرائے عالم بقا ہوا۔ اس کے عہد مین بھی بہت سے فضلائے نامور گذرے ہین۔ بادشاہ کے وزیر نظام الملک محمد بن ابو سعید کے نام پر مولانا نور الدین محمد نے کتاب جامع الحکایات لکھی تھی۔

۱۱۲ سلطان ابراہیم حسین لودی، اپنے باپ سکندر شاہ کی وفات پر آخر ۹۱۵ھ (۱۵۱۰ء) مین دار السلطنت آگرہ مین تخت پر بیٹھا۔ ہندوستان کے اکثر ممالک و قطعات اُسکے زیر نگین تھے، بابر کے سیل فتوحات نے جب ماوراء النہر، بخارا، کابل، لاہور و دیپالپور سے بڑھکر ۹۳۲ھ مین دہلی کا رُخ کیا تو پنجشنبہ سلخ جمادی الثانی (مطابق ۱۳ اپریل ۱۵۲۶ء) کو ابراہیم لودی اور بابر سے پانی پت کے میدان مین محاربہ عظیم شروع ہوا۔ جمعہ یازدہم رجب (۲۰ اپریل ۱۹۲۶ء) کو سلطان ابراہیم لودی مع اپنے مقربان اور سرداران کے مارا گیا۔ ہندوستان و دودمان سلاطین افاغنہ سے نکل کر آل تیمور کے تابع فرمان ہو گیا۔ ابراہیم کے قتل کی تاریخین "ابراہیم لودی شہید شد"

میر کے والدین

ابراہیم بن ہشام ناقل ہین کہ جب امام یازدہم حسن خالص بن علی ہادی بن محمد جواد رضی اللہ عنہم اپنے رفیق محبس عیسیٰ بن فتح کے پاس آئے تو اُس وقت عیسیٰ کی عمر ۶۰ سال سے زائد تھی پوچھا کوئی فرزند بھی ہے؟ عرض کیا نہین"۔ فرمایا اللّٰھم ارزقہ ولدا یکون لہ عضداً فنعم العضد الولد۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

من کان ذا عضد یدرک ظلامتہ ان الذلیل الذی لیست لہ عضد

اولاد کی نعمت اور پھر ایسی اہل وصالح فخر خاندان کی، جیسا کہ میر عبد الجلیل تھے اُس خوش نصیب باپ کے لئے مقدر تھی جس کا نام سیّد احمد تھا۔ اِن کا خاندان "بُھتہ" کہلاتا تھا جو سادات ان کے جدّ اعلےٰ سیّد محمود کلان کے اعقاب مین ہین اب بھی بھتہ مشہور ہین۔ وجہ تسمیہ ایک واقعہ ہے۔ میر غلام علی آزاد لکھتے ہین کہ سیّد محمود کلان بن سیّد خداداد کو تسخیر جن مین ملکۂ کامل حاصل تھا۔ ایک روز حاکم شہر نے اپنے آدمیون کو سیّد موصوف کے باغ سے آم لے آنے کو بھیجا محافظین نے روکا مگر وہ لوگ کب ماننے والے تھے زبردستی آم توڑنے شروع کئے۔ پاداش عمل مین خدائے عالم وعالمیان کی قدرت بالغہ سے آسمان سے پتھر برسنے لگے۔ ان سرکش سرہنگون کے چوٹ آئی، زخمی ہوئے اور جان بچا کر بھاگے۔ حاکم سے اطلاع کی۔ یہ باغ اب بھی موجود ہے اور "بھتّون کے باغ" کے نام سے مشہور ہے۔ اُسی زمانہ سے سیّد محمود ممدوح کا خاندان اور اُن کے اخلاف "بُھتہ" کہلاتے ہین لیکن صاحب حدیقۃ الاقالیم قصبہ سیدن اور وہانکے سادات کے تذکرہ مین بُھتہ کہلانے کی وجہ کچھ اور لکھتے ہین

میر سیّد احمد بڑے بیٹے سیّد عبد اللہ بن سیّد محمود صغر کے تھے۔ دراصل میر سیّد احمد کے والد سیّد

وغیرہ نکالی گئی تھین مگر ذیل کی تاریخ جو کسی شخص قوم بقال نے کہی تھی۔ فی الواقع خوب ہے۔

نو سے اوپر تھا بتیسا ۹۳۲ بانی پت مین بھارتھ دیسا
آٹھوان رجب بار سکروارا بابر جیت، براہم ہارا

عبداللطیف (برادر اعیانی سید عبداللہ کے) تھے۔ سید عبداللہ کے کوئی اولاد نہ تھی اسلئے میر سید احمد کو فرزند بنالیا تھا۔ میر احمد کا نقش نگین احمد بن عبداللہ تھا۔ اسی نسبت کے ساتھ بین الجمہور شہرت پائی۔ صاحب فضائل و حسن شمائل تھے۔ اپنی وجاہت ذاتی اور خوبی خصائل سے اقران و اماثل مین ممتاز رہے۔ سید احمد عرف عام مین "مدا" اور اُن کے چھوٹے بھائی سید معین الدین[۵۱۱۳] "مونان" کہلاتے تھے۔ دونون بھائیون نے تمام عمر ثروت و جمعیت سے گزاری۔ شہر والون مین مثل پڑگئی تھی "مدا مونان سدا سونان"۔ سید احمد خط نستعلیق و شکستہ نہایت خوب لکھتے تھے اور فن سیاق (حساب) مین بھی دستگاہ قوی رکھتے تھے۔ کچھ معمول سا کر رکھا تھا کہ ہر روز بلاناغہ نماز صبح کے بعد دو ورق لکھ ڈالتے تھے۔ اس التزام سے بہت سی کتابین اُن کے قلم سے نکل چکی اور مکمل ہوگئی تھین۔ بڑے مخیر اور نہایت شجیع و دلیر تھے۔ نواب مکرم خان بن نواب شیخ میر عالمگیری کی طرف سے پہلے موضع پہاسو[۵۱۱۴] پھر موضع داسنہ[۵۱۱۵] وغیرہ توابع دہلی، کی حکومت پر مامور

۵۱۱۳ میر سید معین الدین بلگرامی، صوبہ ملتان مین جج تھے۔ شعبان ۱۱۰۳ھ دسمبر ۱۶۹۲ء مین وہین قضا کی حریم روضہ شیخ موسیٰ جیلانی مین دفن ہوئے۔ جب میر احمد، نواب مکرم خان کی طرف سے بعض محالات تابع دہلی کے منتظم تھے تو میران کے پاس انھین مواضع کے امین تھے۔ دونون کا تدین اُن کے حکام پر روشن تھا جب نواب مکرم خان ملتان کے صوبہ دار ہوئے تو ان کو وہان بلالیا تھا۔ میر عبدالجلیل ان کو "عقل مجسم" کہتے تھے۔

۵۱۱۴ پہاسو۔ یہ قصبہ تحصیل خورجہ، ضلع بلند شہر مین، بلند شہر خاص سے پچیس میل جنوب کو ہے۔ آبادی ۱۹۲۱ء مین چار ہزار آٹھ سو چھیہتر (۴۸۷۶) تھی۔ پرتاپ سنگھ سب سے پہلا برگوجر رئیس اپنا وطن چھوڑ کر یہان آیا اور اقامت گزین ہوا۔ اکبر کے عہد مین پہاسو ایک محال کا صدر مقام (یا خاص قصبہ) لکھا گیا ہے۔ اٹھارہوین صدی عیسوی کے ختم پر شاہ عالم ثانی نے پہاسو معہ چون (۵۴) دیگر مواضع کے جاگیر کے طور پر سمرو کی بیگم کو اُس کی افواج کی پرورش و پرداخت کی غرض سے عطا فرمایا تھا۔ بیگم کی وفات (جو ۱۸۳۶ء مین ہوئی) کے بعد کچھ روز بقبضہ سرکار رہا۔ پھر ۱۸۵۱ء مین مراد علی خان کو جو پرتاب سنگھ کی اولاد سے تھا۔ دیدیا گیا چنانچہ اب تک اُسکے اعقاب و اخلاف کے قبض و ملک مین چلا آتا ہے۔

۵۱۱۵ داسنہ (پرگنہ داسنہ) تحصیل غازی آباد ضلع میرٹھ مین اُس شاہراہ پر واقع ہے جو میرٹھ اور ہاپوڑ سے بلند شہر و گلاوٹھی جاتی ہے۔ آبادی ۱۹۲۱ء مین تین ہزار نو سو بائیس (۳۹۲۲) تھی۔ اس کی رونق رو بہ زوال ہے۔ قصبہ ویران و شکستہ حال نظر آتا ہے۔

رہے۔ شہر مرادآباد (روہیل کھنڈ) مین ۴ جمادی الاولی ۱۰۹۶ھ (۳۰ مارچ ۱۶۸۵ء) کو رحلت فرمائی۔ وہین آپ کا جسد مبارک امانتاً سپرد خاک کیا گیا چھ ماہ بعد ان کے بھائی سید معین الدین حسب وصیت مرحوم نعش کو وطن لے آئے اور بلگرام مین دفن کیا۔ میر غلام علی آزاد نے تاریخ وفات

اس موضع کی بنیاد محمود غزنوی کے عہد مین راجہ سکرسنی (ایک راجپوت) نے ڈالی تھی رفتہ رفتہ ترقی کرکے اچھا خاصہ قصبہ ہوگیا۔ احمد شاہ ابدالی کی عظیم لشکر کشی سے اس پر بھی آفت آئی اور اسکا قلعہ ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ء) مین تباہ و برباد کرڈالا گیا۔

عہد پاستان کی یادگار شیخ آلہ دیا مخدوم شاہ ولایت کا مزار باقی ہے جسکی زیارت و آستان بوسی کیلئے کبھی دہلی سے شاہزادے اور اُمرا آیا کرتے تھے۔ اب بھی ماہ محرم مین یہان میلہ لگتا ہے اور شرکت عرس کا شرف دور و نزدیک سے لوگ آکر حاصل کرتے ہین۔

واسنہ بھی منجملہ اُن قصبات و مقامات ضلع میرٹھ کے ہے جسمین عیسائیون کی جماعت نے ترقی کی ہے اور اُن کا مشن کامیابی حاصل کررہا ہے۔

۵۱۱۶ یہ شہر اس وقت نیا آباد ہوا تھا ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ء) کے قریب رستم خان شاہجہانی گورنر کٹھیر (جو روہیل کھنڈ کا پرانا نام تھا) نے مرادآباد کی بنیاد بادشاہزادہ بادولت واقبال مُرادبخش کے نام سے ڈالی تھی بدوہی بدنصیب و نامراد، مُرادبخش تھا جس نے کچھ زمانہ بعد عہد اورنگ زیب مین جان دی، اُسیوقت سے مُرادآباد، سنبھل کے بجائے صوبہ دار کا جائے قیام ہوگیا تھا۔

مرادآباد اور اسکے اطراف مین کٹھیر کی ساری سرزمین تاریخی یادگارون سے مملو و معمور ہے۔ سنبھل جو اب اسی ضلع (مرادآباد) مین ایک بڑا قصبہ اور ایک تحصیل کا صدر رہگیا ہے۔ سب سے قدیم اور مشہور مقام ہے جسکے ساتھ مرادآباد کی تاریخ وابستہ ہے۔ اس لئے اسکا تذکار لازم آیا۔ دہلی کے اخیر ہندو فرمانروا پرتھوی راج نے پہلے نوتی بلزلی سپہ سالار، پھر جے چند والی قنوج سے یہان معرکہ آرائیان کی تھین۔ ان کے علاوہ ابتدائے عہد اسلام کے اور واقعات بھی صفحات تاریخ پر مرقوم ہین۔ سنبھل ہی پہلے گورنرون کا دارالصدر تھا، جنکے فرائض زیادہ تر سرکشی کٹھیریون کی بغاوت فرو کرنے تک محدود و منحصر تھے۔ ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) مین غیاث الدین بلبن نے امروہہ پر حملہ کیا اور قتل عام کا حکم دیا۔ ۷۶۶ھ (۱۳۶۶ء) مین فیروز تغلق نے کٹھیر پر یورش کی اور وہان کے رئیس رائے گنگارا کو جس نے ایک مسلمان صوبہ دار کو قتل کرادیا تھا سزا دینا چاہا۔ رائے گنگارا بھاگ کر کمایون چلا گیا۔ سلطان نے کل ملک کو تاخت و تاراج کیا اور ملک خطاب کو وہان کا صوبہ دار بنا کر چلا آیا۔ جونپور کے ناموربادشاہ ابراہیم نے ۸۱۰ھ (۱۴۰۷ء) مین اسکو فتح کرلیا مگر وہ بھی اپنا نائب چھوڑ کر خود واپس چلا گیا جس کو ایک سال بعد محمود تغلق سلطان دہلی نے نکلوادیا اور اپنے عامل وہان مامور کئے۔ ۸۱۰ھ (۱۴۰۷ء)

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ (اور اُن کی اُس مین دُعائے خیر سلام ہوگی - جزو ۱۱ سورۂ یونس ع ۱-۶) ۱۰۹۶ھ نکالی - اِن کی استعداد و کمال اور حُسن کلام و زورِ بیان کے اظہار کیلئے دو مکتوب نقل کئے جاتے ہین پہلا انھین کے نام ہے جو اِن کے ہم عمر اور مخلص اور رابطہ دار

مین زیر سرکردگی سلطان حسین مُلوک جونپور کا پھر کچھ زمانہ کے لئے سنبھل مین تسلط ہوگیا - مگر ۹۰۳ھ (۱۴۹۶ء) مین سکندر لودی بادشاہ نے اس ضلع کو پھر تخت گاہ دہلی کے تابع کرلیا اور چار سال تک سنبھل مین قیام گزین رہا - اُس زمانہ سے برابر یہ قطعۂ مُلک مستقل طور پر دربار شہنشاہی کے عمل و جاگیر مین رہا

اسی مبارک دور مین حضرت شیخ بیجو سنبھلی گذرے ہین جن کا اعاظم مشائخ ہندوستان مین شمار ہوتا ہے شیخ عبدالقادر بدایونی کے پدر بزرگوار جن کا نام ہی مُلوک شاہ تھا انھین بزرگ کے مُرید تھے - شیخ بیجو نے ۹۰۱ھ (۱۴۹۵ء) مین رحلت فرمائی - میان حاتم سنبھلی بھی یہان کے مشہور اکابر مین گذرے ہین جو عہد اکبری مین مُسلّم الثبوت فاضل تھے اور فقہ مین امام اعظم ثانی کہلاتے تھے -

سولھوین صدی کے وسط مین احیا مرن گورنر سنبھل نے سُلطان محمد عادل کے خلاف سرکشی کی اور بادشاہی فوج کو شکست دی - سال بعد مین راجہ متہ سین کٹھیر نے سنبھل پر قبضہ کرلیا اور احیا مرن نے اُس پر حملہ کیا کُندرکھی مین ہولناک جنگ ہوئی - راجہ نے شکست فاحش پائی - ہمایون کے عہد مین علی قلی خان سنبھل کا گورنر تھا جس نے کٹھیریون کو جو اب تک اپنے کو با اختیار اور آزاد سمجھتے تھے دبایا اور اُن کی سرکشی و بغاوت کا استیصال کیا ۹۷۴ھ (۱۵۶۶ء) مین چند مرزایان نے جو تیمور کی نسل سے تھے بغاوت کی اور اکبر کے عاملون کو گرفتار کرکے قلعہ سنبھل مین مقید کردیا - حسین خان نے اُن پر فوج کشی کی اور یہ لوگ بھاگ کر امروہہ چلے گئے اُسنے تعاقب کیا اور دم نہ لینے دیا - بالآخر راہ گریز تنگ ہوئی اور یہ لوگ گنگا کے اُس پار چلے گئے - شاہجہان کی وفات اور مرکزی حکومت کے زوال کے بعد کٹھیریون نے بغاوت کی - کچھ مدت تک خود مختار رہے مسلمان گورنر اپنا دارالصدر اُٹھا کر قنوج لے گیا - علی محمد خان روہیلہ سردار کی ترقی و عروج کو دیکھ کر گورنر مرادآباد نے اُسکے مغلوب کرنے کی کوشش کی مگر اُس مرد نبرد کے مقابلہ مین ناکام رہا - ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) کے قریب پورا ضلع علی محمد کے قبضہ مین تھا جس نے اپنی ریاست روہیلکھنڈ کے نام سے جداگانہ قائم کرلی - روہیلون کا عمل دخل ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) یعنی جبکہ روہیلکھنڈ اودھ کے تابع ہوگیا - پھر یہ ضلع دیگر اضلاع و اقطاع کے ساتھ بذریعہ حوالگی ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) مین انگریزون کے قبضہ مین آیا - پہلے ۱۸۰۳ء و چار مین اس پر مرہٹون کے حملے ہوئے اسکے بعد ہی ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) مین مشہور لوٹیرا امیر خان باشندہ سنبھل اپنے پنڈاری سوارون کی جمعیت کے ساتھ سارے ضلع کو غارت کرتا ہوا چلا گیا -

مرادآباد کے حوالی و مضافات مین بہت سے پُرانے کھیڑے اور ٹیلے باقی ہین خاص کر تحصیل بلاری مین

روحانی حافظ سید ضیاء اللہ[۱۱۷] نے لکھا تھا اور دوسرا اُس کا جواب (میر احمد کے قلم سے) سید ضیاء اللہ کو میر احمد سے جو محبت و عقیدت حاصل تھی اُسکی یادگار ایک منظوم رقعہ باقی ہے جو سید ضیاء اللہ نے عید قربان کے موقع پر جب ایک دوسرے سے دُور، اور درد محبت سے بے چین تھے بھیجا تھا۔

میر احمد کی شادی سید اسد اللہ عرف سید چاند بھتہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جو نسب مین آپ کی یک جدی تھین اور شرافت و سیادت و مکارم اخلاق مین برابر کی شریک میر عبد الجلیل نجیب الطرفین تھے اور عالی نسب اور ہر اعتبار سے دُرِّ یتیم اور اپنے والدین کے تنہا عقب تھے۔ ؎

نسب کانّ علیہ من شمس الضحے نورًا ومن فلق الصباح عمودا

ما فیہ الا سیّد من سیّد حاز المکارم والتقے والجودا

جن کو ابتک کھودا اور تفحص و تفتیش نہین کیا گیا ہے۔ امروہہ و سنبھل مین کئی خوشنما اور شاندار مساجد و مزارات ہین۔ امروہہ مین ہندوؤن کے عہد کی بھی یادگارین موجود ہین۔

مُرادآباد ایک بارونق و ترقی پذیر شہر، اچھا خاصا تجارت گاہ اور کئی ریلون کا مرکز و مجمع ہے۔ خاص شہر صنعت و حرفت کے لحاظ سے بھی بڑی شہرت رکھتا ہے۔ یہان برنجی برتن نہایت خوشنما اور سبک اور نفیس رنگین و سادہ اور منقش ہر وضع و نمونہ کے بنتے ہین جن کی قدر و طلب یورپ اور دیگر ممالک دور دست مین بھی ہوتی ہے۔ امروہہ کے مٹی کے ظروف نہایت اچھے اور نظر فریب و کارآمد ہر قسم کے ہوتے ہین۔ اب شیشے کے ظروف و اشیا بنانے کی صنعت بھی مرادآباد اور اُسکے حوالی مین ترقی کر رہی ہے۔

مرادآباد خاص کی مردم شماری ۱۹۲۱ء مین بیاسی ہزار چھ سو اکہتر[۸۲۶۷۱] تھی اور سنبھل کی اکتالیس ہزار پانسو پچاسی (۴۱۵۸۵)۔ مرادآباد رام گنگا کے داہنے کنارے بلندی پر آباد ہے۔ جامع مسجد ایک قابل دید عظیم الشان عمارت ہے جو ساحل دریا پر بلند و رفیع دُور سے نظر آتی ہے۔ اِس کو رستم خان نے ۱۰۷۴ھ (۱۶۶۳ء) مین تعمیر کیا تھا۔ اسی کے قریب قلعہ کا ویرانہ ہے۔ جسے اسی گورنر نے بنایا تھا۔

[۱۱۷] بڑے ذی علم اور پابند سُنّت بزرگ تھے۔ ۱۱۰۴ھ (۱۶۹۲-۹۳ء) مین رحلت فرمائی۔ جناب سید احمد بن سید محمد، صاحب سجادہ کالپی سے غائبانہ عقیدت ہوگئی تو دفور عشق مین فرمایا کرتے تھے۔ ؎

کالپی مکہ، بلگرام یمن اے تو احمد! منم اُویس قرن

جب ملازمت اقدس نصیب ہوئی تو تصوف کی کتابین پڑھین اور بلگرام مین ارشاد و ہدایت کا سلسلہ قائم کیا

۱۔ نامۂ سید ضیاء اللہ بہ میر احمد۔

"در خرمن کائنات کردیم نگاہ　　یک دانہ محبت ست و باقی ہمہ کاہ

سبحان اللہ نہ ہے آن یک دانہ، در جنب قیمت آن، گوہر یکدانہ کم از دانۂ خشخاش است اُبوّت و نبوّت پناہ آدم صفی اللہ علیہ السّلام در طلب این دانہ از فقدان نعمت بہشت نیندیشید و ہر تعبے و شدّتے کہ فرا پیش آمد، بہ اختیار برکشید۔ یعقوب علیہ السّلام از شوق این دانہ بجدّے دانہائے اشک ریخت کہ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ مفسّر آن شد۔ صدر نشین محفل رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از آنے کہ استغنا بآن دانہ ہم رسانید، چندان غنا حاصل کرد کہ ہر چند کوہہائے مکّہ را طلا ساختہ بحضرت حضور پیدا آوردند بگوشۂ چشم نہ نگریست۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ مُبیّن این ہمت ست۔ بالجملہ ہیچ متنفّسے درین عالم نیست و نبودہ و نخواہد بود کہ اثرے ازین خیال در سر نداشتہ باشد۔ مجنون بیچارہ سرگشتۂ ہمین طلب از جہان رفت۔ فرہاد مسکین نیز درین ذوق جان داد۔ زلیخا بہ قوت ہمین دانہ پسر را از کنار پدر جدا ساخت۔ وائے بر دانائے کہ از طلب این دانہ نادانانہ گذشت۔ آمدیم بر سر مدّعا۔ بندہ ہر چند با مذاق طیبۂ محبان و حوصلۂ ایشان آشنائی ندارد لیکن بہر حال یک گونہ لذّت سماع پیدا کرد کہ باستناد آن می زیدد ازینجاست کہ خود را خاک پائے اہل محبت می شناسد۔ امّا ہیچ معلوم نشد کہ آن عزیز دانۂ خود را کہ

ایک بار سید میر ملگرامی کو اُن کی ماں کی سفارش میں ایک طولانی خط لکھا تھا۔ چند شعر ضیا فنا نقل کیے جاتے ہیں ؎

اے ضیافت شرمدہ بر خود فرض　　مادرت مشت جو نیابد قرض
می خورد روز و شب، ولیکن خشم　　نوشد آب خنک، ولے از چشم
می ندانی کہ چیست جنجر و تیر　　کارگر تر ز آہ مادر پیر
مادرت زار بہر قرصۂ نان　　عمر و زید مر ترا مہمان
دعوت اغنیا کہ محض ریاست　　بارش ابر بر سر دریاست

۱۱۸ اور مارے غم کے اُن کی دونوں آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔ جزء ۱۲ سورۂ یوسف ع ۱۰-۱۳

مقسوم ازل است مگر پیش طائرے انداختند کہ چیدہ پرواز کرد یا براتب توسن سفر آمیختند کہ بگلو فروکشید کیفیت بے توجہی را نفعی کہ واقعی است پیدا بر نگارند کہ رافع خدشات باطن گردد بر تقدیرے کہ مخلص را از غایت حقوق دوستانہ مقصر دانستہ عوض نمودہ باشند کہ جائے آن دارد۔ اما چون عوض بدی بہ بدی در مذہب دوستی نامحمود است بایستے کہ نظر بر تقاعد و تکاسل این طرف نینداختہ بادائے احسان از خود می شدند و بہ آبنائے احوال بہجت اشتمال مرہون منت می ساختند مگر عہود جمی و حقوق صبا از یاد رفت ؎

اے عجب! آن عہد و آن سوگند کو — وعدہائے آن لبے چون قند کو؟

گر فراق بندہ از بد بندگی است — چون تو با بد بد کنی، پس فرق چیست؟"

۲ جواب میر احمد بہ سید ضیاء اللہ

" نامۂ عنبرین شمامہ شام بیگانگی را عطر آمود ساخت۔ و خاطر پراگندہ را بہ جمعیت فراہم آورد۔ ملازمان گرانباری کوہہائے محبت بہ حکمی اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ معلوم است کہ ہیاکل افلاک باچنان رفعت و سائر مکونات باآن ہمہ عظمت در تحمل این بار بیچ و تاب خوردند و پشت خم گشتہ سر انکار باز زدند۔ و سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم بچہ آسانی برگرفت و اولیائے امت قدس اللہ اسرارہم بطفیل متابعت آنرا از دانۂ خشخاش ہم کمتر انگاشتند و بدوش نیاز برگرفتہ بغرۂ ہل من مزید زدند۔ لکن ما حیوان صفتان از آن دانہ ہمین پنداشتیم کہ ثمرہ اش سہو و نسیان و برگش غفلت و عطلت است۔ الحمد للہ والمنۃ کہ فریاد انا ظلمنا عذر خواہ است و اشک ندامت شوینده داغ گناہ ؎

بغیر از عذر تقصیر اندرین راہ — ندارد چارہ بیچارہ درویش

بارے اعتماد اہتمام عزیزان و برکت انفاس ایشان امید ہست کہ پردۂ غفلت و نسیان

۵۱۱۹ اور تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کیا جزء ۳۰ سورۃ الانشراح۔ ع ۱-۱۹

۵۱۲۰ ہم نے ذمہ داری کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا جزء ۲۲ سورۃ الاحزاب ع ۹-۶

از پیش این خیر اندیش برانداختہ شود و ذرّہ از عالم محبت نصیب گردد ۵

کوتاہ کنم سخن ازین پس وصل است جواب نامہ و بس "

۳۔ ذیل کا وہ منظوم رقعہ ہے جو میر سیّد احمد کے نام سیّد ضیاء اللہ نے کسی عید کے موقع پر بھیجا تھا۔

اوّل بہ کرشمہ اش سلامے وز دیدہ بہ غمزہ اش پیامے

از نالہ بعشوہ اش دعائے وز ہجر بہ وصل او ثنائے

از اشک بہ پائے او سجودے واز آہ بگوش او درودے

از گریہ بہ خندہ اش نیازے واز غم بہ نشاط او گدازے

از دست دعا بدامن او وز روح نثار بر تن او

شوقے ز نیاز من بنازش آہے ز خروش من بسازش

چون خط شریف دلبر آمد از نخل امید من بر آمد

لطفے کہ بنامہ اش نہان بود بر کشتۂ تیغ ہجر، جان بود

ہجرے کہ بود مراد دلبر از وصل ہزار بار خوشتر

چون جان برضائے دوست بست است از ہر چہ رضائے اوست ہست است

ہمّت بمراد او کنم صرف شد ختم سخن بذکر این حرف

شوقِ تحصیل

میر عبد الجلیل ایک رقعہ میں اپنے فرزند میر سیّد محمد کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں "برخوردار! بحضور پدر مرحوم ہمین قدر کہ حالا شما خط و سواد دارید امید اشتیم۔ این ہمہ کہ می بینید بسعی خود و شوق مطالعۂ کتاب بہم رسانده ایم۔ مطالعۂ کتاب بسیار نافع است۔ ہرگز کتاب از خود جدا نباید کرد۔ انشاء اللہ استعداد تام بہم خواہد رسید۔"

میر عبد الجلیل کے باپ نے جس وقت انتقال کیا ہے تو میر کی عمر پچیس سال کے قریب تھی

اُن کو اعتراف اور بجا اعتراف ہی کہ جو کچھ اُنھون نے پایا۔ وہ محض اپنی قوت بازو اور سعی و شوق اور کُتب بینی سے حاصل کیا تھا۔ شاید اس خاندان کی یہ خصوصیت تھی اور بہ رگون کا فیض کہ عمر و رُشد بڑھنے اور سمجھ آنے پر خود بخود علم و ہنر حاصل کرنے کا شوق دامنگیر ہو جاتا تھا۔ میر صاحب بھی باین ہمہ فضل و کمال اور فراخ دستی و علو حوصلہ کے اپنے "یتیم" (اکلوتے بیٹے) کے لئے خود کچھ نہ کر سکے تھے۔ محض ترغیب و تشویق سے کام لیتے رہے۔ کیونکہ وطن سے دُور اور آل و عیال سے مہجور تھے۔ میر سیّد محمد کی بدخطی یا کم سوادی جس کا پدر مہربان تذکرہ فرماتے ہین، حداثت سن کی نہین ہی۔ بلکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ میر سیّد محمد سوانح نگاری بھگّر پر مامور ہو چکے ہین اور پدر عالی قدر کی طلب و تاکید پر اسناد سرکاری اور جائزۂ خدمت لینے دار السلطنت کو جا رہے ہین۔

تحصیل علم

میر عبد الجلیل کی پرورش و تربیت تمام تر بلگرام مین ہوئی اور وہان کے مشہور و مقبول معلّمین سے جنکو اِن کے خاندان والون نے "علماء و فضلا" کے نام سے یاد کیا ہے، ابتدائی کتابین یا درسیات انھون نے پڑھین۔ زیادہ تر میر سعد اللہ[۱۲۱] بلگرامی کی صحبت و تلمّذ سے فیض یاب ہوے۔ میر طفیل[۱۲۲] محمد جن کو کمال حُسن عقیدت سے اُن کے تلامذہ اور خوشہ چین "اُستاد المحققین"

---

۱۲۱ سیّد سعد اللہ نفر و فضل دونون کے جامع اور اپنے جد امجد سیّد فیروز کے مُرید تھے۔ ملا فیضی ساکن امروہہ (شاگرد شیخ یٰسین فتوحی) اور مُلا عبد الرحیم قاضی مراد آباد (تلمیذ مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی) سے اکتساب علوم کر کے بعد فراغ، وطن واپس آئے اور درس و تدریس مین مشغول ہو گئے۔ زیارت حرمین شریفین سے مشرّف ہو کر احمد آباد گجرات مین گوشہ گزین ہوئے۔ مولانا نور الدین کے مدرسہ مین قیام تھا۔ ۱۰ شوال ۱۱۱۹ھ (یکم جنوری ۱۷۰۸ء) یوم پنجشنبہ کو رحلت فرمائی۔ روضہ شاہ بھیکن بمیرہ شاہ عالم بخاری مین کنار لحد مین آرام فرما ہوئے۔

۱۲۲ میر طفیل محمد عربی و فارسی کے شاعر بھی تھے۔ اِن کا کچھ کلام سبحۃ المرجان مین عربی کا اور سرو آزاد مین فارسی کا نقل کیا گیا ہے۔ اترولی ضلع علی گڈھ کے باشندے تھے۔ ۱۰۷۳ھ (۱۶۶۲-۶۳ء) مین ولادت

کے لقب سے پکارتے ہین، اِن کے شریک درس تھے۔ شعور کافی ہو جانے پر دونون بلگرام سے نکلے اور دیگر قصبات پورب مین گھوم پھر کر کچھ کتابین اور پڑھین۔ متوسطات متفرق مواضع مین تحصیل کین۔ اور آخر مین شیخ غلام نقشبند[۱۲۳] لکھنوی کے حلقۂ درس مین حاضر رہکر سلسلۂ تحصیل کو انتہا پر پہونچایا۔ قطب المحدثین میر سید مبارک[۱۲۴] بلگرامی تلمیذ خاص شیخ نور الحق

ہوئی۔ وہان سے اپنے چچا سید احسن اللہ کے ساتھ دہلی آئے اور سید حسین رسول نما سے تبرکاً کچھ پڑھا پھر تحصیل علم کے لئے بلگرام آئے۔ مقامی فضلاء و مشاہیر کے سوا مولوی قطب الدین شمس آبادی (باشندہ امیٹھی، ملک اودھ مقیم و مدفون شمس آباد ضلع فرخ آباد متوفی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء) سے کتابین ختم کین تیئیس سال کے قریب یعنی نفس آخرین تک میر عبد الجلیل کے دیوانخانہ، واقع محلہ میدان پورہ بلگرام مین مقیم رہے کبھی کبھی بقصد سیر و سیاحت کشمیر و گجرات و دیگر مقامات و متنزہات کو ہو آتے تھے۔ احیائے علوم و مشغلۂ تدریس و ہدایت مین ستر سال بلگرام مین بسر فرمائے۔ جماعت کثیر اِن کی شاگرد تھی ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۸ء) مین رحلت فرمائی اور مرقد میر عبد الجلیل کے قریب باغ محمود مین جگہ پائی۔ بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔

۱۲۳ شیخ غلام نقشبند، علوم ظاہری و معنوی کے حامل، اور یکتائے روزگار تھے۔ شیخ المشائخ شاہ پیر محمد کے سجادہ پر ممتاز ہوئے۔ ان کی درس و تدریس سے خلق کثیر نے نفع پایا تھا۔ اکثر علمائے عصر ان کے خوان فضل و کرمت کے زلّہ ربا تھے۔ خلد منزل بہادر شاہ، شاہ عالم (بن عالمگیر) ان کی نہایت تعظیم و مدارات کرتا تھا۔ آپ بڑے پابند شریعت تھے۔ درویشان بے قید آپ سے اور آپ کی گرفت سے بہت بھاگتے تھے۔ رجب ۱۱۲۶ھ (جولائی ۱۷۱۴ء) مین لکھنؤ مین وفات پائی۔ چند تفاسیر و حواشی قرآن پاک اور کچھ کتابین مسئلہ وحدت وجود پر اور عروض وغیرہ مین یادگار چھوڑی ہین۔

۱۲۴ ان کا یہ لقب، میر غلام علی آزاد نے کئی جگہ لکھا ہے۔ میر سید مبارک نے حقیقتاً نہایت اچھی زندگی بسر کی تھی۔ اصول و فروع پر نگاہ رکھتے تھے۔ احیائے سنن اور ازالۂ بدعات مین ہمیشہ مصروف رہتے۔ ان کا تقوے و طہارت ان کے علوم ظاہری و باطنی کی شان کے موافق تھا۔ بلگرام سے درسیات پڑھکر دہلی چلے گئے تھے، وہان خواجہ عبد اللہ المشہور بہ خواجہ خورد ابن خواجہ باقی باللہ نقشبندی سے مطول پڑھا۔ دہلی مین قیام شیخ نور الحق کے گھر پر تھا۔ انہین سے علم حدیث حاصل کیا اور سند پائی اور بقیہ عمر کلام نبوی کی خدمت مین گذار دی۔ محدث کہلاتے تھے۔ میر سید عبد الفتاح عسکری احمد آبادی سے سلسلۂ قادریہ مین بیعت کی تھی۔ بڑے پابند سنت اور اذعان احکام شرعیہ مین نہایت سخت تھے۔ ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ء) مین بلگرام مین رحلت فرمائی۔

خلف الصدق شیخ عبدالحق[۱۲۵] دہلوی) سے علم حدیث کی سند پائی۔ آزاد لکھتے ہین کہ ان کو تمامی علوم عقلی ونقلی خصوصاً تفسیر وحدیث ولغت عربیہ وتاریخ عرب وعجم وموسیقی ہندوستانی واکثر فنون غریبہ ومحاضرات مین اقتدار عظیم حاصل تھا۔ سیرت نبوی اور اسماء الرجال مین دستگاہ بے نظیر رکھتے تھے۔ خود ان کے اُستاد شیخ غلام نقشبند جو پورب کے امام العلماء سمجھے جاتے ہین ہمیشہ ان کی تعریف کرتے اور کمال قدر واحترام فرماتے تھے۔

ابتدائے حال مین میر عبدالجلیل اور میر طفیل محمد نے بہ ارادۂ تحصیل علم مستقر الخلافۃ آگرہ[۱۲۶] کا قصد

---

۱۲۵ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہندوستان کے اولیائے کبار سے گزرے ہین محرم ۱۰۵۸ھ (جنوری ۱۶۵۱ء) مین پیدا ہوئے اور ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) مین رحلت فرمائی۔ آپ کا مقبرہ دہلی مین حوض شمسی کے کنارے واقع ہے۔ بائیس سال کی عمر مین حفظ قرآن مجید اور اکثر علوم دینی کی تحصیل سے فارغ ہوگئے۔ عنفوان شباب مین حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ مدت دراز تک وہان مقیم رہے اور علمائے اجل وفضلائے اکمل کی صحبت رہی۔ حدیث شریف کے ساتھ آپ کو شغف خاص تھا۔ بلاد عرب مین اس کی تکمیل کی اور بعد مراجعت وطن ۵۰ سال تک اسی فن شریف کا چرچا جاری رکھا۔ آپ کی ذات مقدس سے اس ملک مین جس قدر فیض عام پہونچا ہے۔ اسکی مثال تمام ممالک عجم مین نہین پائی جاتی۔ تمام فنون علمیہ مین عموماً اور فن حدیث مین خصوصاً نہایت معتبر کتابین تصنیف فرمائین جنکی تعداد اوسطوپر اور جن کی سطرون کا شمار پانچ لاکھ پر پہونچتا ہے۔ جہانگیر بادشاہ آپ سے نہایت ادب واحترام کے ساتھ دریا مین ملاقات کرتا ہے کہ "مدت ہاست کہ در گوشۂ وبلی وضع توکل بخریدہ بسری بردہ مرد گرامی است صحبتش بے ذوق نیست"۔

شیخ نورالحق اس خانوادۂ علمی کے چشم وچراغ اور حضرت شیخ کے فرزند رشید تھے۔ زبدۃ التواریخ اور بہت سی کتابین آپ کی یادگار ہین۔

۱۲۶ شہر آگرہ سولہوین صدی عیسوی مین سلطنت مغلیہ کا دارالصدر رہا۔ کچھ زمانہ تک سترھوین صدی مین بھی رہا۔ سلاطین ماضیہ نے اپنی سلطنت وحکمرانی کی مسلسل ومتوالی یادگارین یہان چھوڑی ہین سنگ سرخ کی مستحکم وفلک پیما اور سنگ مرمر کی نازک ونفیس عمارتین سارے ہندوستان مین اپنا نظیر نہین رکھتین۔ یہ شہر پہلے بیانہ کا ماتحت تھا۔ شاہان اسلام مین سب سے پیشتر سکندر لودی بادشاہ دہلی نے دریائے جمن کے ساحل چپ پر یعنی جانب مشرق اپنا محل وقلعہ بنوایا جو ۹۰۹ھ (۱۵۰۴ء) کے قریب مستقر سلطنت ہوگیا اور تمام شاہان لودی کا پائے تخت رہا۔ ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) مین بابر نے ابراہیم حسین لودی پر فتح پائی تو اسکے پرانے محل پر قبضہ کیا جسکی بنیادین شہر آگرہ کی مخالف سمت کچھ زمانہ مواجب تک نظر آتی تھین مگر اب یہان ایک خوشنما

کیا۔ نواب فضائل خان میر منشی خلد مکان نے اُس زمانہ مین ملازمت سُلطانی سے جُدا ہو کر وہان گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ دونون صاحب نوّاب سے ملے اور اُن کی اعانت سے کچھ روز وہان اقامت گزین رہے۔ شاہ حسین خان درگاہ خلد مکان سے دیوانی سرکار لکھنؤ پر

اور بار رونق آبادی قائم ہوگئی ہے۔ اس کے ایک سال بعد ۹۳۴ھ (۱۵۱۰ء) مین بابر اور راجپوتون سے قلعہ چندیری پر ایک فیصلہ کُن عظیم جنگ ہوئی جس سے بابر کا قبضہ تسلّط مستقل ہوگیا تو اُس نے یہان کا قیام بدستور رکھا۔ ۹۳۷ھ (۱۵۳۰ء) مین بابر نے یہین انتقال کیا۔ اس کے جانشین اور بیٹے ہمایون نے بھی پُرانے آگرہ مین بود و باش اختیار کی یہان تک کہ ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) مین اُسکو شیر شاہ کی بدولت اپنی مملکت مالوفہ سے رخصت ہونا پڑا۔ اپنے عہد کے بڑے حصہ مین اکبر نے بھی اُسی کو مستقر رکھا۔ پھر دریا کی داہنی جانب موجودہ شہر آگرہ کی بنیاد ڈالی۔ ۹۷۳ھ (۱۵۶۶ء) مین آغاز کر کے پانچ سال مین سنگین قلعہ تعمیر کیا اور آگرہ کا نام اکبر آباد اُسیوقت سے قرار پایا۔ خافی خان کی روایت ہے۔ مرزا رضا شاہجہان نامہ مین لکھتے ہین کہ یہ نام (اکبر آباد) دادا کی محبت و یادگار مین شاہجہان نے رکھا تھا۔ اُسکے عہد تک آگرہ کہلاتا تھا] چار سال بعد قصبہ فتحپور سیکری کی آبادی کی بنا شہنشاہ مذکور نے ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) مین رکھی۔ ایک تالاب بیس میل کے محیط و دور کا اُسکے نواح و اطراف مین تعمیر کرایا جسکے شکستہ و ریختہ بندہ کے نشانات بعض مقامات دویرانون مین ہنوز نمودار ہین۔ بادشاہ کا عزم فتحپور سیکری کو دار السلطنت بنانے کا مصمم ہوچکا تھا لیکن آگرہ کی عظمت اور خوبی موقع، جمنا کی روانی و مناظر اور ہر طرح کی سہولتون نے اس ارادہ کو عمل و وجود مین لانے سے باز رکھا۔ ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) سے ۱۰۰۹ھ (۱۶۰۰ء) تک اکبر اپنی فتوحات جنوب و مشرق ہندوستان مین مصروف رہا۔ لیکن جب اُسکو ۱۰۰۰ھ (۱۶۰۱ء) مین معرکہ آرائیون اور مہمات سے سبکدوشی ہوئی تو پھر آگرہ چلا آیا اور چار سال بعد ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) مین راہی مُلک بقا ہوا۔ اسکے عہد مین قلعہ کے اندر محلات کی تعمیر شروع ہوئی اور آگرہ مین چتور دروازہ تعمیر ہوا۔ آگرہ سے مغرب و شمال پانچ میل کے فاصلہ پر سکندرہ کا روضہ اُسی شہنشاہ عظیم الشان کی آخری آرام گاہ کا نشان دیتا ہے جس کو اسکے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا۔ اُس کا ایک نہایت عمدہ پھاٹک باحرابی دروازہ سنگ سُرخ کا ہے۔ جہانگیر نے اپنے خسر اعتماد الدولہ کا مقبرہ اور چینی کا روضہ دریا کی بائین جانب بنوایا اور قلعہ کے اندر محلات کا وہ حصہ جو جہانگیر محل کہلاتا ہے تعمیر کرایا۔ ۱۰۲۹ھ (۱۶۱۹ء) مین وہ آگرہ سے ایسا رخصت ہوا کہ پھر یہان آنا نصیب نہ ہوا یہ اُسکے عہد کا اختتام تھا اُسکا باقیماندہ وقت پنجاب و کابل مین بسر ہوا۔ ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۸ء) مین شاہجہان نے اپنی بادشاہی تخت نشینی کا اعلان یہین سے کیا اور ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ء) سے ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) تک قیام گزین رہا۔ اگرچہ اُس نے دار السلطنت دہلی کو قرار دیا تھا اور وہان چلا آیا تھا، لیکن آگرہ اور اُس کی یاد کو گوشۂ خاطر سے محو نہ کر سکا۔ قلعہ کے اندر کی بہت سی

مامور ہوکر دکن سے اکبرآباد پہونچے۔ میر عبدالجلیل بھی شاہ حسین خان کی رفاقت مین اکبرآباد سے لکھنؤ چلے آئے۔ پانچ سال یہان قیام رہا۔ خان مذکور بڑی مراعات وعنایات مبذول رکھتے تھے۔ ظاہری ترقی یہین سے شروع ہوئی اور شیخ غلام نقش بند سے تلمذ بھی اسی زمانہ مین

عمارات کی تکمیل وتزئین اسیکے عہد مین ہوئی۔ موتی مسجد، جامع مسجد، اور خاص محل کا وجود وبقا اسی کے دست دریا نوال کا منت گذار ہے۔ تاج محل جسکی نسبت تسلیم کیا جاتا ہے کہ دُنیا مین عہد اسلام واسلامیان کی تعمیرات کا بہترین اور مکمل ترین نمونہ ہے، اسی کی محبوب ملکہ ممتاز محل ارجمند بانو بیگم کی دائمی یادگار اور زوجین کے عشق ومحبت اور باہمی شیفتگی کا ابد قرار مزار ہے ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) مین شاہجہان سے اسکے تیسرے بیٹے عالمگیر نے بغاوت کی اور بمقام ساموگڈھ (ضلع آگرہ) فتح پائی تو شاہجہان کو سلطنت سے معزول اور تاج وتخت سے محروم کردیا۔ لیکن اجازت دی کہ شاہجہان اپنی شاہانہ شوکت وشان کے ساتھ قلعہ اکبرآباد مین سکونت گزین رہے۔ البتہ وہ نظربند یا مقید تھا اور سات سال کے قریب یعنی اپنی وفات تک اُسی حالت اسیر وحبس مین رہا۔ اورنگ زیب دار الخلافہ کو مستقل طور پر دہلی اُٹھا لایا۔ ۱۰۷۷ھ (۱۶۶۶ء) سے آگرہ محض ایک صوبہ دار یا گورنر کا مقام رہگیا۔ جاٹون کے اُس پر متوالی ومتواتر کوہ شکن حملے ہوتے رہے۔ سلطنت مغلیہ کے تنزل کے زمانہ مین آگرہ کے اکثر مواضع بڑے زبردست وحوصلہ فرسا معرکون کے نتیجے دیکھ چکے ہین اورنگ زیب کی وفات پر اُسکے بیٹون نے سرحد دھول پور کے متصل، جاجو پر خوب جنگ آزمائی کی۔ میر عبدالجلیل کے قیام یا آمد ورفت آگرہ کا تقریباً یہی زمانہ تھا۔ ۱۱۲۴ھ کے اختتام یا ۱۱۲۵ھ کے آغاز یعنی شروع ۱۷۱۳ء میں سلطنت کی قسمت کا فیصلہ پھر سواد آگرہ مین ہوا اور فرخ سیر نے جہاندار شاہ کو شکست دی اور اس عیسر تسخیر قلعہ کو فتح کیا۔ اُسکی شاہ فتحین وسر بفلک عمارات پر آل تیمور کا پرچم پھر لہرانے لگا۔ میر عبدالجلیل اسوقت بھی فاتح ومنصور بادشاہ کے ہمرکاب تھے۔

آگرہ کی سرزمین بڑی مردم خیز اور ہنر پرور رہی ہے۔ عہد اکبری کے نامور مورخ ابوالفضل اور اُسکے فرید عصر بھائی ملک الشعرا فیضی کی یہی ولادت گاہ ہے۔ اُنیسوین صدی عیسوی مین اس نے انشائے فارسی اور ادب اُردو کے بڑے بڑے ممتاز صاحب کمال پیدا کئے۔ میر تقی میر اور شیخ ولی محمد نظیر کا خمیر اسی خاک سے تھا۔ مرزا اسداللہ خان غالب کی عمر کا ابتدائی حصہ بھی یہین گزرا تھا۔

شہر کی مردم شماری ۱۹۲۱ء مین ایک لاکھ ترسٹھ ہزار سات سو پچاس ۱۶۳۷۵۰ تھی

۱۲۷ فضائل خان، عالمگیری امرا مین سے تھے۔ بڑے ذی علم اور علم دوست تھے اہل علم کی قدر وسرپرستی

رہا جب شاہ حسین خان دیوانی لکھنؤ سے معزول ہوکر دیوانی صوبہ پٹنہ پر منصوب ہوے تو یہ بھی اُن کے ہمرکاب پٹنہ تشریف لے گئے اور اُس سرزمین مین کچھ روز جمعیت خاطر کے ساتھ گزار دیئے پھر ایک تقریب مین بلگرام آنے کا اتفاق ہوا۔ انھین ایام مین سید محمد فیض زمیندار بلگرام کو حادثہ خان عالمی کی وجہ سے، درگاہ خلد مکان کی حاضری کی ضرورت پیش آئی

فرماتے تھے۔ شیخ سلیمان اصلی نام تھا اُن کے علم و بزرگی کے لحاظ سے بادشاہ نے فضائل خان خطاب دیا تھا سنہ ۱۰۱۱ھ (سنہ ۹-۱۶۰۹ء) مین انتقال کیا۔ دکن کی دیوانی پر بھی کبھی مامور رہے تھے

۵۱۲۸ صوبہ پٹنہ مسلمانون کی ابتدائے حکومت مین صوبۂ بہار کہلاتا تھا اور صوبہ کا گورنر شہر بہار مین رہتا تھا شیر شاہ کی بغاوت پر پٹنہ خود مختار ہوگیا۔ اکبر نے اس کو پھر مغلوب و تابع فرمان کیا۔ اورنگ زیب نے اپنے پوتے عظیم الشان کو گورنر مقرر کرکے بھیجا تو اُس کی مناسبت سے اُسیوقت سے، پٹنہ کا نام عظیم آباد پڑ گیا جو اب تک شہرت رکھتا ہے۔ ہند برطانوی کی جدید تقسیم و تشکیل مین سنہ ۱۹۱۱ء مین اس صوبہ کا نام "بہار و اڑیسہ" قرار دیا گیا اور دار الصدر بدستور پٹنہ رکھا گیا۔ یہ صوبہ جانب غرب صوبہ آگرہ سے، جانب شرقی صوبہ بنگالہ سے، شمال مین نیپال سے۔ اور جنوب مین چھوٹا ناگپور سے ملحق و محدود ہے۔ اورنگ زیب خلد مکان کے عہد مین صوبہ بہار مین آٹھ سرکارین اور دو سو چالیس محال تھے۔ طول ایک سو بیس کوس اور عرض اکیسو دس کوس تھا۔ بیج ناتھ ہندوؤن کا معبد اور ترہت ہندی کا دار العلم، مظفر پور، حاجی پور سارن مونگیر، اسی صوبہ مین داخل اور شامل تھے۔

اس صوبہ مین متعدد قدیم شہر و قصبات واقع ہین۔ خود پٹنہ بہت قدیم و مشہور جگہ ہے۔ ہندوستان عتیق کا دار الصدر "پاٹلی پوترہ" یہی مقام تھا۔ اسی کو میگاستھنیس یونانیون کے عہد کا "پالی بوتھرہ" بتاتا ہے یہی عہد کنہن کے گپت شہنشاہون کا "کسم پورہ" تھا چینی سیاحون مین سے فاہیان سنہ ۴۰۶ء مین اور ہیون تھسانگ سنہ ۶۳۷ء مین ادھر سے گذرے اور اپنے سفرنامون مین اس سرزمین کا ذکر کرتے ہین۔ ڈالوڈورس مورخ پٹنہ کا بانی ہرقلس یا بلرام برادر کرشن کو بتاتا ہے۔ مذہب بودہ کا یہی گہوارہ تھا۔ پٹنہ، بدھ گیا، چمپارن، مظفر پور مین بودھون کے گذشتہ عروج و ترقی کے آثار اب بھی بہت سے نظر آتے ہین۔ "چار ستون" اُس راستہ کا نشان دیتے ہین جو مظفر پور اور چمپارن مین ہوکر تین صدی قبل حضرت مسیح نیپال کی ترائی مین جانے کے لئے اشوک نے اختیار کیا تھا۔ وہ ستون جو بوریا تندن کے پاس ہے اب تک بالکل مکمل اور درست ہے۔ دوسرا ابتارہ کے نزدیک اغلباً اسی مقام پر ہے

دکن کا عزم کیا۔ میر عبد الجلیل اور سید محمد فیض سے بڑا ربط تھا۔ اس لئے اُن کی رفاقت مین یہ بھی دکن چلے اور اُردوئے بادشاہی مین پہونچے۔ میر ناصر علی سے میر عبد الجلیل کی ملاقات اسی سفر مین، اسی موقع پر ہوئی تھی۔ دکن پہونچتے ہی کام ٹھیک ہوگیا اور یہ بلگرام واپس آئے۔ اسی زمانہ مین خبر آئی کہ شاہ حسین نے مرشد آباد (دار الملک بنگالہ) مین انتقال کیا

جہان پرانی سلطنت دیبالی کا دار الصدر آباد تھا۔ بودھون کے آثار و تحقیقات علم الارض کے لحاظ سے گریاک، بیگم پور، ٹیٹراوان، جگدیس پور، ناتھار، اور اسلام پور قابل ذکر مقامات ہین جس جگہ نالندا کی مشہور خانقاہ تھی وہان موضع بڑا گاؤن آباد ہے۔ پرانی سلطنت مگدھ بھی اسی سرزمین پر تھی جسکی راج دھانی راجگیر تھی۔

بادشاہان تیموریہ کے عہد مین ملک بہار اکثر سلاطین و امرائے عظام کی جاگیر مین رہتا تھا (بادشاہ اور ولی عہد کو چھوڑ کر خاندان چغتائیہ کے تمام شاہزادے اور بھائی بند سلاطین کہلاتے تھے۔)

قصبہ بہار و شہر پٹنہ و سہسرام و قلعہ رہتاس گڈھ و شیر گڈھ و منیر مین عہد اسلام کی یادگارین موجود ہین حضرت شاہ ارزان (متوفی ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۳ء) کی درگاہ نہایت متبرک و مشہور ہے جس کی عظمت و زیارت ہندو اور مسلمان یکسان کرتے ہین۔ شیر شاہ کی تعمیر کردہ مسجد سب سے قدیم اور سیف خان کا مدرسہ نہایت خوش نما اور نظر فریب عمارت ہے۔

۱۷۶۳ء کا واقعہ جو پٹنہ کا قتل عام کہلاتا ہے یہین ہوا تھا ۱۷۶۴ء مین صوبجات بنگال و بہار و اوڑیسہ کی دیوانی بحق ایسٹ انڈیا کمپنی اسی قطعہ زمین پر پٹنہ کر منتقل کی گئی تھی۔

مسلمانون کے عہد مین یہ خطہ مسند علم و ادب رہا ہے۔ بڑے بڑے فضلا اور سخنور اس خاک سے اُٹھے اور اسی مین مل گئے ہین۔

۱۷۸۳ء کے قریب تک انگریزی کتابین پٹنہ کے کاغذ پر چھاپی جاتی تھین۔

عہد حاضرہ کی بہترین یادگار اور نفع رسان، مولوی خدا بخش، خان بہادر، سی، آئی، ای کا مشرقی کتبخانہ یعنی عربی و فارسی کی قلمی کتابون کا نادر و بے مثل ذخیرہ ہے۔

انگریزی تاریخون مین سے (۱) مشرقی ہند۔ مولفہ ایم مارٹن مطبوعہ ۱۸۳۸ء اور (۲) پاٹلی پوترہ۔ مولفہ ڈاکٹر ویڈل ۱۸۹۲ء مین یہان کے حالات زیادہ تفصیل و تحقیق کے ساتھ ملتے ہین۔

۱۲۹ سید محمد فیض بلگرام کے موروثی زمیندار اور خود بھی صاحب علم تھے۔ علوم سند اولی کی کتابین میر محمد اسماعیل و میر سید مبارک اور میر عبد الجلیل بلگرامی سے پڑھی تھین۔ امام ترمذی کی شمائل النبی، اور

تو میر صاحب نے تاریخ لکھی ؎

خان خورشید نسب شاہ حسین — ذات او مظہر آیات جلی
آن امیرے کہ در انواع شکوہ — داشتہ، مرتبۂ بے بدلی
گوہر فکر وزیران جہان — پہلوئے رائے منیرش عملی
در ہزار و صد و ہشت از ہجرت — کرد نہضت بہ ریاض ازلی
سال تاریخ خرد گفت چنین — باد حشرش بہ حسین ابن علی

۱۱۰۸ھ (۱۶۹۶-۹۷ء)

شاہ حسین کی وفات کے بعد اُن کے فرزند ارجمند میر محمد رضا، جو شاہزادۂ عظیم الشان (بن شاہ عالم) کے ہم زلف تھے، بنگالہ سے بہ ارادۂ آستانۂ سلطانی چلے۔ بلگرام مین وارد ہوئے اور میر عبد الجلیل کے دیوان خانہ مین کئی روز مقیم اور راحت گزین رہے۔

اس وقت تک میر عبد الجلیل کو کم و بیش شوق تحصیل علم باقی تھا۔ ملازمت سرکاری شروع نہین کی تھی۔ سلسلۂ درس و تدریس جاری تھا۔ لہذا یہ زمانہ جبکہ میر صاحب کی عمر عزیز کے چالیس سال گذر چکے تھے اُن کا زمانۂ طالب العلمی شمار کیا گیا ہے۔

مبلغ علم

میر عبد الجلیل کو زیادہ تر عطیات غیبی نے چمکا دیا اور مبلغ علم اور استعداد کو بڑھا دیا تھا۔ سید علی معصوم ۱۱۳۰ھ

حسن حصین، کا فارسی مین ترجمہ کیا تھا۔ زمینداری کا کاروبار بڑی شان و شوکت و احتشام سے انجام دیتے تھے۔ اتفاقاً خان عالم خان حاکم شہر سے کسی بات پر بگڑ گئی اور ۲۹ رمضان ۱۱۰۳ھ (۲۷ جون ۱۶۹۲ء) کو جدال و قتال کی نوبت پہونچی۔ خان عالم غالب آیا۔ سید محمد فیض کا تمام اثاث البیت غارت و تاراج ہوگیا۔ اسکے تدارک کے لئے سید محمد فیض مستعد ہوئے۔ دکن یعنی عسکر عالمگیر خلد مکان کا قصد کیا میر عبد الجلیل بپاس ربط قدیم رفیق سفر تھے۔ دربار سلطانی مین پہونچ کر سارا ماجرا عرض کیا۔ خان عالم پر عتاب اور وہ حکومت بلگرام سے معزول ہوا۔ سید فیض نے ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۸-۱۹ء) مین وفات پائی۔

سے تعارف و ملاقات کا اتفاق جب اِن کو اورنگ آباد دکن مین ہوا، اور سابقہ پڑا، رابطہ بڑھا۔ تو سید علی نے فرمایا تھا "کہ مین نے اپنی تمام عمر مین میر عبد الجلیل کے مثل غرائب علوم کا جامع نہین دیکھا ہے"۔

۵۱۳۰ سید علی معصوم مدنی دشتکی شیرازی حسنی الحسینی، مشاہیر ادبا اور صناد ید شعرا سے گذرے ہین شیراز مین ان کا خاندان علم و فضل کا مشہور گھرانا تھا۔ شیراز کا مدرسہ منصوریہ ان کے دادا امیر غیاث الدین منصور سے منسوب ہے۔

سید علی صدر الدین کے باپ سید نظام الدین احمد تھے اور دادا سید معصوم۔ معصوم سید کے ہمراہ شاہ عباس ثانی صفوی نے اپنی بہن کو زیارت حرمین محترمین کے لئے بھیجا تھا۔ ضروریات شرعی سے دونون نے نکاح کرلیا اور بادشاہ کے خوف سے وطن چھوڑ کر مکہ معظمہ مین قیام اختیار کیا۔ میر نظام الدین وہین پیدا ہوئے نشو و نما تعلیم و تربیت وہین پائی۔ محمد سعید اردستانی مخاطب بہ میر جملہ وزیر نے اپنی لڑکیون کی شادی کرنے کے لئے میر نظام الدین اور ایک اور نوجوان سید سلطان کو مبلغ کثیر صرف کرکے حیدرآباد بلایا۔ عبد اللہ قطب شاہ بادشاہ نے دراندازی کی اور اپنی بیٹی بیاہ دی۔ بادشاہ اور وزیر سے برہمی و برافشتگی ہوگئی بالآخر زوال سلطنت کا باعث یہی واقعہ ہوا

قطب شاہ کی بیٹی سے میر نظام الدین کا کوئی فرزند نہ تھا۔ سید علی دوسری زوجہ سے تھے جنسے مکہ مین پہلی شادی ہوئی تھی۔ میر سید علی ۱۵ جمادی الاول ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ء) کو مدینہ منورہ مین متولد ہوئے تھے اسی لئے مدنی کہلاتے ہین۔ باپ ان کو مکہ مین چھوڑ گئے تھے۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ء) کو قلعہ گلکنڈہ حیدرآباد مین داخل ہوئے اور پدر بزرگوار کا شرف قدمبوس حاصل کیا۔ ابو الحسن جب تخت پر بیٹھا تو وہ بوجہ میر نظام الدین کی اولاد و وابستگان کا دشمن جان تھا اور تشنۂ خون۔ سید علی کی درخواست پر خلد مکان عالمگیر نے اُن کو اپنے حضور مین طلب کرلیا اور عنایات و نوازشین فرمائین۔ ڈیڑھ ہزار کے منصب پر سرفراز کیا اور خدمات جلیلہ تفویض فرمائین، پہلے اورنگ آباد و مامور صوبہ برار کی حکومت سپرد تھی پھر برہان پور کی دیوانی قبول کرلی تھی۔ کچھ زمانہ بعد بادشاہ عالیجاہ سے اجازت لے کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ سید علی حرمین شریفین چلے گئے۔ بعد ازان ائمہ اطہار علیہم التحیات کی عتبات عالیات کی زیارت کی۔ مشہد مقدس پہونچے۔ پھر اصفہان آئے۔ مگر سلطان حسین صفوی نے حسب توقع مدارات و التفات نہ کی۔ ناگزیر وطن اصلی شیراز کو چلے آئے اور مدرسہ منصوریہ مین پانون توڑ کر بیٹھ گئے۔ ۱۱۱۷ھ (۱۷۰۵ء) مین وفات پائی۔

تصانیف قائقہ یادگار چھوڑی تھین (۱) انوار الربیع فی انواع البدیع۔ ۱۰۹۳ھ (۱۶۸۲ء) مین

میر صاحب کے اوصاف جلیلہ مین آزاد اور اُنکے ہم نوا حضرات بڑے اہتمام و اصرار سے لکھتے ہین کہ ماہران فن موسیقی آپ کو اُستادِ کامل مانتے تھے۔ میر صاحب نے اپنے اس کمال، وقوف و آگاہی کو اپنی مثنویات امواج الخیال و طُوئے فرخ سیر مین ظاہر

لکھی اسکا نہایت عمدہ اور خوش خط قلمی نسخہ پبلک لائبریری الہ آباد مین محفوظ ہے (۲) ریاض السالکین۔ جو صحیفۂ کاملہ کی شرح ہے (۳) حاشیۂ قاموس (۴) دیوان اشعار (۵) سلافۃ العصر فی محاسن اعیان العصر جو شعرائے عرب کا ایک ضخیم تذکرہ ہے۔ اس کی تالیف ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۶۳ھ (۱۷۵۰ء) کو وقت عصر ختم ہو چکی تھی اسلئے میر عبد الجلیل کا نام اس مین نہین ملتا ہے (۶) شرح فوائد صمدیہ (۷) حدائق السندیہ

۱۲۱ اورنگ آباد، تاریخون مین صوبہ مبارک بنیاد لکھا جاتا تھا۔ اس شہر (کھرکی) کی بنیاد ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ء) مین ملک عنبر وزیر سلاطین نظام شاہی احمد نگر نے ڈالی اور فتح نگر نام رکھا تھا سترہوین صدی عیسوی کے اوائل مین بیان افواج نظام شاہی بسر کردگی ملک عنبر اور عساکر شاہان مغلیہ سے معرکہ آرائیان رہین حتی کہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) مین عاجز آکر عنبر نے سپہ سالار جہانگیری کے حوالہ کر دیا ملک عنبر نے ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶ء) مین وفات پائی اور فرمانروایان احمد نگر کی قوت و حکومت رخصت ہو گئی ۱۰۳۶ھ (۱۶۳۷ء) مین اُن کے ممالک، سلطنت مغلیہ کے متعلق صوبہ دکن مین شامل ہو گئے ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ء) مین اورنگ زیب، دکن مین نائب السلطنت مقرر ہوا اور جب اُس نے ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۳ء) مین کھرکی مین سکونت اختیار کی تو اُس کا نام بدل کر اورنگ آباد رکھا۔ یہ وہی مقام تھا جہان سے اورنگ زیب نے اپنی اولوالعزمیون اور ابتدائی تجاویز کو عملی جامہ پہنایا اور مرہٹون اور بادشاہان بیجاپور و گولکنڈہ کے مقابلہ مین مہمات و افواج روانہ کین ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) مین جب اُس نے اپنے باپ شاہجہان کو تخت سے اُتار کر نظر بند کر دیا تو چند سال بعد ہمہ تن مصروف ہو کر سلطنت ہائے اسلامی دکن کے مطیع و منقاد کرنے پر کمر باندھی۔ مرہٹون کے ساتھ لڑائیان شروع کین جن مین وہ آخر وقت بلکہ دم مرگ تک مصروف و مشغول رہا حتی کہ ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۷ء) مین احمد نگر مین وفات پائی ۱۰۹۷ھ (۱۶۸۶ء) مین بیجاپور اور ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۷ء) مین گولکنڈہ جو سلطنت قطب شاہی کا پائے تخت تھا فتح ہوا فتح ہونے کے ساتھ ساتھ ان دونون سلطنتون کا الحاق بھی ہوتا گیا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد بھی پیچیدگیان اور مناقشات قائم رہے حتی کہ آصف جاہ نظام اول نے اورنگ آباد کر اپنی مطلق العنانی و خود مختاری کا اعلان کیا۔ بعد کو حیدر آباد کو اپنا دار الصدر قرار دیا۔

شہر اورنگ آباد شمال و جنوب مین سنجل و ستارا پہاڑیون کے سلسلہ سے محصور ہے اورنگ زیب کے عہد مین اسکی آبادی دو لاکھ نفوس سے کم نہین بتائی جاتی۔ اطراف و جوانب کے ویرانے اور شکستہ

ثابت کیا ہے۔ فرماتے ہین کہ "استخراج دقائق علوم مین عقلاے عرب اور اُن کے متبعین دانایان عالم پر ترجیح لے گئے ہین، لیکن ہندوستان کے اہل موسیقی نے اس فن مین اس قدر لطائف و دقائق استنباط کئے ہین کہ تمامی علوم کے دقائق پر راجح ہو گئے ہین۔ اس قول کی سچائی اُسی شخص پر ظاہر ہو سکتی ہے جو اس فن مین مہارت و دستگاہ رکھتا ہو" ؎

ہر کس از جلوۂ گل فہم معانی نہ کند　　شرح این دفتر نوشتہ ز بلبل بشنو

مقامات اس شہر کی عظمت رفتہ اور گزشتہ رونق و آبادی کی شہادت دیتے ہین۔ بی بی کا مقبرہ، سنگ مرمر کا جو بالکل تاج محل کے نمونہ و قطع کا ہے، نہایت خوشنما اور دلکش ہے۔ اسکو ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۰ء) مین اورنگ زیب نے اٹھارہ لاکھ کے صرف سے اپنی ملکہ "بی بی رابعہ دورانی" کی یادگار مین تعمیر کرایا تھا۔ منارے شکستہ حال ہین بلکہ ایک تو صاعقہ برق سے گر گیا ہے۔ جدید شہر، اورنگ آباد کہنہ کے پورب واقع ہے۔ فوج کی چھاونی پچھم کو، دریاے کوم کے اُس پار ہے۔

اورنگ آباد اب سرکار ابد قرار نظام خلد اللہ سلطنتہ کا ایک صوبہ ہے۔ صوبہ دار (کمشنر) اور ناظم صوبہ (ڈویژنل جج) و تعلقہ دار اول (کلکٹر)، و دیگر افسران و محکمہ جات عدل و عمل کا مستقر ہے۔ ریل کا اسٹیشن ہے۔ ۱۹۲۱ء مین اسکی آبادی ۳۶۸۷۶ تھی۔

بہر رسانی آب کا ایک سلسلہ ملک عنبر نے یہان قائم کیا تھا جسکی تکمیل اورنگ زیب نے کی۔ اگرچہ وہ اب زیادہ شکستہ حال ہے تاہم باشندگان کی تمام ضروریات کے لئے نہایت کافی مقدار مین میٹھا پانی بہم پہونچاتا ہے۔ اسکی صنعت و مخزن کو دیکھ کر بڑے بڑے فرزانگان فرنگ اور ماہران فن انجنیری دنگ رہجاتے ہین۔ ۱۸۹۲ء مین ایک جدید طریقہ آبرسانی کا جاری کیا گیا جس سے چھنا ہوا پانی چھاؤنی مین دیا جاتا ہے۔ قابل دید و دلچسپ مقامات شہر اور اُسکے مضافات مین بہت ہین، مثلاً اورنگ زیب کی ملکہ کا مقبرہ جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔ جامع مسجد معمرہ ملک عنبر۔ نظام کا پرانا محل جو پورانیل کے قریب ہے۔ قلعہ ارک جو اورنگ زیب کا محل سرا تھا۔ اورنگ زیب کی بیٹی کا مقبرہ۔ شہر سے دو میل شمال کو اورنگ آباد کے مشہور غار ہین۔ ان کی تعداد بارہ ہے۔ یہ بودھون کے وقت کے ہین اور اُن کے زمانہ آخرین کی یادگار ہین۔ اسمین شک نہین کہ یہ نہایت دلکش و دل پسند مناظر پیش کرتے ہین ان کے متعلق کتاب رپورٹ ہاے آثار قدیمہ واقع مغربی ہند جلد سوم قابل ملاحظہ ہے۔

دولت آباد کا عظیم الشان قابل دید قلعہ بھی اورنگ آباد کے قریب ہے جو بارھوین صدی مسیحی مین

میر صاحب کے سوانح نویس اس امر کے بیان سے قاصر رہے ہین کہ اُنھون نے اس فن لطیف کو کہان سیکھا تھا اُن کے اُستاد کون تھے اور کس حد تک شہرت رکھتے تھے؟ لیکن یہ بات بھی

دیوگڈھ یا دیوگیری کہلاتا تھا۔ خلد آباد مین جو "روضہ" کہلاتا ہے اورنگ زیب خلد مکان کا مقبرہ ہے۔ قبر سادہ ہے اطراف مین سنگ مرمر کا کٹہرہ لگا ہوا ہے۔ اسی بابرکت مقام مین ملک عنبر اور ابوالحسن تانا شاہ [خاتم خاندان بادشاہان قطب شاہی جسکو اورنگ زیب نے ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۷ء) مین قید کر دیا تھا] اور آصف جاہ (مورث اعلی حضرت نظام دکن) بھی راحت گزین ہین۔ روضہ نہایت اچھی و پُرفضا جگہ، پہاڑیون پر واقع ہے اور دکن کی مشہور تفریح گاہون مین شمار ہوتا ہے۔ یہان بیس مقبرے اور چودہ سو قبرین ہین۔ میر غلام علی آزاد جنھون نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ دکن مین گزارا تھا یہین مدفون ہین۔

۱۳۲ "موسیقی" یا "سوبیق" سُریانی زبان مین علم سرود کا نام ہے۔ لغت یونانی مین لحن کے معنی مین آتا ہے۔ مرآۃ الخیال مین اسکی ترکیب موُ (بمعنی ہوا) اور سیقی (بمعنی گرہ لائی ہوئی) سے لکھی ہے۔ ایک وجہ تسمیہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے بہ امتثال فرمان خداوندی اپنا عصائے مبارک پتھر پر مارا اور اُس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے تو منادی غیب نے ارشاد کیا کہ "یا موسیقی" یعنی اے موسے! یاد کرلو جو کچھ ان چشمون کی روانی سے آواز آتی ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہین کہ موسیقی کی ابتدا حکیم فیثاغورث نے کی جو حضرت سلیمانؑ کے شاگرد تھے۔ صاحب حدیقۃ الانوار بھی اس روایت کی تصدیق کرتا اور حکیم کے رویائے صادقہ کا پورا واقعہ نقل کرتا ہے بعض حضرت داؤدؑ سے بتاتے ہین۔

دانایان ہند کی رائے مین اس کا ماخذ "ناہید" ہے۔ وہ موسیقی کے معنی "سُر الیر" یعنی نغمۂ خداوندی بتاتے ہین اور اس کا موجد بعض کرشن جی کو اور بعض مہادیو جی کو جن کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے ۱۲۳۷ سال قبل گذرا ہے یعنی ۳۰۲۴ سنہ ہبوطی، لکھتے ہین۔

اہل تحقیق کی روایت یہ ہے کہ ققنس کسی جانور کا نام ہے جسکی آواز سنے حکمانے علم موسیقی کا استخراج کیا ہے اور بارہ بروج فلکی کے مطابق بارہ مقام مقرر کئے اور ان مقامات کے شعبون کا شمار روز و شب کی ساعات کے موافق چوبیس قرار دیا ہے۔ ہر مقام مین دو شعبے رکھے ہین۔ ایک اُسی مقام کی پستی سے اوٹھتا ہے۔ دوسرا اُسی مقام کی بلندی سے پیدا ہوتا ہے۔ موسیقی کے بارہ مقامات کو کسی باکمال نے اس رباعی مین یکجا کر دیا ہے ؎

یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بجائے خود بلگرام اس فن کا قدرتی مرکز یا طبعی منبع کسی وقت مانا جاتا تھا۔ آئین اکبری مین لکھا ہے کہ "بلگرام قصبہ ایست خوش ہوا بیشتر مردم آن خوش فہم و سرود دستر۔ و در آنجا

راست، عشاق، بوسلیک بساز — با نوا، اصفہان، بزرگ، نواز
کوچک استاد، عراق و زنگولہ — پس حسینی و راہوے و حجاز

ہر شعبہ چند نغموں سے مرکب ہے۔ یہ نغمات بے شمار ہین اور ہر ایک جدا جدا نام سے موسوم۔ ان کے گانے کے لئے مختلف اوقات مقرر ہین۔ زیر و بم کے واسطے جداگانہ قواعد و اصول منضبط۔ ہندی راگ، فارسی سے بھی قدیم تر اور زیادہ نازک و وسیع ہے۔ اہل ہند الحان و آواز کو اپنی اصطلاح مین "سُر" کہتے ہین ان کی تعداد سات ہے۔ انھین سے "سرگم" بنتا ہے۔ ان کے راگ چھ ہین اور ہر راگ کے متعلق پانچ راگنیان ہر ایک کے لئے فصل و وقت مخصوص ہین مختلف اقسام و اشکال کے سازہائے کوچک و بزرگ حسب ضرورت وضع و اختراع کئے گئے ہین جن سے گوناگون آوازین نکلتی ہین۔ ہندی و ایرانی دونون راگون پر ماہرین فن نے کثیر التعداد اور قابل اعتبار کتابین لکھی ہین اور اس فن کے کمالات و لطائف اور معلومات مین برابر اضافہ کرتے رہے ہین۔ ایرانیون نے ہندوستان آکر یہان کی موسیقی کو سیکھا اور حد کمال تک پہونچایا ہے دونون کی آمیزش و ترکیب سے ایک تیسری چیز نکالی ہے جو زیادہ لطف انگیز ہو گئی اور جان تازہ بخشتی ہے۔

تقریباً تمام السنۂ یورپ مین یہی کلمہ کسی قدر اختلاف املا و تلفظ کے ساتھ آتا ہے مثلاً انگریزی مین میوزک Music، فرانسیسی مین میوسین Musique، پرشین (جرمن) مین میوزیکا Muzica ہسپانوی و پرتگالی و ایطالوی و لاطینی مین میوسیکا Musica، گریک یا یونانی مین میوسیکے Musiké، اور اس سے مراد وہ صنائع و فنون لئے جاتے ہین جنپر (اُنکے زعم مین) میوز Muse دیویان کارفرما و مجلس آرا ہوتی ہین خصوصاً علم موسیقی۔ اور وہ منظومات جو سرود و بربط پر گائے جاتے ہین اور جن کی ترکیب فن موسیقار کے اصول و ضوابط پر مبنی ہو اور جو ساز و آلات پر سامعہ نواز ہون۔ اہل یونان اسکے معنی میوز دیوی کے تعلق سے عموم فنون لطیفہ کے لیتے ہین۔ انگریز اہل لغت کے نزدیک اس لفظ کا مفہوم (۱) ترانہ و سرود (۲) تال میل اور سُر (۳) آواز کا تواتر جس کا نغمہ یا الاپ کانون کو خوش کردے یا بیک وقت صداؤن کا وفاق و اتحاد کے ساتھ بلند ہونا۔

ایک انگریز فلسفی جان لاک (۱۶۹۱ تا ۱۷۲۹ء) کا قول ہے کہ "مضراب و مزامیر، رقص و سرود، اور نغمہ و ترانہ دنیا مین بہت سے لوگون کے لئے وہ کیفیت و اثر رکھتے ہین جو تمہارے لئے عبادت و دعا، تضرع و نجوائے مین مضمر و مکمن ہے"

چاہیے است کہ ہر کہ چہل روز آب از و آشامد، شناسائی و حسن منظر افزاید"

ایک صاحب حال بزرگ فرماتے ہین کہ سماع (موسیقار) راحت دل اور اہل محبت کو جنبش دینے والا ہے جو بحر محبت مین شناوری کرتے ہین۔

دوسرے وسیع النظر محققین نے اسکی جامع تعریف یون کی ہے کہ "خوش آہنگی کے ساتھ آواز نکالنے یا ترنم کا فن، جو اصول اتحاد صدا، اُسکے مقصودات و متعلقات و وسائط تصدیہ باہمی پر حاوی و منضبط ہے"

متقدمین کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ نغمات کا چھیڑنا، ہوا کو مسخر کرنا اور گرہ باندھنا ہے۔

صوفیائے کرام نغمہ و غنا سے لطف خاص اور وجد و عرفان پاتے رہے ہین۔ اُن کا ارشاد ہے کہ اَلْغِنَاءُ غِذَاءُ الْاَرْوَاحِ سید الطائفہ جنید بغدادی فرماتے ہین کہ "میثاق کے روز عذوبت کلام اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سے ارواح کو جو لطف آیا تھا اب تک وہی باقی ہے"، سلطان نظام الدین اولیا فرماتے تھے کہ "مینے ایک موقع پر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ پوربی کی راگ مین سُنا تھا جس کا لطف ہنوز باقی ہے"

۱۳۳ھ مسلمانون کے عہد حکومت مین بلکہ اُن کے تسلط و فتح ہندوستان کے آغاز سے اس ملک مین بھی فن موسیقی نے بڑی ترقی کی۔ مسلمان بادشاہون نے اہران فن اور اہل کمال کی ہمیشہ قدر دانی و سرپرستی فرمائی ہے ایسے حضرات کا حصر و شمار نہ آسان ہے نہ ممکن بہت سے ایسے دانایان فن گزرے ہین جنکو نام و زندہ جاوید رہین گے۔ البتہ وہ اہل موسیقی جنھون نے اپنی تغنی و ترنم و آواز یا آلات سرود و ساز کی بدولت شہرت و بقا پائی جن کا اکرام و احترام معاصرین و پس آیندگان نے ملحوظ رکھا، جنکے نام نامی تاریخ نگار و تذکرہ نویس نسلاً بعد نسل لکھتے اور بتاتے چلے آئے ہین ایسے اُستادان مسلم الثبوت کی فہرست یہ ہے (۱) گوپال (۲) امیر خسرو، شاعر مشہور (۳) بیجو (۴) بھانو (۵) پنڈوا (۶) بخشو (۷) لوہنگ (۸) سلطان حسین شرقی بادشاہ جون پور (۹) راجہ مان باشندہ گوالیار جو دھرپد کا موجد ہے اور جس کے زمانہ مین چار اور اہل کمال موجود تھے، یعنی (۱۰) چرجو (۱۱) بھگوان (۱۲) دھوندہی (۱۳) ڈالو (۱۴) تان سین جس نے اکبر اعظم کے عہد مین عروج و شہرت پایا اور جسکو اُسکے آقائے سابق راجہ رام چند نامی نے بادشاہ کی خواہش سے دربار اکبری کے نذر کر دیا تھا اور جہان اُسنے ۳۴ جلوس یعنی ۹۹۶ھ (۱۵۸۸ء) مین وفات پائی (۱۵) سبحان خان (۱۶) سُرگیان خان ساکن فتح پور (۱۷) میان چنڈا یا چاند خان (۱۸) اُس کا بھائی، سورج خان (۱۹) تان ترنگ خان پسر تان سین (۲۰) مدن رائے (۲۱) رام داس (۲۲) اُس کا لڑکا سُورداس جو نابینائے مادر زاد اور شاعر اور علم اخلاق کا ماہر اور دانائے موسیقی تھا (۲۳) باز بہادر (۲۴) مونڈا (۲۵) میان دند (۲۶) میان داؤد (۲۷) مُلا اسحاق (۲۸) شیخ خضر (۲۹) شیخ بیجو (۳۰) حسن خان میئی (۳۱) سورت سین (۳۲) اُس کا بھائی لالہ دیبی (۳۳) مرزا عاقل (۳۴) میان شوزی (۳۵) غلامی

میر شیر علی افسوس[۳۴]، پروفیسر فورٹ ولیم کالج اپنی تاریخ ہندوستان موسوم بہ آرائش محفل[۳۵] مین تحریر کرتے ہین کہ "قصبۂ بلگرام مین ایک کنوان ہے۔ جو کوئی چالیس دن متصل اُس کا پانی پیے خوب گانے لگے"، مین نہین کہہ سکتا کہ اس قول کی اصلیت کیا ہے اور افسوس کے ذرائع تحقیق و تصدیق کیا ہین۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ ضعیف الاعتقادی کی باتون یا لغو خیالات اور روایات کے نقل کرنے سے اس کتاب مین معمولاً احتراز و اجتناب کیا گیا ہے۔ اس کی اشاعت نوّاب گورنر جنرل بہادر آرل آف ڈلہوزی کی منظوری و فرمان سے ہوئی تھی اور اسکی ترتیب و تالیف (سنہ ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء مین) اُسوقت کے سررشتہ تعلیم کے اکابر و مہرہ کی ہدایت و ارشاد سے مسٹر جے سی ولیمس نے رپورٹ مردم شماری اور مسٹر ولیم آرڈین نے پُرانے گزٹیر مطبوعہ ۱۸۷۸ء مین بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اسی قسم کی روایت ہندوستان کے سب سے نامور اور کامل ترین گویا، میان تان سین کی نسبت مشہور ہے جسکو امپریل گزٹیر نے بھی نقل کیا ہے۔ تان سین کی قبر گوالیار مین شیخ محمد غوث کے

---

(۳۶) میان لال یا لال خان (۳۷) نیلم پرکاش اور دوبین نواز، (۳۸) فیروز خان (۳۹) نوبت خان (۴۰) منجھو قوال، جسکے کمال اور خدا پرستی کا اکبر بڑا معتقد اور قائل تھا اور جس کی عطا و بخشش کا ایک واقعہ "دربار اکبری" مین بھی منقول ہے۔

شعرا کے بعد ہی اکبر کے دربار کے ممتاز "خنیاگردن" نے آئین اکبری مین ممتاز جگہ پائی ہے۔

[۳۴] میر شیر علی افسوس، میر علی مظفر خان، داروغہ نوبت خانہ نواب قاسم خان عالی جاہ کے بیٹے، نارنول کے رہنے والے تھے سلسلۂ نسب امام ہمام جعفر صادق علیہ السلام سے ملتا ہے۔ لڑکپن مین باپ کے ساتھ دہلی سے لکھنو چلے آئے تھے حسب روایت گلشن بیخار میر حیدر علی حیران جہان آبادی سے تلمذ تھا۔ پہلے آصف الدولہ کے چچا نواب اسحاق خان کے بعد ازان مرزا جوان بخت بہادر کی سرکار مین ملازم رہے۔ پھر مسٹر بارلو اور مسٹر گلکرسٹ، قدرشناسان علم و ہنر کے حسب الطلب، مسٹر اسکاٹ رزیڈنٹ کی تجویز سے، معقول مشاہرہ پر سنہ ۱۸۰۰ء مین کلکتہ چلے آئے۔ نو برس زندہ رہے۔ فارسی سے ریختہ مین ترجمہ کرنے کی خدمت پر مامور تھے۔ گلستان کا ترجمہ باغ اُردو کے نام سے کیا تھا۔ ہندوستان کی یہ تاریخ (آرائش محفل) اُردوئے مروجہ مین لکھی۔ منشی سجان رائے کھتری کی تالیف خلاصۃ التواریخ یا خلاصۃ الہند سے زیادہ تر استفادہ کیا ہے۔ کلکتہ مین ۱۲۲۱ھ (سنہ ۱۸۰۶ء) مین

مزار کے قریب واقع ہے۔ پہلے اس قبر پر املی کا ایک درخت چھایا ہوا تھا جسکی نسبت عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ جو شخص اسکے پتّے چبا لیتا ہے قدرتِ خدا سے اُسکی آواز نہایت رسیلی اور پیاری ہوجاتی ہے۔ ناچنے گانے والے طبقہ کے لوگ بڑی عقیدت سے اسکو کھاتے اور قدر کرتے تھے۔

اِس فضل و کمال معنوی کے باوجود میر صاحب "صناعات و فنون سپاہگری مین معرکہ پردازون کے پیشوا اور در زمش اسلحہ و آلات حرب و ضرب مین بزرسازون کے اُستاد" بقول میر غلام علی آزاد تھے۔ نواب نظام الملک آصف جاہ اوّل مبرور کے مدحیہ قصیدہ مین فخریہ فرماتے ہین ؎

زفضل گر گزرم، تیغ و نیزہ می گیرم — کہ بر جلادت من شاہد اند این دو گوا
زذوالفقار چو برہان قاطعے دارم — بروز معرکہ فصل نمایم این دعوی

شہسواری و فراست کے فن مین بھی طاق تھے گھوڑے پر خوب چڑھتے۔ اپنے بعض اعزہ کو بھی اسکے نکات و پیچ بتائے اور سکھائے تھے حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ مین ان کمالات مردانہ کی بڑی قدر تھی اور کوئی شخص اُس وقت تک کامل نہین سمجھا جاتا تھا جب تک سیف و قلم دونون کا مرد بلکہ فرد نہ ہو

عربی و فارسی و ترکی و ہندی چار دن زبانون مین بڑی طلاقت و روانی سے گفتگو کرتے اور بے تکلف، نہایت پُرلطف شعر کہتے تھے۔

ذوق سخن میر عبدالجلیل کو بزرگان کرام کے کلام سے بڑی الفت تھی مثنوی مولانا روم اکثر زیر نظر رہتی۔ خواجہ حافظ شیرازی کا کلام بہت پسند تھا۔ اکثر غزلین اور اشعار اُنکی زبان پر رہتے تھے امیر خسرو کے ساتھ اِن کو بڑا شغف اور اُن کے کلام سے عشق تھا۔ اپنے قصائد و مثنویات مین

امانت حیات سپرد کی۔

۱۳۵ آرائش محفل کا ترجمہ میجر ہنری کورٹ Major Henry Court نے انگریزی مین کیا تھا جس کو پانیر پریس الہ آباد نے ۱۸۶۱ء مین بازدیاد حواشی و فوائد بڑے اہتمام سے شائع کیا۔

اس التفات و تعلق قلبی کی جھلک دکھائی اور اپنا اور امیر کا تقابل و توازن کیا ہے جس کا انشاء اللہ محل مناسب پر بیان کیا جائے گا۔ امیر کی یہ غزل خاص کر پسند تھی، اوقات خاص مین جب لطف و سرور مین ہوتے تو اکثر پڑھا کرتے اور اپنے دوستون کو سنایا کرتے تھے یہ غزل قاضی شیخ محمد حافظ کو بھی یاد کرادی تھی جس کو قاضی صاحب بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے اور کیفیت و لذت پاتے تھے جسکی تعبیر و بیان قال سے نہین کر سکتے تھے ؎

یار قبا چست کرد، رخش بہ میدان برید — این سر و ہر سر کہ ہست، در خم چوگان برید
غمزہ زن یار سید، ساختہ دارید جان — یوسف ما باز گشت مژدہ بہ کنعان برید
مست خراب مرا حاجت نقل است اگر — این جگر خام سوز را بہ نمکدان برید
نیست دل چون منی در خور شاہین شاہ — پارہ مردار را بر سگ دربان برید
برد و رخ از خون نوشت خسرو دل خستہ حال — دہ ز دل ماندہ ام قصہ بہ سلطان برید

حافظہ و یادداشت

میر عبد الجلیل کے حافظہ قوی اور زبردست یادداشت نے اُن کی استعداد ذہنی و کسبی کو غایت اقصیٰ پر پہونچا دیا تھا۔ قاموس[۱۳۶] اللغات اول سے آخر تک اُن کی زبان کی نوک پر

---

[۱۳۶] قاموس ایک شرح کا نام ہے جو یوسف بن مانع نے "نصاب" کی لکھی تھی۔ ایک دوسری کتاب اسی نام کی طب مین بھی ہے جسکو مدین بن عبد الرحمن مصری نے گیارھوین صدی مین تحریر کیا تھا۔
مگر یہان مراد اُس مشہور کتاب سے ہے جو شیخ مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے عربی کے علم لغت، اُسکے اصول و تاریخ اور اشتقاق کے بیان مین تالیف فرمائی ہے۔ شیخ کا مفصل تذکرہ امام جلال الدین سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ مین کیا ہے۔ بروایت نور الصباح و مُزہر (از سیوطی) شیخ کا زمانہ آٹھوین صدی ہجری مین تھا وہ ۷۱۹ھ (۱۳۱۹ء) مین پیدا ہوا اور ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) مین اس عالم آب و گل سے رخصت ہو گیا۔ زبید (یمن) مین شیخ اسمٰعیل جبرتی کے مقبرہ مین پیوند خاک ہوا۔

تھی۔ اسیطرح اور بہت سی مستند اور جامع کتابین جو کسی وقت نظر سی گزری تھین پیری و انحطاط عمر مین بھی بدستور یاد تھین۔ احادیث نبوی مع اسناد و اسماء الرجال اور اشعار

حافظ ابن حجر لکھتے ہین کہ شیخ اپنا نسب شیخ ابو اسحاق شیرازی تک پہونچاتے تھے۔ جب ترقی کی اور قضائے یمن کے والی ہوگئے تو حضرت صدیق اکبر کی اولاد سے ہونے کا دعوی کیا خود کو اپنے قلم سے صدیقی لکھنے لگے۔ سریع الحفظ تھے۔ فرمایا کرتے تھے "کہ مین اسوقت تک سوتا نہین جب تک دو سو سطرین حفظ نہین کرلیتا ہون" وطن سے رحلت فرما کر پہلے واسط پہونچے پھر بغداد آئے۔ وہان سے دمشق گئے۔ جو اسوقت علوم و فنون اسلامی کا مرکز و مخزن اور اہل علم کا مرجع بنا ہوا تھا۔ حافظ ابن قیم اور تقی سبکی اور تسو سے زائد دیگر علماء و فضلاء سے تحصیل کی پھر بعلبک اور حماۃ اور حلب پہونچے اور ان جہات کے مشاہیر سے سماعت کی۔ قدس مین دس برس کے قریب قیام فرمایا۔ درس دیا۔ صدر بنے۔ ان کے فضائل و محاسن دیکھ کر اکابر کی ایک بڑی جماعت ان سے مستفید ہوئی صلاح صفدی اسی زمانہ کے تلامذہ سے تھے۔ شیخ نے وہان سے نکل کر بلاد شمال و مشرق کی سیاحت فرمائی۔ روم پہونچے ہمارے ہندوستان کی زمین نے بھی ان کے قدم چومے تھے۔ یہان سے یمن گئے۔ جمال ریمی کا انتقال ہوچکا تھا۔ ملک اشرف اسمعیل نے اُن کی قدر شناسی و تعظیم کی خود سلطان نے ان کے روبرو زانوئے ادب تہ کیا۔ ارکان مملکت نے بھی ان کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی۔ پھر سارے یمن کے قاضی مقرر ہوئے۔ سلطان اشرف نے ان کی مہر طلعت و باہنر دختر سے شادی کی جسکے حسن و جمال کی توصیف مین مورخین نے بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ زبید کی خاک اور اہل زبید کی اخلاق و اکرام نے ان کو اپنا کرلیا اور یہ وہین کے ہو رہے۔ البتہ مکہ معظمہ کو چند بار آئے تھے۔ مدینہ منورہ اور طائف شریف کی بھی مجاورت فرمائی تھی

خزرجی لکھتے ہین کہ جب شیخ نے ۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) مین مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا تو سلطان کو ایک عرضداشت لکھی جس مین اپنی کہولت و پیرانہ سالی، نحافت جسم اور ضعف قوے کا اظہار کیا اور لکھا تھا کہ تصحیح بخاری کی یہ حدیث سامع شریفہ مین بارہا گذری ہوگی کہ سیدنا رسول اللہ نے فرمایا ہے اذا بلغ المرء ستین سنۃ فقد اعذر اللہ الیہ جس کا سن ساٹھ برس سے متجاوز ہوجاتا ہے اسکو خدائے تعالی بھی معذور رکھتا ہے۔ میری حالت تو یہ ہے کہ ستر سے بھی گذر چکا۔ اسّی کے قریب پہونچ رہا ہون۔ بیت رب العالمین اور زیارت سید المرسلین کا شوق و عزم بیحد بیچین کر رہا ہے۔ مجھے اجازت روانگی دیجئے۔ اسکے سوا کچھ نہین چاہتا

شوقی الی الکعبۃ الغراء قد زادا ۔ واستحمل القلص الرخادۃ الزادا
واستاذن الملک المنعم زید علی ۔ واستودع اللہ اصحابا واولادا"

و امثال چاروں زبانوں (عربی، فارسی، تُرکی اور ہندی) کے اُنکے خزانہ دماغ میں اسدرجہ محفوظ تھے کہ سُننے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ تاریخ سے فطری محبت اور طبیعت کو لگاؤ تھا اس لئے بڑے بڑے واقعات اپنے سلسلۂ وقوع کے ساتھ انکو ایسے یاد تھے جیسے کہ انکے پیش نظر گذرے ہوں

سلطان اس خط کو پڑھ کر آبدیدہ ہوگیا اور طُرّہ کتاب (خط کی پیشانی) پر لکھا کہ اس کا جواب وہی ہے جسکو صدر الجمال مصری میری زبان سے ادا کر گیا ہے" اس کے لئے نہ لب کھلتے ہیں۔ نہ زبان جنبش کرتی ہے نہ نطق یاری کرتا ہے نہ قلم چلتا ہے۔ یمن عُمیا، دنا بینا تھا۔ آپ نے منوّر فرمایا۔ روشنی پھیلائی۔ ہم آپ سے کیونکر کچھ کہہ سکتے ہیں۔ علم مُردہ ہوچکا تھا آپ کو علم ہے کہ آپ ہی کی بدولت اللہ جل شانہٗ نے اُس کو زندہ کر دیا۔ اے مجدالدین! آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں اور خود بھی قسم کھاتا ہوں کہ اِس خدا کی دی ہوئی عمر میں سے جو کچھ باقی ہے اُس کے لئے دُنیا اور نعیم دُنیا کا چھوڑنا برداشت کر سکتا ہوں مگر یمن اور اہل یمن سے آپکی مفارقت گوارا نہیں کر سکتا" شیخ علامہ شوکانی لکھتے ہیں وفی ھذا الکلام عبرۃ للمعتبرین مِن افاضل السلاطین بتعظیم قدر علماء الدین۔

ان کے ہزارہا تلامذہ تھے۔ حافظ ابن حجر و مقریزی و برہان حلبی کے نام سرِ فہرست ہیں احمد بن محمد بن عبدالسلام نے بھی بہت سے حالات البدر الطالع من الضوء اللامع لاہل القرن التاسع میں لکھے ہیں۔ کامل ہوش و حواس اور صحت سماعت و بصارت کی حالت میں شب بستم ماہ شوال ۸۱۷ھ (۴ جنوری ۱۴۱۵ء) کو رحلت کی۔

تقی کرمانی لکھتے ہیں کہ مجدالدین نظم و نثر فارسی میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔

تصانیف کثیرہ چھوڑی ہیں۔ لغت و تفسیر و حدیث کی کتابوں کا شمار چالیس سے متجاوز ہے جسب ذیل بالتخصیص قابل ذکر ہیں۔

تفاسیر میں

۱۔ بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز۔ دو جلدیں۔ یہ تفسیر فیروز آبادی کے نام سے بھی مشہور ہے

۲۔ الدر النظیم المرشد الی مقاصد القرآن العظیم۔

۳۔ تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس۔ چار مجلدیں۔

حدیث میں

۱۔ فتح الباری فی شرح البخاری۔ چالیس جلد میں لکھنے کا ارادہ تھا مگر پیغام اجل نے مہلت نہ دی بیس جلد مکمل کر پائی تھیں (ابن حجر نے بھی اپنی شرح کا یہی نام رکھا ہے ممکن ہے کہ عدم آگاہی اسکا باعث رہی ہو)

۲۔ امتضاض السہاد فی افتراض الجہاد۔

۳۔ الاسعاد بالاصعاد الی درجۃ الاجتہاد۔ تین جلد میں۔

۴۔ تسہیل طریق الوصول فی الاحادیث الزائدۃ علی جامع الاصول۔

دکن میں میر صاحب کو مرزا یار علی بیگ سوانح نگار حضور معلیٰ کی مجلس میں جانے کا اتفاق ہوا مرزا کا معمول اور ضابطہ معین تھا کہ ہمیشہ کتاب قاموس کی تصحیح و مقابلہ کرتے رہتے تھے اور اپنے وقت کا ایک حصہ اسی شغل میں صرف فرماتے تھے۔ میر صاحب نے حاضرین محفل سے چند اشکالات

۵۔ الاحادیث الضعیفہ۔
۶۔ الدر الغالی فی الاحادیث العوالی۔
۷۔ سفر السعادہ۔

تاریخ و اخبار میں { المرقاۃ الوفیہ فی طبقاۃ الحنفیہ۔

نفیس و بیش قیمت کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ صرف ایک ہی ذخیرہ پچاس ہزار مثقال سونے میں خریدا تھا اس ابجد خواں علم نے جس وقت کہ اُس کو کتاب کے سیدھا رکھنے کی تمیز بھی نہ تھی بعض مبتدی طلبہ کو معارضہ کرتے سُنا تھا کہ شیخ کی زبان مستند نہیں۔ وہ محاورات میں لغزش کر جاتا اور اپنی مادری زبان (پارسی) کے تتبع و تقلید میں ایسی بات کہہ جاتا ہے جسپر اعراب ہنستے ہیں۔ اسکی تائید میں میرے ہمدرس اعزاء سراپردہ عصمت و حجاب تک لے جاتے اور حجلہ عروسی کی "اقتل السراج" والی نقل کہ ڈالتے تھے مگر آج وسعت نظر اور قدرے تحقیق کے بعد یہ باتیں افسانہ و حکایت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ بیشک شیخ شہر فیروز آباد (مضافات شیراز) کا رہنے والا تھا۔ شہر گازرون (فارس) میں پیدا ہوا مگر اُس نے ایک بیگانہ زبان میں وہ تبحر حاصل کیا کہ چھ سات سو برس سے برابر اُسکی تحقیق مُستند اور اُس کا فیصلہ معتمد مانا جاتا ہے اور دُنیائے علم و ادب نے اُسکی وہ قدر و عزت کی ہے جسکی مثال پائی نہیں جاتی۔ شیخ کی عظمت ایک دوسری حیثیت سے بھی کی جاتی ہے جسکی نسبت نامہ دانشوران ناصری اشارہ کرتا ہے "شیخ مجد الدین فیروز آبادی شافعی کہ از اکابر متاخرین فن حدیث است"۔ امام صفدی اور ابن ہشام وغیرہما کو شیخ سے استفادہ و تلمذ پر فخر تھا۔

قاموس کا پورا نام القاموس المحیط والقابوس الوسیط الجامع لما تفرق فی کلام العرب شماطیط ہے دیباچہ نگار ناقل ہے کہ فیروز آبادی نے قاموس سے پہلے اللامع المعلم العجاب الجامع بین المحکم والعباب فن لغت میں ساٹھ جلدوں میں لکھی تھی۔ یہ لغت کی مشہور کتابوں محکم (مجھے تلاش سے نہیں ملی) اور عباب (مصنفہ الصاغانی) متولد ۵۷۷ھ متوفی ۶۶۰ھ کے بعد اس فن کی سب سے بڑی کتاب تھی۔ اسی لامع جامع کا ایجاز و اختصار کر کے قاموس دو جلدوں میں رکھی گئی۔

سید مرتضیٰ صاحب تاج العروس نے خود شیخ کی قلمی تحریر دیکھی تھی جسمیں جلد اول کے نسخہ دوم پر لکھا تھا کہ اُس نسخہ کی تبئیض سے ذیحجہ ۷۶۸ھ (اگست ۱۳۶۷ء) میں شیخ نے فراغت پائی۔ شیخ کی دیگر تالیفات (فقہ جامع میں) سر السعادۃ اور بصائر بھی ایسی ہی بلند پایہ ہیں۔

قاموس کے لفظی معنی دریائے عمیق یا جائے ژرف ترین از دریا کے ہیں۔ قاموس اللغۃ بھی واقعی ایک

قاموس کے بیان کئے۔ کوئی صاحب عقدہ کشائی نہ کرسکے۔ آخر خود میر صاحب کو اُن مقامات کو حل کرنا اور سمجھانا پڑا۔ سب نے تحسین و آفرین کی یہی ذریعہ تعارف اور سلسلۂ مروّت تھا جس نے مرزا یار علی بیگ کو اُنکی قدر شناسی پر مائل کردیا۔ وہ کمال عنایت و نوازش فرماتے تھے اور بالآخر

ایک گہرا سمندر ہے جس سے غواص و متلاشی اپنے دسترس و استعداد کے مطابق ادب و انشا کے لآلی بے بہا نکال لاتے ہیں۔ نورالدین علی بن محمد بن علیف کی اسکی مدح میں کہتا ہے۔

قد مد مجد الدین فی ایامہ　　من بعض اُبحرِ علمہ قاموسا

شیخ کی محنت و کمال کی داد یگانہ و بیگانہ سب نے دی ہے لیکن مشیت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سب سے زیادہ اعتناء اُنھیں گہر شناسوں نے کیا ہے جنکو قدر کمال دیار اغیار سے کھینچ لائی تھی۔

(۱) محمد بن الطیب الفاسی شیخ کا شاگرد، مراقش کا رہنے والا تھا جس نے قاموس کی بڑی عالمانہ شرح سب سے پہلے لکھی

(۲) ملا علی القاری ساہمہ گیر و ہمہ داں ایک شرح "قاموس" لکھ کر اپنی جوہر شناسی کا حق ادا کرکے اہل علم پر بڑا احسان کر گیا ہے

(۳) سید مرتضیٰ زبیدی یمنی جسکا مسقط الراس ہندوستان تھا ایک مکمل شرح تاج العروس کے نام سے لکھ کر اہل ذوق کو صلائے عام دے گیا ہے۔

(۴) عاصم آفندی نے قاموس کا ترجمہ ترکی میں اور (۵) فری تاگ Freytag نے ترکی سے اپنی زبان میں کیا۔

(۶) گولیس Golius نے اس کو لاطینی زبان میں منتقل کیا اور حسب ضرورت کہیں ایجاز سے اور کہیں شرح و بسط سے کام لیا ہے۔

(۷) شرق نوازان فرنگ میں سے موسیو فُل جینس فرسنل M. Fulgence Fresnel اور پادری جے آر ٹی لائیڈر Rev. J. R. T. Lieder جنھوں نے اپنی عمر مصر و قاہرہ میں گزار دی تھی اسکے حافظ ہوگئے تھے۔

(۸) سب سے زیادہ قابل ذکر اور مستحق ستائش مدّ القاموس ہے جو ۱۸۶۳ء میں انگلستان میں چار جلدوں میں شائع ہوئی ایڈورڈ ولیم لین Edward William Lane نے پورے بیس سال یا یوں کہئے کہ اپنی عمر عزیز اسی کی تالیف میں گزار دی تھی۔ ولایت کے ایک دولتمند و علم دوست امیر ڈیوک آف نارتھمبرلینڈ نے سرپرستی و دستگیری کی اور سرمایہ کافی بہم پہنچا دیا کہ غریب الدیار لین سات سال سے زائد مع قبیلہ و خانماں کے قاہرۃ الکبریٰ میں مقیم رہا۔ اُسکے بعد سرکار برطانیہ اور وزرائے مملکت نے بھی فیاضی کی۔ ایڈورڈ اسٹینلی لین پول E. S. Lane—Poole نے جو ایڈورڈ لین کا برادر زادہ اور نسخ کا بڑا ماہر و خطاط تھا عربی کا ٹائپ اختراع اور تیار کیا۔ اور یہہ

میر صاحب کے کمالات صوری و معنوی گزارش کر کے علم دوست بادشاہ کی خاطر فیوض مآثر کو انکی طرف متوجہ کر دیا۔

میر عبد الجلیل کے بے مثل حافظہ کا ایک واقعہ اور نقل کیا جاتا ہے۔ نواب امیر الامرا کی مجلس میں یہ سوال درپیش تھا کہ از روئے نزول قرآن کون سی آیت سب سے آخری ہے بعض نے کہا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ (اب ہم تمھارے لئے تمھارے دین کو کامل کر چکے جزء ۶۔ سورۃ المائدہ۔ ع ۱۔ ۵) بعض نے کسی دوسری آیت کو بتایا۔ لیکن میر صاحب نے فرمایا کہ حقیقتاً یہ آیات اخیر نہیں ہیں۔ آخر حقیقی تو سورۂ بقر کی دو سو اسی ۲۸۰ دین (دو صد و ہشتادم) آیۃ ہے یعنی وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (اور اُس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اُسکے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا جزء ۳ سورۃ البقرہ۔ ۶۔ ۳۸) اور تفسیر بیضاوی[۱۳۸] کی

(عربی سے انگریزی بتانے والی) جامع و مکمل لغت لندن میں دو جلدوں میں طبع ہوئی۔ ہر جلد میں دو دو حصے ہیں۔ نقل و کتابت میں شیخ ابراہیم المعروف بہ عبد الغفار الدسوخی لین کے دست و بازو تھے۔ بقول مصنف اس کتاب پر یہ نام دونوں معنی سے صادق آتا ہے (۱) دریا کا بڑھنا یا کشش۔ حقیقتاً یہ ایک سمندر کا تموج ہے (۲) اصل قاموس کا تتمہ یا ضمیمہ جسمیں بقدر مقدور افزونی کی گئی ہے۔ لین کی وفات کے بعد اسٹینلی لین پول Stanley Lane—Poole نے بقیہ اجزاء حصص کی ادارت و اشاعت کا فرض انجام دیا۔ ۱۸۹۳ء میں سب سے آخر جلد اول کا آٹھواں حصہ مطبع سے نکلا۔ مجموعاً اس کام میں پچاس سال صرف ہوئے۔ جلد دوم کی تکمیل کی نوبت نہیں پہنچی۔ مصنف نے غرائب لغات و شواذ و نوادر کو اس میں یکجا کرنا چاہا تھا مگر پورا نہ کر سکا۔ کچھ اجزاء مرتب کر پائے تھے کہ پیغام مرگ پہنچ گیا (ایڈورڈ ولیم لین ایک اور علمی یادگار الف لیلہ کا ترجمہ چھوڑ گیا ہے جو ۱۸۳۹ء میں کیا تھا)

(۹) اِن سب کے بعد اور سب سے تازہ تلاش و کاوش الجاسوس علی القاموس ہے۔ جو احمد فارس افندی الشدیاق صاحب الجوائب کی ضخیم تالیف ہے اور ۱۲۹۹ھ میں قسطنطنیہ کے مطبعۃ الجوائب سے لاجواب ٹائپ اور بڑے اہتمام سے شائع ہوئی۔ م

[۱۳۷] مرزا یار علی بیگ بڑا صاحب استعداد، خوش سلیقہ اور بارسوخ امیر تھا۔ خلد مکان اورنگ زیب کے

ص (۱۳۸) القول الدامس فی معاثر القاموس یعنی مفتی محمد سعد اللہ رام پوری نے اس کتاب کی خوبیاں اور خصوصیتیں پوری تفصیل اور کمال تحقیق کے ساتھ بیان کی ہیں۔

عبارت بھی بلفظہا پڑھ دی کہ ابن عباس[۱۳۹] فرماتے ہیں کہ یہی نزول اخیر ہے جسکو جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اصفہانی کہتے ہیں کہ یہ نزول وفات شریف سے ایک یوم پیشتر ہوا بعض سات دن اور بعض صرف تین ساعت[۱۴۰] بتاتے ہیں تمامی حضار مجلس انکی اس تقریر اور یادداشت سے متحیر رہگئے

مزاج میں بہت دخل رکھتا تھا۔ رقعات عالمگیری میں کئی جگہ بادشاہ نے اسکا نام لیا ہے۔

[۱۳۸] ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بن محمد الفارسی البیضاوی، صاحب تفسیر مشہورہ شافعی مذہب تھے۔ موضع بیضا (وڑسپیا) شیراز میں واقع ہے۔ قاضی، علامہ اور امام لکھے جاتے تھے کچھ مدت تک شیراز کے قاضی یا چیف جج رہے تھے۔ تاج الدین سبکی نے طبقات الکبریٰ میں نقل کیا ہے کہ بیضاوی جب قضائے شیراز سے مصروف و معزول ہوئے تو تبریز (طارس) چلے آئے۔ ایک جمع فضلا میں پہنچے اور پایان مجلس بیٹھ گئے کسی نے ان کو پہچان نہیں پایا۔ مدرس نے ایک نکتہ اس خیال سے پیش کیا کہ حاضرین میں سے کوئی اسکے جواب پر قادر نہ ہوگا اور احلال اشکال چاہا۔ بیضاوی نے اسکو نہایت خوبی و وضاحت سے بیان کیا بلکہ خود مقرر کی غلطی بھی بتادی۔ وزیر سلطنت اُس موقع پر موجود تھا۔ وہ بیضاوی کو اُٹھا کر اپنے قریب لے آیا اور اُن کے احوال کی تحقیق کی۔ عرض کیا کہ بیضاوی ہوں قضائے شیراز کی طلب و سعی میں آیا ہوں وزیر نے بڑا اکرام و احترام کیا اور خلعت دیکر اُسی روز رخصت کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مدت دراز تک وہاں مقیم اور وزیر کی درباروداری کرتے رہے۔ پھر شیخ محمد بن محمد کجتانی سے سفارش و امداد چاہی شیخ جب معمول وزیر کے پاس آئے تو فرمایا کہ "یہ شخص مرد عالم و فاضل ہے امیر کے ساتھ سفر میں اشتراک چاہتا ہے یعنی نائبین سے بقدر سجادہ جگہ مانگتا ہے کہ وہی مجلس حکم ہے" شیخ کے اس ارشاد سے بیضاوی ایسے متاثر ہوئے کہ منصب و رفعت دنیوی چھوڑ چھاڑ کر آخر حیات تک شیخ کے ملتزم خدمت رہے اور مرے تو انکی قبر کے پاس دفن ہوئے وفات تبریز میں ۶۸۵ھ (۱۲۸۶ء) میں پائی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۶۹۱ھ (۱۲۹۲ء) میں۔

یہ تفسیر موسوم بہ انوار التنزیل و اسرار التاویل شیخ ہی کے اشارے سے لکھی تھی۔ یہ نہایت مستند اور بڑے پایہ کی کتاب ہے اہل نظر کا فتویٰ ہے کہ یہ تفسیر عظیم الشان غنی عن البیان ہے۔ اعراب و معانی کے متعلق اسمیں جو کچھ لکھا ہے اسکی تلخیص کشاف سے کی ہے حکمت و کلام کے بارہ میں جسقدر مرقوم ہے اُسکو تفسیر کبیر سے لیا ہے اشتقاق و غوامض حقائق و لطائف اشارات کو تفسیر راغب سے استنباط کیا ہے پھر بہت سے وجوہ معقولہ اور تصرفات منقولہ کا اضافہ اپنی فکر و اصابت رائے سے کیا ہے۔ ہندوستان اور مصر کے کئی مطبعوں میں چھپی ہے۔

[۱۳۹] حضرت عبداللہ بن عباس کا بحر العلم خطاب اور ترجمان القرآن اور حبر الامۃ لقب تھا اعاظم صحابہ پیغمبر اور افضل اولاد عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھے حسب تحقیق قاضی نور اللہ شوستری تربیت خاص

میر محمد یوسف نے اپنے نانا کے اس تبحر و حفظ اسناد و تازگی علم سے متاثر ہو کر انکی شان میں فرمایا ہے

هو الامام الذی اقواله حجج ولا تفاوت اصلا فی روایته

فذاك فی الصدق مرآة بلا صدأ صان الاله صدوقا فی حکایته

خط

اوائل میں میر عبدالجلیل خط نسخ[۱۴۱] نہایت شیریں لکھتے تھے۔ پھر نستعلیق[۱۴۲] سے ایک طبعی

زیر سایہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ پائی تھی۔ علم تفسیر و فقہ و حدیث و قرأت میں اُن کا علو درجت اہل خبرت و سیر میں مشہور ہے۔ صاحب استیعاب کی روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے اُن کی نسبت دعا فرمائی تھی اللھم علمه الحکمة و تاویل القرآن اور اللھم فقهه فی الدین و علمه التاویل اسلام کے متعلق آپ نے نہایت پسندیدہ علمی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کا کاشانہ فیض طالبان علم و فقہ کا مرکز تھا۔ ارباب شوق جوق جوق آتے استفادہ و استفاضہ کرتے اور خوب سیر ہو کر جاتے اُنکے دوسرے بھائی عبیداللہ بن عباس بڑے اہل ہمت و کرم تھے۔ ان کے مائدہ نعمت و خوان نوال سے ایک جماعت کثیر پرورش پاتی تھی "خوان احسان کشادہ و صلائے عام دادہ" انکی نسبت زبان زد خاص و عام تھا۔ ابن عباس کی ولادت شعب ابی طالب میں ہجرت سے تین سال پیشتر (۶۱۹ء) میں ہوئی اور جب رسالت پناہ نے روضۂ رضوان کا عزم فرمایا تو حضرت عبداللہ کی عمر ۲۳ سال تھی یا کچھ کم ۶۸ھ (۶۸۸ء) میں طائف شریف میں واربعا کو رحلت کی۔ اکہتر یا بہتر سال عمر تھی۔

ادب و انشا کے بڑے شائق اور قدر شناس تھے۔ آپ کا قول ہے الشعر دیوان العرب فاذا خفی علینا الحرف من القرآن رجعنا الی دیوانها۔ دوسری جگہ فرمایا ہے اذا سألتمونی عن غریب القرآن فالتمسوه فی الشعر۔

یہ حدیث حسن صحیح ترمذی میں ہے کہ نبی پاک صلعم نے آپ کو وصیت فرمائی تھی۔ اذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله۔ جب آپ کے پدر بزرگوار حضرت عباسؓ نے رحلت فرمائی تو ایک اعرابی ماتم گساری کے لئے آیا اور تعزیت میں یہ دو شعر پڑھے ؎

اصبر نکن بك صابرین فانما صبر الرعیة بعد صبر الراس

خیر من العباس اجرك بعده والله خیر منك للعباس

روش ایجاد کرلی تھی۔ یہ نہایت شیریں، دل نشیں اور پختہ تھی جس سے دیکھنے والوں کی آنکھیں روشن ہوجاتی تھیں۔ ذوق کتابت اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ قیام بھکر کے آخر ایام میں صحیح بخاری خود لکھ ڈالی تھی۔ مقابلہ کرنے کی فکر میں تھے کہ عزل خدمت ہوگیا

آپ بڑے ہیں صبر فرمائیے کہ ہم چھوٹے بھی صبر کریں۔ عباس کے انتقال سے آپ کو ایسی چیز مل گئی جو آپ کے لئے عباس کی ذات سے زیادہ نفع رسان ہے یعنی ثواب۔ اور عباس کو خدا مل گیا۔ جو اُن کے لئے آپ سے بہتر ہے۔

۱۴۰ ابن عباس کی یہی روایت انوار التنزیل و مدارک نے بھی نقل کی ہے اور شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ میں لکھی ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت یہ لکھتی ہے کہ اس آیت کے نزول کے گیارہ اور بروایتے سترہ روز بعد حضرت سرور کائنات مفخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے انتقال فرمایا۔ الشمامۃ العنبریۃ میں تحریر ہے کہ آیت مذکورہ کے اترنے کے بعد حضرت صلعم اکیس دن یا اٹھارہ دن یا تین ساعت زندہ رہے تھے۔

۱۴۱ نسخ۔ چھ متعارف خطوں میں سے ایک ہے اس کو خواجہ عماد الدین یاقوت مستعصمی نے اختراع کیا تھا۔ اہل لغت نسخ کے معنی "زائل کرنا" یا کسی چیز کو اُس سے بہتر چیز دیکر رد کردینا" بتاتے ہیں اس لئے جب خواجہ عماد نے اِس خط کو نکالا تو جتنے اور خطوط تھے اسکے سامنے منسوخ ہوگئے اور اس خط کا نام نسخ رکھا گیا ابو علی بن مُقلہ اس کے موجد مانے گئے ہیں جنھوں نے اس خط کو خط کوفی سے نقل کیا اور اپنے ادراک و شعور کے موافق اُسمیں اختراعات کیں اُن کا خط خوب تھا۔ لیکن علی بن ہلال الکاتب مشہور بہ ابن بوّاب کا یہ مرتبہ تھا کہ اُنھوں نے ابو علی کے طریقہ کی تنقیح و تہذیب کی اور اس کو بہجت و حلاوت کا جامہ پہنایا۔ تمام خوشنویس اُنکا تتبع کرتے آئے اور اُن کے منوال اور پرداز کتابت پر چلتے رہے ہیں۔ امام یافعی فرماتے ہیں کہ کتابت میں اُنکے برابر یا اُن کے نزدیک تک کوئی نہیں پہنچا۔ تاریخ مصر و قاہرہ میں لکھا ہے علی بن ھلال الامام الاستاذ ابو الحسن صاحب الخط المنسوب الفائق المعروف بہ ابن البواب کان ابوہ بوابا للنبی بویہ وقرء ھو القرآن وتفقہ وفاق اھل عصرہ فی الخط المنسوب حتی شاع ذکرہ شرقا وغربا وکان ھو خادما لفخر الدولہ۔

تقدیر الٰہیہ کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ ملک بہاء الدولہ بن بویہ کا ایک ادنیٰ غلام قلم و کتابت کا شہنشاہ ہوجاتا ہے اور آفتاب کمال ہوکر چمکتا ہے۔ ابن بواب کی وفات جمادی الاول ۴۱۳ھ (اگست ۱۰۲۲ء) میں بتائی جاتی ہے لیکن قاضی نور اللہ شوستری ۴۲۳ھ (۱۰۳۲ء) لکھتے ہیں۔ دار السلام بغداد مدفن ہے اکثر شعرائے

شاہجہان آباد کے عزم سے نکلے۔ نوشہرہ میں جو سواد بھکر میں اُس وقت ایک موضع تھا اور اب نوشہرہ کے نام سے ایک مشہور مقام ہوگیا ہے، خیمے ڈال دئے اور محض صحیح بخاری کی تصحیح و مقابلہ کے لئے وہاں چھ ماہ مکث و قیام فرمایا۔ بہت سے توابع و لواحق ہم رکاب تھے

معاصر نے نہایت دردانگیز مراثی عربی میں لکھے ہیں۔

ف عربی کے بہترین اور نام آور لکھنے والوں کی فہرست میں دو یاقوت نہایت ممتاز و روشن نظر آتے ہیں۔

(۱) یاقوت الملکی۔ امین الدولہ ابوالذر یاقوت بن عبداللہ الموصلی۔ جو سلطان ابوالفتح ملک شاہ بن سلجوق بن محمد بن ملک شاہ اکبر سلجوقی کا کاتب و خوشنویس تھا اُسی تعلق سے الملکی کہلاتا ہے۔ موصل میں ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں وفات پائی۔

(۲) یاقوت المستعصمی ابوالمجد خواجہ عمادالدین یاقوت مستعصمی جس کا نام اوپر لیا گیا ہے مستعصم کا کاتب دیوان و خطاط تھا ۶۹۸ھ (۹-۱۲۹۸ء) میں رہگرائے عالم جاودان ہوا۔

۱۴۲ نستعلیق۔ خط معروف ہے۔ یہ لفظ اصل میں نسخ تعلیق تھا۔ نسخ اور تعلیق دو خطوں کے نام ہیں جن سے یہ خط استخراج کیا گیا ہے۔ جب دونوں کی ترکیب سے ایک نام مقرر ہوگیا تو خائے معجمہ تخفیفاً حذف کردی گئی۔ اِس خط نے بلاد ایران و ترکستان و کشمیر وغیرہ میں بہت عروج پایا۔ ممالک اسلامی میں امرا و سلاطین نے سرپرستی فرمائی اسکے ماہرین اور اہل کمال پر بخشش و عطا کے دریا بہا دئے۔ ہمارے ملک میں کوئی ایسا پرانا خاندان نہ ہوگا جسکے بزرگوں اور مورثوں نے ایک ایک حرف کے عوض ایک ایک اشرفی بلکہ نقد جان دیکر کوئی قطعہ یا وصلی نہ خریدی ہو۔ اسکا بہترین ذخیرہ تو فرنگستان میں قدرشناس نظروں اور زرپاش ہاتھوں کی معرفت منتقل ہوگیا۔ کم ہمت، پست حوصلہ اخلاف اس دولت گرانمایہ سے محروم رہگئے۔ جو کچھ باقی ہے وہ بھی رفتہ رفتہ رخصت ہو رہا ہے۔ اس خیال سے کہ کان میں پڑی ہوئی بات کبھی کام آتی ہے اس خط کے موجد اور بعض مشاہیر کاتبین کا مختصراً تذکرہ کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔

واضع خط نستعلیق، خواجہ میر علی علوی تبریزی تھے۔ اِن کے حالات میں ایک پوری مثنوی انکے ایک شاگرد رشید مولانا سلطان علی نے لکھی ہے ؎

نستعلیق اگر خفی و جلی است — واضع اصل خواجہ میر علی است
حسبش بود با علی ازلی — نسبش نیز می رسد بہ علی

ہزار ہا روپیہ صرف ہوگیا۔

اسیطرح دلائل الخیرات کا وہ نسخہ جو وظیفۂ خاص مین تھا اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا تھا۔

معمول یہ تھا کہ جب کتابت کا قصد کرتے تو پہلے ایک معین کاغذ پر حمد و صلوٰۃ لکھ لیتے پھر جو کچھ لکھنا مقصود ہوتا اُسکو شروع کرتے۔ آخر عمر تک یہی عمل قائم رکھا۔ کتبخانۂ عظیم جو میر صاحب نے اپنی باقیات صالحات کے زُمرہ مین چھوڑا تھا۔ اسمین کی اکثر کتابین خود اِن کے

تا کہ بودہ است عالم و آدم — ہرگز این خط نہ بودہ در عالم
وضع فرمود اُو ز ابن دقیق — از خط نسخ و از خط تعلیق
نے کلکش از ان شکر ریز است — کاصلش از خاک پاک تبریز است
نہ کنی نفی او ز نادانی — بے ولایت نہ بودہ تا دانی
کاتبانیکہ کہنہ و نو بیند — خوشہ چینان خرمن اُو بیند
در جمیع خطوط بود سنگرف — ز اوستادان شنودہ ام این حرف
خط پاکش چو شعر اُو موزون — ہست تعریف او ز حد بیرون
بُد معاصر لمجمع الافضال — شیخ شیرین مقال شیخ کمال
آنکہ شعرش چو میوہ ہائے نجند — ہست شیرین تر از نبات و قند
ہمہ رفتند از جہان خراب — رُخ نہفتند در نقاب تراب
بہر شان ز انچہ خوانم و دانم — رَوَّحَ اللّٰہُ رُوحَہُم خوانم

خود مولانا سلطان علی مشہدی نے بھی اس فن کتابت کو بہت ترقی دی اور خط نستعلیق مین بقدر کمال کمال شہرت پائی۔ اپنے رسالۂ منظومہ مین وہ لکھتے ہین کہ مین نے بظاہر اس فن کو استادان فن سے سیکھا ہے مگر حقیقتاً یہ رتبہ عالی محض حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی نظر مہر و توجہ سے حاصل ہوا ہے ؎

خواب را مختصر نمودم باز — قصۂ خواب ہست و دیر و دراز
بندہ سلطان علی غلام علی است — شہرت خط او ز نام علی است

مؤلف حبیب السیر لکھتا ہے کہ یہ بڑے وجیہ صورت اور نیک سیرت تھے خط نستعلیق مین ایسی مہارت تھی کہ متقدمین و متاخرین کو گرد کر دیا تھا۔ سلطان حسین مرزا کا زمانہ پایا بادشاہ کے ایما اور میر علی شیر کے التماس سے بہت سی کتابین لکھ ڈالی تھین شعر بھی کہتے تھے عمر ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکی تھی۔ مگر

دست وقلم کی درست و اصلاح کی ہوئی تھین ہر ایک کا مقابلہ بھی خود فرمایا تھا۔ بہت سے نسخے دست خاص سے لکھے تھے۔

کتب خانہ

بزرگان بلگرام کو خود کتابین لکھنے اور کتبخانہ جمع کرنے کا شوق تھا شیخ کمال[۱۴۳] فرشوری باوجود حکومت و تمول و تولیت اراضی و مدد معاش کے بدایت عمر سے نفس واپسین تک خدمت علم مین مصروف رہے۔ خط عربی نہایت جلا، و شیرینی و پختگی کے ساتھ لکھتے تھے تمام درسی کتابین، صرف و نحو و منطق و حکمت و معانی و بیان و فقہ و اصول و تفسیر وغیرہا کی اپنے ہاتھ سے لکھی تھین اور ہر کتاب کو اول سے آخر تک خود محشّٰی کیا تھا۔ یہان تک کہ متن شرح کا محتاج اور شرح حاشیہ کی محتاج نہ رہی تھی۔ مآثر الکرام مین لکھا ہی کہ ان کتابون کو صحائف آسمانی کا نمونہ اور الواح ربانی کا نسخہ کہہ سکتے تھے۔ اسلئے کہ تمام کتاب مین کسی جگہ بھی ایک نقطہ

ہاتھ مین قوت اور قلم کا زور باقی تھا۔ فرماتے ہین ؎

مرا عمر شصت و سہ شد، بیش و کم — ہنوز م جوان ست شکین قلم
توانم ہنوز از خفی و جلی — نوشتن کہ العبد سلطان علی

سنہ ۹۱۹ھ (۱۵۱۳ء) مین شہر مقدس مین وفات پائی۔

ملا میر علی مشہدی نے ملا زین الدین محمود کاتب اور ملا سلطان علی سے مشق کی تھی۔ جب ان کا خط مرتبہ کمال کو پہونچ گیا تو مولانا سلطان علی سے برسر دعوی و مقابلہ ہوئے۔ اہل عصر نے مولانا کی جانبداری کی۔ آخر کار اتمام حجت کے لئے میر علی نے مولانا سے (اُن کے لکھے ہوئے) تین قطعے لے کر تقلید (نقل) کی اور اپنے اور اُن کے قطعے لے کر مولانا کے پاس آئے۔ مولانا شناخت نہ کرسکے۔ متحیر تھے کہ اُن کا خط کونسا ہے۔ بڑے تامل کے بعد ملا میر علی کے خط کو اُٹھا لیا۔ عبید خان ازبک مع دیگر کاملین فنون اور مقتدایان حرفہ کے ان کو ہرات سے بخارا لیگیا تھا۔ بیچارے کو تمام عمر وہان رہنا پڑا۔ بیحد پریشان تھے اور بڑی حسرت و تمنا سے ہرات کی یاد کیا کرتے تھے ؎

طالب من ہمہ شاہان جہانند و مرا — در بخارا جگر از بہر معیشت خون شد
این بلا بر سرم از بہر خط آمد امروز — کہ خطم سلسلۂ پائے من مجنون شد

غلط نہین ملتا تھا اور یہ کتابین اہل شوق واہل علم کے صرف مین مدتون رہی تھین شیخ کمال کا کتبخانہ اُن کے بعد بالکل برباد ہوگیا کتابین متفرق و منتشر ہوگئین۔ جسکے جو ہاتھ لگی، لے گیا۔ کچھ بلگرام مین رہین اور کچھ اطراف واکناف مین پہونچین۔ کسی دردمند نے شیخ کمال کے کمال اور اُنکے ذخیرۂ علم کی پریشانی و تاراج کا مرثیہ لکھا تھا ؎

درداو حسرتا کہ زوال کمال شد بر طالبان حیات دُو روزہ وبال شد

اسیطرح سید عبد الواحد بلگرامی جو فاضل عصر اور مادر زاد ولی تھے خط نسخ نہایت شیرین لکھتے تھے بہت سے نسخے کلام اللہ المجید کے اور بے پایان کتابین اپنے قلم سے لکھ ڈالی تھین۔

سیّد عبد اللہ بلگرامی، قابل تخلص، اور اسم بامسمّٰی تھے علوم عربی وفارسی وہندی مین ذی استعداد تھے اور ہفت قلم سے خط لکھتے تھے۔ سپاہگری کے فن اور استعمال آلات حرب وضرب مین طاق تھے۔ کاغذ کے پھول نہایت خوب تراشتے تھے۔ نواب سربلند خان کی خدمت مین رہے تھے ۱۱۳۲ھ (۱۷۱۹ء) مین رحلت کی۔ نادر اور عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد کتابین متفرق و منتشر ہوگئین اور کتبخانہ لُٹ گیا۔

میر عبد الجلیل کو کتابین جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ خود بھی لکھتے اور جہان کہین کوئی اچھی کتاب دستیاب ہوسکتی اُس کی فکر و تلاش مین رہتے تھے۔ میر سیّد محمد کو لکھتے ہین کہ "برخوردارا! کتاب رضۃ الناظر (منتخب اشعار عربی وفارسی) اُس صندوق مین رکھی ہے جو گجرات سے گھر پر لے آیا تھا۔ یہ کتاب کمیاب ہے اُسکی نفاست کے سبب سے براہ احتیاط مین اُسکو ہمراہ نہین لایا تھا۔ اِسوقت اُس کتاب کی فہرست کی

ملا میر علی نے اپنا ورثہ اپنے فرزند مُلّا باقر کو دیا تھا۔ ملا باقر کاشاگرد خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش اکبر بادشاہ کا تھا۔ اہل نظر اسکے قلم کے ایک ایک حرف کو بڑی قدر سے دیکھتے اور مشہور اساتذہ کی تحریرات کے برابر جگہ دیتے تھے۔

۱۱۴۳ھ قاضی ابو الفتح بلگرامی عرف شیخ کمال بروایت شرالف عثمانی ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) مین پیدا ہوئے۔ اکبر بادشاہ کے عہد مین خدمت قضا پر ممتاز تھے۔ چوراسی سال کی عمر مین ۱۰۰۷ھ (۱۵۹۲ء) مین رحلت فرمائی۔ ملا فیروز عثمانی نے تاریخ وفات خود اُن کے نام "شیخ کمال" مین پائی۔

ضرورت لاحق ہے۔ کتاب کو صندوق سے نکال کر اور مخدومی میان محمد طفیل کو دکھا کر اُن سے التماس کیجئے کہ اگر فرصت ہو تو چند ورقون پر اسکی نقل کر دین۔ ورنہ آپ (برخوردار۔ مخاطب) خود ہی اُس کی نقل احتیاط کے ساتھ کر کے اور مقابلہ کر کے اپنے خط مین ملفوف کر کے بھیج دین کہ ضرورت شدید ہے۔ کتابون کی احتیاط کے بارہ مین کیا لکھون۔ آپ پر ظاہر ہے کہ مین کتابون کو کس قدر عزیز رکھتا ہون اور کتنی محنت و تلاش سے اُن کو فراہم کیا ہے۔ آپ مجھسے بھی زیادہ احتیاط سے کام لین گے اور حزم و ہوشیاری رکھین گے تاکہ کتاب بیجا نہ جانے پائے۔ کبھی کبھی دھوپ بھی دکھا دیا کرین۔ زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے مخدومی میان محمد طفیل نے رسالہ کلمہ طیبہ فقیر سے نقل کرنے کیلئے لیا تھا جب فارغ ہو جائے تو احتیاط کے ساتھ کتابون مین رکھدیجئے گا۔"

ایک دوسرے خط مین اطلاع دیتے ہین "جو کتابین آپ کیلئے بہم پہونچائی تھین۔ اُن کی فہرست بھیج چکا ہون جب راستون کی طرف سے دل جمعی ہو جائیگی تو کتابین بھی بھیج دون گا۔ آپ اُن کو دیکھین گے تو بہت محظوظ ہون گے"۔

تیسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے کہ "نصاب ترکی، جو آپ نے بھیجا تھا پہونچ گیا۔ خدا سلامت رکھے۔ ایک جزو رسالہ اذن حدیث کا جو مرحومی سیدی شیخی میر سید مبارک مغفور نے اپنے خط سے لکھ کر سند اجازت کے طور پر بندہ کو دیا تھا مین گھر پر چھوڑ آیا تھا۔ یہان اکثر اوقات مطلوب ہوتا ہے۔ لازم ہے کہ اصل (جزو) کو جو متبرک ہے اُسی جگہ رہنے دیجئے۔ اُسکی نقل کر کے بعد مقابلہ مجھے بھیج دیجئے۔ اس باب مین تاکید سمجھئے گا۔ اسی طرح چھوٹی بیاض مین بعض اشعار عربی لکھے ہوئے ہین۔ چورن کنکولا کی ترکیب بھی اسمین درج ہے، تم نے اُسی سے لکھ کر مجھے بھیجی تھی۔ ایک ورق پر اوزان رباعی جو محمد امین جونپوری کشمیری نے نظم کئے تھے، مین نے تحریر کر دئے ہین اُنکی نقل بھی درکار ہے۔ نقل کر کے اور مقابلہ کر کے بھیجدیجئے گا"۔ ..... "اختیارات بدیعی جو طب کی

---

۱۴۴ اس نام کی کئی کتابین ہین۔ ایک کتاب اختیارات احکام سعادت و نحوست کے بارے مین ہے۔ ایک اختیارات بدیعی کا ذکر محمد بن عبد الخالق بن معروف نے اپنی نفیس تالیف "کنز اللغات" مین کیا ہے

ایک کتاب ہی۔ الفاظ الادویہ، قرابادین شفائی، کون کتاب گھر پر موجود نہین ہی۔ کتاب اختیارات کو آپ اکثر زیر مطالعہ رکھین ....."

اسی رسالہ کی پھر یاد آتی ہی اور تاکید کرتے ہین کہ "مین نے اس سے پہلے آپ کو لکھا تھا کہ سند علم حدیث جو میر مرحوم میر سید مبارک رضوان اللہ علیہ نے بندہ کو دی تھی ایک چھوٹے سے جزو پر لکھی ہوئی ہی۔ اُسی جزو کے ورق اخیر پر میر مسطور کا خط شریف ہی مناسب ہی کہ اُس جزو کو کتاب خانہ سے نکال کر نقل کر کے مقابلہ کے بعد احتیاط کے ساتھ بھیج دیجئے کہ سخت ضرورت ہی اور اصل جزو کو باحتیاط تمام گھر پر محفوظ رکھئے۔ اس باب مین اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے"

"کتاب مہذب الاسمار[۵۱۴۵] کے اوائل مین جو باب الکنی واقع ہی اُسکی نقل کر کے بھیجدیجئے"

اشرف علی خان داروغہ خلعت خانہ شاہی کے یہان میر سیاہہ تبرک لے کر[۵۱۴۶] سپیچ یا شال کے لینے کے لئے جاتے ہین وہ بھی شائق علم ہین ان سے بڑی تپاک و گرم جوشی سے ملتے ہیں

جس کو کار گیا سلطان محمود والی جیلان ۸۵۱ھ لغایۃ ۸۸۳ھ مطابق ۱۴۴۷ء لغایۃ ۱۴۸۳ء کے نام سے معنون کیا تھا میر صاحب جسکا ذکر کرتے ہین۔ وہ علی بن الحسین الانصاری مشہور بہ حاجی زین العطار کی تصنیف، ملکہ بدیع الجمال کے نام سے منسوب ہے اسمین دواؤن اور جڑی بوٹیون کے اسماء عربی و فارسی و ہندی مع ان کے متعلق تمام ضروری اطلاعات اور طبی تحقیقات و معلومات کے مندرج ہین۔ اسکے قلمی نسخے اس ملک مین بیسیون ملتے ہین کبھی چھپی بھی تھی۔

۵۱۴۵ مُہذّب الاسمار فی مُرتب الحروف، فن لغت مین نہایت قابل قدر کتاب ہے۔ اسمین اسمائے عربیہ فارسی مین بیان کئے گئے ہین۔ یہ مجموعہ اٹھائیس کتابون مین منقسم ہے اور ہر کتاب تین تین باب ہین۔ الفاظ حروف ہجا کی ترتیب کے مطابق درج کئے گئے ہین۔ اسمائے حسنیٰ یعنی نود و نہ نام پاک سے ابتدا کی ہے اور اُن کو مع اُن کے معانی و مطالب کے بوضاحت تحریر کیا ہے۔

اس کا مصنف محمود بن عمر بن محمود بن منصور القاضی الزنجی السجزی ثم الصرفی قبیلہ شیبان کا تھا۔ اُسنے بہت سی مستند اور مبسوط کتابون اور صحیح مآخذ سے استفادہ کیا تھا ۱۔ الاسامی والاسمار ۲۔ کتاب الاسامی المرسوم بالسعیدی ۳۔ کتاب البلغۃ۔ ۴۔ کنز الاسامی ۵۔ ترجمان القرآن ۶۔ الروضہ ۷۔ المشاہیر ۸۔ اصطلاحات المنطق ۹۔ غریب المصنف کا اسنے بالخصوص حوالہ دیا ہی۔ حاجی خلیفہ نے بھی اسکا ذکر کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون کی جلد ششم مین صفحہ ۲۰۳ پر کیا ہے۔

پورا دن اِن کو اپنے سامنے" رکھتے اور لُطف صحبت اُٹھاتے ہین - ان کو ثعالبی کی کتاب سرالادب[۱۴۵] کی مدت سے تلاش ہے - کہین دستیاب نہین ہوتی خان موصوف کے پاس موجود ہے بے تکلف نہایت تواضع سے کتاب میر عبدالجلیل کو عنایت کر دیتے اور انکا کام بھی نکلوا دیتے ہین سید عبداللہ جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے جوار رحمت الٰہی مین پہونچ چکے تھے - لیکن اُنکی کتابین اُسوقت تک دستبرد و غارت سے محفوظ تھین - اُن کے کتاب خانہ مین ایک نادر کتاب تھی یعنی کسی شافعی المذہب عالم نے ہدایہ حنفی پر حاشیہ ردالمحتار ہدایہ مین لکھا تھا یہ حاشیہ میر عبداللہ مرحوم کے یہان موجود تھا جس کا علم میر عبدالجلیل کو بھی تھا اس کا تذکرہ دہلی مین کہین آگیا تھا اور میر صاحب نے سید محمد مرتاکر سے سید عبداللہ کے گھر لکھا کر بھجوا دیا تھا - اُسی سلسلہ مین میر سید محمد کو

یہ کتاب اب کمیاب ہے - اسکی ایک جلد بانکے پور کے کتبخانہ مشرقیہ مین موجود ہے - مسٹر چیپ مین Mr. Chapman محافظ و مدیر کتب خانہ عالیہ سرکاری کلکتہ کی رائے مین "یہ ایک نادر و دلچسپ اور بیش بہا قلمی نسخہ ہے" ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہین کہ "مہذب الاسماء ایک بے حد نادر و نایاب فرہنگ عربی ناموں کی ہے جنکی توضیح و تشریح محمود بن عمر الشیبانی نے فارسی زبان مین کی ہے"

[۱۴۶] سرپیچ، ایک زیور مرصوع دستار یا پگڑی پر پہننے کا ہوتا تھا سونے کے مربع پتر یکجا و ہمرشتہ کر دیے جاتے تھے اور ان مین سے ہر ایک پر بیش بہا جواہر جڑے ہوتے تھے - دستور تھا کہ دستار کے بیرونی اور سب سے نمایان حصہ پر یہ لگایا جاتا تھا اور اس کا آویزہ جواہر بن پیشانی پر لٹکتا رہتا تھا -

اسی سلسلہ مین یہ تفصیل یا تشریح بھی بے محل نہ ہوگی کہ (۱) دستار ایک نہایت باریک و لطیف تھان ململ یا مہین تنزیب کا ہوتا تھا عرض ڈیڑھ ہاتھ کے قریب اور طول ۱۶ - ۱۷ گز سے لے کر ۳۳ - ۳۴ گز تک - اس پر پر تکلف گلکاری بھی ہوتی تھی بلکہ رسمی اور درباری پوشاکون اور خلعتون مین اسکا زرتار اور چوب کار ہونا معمول تھا - البتہ جواہر نہین لگائے جا سکتے تھے - سرپیچ، اسی پر، پیشانی کے قریب باندھ دیا جاتا تھا جو خوبی و لطافت کے ساتھ چہرہ سے پیوستہ و متصل رہتا تھا - (۲) ہندو اُمرا اور راجگان کی پگڑیون پر کلغی لگائی جاتی تھی - یہ بھی ایک قیمتی زیور تھا - یون سمجھیے کہ تنہا یا کسی نایاب پرند کا پر یا ایک گوہر یکدانہ کے دستار مین لگا دیا جاتا تھا اسی کو اُنا تھا بھی کہتے تھے (۳) جیغہ بھی دستار پر پہنا جاتا تھا - اسکی مختلف صورتین تھین - ایک، سونے کے زیور کی شکل مین - دوسری، مخمل کی ایک پٹی، تین انگل چوڑی اور نو دس انگل لمبی - جس پر نہایت عمدہ سنہرا کام پھول بوٹے کا بنا ہوتا تھا - اسی پر ایک طلائی پتر جسمین قیمتی پتھر جڑے ہوتے تھے ٹانک دیا جاتا تھا - تیسرا

ہدایت کرتے ہین کہ "آپ اُس تحریر کے بموجب جاکر سید عبد اللہ کے کتاب خانہ کو ملاحظہ کرین جو کتاب کہ ہدایہ کے رد مین لکھی ہے لے کر روانہ کردین۔"

اپنے شوق اور اپنی ضرورتون سے زیادہ میر سید محمد کی فرمائشات، میر عبد الجلیل کو تلاش کتب مین مشغول رکھتی تھین۔ درسی کتابین خاص کر اُن کے کام کی چیز تھین اور اِن کی فراہمی وروانگی کا سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رہتا تھا۔ میر سید محمد کو شرح مُلّا خوش خط درکار ہے باپ پر تقاضا ہے۔ یہ جواب دیتے ہین کہ "تلاش مین ہون جس وقت مل جائیگی بھیج دون گا۔ بالفعل ایک شرح مُلّا میرے پاس موجود تھی بھیجتا ہون۔ پڑھنے کے کام آئے گی"

عبرت ہے کہ مگبرام مین نہ اب وہ کتابین باقی ہین نہ وہ عمارت کہ جس مین یہ علمی خزانہ کبھی محفوظ تھا۔ ناخلف اخلاف کی ناقدری وحاجتمندی سے اکثر نادر کتابین اور اشیاء خفیہ یا علانیہ معرض بیع مین آگئین۔ قدرشناس اہل نظر ہاتھون ہاتھ لے گئے۔ حافظ حقیقی جل شانہ کی مصلحت کا اقتضا تھا کہ اُن کا بہتر حصہ خصوصاً میر کی بیشتر تصانیف ومکتوبات کتب خانہ عالیہ آصفیہ مین پہونچین جہان اُن کی صیانت وبقا کا انتظام واطمینان ہوگیا۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا (اور خدا کا حکم تو ہو کر رہتا ہے۔ جزء ۲۲ سورۃ الاحزاب ع ۵-۲)

ریشم یا زربفت کا ایک سربند، دو ہاتھ سے لے کر ڈھائی ہاتھ تک لمبا۔ یہ پگڑی کے سامنے والے رُخ پر ایک معین طرز سے لگایا جاتا تھا۔ یہ بالا بند بھی کہلاتا تھا۔

۱۴۷ ابو منصور عبد الملک بن محمد بن اسماعیل ثعالبی نیشاپوری، ۳۵۰ھ (۹۶۱ء) مین نیشاپور مین پیدا ہوا ۴۲۹ھ (۱۰۳۸ء) مین وہین پیوند خاک ہوگیا۔ خاندانی پیشہ ثعالب (روباہ) کی کھالون کی خیاطت تھی اسی مناسبت سے ثعالبی مشہور ہے۔ بڑا عالم لغت، ادیب وفاضل اور فصیح وبلیغ شاعر تھا۔ ابو بکر خوارزمی کا شاگرد تھا اُستاد کا یہ قول اکثر نقل کیا کرتا تھا کہ یمن کے لئے مخلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ عراق کے واسطے سواد اور خراسان کے لئے رستاق۔ وفیات الاعیان مین اس کا مبسوط ترجمہ موجود ہے۔ تصانیف کثیرہ چھوڑی تھین۔ تذکرۂ یتیمۃ الدہر۔ فقہ اللغۃ۔ النہایۃ فی التعریض والکنایہ۔ لطائف المعارف۔ مولس الوحید۔ سحر البلاغۃ کتاب فرائد القلائد۔ سمن غاب عنہ المطرب۔ نظم ونثر کا نہایت عمدہ مجموعہ ہے۔ اعاسن المحاسن (محاضرات مین) اور برد الاکباد (ادب مین) نہایت خوب ہین۔

معمولات و عقائد

میر عبد الجلیل کا طریقہ نہایت صفائی و راستبازی کا تھا۔ طاعت خدا اور آگاہی دوام سے کسی وقت فارغ نہ رہتے تمکین و وقار بدرجۂ غایت رکھتے تھے۔ باوصف تعلقات ظاہری اور خدمات بادشاہی اختیار کرنے کے دقائق امانت و دیانت سے کوئی دقیقہ سرمو فروگذاشت نہین ہونے پاتا تھا ؎

زہد و ورع بخدمت سلطان نقیض نیست　　دل را بحق بہ بند و میان را بجا کری

ارباب استحقاق کی ہمیشہ خبر رکھتے اُن کو نہایت اخفا اور احتیاط کے ساتھ دیتے وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور اگر اسکو چھپاؤ اور حاجتمندون کو دو تو یہ تمھارے حق مین زیادہ بہتر ہے جزو ۳ سورۂ بقرہ ع ۳۷-۵) پر عمل فرماتے تھے۔ ادائے فرائض و سُنن کے بعد سب سے بڑا شغل مطالعۂ کتاب کا تھا جمعہ کے دن نماز صبح کے بعد سے استوا کے قبل تک دلائل الخیرات کا ختم کرتے تھے اس کے اندر کوئی بات نہ کرتے۔ دلائل الخیرات کا وہ نسخہ جو وظیفۂ خاص تھا اپنی قلم سے لکھا تھا قریب استوا غسل فرماتے جمعہ کیلئے مسنون ہے پھر متوجہ مسجد ہوجاتے۔ ماہ مبارک رمضان مین بیت الخلا کو ہر روز نہ جاتے سفر و حضر مین نماز تراویح ترک نہ ہوتی۔

عبادات مین ان کا طریقہ محدثین کا تھا۔ قول احوط ہمیشہ اختیار فرماتے اور اُس پر عمل کرتے مثلاً وضو کرتے وقت پانون کا مسح و غسل دونون کرتے تھے میر سید محمد نے انکے آثار بابرکات مین نقل کیا ہے کہ میر صاحب ایک روز وضو کر رہے تھے پانون کا مسح بھی کیا اور غسل بھی۔ مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ ان دونون طریقون کو جمع کرنے کی آخر وجہ کیا ہے؟ آپ کو میرے اس خطرۂ قلب سے آگاہی ہوگئی وضو سے فارغ ہوکر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ مین ایسا ہی لکھا ہے اور یہ

۱۴۸؎ سر الادب نہایت کمیاب ہے۔ صاحب قضاء الارب نے تصنیفات ثعالبی کے ذیل مین اسکا بھی نام لیا ہے فقہ اللغۃ کا جزو ثانی مسمی بسر العربیہ ہے جو فقہ اللغۃ کے تمام مصری مطبوعہ نسخون کے ساتھ ملحق ہے۔

یہ عبارت بلفظہا پڑھدی ظاہر الآیۃ المسح والغسل وجوبہا الخبر والجمع اولی [میر غلام علی آزاد نے یہ فقرہ بدیبضا مین نقل کیا ہے۔ جامع تذکرہ، مقبول مستہام، نے فتوحات کے متعدد مطبوعہ و مخطوطہ نسخے دیکھے اُن مین تحریر ہے فالمسح ظاہر الکتاب والغسل بالسنۃ ویحتمل الآیۃ بالعدول عن الظاہر۔]

میر صاحب کی یہ روش خود اُنکے اور اُنکے متوسلین و اہل عقیدت کے نزدیک، یا بجائے خود کیسی ہی پسندیدہ و مستحسن ہو، لیکن فقیہانہ نظر سے اس کو راست و قرین صواب ماننے مین کلام ہے۔ آج کہ مسلمانون کی ایک ممتاز جماعت، اہل حدیث، متبع سُنّت، یا غیر مقلّد ہونے کی حیثیت سے خود اجتہاد کرنے اور استنباط مسائل شرعیہ کی دعویدار ہے، یہ طرز عمل چند ان مستہجن نہ سمجھا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ ڈھائی سو برس پیشتر کسی امام کی تقلید کا اقرار کرنے والے کو تلفیق، یا اسکے ارشاد اور اتباع احکام سے سرمو تجاوز کرنا جائز نہ ہوگا، ورنہ یار و اغیار کو طعن و تعریض کا موقع ملتا ہوگا جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری، مجالس المؤمنین مین "صوفیہ صافیہ اور تصوف کی بحث" مین لکھتے ہین

"مخفی نماند اینکہ اکابر این طائفہ رفیعہ گاہی گویند اَلصُّوفِیُّ مَنْ لَا مَذْہَبَ لَہٗ وگاہ می گویند کہ عمل بہ احوط مذہب می کنیم۔ فی الحقیقۃ گریز است از التزام یکی از مذاہب اہل سُنّت، و احتراز از تصریح بانقیاد مذہب شیعہ از روئے تقیہ۔ ولہذا نیز گفتہ اند کہ ہر صوفی کہ اظہار مذہب کند، ملامت کردنی، بلکہ لائق سیلی و گردنی است، یا آنکہ نزد کسے کہ عارف بتفاصیل مذہب باشد، عبارت اخیرہ صریح است در اتباع مذہب امامیہ۔ زیرا کہ احوط مذاہب عند الاستقرار مذہب این فرقہ ناجیہ است"

اغلباً ایسی ہی روایات و اعمال کی بناء اور اقوال احوط کے اختیار کرنیسے میر عبد الجلیل کے دیکھنے اور جاننے والون کو اُن کے عقائد کی طرف سے اشتباہ ہوتا ہوگا عنقریب مذکور آئے گا کہ ایک جماعت اُن کو تفضیلی بتاتی تھی۔

میر صاحب کا طرز معاشرت نہایت سادہ اور درویشانہ تھا۔ اظہار تقدس سے نفرت کرتے اور اپنی تعظیم و تکریم سے منع فرماتے تھے۔ با این ہمہ سادہ روی و سادہ دلی وہ اُمرا سے مساویانہ دعاء

ملتے، اُن کی مہمانداری و مدارات بڑی عالی ہمتی، حوصلہ اور صرف وافر سے کرتے تھے۔

اتقا و خوف خدا

سید حسین[۱۴۹]، امتیاز خان متخلص بہ خالص صفاہانی ۱۱۲۲ھ (۱۷۱۰ء) مین ہندوستان سے عازم ولایت ہوا جب سیوستان پہونچا تو خدایار خان مرزبان سندھ نے اُس کو قتل کرادیا۔ اور اسکے لاکھون روپیہ کے مال و اسباب کو غصب کرلیا۔ میر عبدالجلیل کو پیام بھیجا کہ جس طور پر یہ واقعہ ہوا ہے اس طور پر اس کی خبر سوانح بادشاہی مین درج نہ کرین۔ اسی کے ساتھ ایکہزار اشرفیان طلائی جن کے چودہ ہزار روپیے رائج الوقت ہوتے تھے نذر بھیجین۔ میر صاحب نے اِن کے لینے سے انکار کردیا اور کہلا بھیجا کہ "عنایت الٰہی سے مجھے بھی کچھ ثروت حاصل ہے۔ محتاج نہین ہون اگر یہ خبر واقعی سپرد قلم نہ کرون گا تو رب العزت، تعالی شانہٗ کے حضور مین کل کیا جواب دونگا میر صاحب کی اس بے نیازی و استغنا کو دیکھ کر آزاد نے یہ شعر لکھا تھا ؎

بحر غنی عن الاصداف لؤلؤہٗ ونفس ہمتہ العلیا تربیہٗ

[موتی کے پرورش کے لئے دریا صدف کا محتاج ہے لیکن یہ دریا سیپی کا حاجتمند نہین احتیاج کے وصف ہی سے احتراز کرتا ہے حاصل یہ ہے کہ وہ جب کسی کی پرورش کرنا چاہتا ہے تو اُس کی پرورش کے لئے دوسرے کی اعانت کی حاجت نہین رکھتا]

بیعت

میر عبدالجلیل کے مناقب جلیلہ مین اُنکی بیعت بھی داخل ہے۔ اپنے طالع بیدار کی برکت و یُمن سے شاہ ولایت کرم اللہ وجہہٗ کو خواب مین دیکھا۔ ہاتھ بڑھا کر بیعت[۱۵۰] کی منقبت[۱۵۱] مین ایک

---

[۱۴۹] عالمگیر کے زمانہ مین ہندوستان آیا تھا۔ کچھ عرصہ تک صوبہ دار گجرات بھی رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قاسم علیخان نواب بنگال اسی کا پوتا تھا۔

[۱۵۰] مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کو بھی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی رؤیت اور بیعت کا شرف حاصل

قصیدہ لکھا اور اس موہبت عالیہ کا شکر ادا کیا کچھ زمانہ بعد اسکو اور بڑھا دیا اور امیر المومنین و امام المتقین علیہ السلام کے مرثیہ کے نام سے نامزد کر دیا ؎

دیدہ خونبار و چشم گریان است — صبر بے تاب، سینہ بریان است
اشک چون سیل موج در موج است — آہ چون برق، آتش افشان است
گل گریبان دریدہ در ماتم — بلبل از نوحہ مرثیہ خوان است
زین مصیبت برنگ چاک الف — سرو، در سینہ گلستان است
قمری از سوز میکند کو کو — نمد گردنش نمایان است
لالہ زین غم کشید ساغر خون — سنبل از تاب غصہ پیچان است
نرگس از غم نگاہ باختہ است — تکیہ اش بر عصا چو عمیان است
سینہ ریش است بسکہ تاج خروس — لخت دل بر سرش پریشان است
صور محشر دمیدہ عباسی — کوہ صبر و ثبات لرزان است
زین مصیبت بنفشہ غمگین است — جامۂ نیل شاہد آن است
سوسن از نالہ شد کبود زمین — از تف سوز سینہ عطشان است
این ہمہ زردی رخ صد برگ — اثر شعلہ ہائے پنہان است
ہمہ تن دیدہ گشتہ است فلک — انجم از وے چو اشک ریزان است
باد بے تاب و خاک مدہوش است — آتش آشفتہ آب نالان است
جامۂ صبر بر تن ہر یک — چاک گردیدہ تا بدامان است
ہائے ہائے است ہر طرف در گوش — ماتم سخت شاہ مردان است

ہوا تھا۔ آنجناب نے تو یہ بھی تذکرہ فرمایا تھا کہ ہمارے یعنی صحابہ کرام کے زمانہ میں وصول الی اللہ کے تین طریقے مسلوک و معمول تھے۔ دو تو موقوف ہو گئے یعنی صلوۃ و تلاوت قرآن۔ تیسرا ذکر ہے جو ابتک باقی ہے۔ اس طریق میں بہت سی بدعات داخل ہو گئی ہیں۔ اسکے بعد تلاوت و صلوۃ کو الغا فرمایا ؎ سر و آزاد ۵۱۲ یضیا

ابن ملجم شقی ہر دو جہان — آنکہ استاد حزب[۱۵۳] شیطان است
زخم بر تارک مبارک زد — اثرش در دل محبان است
چون نہ گردد خراب خانۂ صبر — خون این زخم سیل نہان است
رمضان بود روز نوزدہم — کاندران روز زخم عدوان[۱۵۴] است
روز ثالث ز زخم بیست و یکم — وقت گلگشت باغ رضوان است
چہلم سال ہجر این ماتم — شیون افزائے درد ہجران است
مرقد انورش عزی[۱۵۵] گردید — رشک جنت عزی[۱۵۵] کوفان است
زین مصیبت کہ طامۂ کبرے[۱۵۷] است — زلزلہ در چہار ارکان است
کعبہ زین غم سیاہ پوش شد است — اشک زمزم بعین طوفان است
سلک خونین سرشک من زین غم — سبحۂ دانہائے مرجان است
تا کنم شانہ زلف ماتم را — جگرم چاک چاک احزان است
دل خونین، درون سینۂ من — گرہ لعل در بدخشان است
دیدہ شد ابر تیرہ زین ماتم — رگ خونابہ ریز مژگان است
وائے ویلا، ہزار وا ویلا — زین مصیبت کہ بر دل و جان است
ماتم مرتضیٰ، علی ولی، — آنکہ جنبش طراز ایمان است
اسد اللہ سرور غالب — ذات پاکش نظیر قرآن است

---

[۱۵۳] حزب۔ تابعین کی جماعت [۱۵۴] عدوان۔ کسی پر ظلم و ستم کرنا
[۱۵۵] عزی عین معجمہ کے ساتھ عنی کے وزن پر مشہد نجف اشرف کا نام ہے جو کوفہ کی پشت پر ایک بلند جگہ ہے۔ مشہد عزی اسلئے کہتے ہیں کہ اسکے حوالی میں دو گنبد تھے جو مالک و عقیل، ندیمان حذلیہ بن ابرش کی قبروں پر بنائے گئے تھے اور عزیین کہلاتے تھے (عزی الوہ کرنے کو کہتے ہیں یہی مشہد عزری بھی کہلاتا ہے۔ اس مقام کے حالات و فضائل میں سید رضی الدین علی بن طاؤس نے ایک مستقل کتاب فرحۃ الغری فی فضل ساکن الغری لکھی ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے بھی مجالس المؤمنین میں اس کا ذکر کیا ہے [۱۵۶] کوفان۔ کوفہ کا نام ہے [۱۵۷] طامۂ کبرے۔ قیامت

حجت اللہ در زمین و زمان — از خدا بہر خلق برہان است
متحد با نبی در انفسنا — این توحد نہ جائے بنان است
وحدت لحم و دم چنان باشد — این عجب اتحاد با شان است
با نبی، نسبت نیابت او — ہم چو ہارون و پور عمران است
غیر او کز نبی اخوت یافت — این شرف را کدام شایان است
انچہ گفتم ز روئے تحقیق است — کاین ہمہ در حدیث و قرآن است
گر ز قرآن دلیل می خواہی — سورۂ پاک آل عمران است
در حدیث بخاری و مسلم — خصم را نیز جائے اذعان[۱۵۸] است
او، بکس، کس باو، نمی ماند — در کمالش، کمال حیران است
جز نبوت، ہر انچہ فرض کنند — ہمہ در اوست، انچہ شایان است
کردہ خود را فدائے پیغمبر — عاشق، الحق فدائے جانان است
دست او مظہر ید اللہ است — کشتن عمرو مرحب آسان است؟
در خیبر، بزور بازو کند — این جلادت نہ حد انسان است
ذات او منتہائے سلسلہ است — شر رسلسلہ فراوان است
ہر کہ صرف فنائے فی الشیخ است — محو او شد کہ پیر پیران است
مصطفےٰ کعبہ، مرتضیٰ در اوست — کعبہ را از در، اتیان[۱۵۹] است
اہل بیت اند ہم چو کشتی نوح — ذات او زان سنا بہ سکان است
بہر سکان[۱۶۰] کشتی، این سکان[۱۶۱] — در حوادث امان ز طوفان است
حب او جنت است و گردد کار — بغض او دوزخ است و نیران است

---

[۱۵۸] اذعان فروتنی کرنا۔ گردن جھکا دینا۔ [۱۵۹] اتیان۔ آنا [۱۶۰] سکان بسین مضموم و کاف مشدد ساکن کی جمع۔ باشندگان [۱۶۱] سکان۔ کسی شخص یا چیز کا پیچھا۔ دنبالہ کشتی

غیرِ مومن ندارد او را دوست — در منافق ظهور شنان است[۵۱۶۳]

هست در مسلم این حدیث صحیح — که ز صحت محل ایقان است[۵۱۶۴]

دین پناها، تفضل آگاها — دل پاک تو شمع عرفان است

کے ثنائے تو حدّ هم چو منے است — زانکه بیرون ز حدِّ امکان است

عرض اظهار بندگیِ خود است — بندگی شیوهٔ غلامان است

من غلام و مُرید و فرزندم — مهرِ دل سخت شوق جنبان است

مُدّعی گر دلیل می خواهد — ذکر اما بنص قرآن است[۵۱۶۵]

کرده ام بیعتِ تو در رُویا — این سعادت ز فضل رحمان است

دست ما را گرفته بکرم — می شناسم که این چه احسان است

من و این رتبه از کجا، لیکن — مور پروردهٔ سلیمان است

دست عبدالجلیل و دامن تو — التماسش نجات و غفران است

با سخن هر که آشنا باشد — پیش او این قصیده آسان است

ایک دوسرے موقع پر میر نے شیخ سعدی شیرازی کے ایک مشہور شعر کی تضمین کر کے آدم اولیا حضرت علی مرتضیٰ کی منقبت میں یہ قطعہ نظم فرمایا تھا ؎

ابن ملجم چو برشتهٔ مردان — از سرِ کینه زخم زد کاری

۵۱۶۲ اس کا حوالہ یہ ہے عن زرّ بن حبیش قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ انہ لعہد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم الی انہ لا یحبنی الا مؤمن ولا یبغضنی الا منافق ایک راوی سے جن کا نام زرّ بن حبیش ہے منقول ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ قسم ہے اُس خدا کی جس نے دانہ کو پھاڑا اور خلق کو پیدا کیا ہے۔ ضرور اُسنے نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا اس امر کا، کہ مجھکو سوائے مومن کے کوئی دوست نہ رکھے گا اور منافق کے سوا کوئی دشمنی نہ کرے گا

۵۱۶۳ شنآن۔ بفتح دو ہمزہ۔ دشمن رکھنا ۵۱۶۴ ۔ ایقان۔ بالکسر یقین کرنا۔ یکسان ہو جانا ۵۱۶۵ نص قرآنی سے اس آیۂ کریمہ کی طرف اشارہ ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (تو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کے

تپش زخم شعلہ زد بر دل — تشنگی ریخت رنگ بسیاری
شربتے ساختہ ز مشک و گلاب — تا نشاند حرارتِ ساری
شاہ گیتی پناہ از سر لطف — گفت با خادمان درباری
کہ ازین جام جرعہ بخشید — بہر آن بحر نوش خونخواری
این لحم چو شربتش دادند — کرد ابا از سر زبان کاری
تا مگر زخم سودۂ الماس — نزند نشتر دل افگاری
زین ابا شاہ صورت و معنی — کرد از بحر لب گہر باری
من نخوردیم جرعہ از کوثر — تا نہ دادیم من بہ آن ناری
واسطی، چون شنید این قصہ — خواند این بیت از طلبگاری
دوستان را کجا کنی محروم — تو کہ با دشمنان نظر داری

میر عبد الجلیل نے بعض مدارج معنوی اور آداب ظاہری شیخ غلام نقش بند لکھنوی کی معرفت بھی طے کر لئے تھے طرائق متعارفہ و سلاسل متداولہ مین سے، پتہ نہین چلتا کہ وہ کس خاندان و خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے؟ ظاہر ہے کہ جو بزرگ خود حضرت امام الاولیا و سید الاتقیا سے بلا واسطۂ دیگرے شرف[۵۱۶۷] توصل رکھتا ہو وہ کسی اور درویش یا ہادی متاخر سے وسیلہ و نسبت کیون رکھے گا۔ شیخ غلام نقش بند کا مسلک نقشبندی تھا۔ انکے پدر محترم شیخ عطاء اللہ نے اُن کا نام غلام نقش بند خود حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی اشارت روحانی سے رکھا تھا۔ شیخ جلیل القدر عالم اور صاحب تفاسیر و تصانیف کثیرہ تھے۔ احکام شرعیہ کے حفظ و نگہداشت مین کمال مصروف رہتے اور باقتضائے الحب للہ والبغض للہ جب کسی متنفس سے کوئی ناملائم فعل سرزد ہو جاتا تو سخت رنجیدہ ہو جاتے پھر جب وہ توبہ کر لیتا تو اس پر پہلے سے زیادہ مہربان اور شفیق ہو جاتے تھے۔ ایک جگہہ آزاد[۵۱۶۸] لکھتے ہین کہ میر عبد الجلیل عالم بیداری کے لحاظ سے "اویسی"[۵۱۶۹] تھے

ذکر مین لگ جاتے تھے۔ اسیطرح بلکہ اُس سے بڑھکر خدا کی یاد مین مشغول ہو جاوے۔ الجزء ۲ سورۃ البقرۃ ع ۲۵-۹)
۵۱۶۷ توصل: پیوستگی جستن بر لطف ۵۱۶۸ مآثر الکرام ۵۱۶۹ خواجہ اویس قرنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غائبانہ ایمان لائے تھے لیکن مادر صالحہ کی پیرانہ سالی کی وجہ سے اُن کو چھوڑ کر نہ جا سکے۔ والدہ ماجدہ کے احوال کا تفقد عین تعظیم شریعت غرا تھا

سید یٰسین حموی سے جو صاحب سجادہ غوث صمدانی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے تھے میر صاحب نے غائبانہ بیعت حاصل کی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میر صاحب اہل حدیث کا مسلک رکھتے تھے اور اتباع سنت سنیہ مین شغف و توغل فرماتے۔ قرینہ کہتا ہے کہ اُن کی بیعت، بیعت مسنونہ تھی للتمسك بحبل التقوی بیعت مروجہ پیری مریدی کی نہ رہی ہوگی۔

بہرحال انھین قدسی تعلیمات اور پاک اتباعات کا نتیجہ تھا کہ میر عبد الجلیل تزکیہ قلب و تصفیہ باطن و تقدس ذات و جلائل صفات مین یگانۂ زمانہ ہوئے۔ اگر ان کی کمر سلطان مجازی کی خدمتگذاری کیلئے بندھی ہوئی تھی تو ان کا دل شہنشاہ حقیقی کی یاد و فرمان برداری مین مشغول تھا ؎

مرد حق، در عین دنیا داری از دنیا بری است ملک در دست سلیمان نیست، در انگشتری است

صحبت والا پر فائز نہ ہو سکے۔ بالکل غربت اور مسکنت کی زندگی بسر فرماتے تھے۔ دن مین شتربانی کرتے۔ اُسکے مزد کو صرف معیشت فرماتے۔ ان کو نفقہ دیتے حضرت خاتم المرسلین نے آپ کو "نفس الرحمن" اور "خیر التابعین" فرمایا ہے۔ سید حیدر بن علی الآملی، کتاب منبع الانوار مین تحریر کرتے ہین هو الذی وصفه رسول الله صلعم بالولایة وقال انی لاجد نفس الرحمن من جانب الیمن وقال ایضا وهو سید التابعین۔ سید محمد نوربخش شیعی نے خجرۃ الاولیا مین بھی متعدد احادیث آپکے فضائل مین نقل کی ہین۔ سرور دو عالم نے بہت سے جلیل القدر صحابہ کے سامنے آپکی مدح فرمائی تھی۔ موت نے جب ان کا سایہ سر سے اٹھایا تو داہانہ دیتا نہ دیا جب مین پہونچے اُسوقت ایک گلیم شتری زیب تن تھی سر و پا برہنہ تھے دونون جہان کی دولت و نونگری اُسی فرسودہ کمبل کے نیچے پوشیدہ تھی آستانہ رسالت پر یہ سرفرازی نصیب ہوئی کہ حسب وصیت رسول اللہ صلعم خرقۂ مبارک حضرت عمر و حضرت علی نے حضرت اویس کے حوالہ کیا جیب السیر مین لکھا ہے کہ حضرت اویس بڑے عابد و زاہد تھے۔ ساری شب جاگتے اور کہتے کہ هذا لیلة الرکوع (یہ رکوع کی رات ہے) اور ساری رات ایک ہی رکوع مین گزار دیتے۔ دوسری شب مین فرماتے هذا لیلة السجود (آج سجدہ کی رات ہے) اور ایک سجدہ مین صبح کر دیتے۔ لوگون سے اختلاط نہ فرماتے۔ کوئی شخص ملاقات کیلئے آتا تو فرماتے کہ "بابا تمکو خدا سے بھی کچھ کام ہے یا نہین؟ اگر خدا سے کام ہے تو مجھ سے کیا مطلب! اور اگر تمکو خدا سے کچھ مطلب نہین ہے تو مجھے تم سے کیا کام!"

حضرت علی و امیر معاویہ کے معرکہ مین، ۱۷ شوال ۳۷ھ و ۲۹ مارچ ۶۵۸ء کو شہید ہوئے لیکن محمد فاضل اکبر آبادی صاحب مخبر الواصلین یوم وفات بالاتفاق، ۱۰ شوال ۳۹ھ روز جمعہ بتاتے اور کہتے ہین کہ ایک جماعت کو انکی شہادت سے انکار ہے۔

انکی کرامات کثیر ہین۔ مرنے سے پہلے یہ کیفیت تھی کہ پرانے چیتھڑے ادھر اُدھر سے فراہم کر کے ستر عورت کر لیتے تھے۔ لیکن غسل کیوقت ان کے کپڑون مین ایک اچھا خاصہ کفن نکلا جسمین تکفین کی گئی۔ ان کی قبر بھی خود بخود تیار ملی یعنی ایک بڑے پتھر مین لحد کھدی ہوئی پائی گئی جسمین یہ مدفون ہوئے۔

۱۶۹ قضاء الارب مین ذکر علماء النحو و الادب مین مولانا ذو الفقار احمد لکھتے ہین کہ سید مرتضی محدث ملگرامی بھی بھی خانوادہ قادریہ مین سید یٰسین حموی کے مرید تھے۔ خود مولانا کو بھی اسی سلسلہ مبارکہ حمویہ کی سند سید محمد نجیب ابو البرکات جیلانی بن سید مرتضی نقیب سادۃ الاستاذ (بحماۃ) ابن سید محمد نجیب بن سید محمد سعدی از ہری جیلانی مفتی حماۃ، ابن سید عمر، ابن سید شریف یٰسین، ابن سید عبد الرزاق سے حاصل تھی۔ میر عبد الجلیل اور سید مرتضی کے اختلاف اعمار و ازمنہ سے قیاس ہوتا ہے کہ دونونکے مخدوم سلسلہ ہم نسب و ہمنام رہے ہونگے مگر میر کے پیر سید کے مرشد سے ضرور پہلے گذرے ہین۔ یہ سلسلہ بہت سے نہایت مقبول اور مرجع صلحا چلا آتا ہے۔ سید یٰسین حسنی حسینی حموی حماۃ ملک شام مین ایک مشہور شہر ہے۔ ۱۷۰ کسی بزرگ سے بیعت مین فیض حاصل کر کے مدارج سلوک کاٹے کرنا۔

اہل حق کی اصطلاح مین بیعت طریقہ ایسے کو کہا ہے اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت اور اُسکی جماعت کے دروازہ اور دل کو کھولدینا کہتے ہین۔ اور صاحب ارشاد بن جانے کے معنی ارشاد کرنے کے ہین۔

اہل بیت نبویؐ

میر عبد الجلیل کی "عقیدت" اور "حب اہل بیت" کے بیان سے پہلے اہل بیت کی تعریف ضروری و مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اہل بیت کے لغوی معنی کیا ہین؟ اہل بفتح الف وسکون ھا۔ سزاواری۔ عقل و سمجھ حاصل کرنا۔ کدخدا ہونا۔ نیز گھر کے لوگ۔ اہل بمعنی صاحب، اور بمعنی مفرد و جمع دونون آتا ہے۔ بیت کے معنی خانہ و سرا کے ہین۔

ان سے مراد کون حضرات ہین؟

انکی ایک عام تعریف تو یہ بتائی جاتی ہے کہ اہل بیت اطہار، وہ برگزیدہ طبقہ ہے جس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ درود بھیجنے کا حکم صیغہ تعلیم صلوٰۃ مین صادر ہوا ہے اور جن کے ذکر خیر کے بغیر صلوٰۃ و سلام بھیجنے (تصلیہ و تسلیم) کے بارہ مین امر نبوت کا امتثال متحقق نہین ہوتا۔ مگر ابھی یہ تعمیم یا تعریف مزید تخصیص و توضیح کی محتاج ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہین کہ "اہل علم مین اس بارہ مین اختلاف ہے کہ آیا اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہین (جیسا کہ ابن عباس و عکرمہ و مقاتل کا قول ہے) یا فاطمہ و حسنین و مرتضیٰ علیہم السلام (جس کی روایت ابو سعید خدری اور ایک جماعت تابعین، مثل مجاہد و قتادہ کے فرماتے ہین)۔

ابن حاتم کی روایت یہ ہے کہ جب آیہ پاک اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اُتری تو ابن عباس بازارون مین پکار پکار کر کہتے پھرتے تھے کہ یہ آیت آنحضرت کی بی بیون کے بارہ مین نازل ہوئی ہے۔ عن ابن عباس انہ کان ینادی فی السوق ان قولہ تعالیٰ انما یرید اللہ الخ نزلت فی النساء النبی۔

زید بن ارقم کہتے ہین کہ اہل بیت وہ ہین جنپر صدقہ حرام ہے۔ پھر آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس۔

قسطلانی فرماتے ہین کہ اولیٰ یہی ہے کہ مراد اہل بیت سے اولاد و ازواج و حسن و حسین و علی ہین رازی و زمخشری تسلیم کرتے ہین کہ آل سے مراد علی و فاطمہ و حسنین ہین۔ یہی کلیہ اہل بیت کی نسبت بھی صادق آتا ہے۔

آیت پاک انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا باعتقاد بعض فرق امت مرحومہ علی و فاطمہ و حسنین کی شان مین نازل ہوئی ہے اور رسول مقبول نے اس آیت کے نزول کے وقت انھین چارون کو اپنے کسائے پاک مین چھپا لیا تھا اور فرمایا تھا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ فَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔ اے بار الٰہ! یہ میرے اہل بیت ہین پس ان سے رجس (چرک و پلیدی) کو دور کر اور سب کو خوب پاک فرما دے۔

وفد نجران کی داستان مباہلہ مین خدائے تعالیٰ شانہ نے فرمایا قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ قف ثُمَّ نَبْتَھِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ○ کہو کہ (اچھا میدان مین) آؤ۔ (ادھر) ہم اپنے بیٹون کو بلائین اور (ادھر) تم اپنے بیٹون کو (بلاؤ) اور (نیز) ہم اپنی عورتون کو بلائین) اور تم اپنی عورتون کو (بلاؤ) اور ہم اپنے تئین (بھی شریک کرین) اور تم (بھی) اپنے تئین (شریک کرو) پھر ہم (سب ملکر خدا کی بارگاہ مین) گڑگڑائین اور جھوٹون پر خدا کی لعنت کرین۔ (جزء ۳۔ سورۂ آل عمران۔ ع ۶۔ ۱۴) اہل سیر و تاریخ متفق ہین کہ انھین چارون بزرگون کو مباہلہ کے لئے ہمراہ رکھا تھا۔ اسی لئے صحابہ کی ایک جماعت متفق ہے کہ اہل بیت سے مراد یہی چارون ہین۔ (یہ روایت مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے کی ہے)۔

خازن کی لباب التاویل اور دیگر تفاسیر مین مرقوم ہے کہ حضرت نے حسین کو گود مین لے لیا تھا۔ حسن کا ہاتھ پکڑا تھا۔ فاطمہ زہرا آپ کے عقب مین تھین اور علی مرتضیٰ فاطمہ کے پیچھے۔ یہی "اربعۂ متناسبہ" "اہل کساء" بھی کہلاتے ہین کیونکہ ان نفوس قدسی کو زیر گلیم لے کر فرمایا تھا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ

خود عائشہ صدیقہ سے خطیب نے یہ روایت کی ہے اور مسلم نے بھی لکھا ہے۔

اس روایت کو ابن ابی شیبہ اور ترمذی حسن بتاتے اور ابن جریر، ابن المنذر، طبرانی اور حاکم صحیح مانتے ہین کہ جب آیۂ تطہیر نازل ہوئی تو حضرت جب نماز فجر کو نکلتے اور فاطمہ کے گھر سے گزرتے تو فرماتے تھے اَلصَّلٰوۃَ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ ابن مردویہ ابو سعید سے روایت کرتے ہین کہ چالیس صبحون تک اسی طرح فاطمہ کے گھر سے گزرتے اور فرماتے رہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

رہے ان حضرات کے فضائل۔ حق سبحانہ وتعالےٰ ان کی شان عمومی مین فرماتا ہے فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ہمارے اُن بندون کو خوش خبری سُناؤ (جو ہمارے) کلام کو کان لگاکر سُنتے اور اُس کی اچھی اچھی باتون پر چلتے ہین۔ یہی تو وہ لوگ ہین جن کو خدا نے (نیک) ہدایت دی ہے اور یہی تو عقل (سلیم بھی) رکھتے ہین۔ (جزء ۲۳ سورۃ الزمر ع ۲-۱۶)۔

سادات کے اجداد و اسلاف کون تھے۔ یہی اہل بیت، اور انکی اولاد امجاد جو ائمہ معصومین کہلاتے ہین۔ اکابر شیعہ کا قول ہے اور بالکل بجا ہے کہ "اسی جماعت نے شرائع اور احکام دین کو ینابیع (سرچشمہ ہاے) علم اور مصابیح (چراغان) حکمت اور معاون (کانہائے) عصمت سے حاصل کیا۔ ان کے مناقب و مفاخر اور علم و زہد و عصمت مین کتابین لکھی گئی ہین"۔ متقدمین علمائے اہل سنت بھی ان کے مدارج و عظمت کے پہچاننے اور احترام و بزرگی کے ماننے مین پیش پیش ہین۔ انکی مصنفات و مؤلفات اس بارہ خاص مین تعداد کثیر تک پہونچی ہین اور بڑے پایہ کی کتابین ہین جیسے غایۃ السؤل فی مناقب آل الرسول (از ابن مغازلی شافعی) کتاب ابوبکر بن محمد بن مومن شیرازی جس مین مؤلف نے بارہ تفسیرون سے استخراج کیا ہے۔ کتاب موفق بن احمد مکی۔ نور الابصار، تالیف سید شبلنجی عرف سید مومن۔ محاضرۃ الابرار و مسامرۃ الاخیار للشیخ الاکبر محی الدین محمد بن عربی۔ الکنز المدفون والفلک المشحون للسیوطی۔ اعلام الورے

مولفہ ابو علی فضل بن حسن طبرسی شیعی۔ فصول المہمہ فی معرفۃ الائمہ للشیخ نور الدین بن علی بن محمد بن الصباغ المالکی المکی الھاشمی۔ کتاب الدلائل للحمیری۔ اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفےٰ وفضائل اہل بیتہ الطاہرین للشیخ محمد الصبان۔

صوفیہ صافیہ مین سے ایک جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر عصر و زمانہ مین قطب الاولیا صرف اہل بیت سے ہوتے ہین۔ اس لئے کہ امام حسن علیہ السلام نے محض ابتغاءً لوجہ اللہ اپنے نفس نفیس کا خلع کرکے خلافت ظاہرہ سے نزول فرمایا تھا۔ اسلئے اللہ جل شانہ نے حسن اور اُنکے اہل بیت کو اس امارت ظاہری کے عوض مین خلافت باطنی عطا فرمائی۔

نواب صدیق حسن خان اپنے رسالہ تشریف البشر بذکر الائمۃ الاثنےٰ عشر مین لکھتے ہین کہ یہی اہل بیت کُلاً یا بعضاً جملہ سادات بنی فاطمہ ساکنان ربع مسکون کے اصل اصول ہین۔ تمام شرفاے عرب و عجم کا نسب انھین پر منتہی ہوتا ہے اور جو مناقب و فضائل اہل بیت رسالت کے احادیث مرفوعہ صحیحہ مین آئے ہین روز بعث و نشر تک شرفا و سادات اس عموم مین اس وقت تک داخل و شریک رہین گے جب تک کہ طریقہ توحید و اتباع سُنت پر قائم رہین اور بدعات مکفرہ و مضلہ مین گرفتار و مبتلا نہ ہو جائین عموم کی شرط اس لئے لگادی ہے کہ جو فضائل بعض اعیان اہل بیت کے ساتھ مختص ہین وہ البتہ انھین اشخاص معین کے ساتھ ہین۔

مناقب و فضائل

اہل بیت پاک مُسلّماً ائمہ امت محمدیہ ہین اور خود نص قرآن مجید کے موافق تمام آلایش ظاہر و باطن سے منزہ۔ ان کی شان مین خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (اے پیغمبر کے گھر والو خدا کو بس یہی منظور ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) گندگی کو دور کرے اور تمکو ایسا پاک صاف بنائے جیسا کہ صاف پاک بنانیکا

حق ہے۔ جزو ۲۲۔ سورۃ الاحزاب ع ۴۔ ۱۔)

مسند امام احمد بن حنبل مین روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "نجوم دستارے آسمان والوں کی امان ہین جب نجوم برطرف ہو جائین تو آسمان معدوم ہو جائے گا اور میرے اہل بیت اہل زمین کی امان ہین جب یہ فنا ہو جائین گے تو زمین والے بھی برطرف ہو جائین گے"

حدیث نبوی مین رفعاً آیا ہے اور صحابہ پاک مین سے چند اسکے راوی ہین کہ فرمایا نبی برحق صلعم نے مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق وھلک میرے اہل بیت مثل کشتی نوح کے ہین جس نے انکی متابعت کی، نجات پا گیا، اور جس نے مخالفت کی ڈوبا اور ہلاک ہوا۔ اسی کی نسبت امام احمد لکھتے ہین کہ ابوذر کے الفاظ یہ ہین الا ان مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح الخ ابوذر اُسوقت خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑے ہوئے کھڑے تھے جسوقت یہہ روایت کر رہے تھے۔

امام ترمذی زید بن ارقم سے روایت کرتے ہین کہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔ احدھما اعظم من الآخر۔ کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض۔ وعترتی اھل بیتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔ مین تم مین دو بھاری چیزین چھوڑتا ہون تم جب تک انکو میرے بعد تھامے رہو گے کبھی راستہ سے نہ بھٹکو گے۔ انمین کی ایک ایک چیز دوسری سے زیادہ عظمت والی ہے (۱) خدا کی کتاب۔ وہ ایک رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک بڑھا دی گئی ہے اور (۲) میری اولاد جو میرے اہل بیت ہین۔ یہ دونون ہرگز جدا نہ ہونگے جب تک کہ وہ مجھسے حوض (کوثر) پر نہ مل لینگے۔ (مسلمانو!) بس دیکھنا کہ تم میرے پیچھے ان سے کیسے پیش آتے ہو۔

امام حنبل سعد سے روایت کرتے ہین کہ رسولؐ نے فرمایا کہ "اے میری امت! دو بڑی چیزین تمھارے درمیان چھوڑتا ہون اگر انکو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک خدا کی کتاب جو ایک ریسمان ہے آسمان سے لٹکی ہوئی اور دوسری میرے اہل بیت و عترت"

شرف نبوت مین ابوسعید نے حضرت عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا
انا واھل بیتی شجرۃ فی الجنۃ واغصانھا فی الدنیا فمن تمسک بھا اتخذ الی اللہ سبیلا
مین اور میرے اہل بیت جنت کا ایک درخت ہین جسکی شاخین دنیا مین پھیلی ہوئی ہین۔
ان شاخون کو جو کوئی تھام لیتا ہے وہ خدا کی طرف پہونچنے کی راہ پا جاتا ہے۔
زید بن ارقم سے ایک اور روایت حافظ جمال الدین محمد یوسف زرندی نے نقل کی ہے۔
کہ جب جناب رسالت مآب حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے تو مسلمانون سے خطاب فرمایا۔
انی فرطکم علی الحوض وانکم تبعی وانکم توشکون ان تردوا علی الحوض فاسئلکم من ثقلی کیف
خلفتمونی فیھا۔ بیشک مین تمھارا پہلے سے بھیجا ہوا نفع حوض کوثر پر ہون اور تم میرے بعد اور میرے
پیچھے رہوگے اور تم ضرور حوض کوثر پر مجھسے ملوگے تو اسوقت مین تم سے اپنی دونون بھاری چیزون
کی نسبت پوچھون گا کہ تمنے انکے ساتھ میرے پیچھے کیا کیا؟ مہاجرین رضی اللہ عنہم نے دریافت
کیا کہ وہ دونون بھاری چیزین کیا ہین؟ ارشاد ہوا کہ الاکبر منھما کتاب اللہ سبب طرفہ
بید اللہ وطرفہ بایدیکم فتمسکوا بہ والاصغر عترتی فمن استقبل قبلتی واجاب دعوتی
فلیستوص بھم خیرا۔ ان دونون مین سے بڑی چیز تو خدا کی کتاب ہے۔ وہ ایک سبب (رسی)
ہے جسکا ایک کنارہ خدا کے ہاتھ مین ہے اور دوسرا کنارہ تمھارے ہاتھون مین۔ تم انکو پکڑے رہو
اور چھوٹی چیز میری عترت (اولاد) ہے تو جو شخص میرے قبلے کی طرف رخ کرے اور میری دعوت
اسلام پر اجابت و قبول کرے اسکو لازم ہے کہ انکے لئے بھلائی کی وصیت قبول کرے۔
عمران بن حصین روایت کرتے ہین کہ سرور دو عالم نے فرمایا سألت ربی ان لا یدخل النار
احد من اھل بیتی فاعطانی ذالک مین نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ میرے اہل
بیت مین سے کسی کو دوزخ مین داخل نہ کرے۔ تو خدا نے مجھے اس دعا کی قبولیت دیدی۔
امام فخرالدین رازی فرماتے ہین کہ اہل بیت رسالت پانچ چیزون مین حضرت نبوت کے
برابر ہین۔ ایک تشہد مین حضرت پر درود بھیجنے مین۔ دوسرے سلام مین۔ تیسرے طہارت و پاکیزگی

مین۔ چوتھے تحریم صدقہ[1] مین۔ پانچوین وجوب محبت مین۔ لیکن خیال رہے کہ ہر حال مین توحید وابلاغ رسالت کا مقرر ہونا لازم ولابد ہے۔ اسی لئے حاکم نے یہ اسناد صحیح یہ لفظ بتائے ہین کہ حضرت نے فرمایا وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبھم]۔

اختصاص

یہ حدیث تمامی صحاح ستہ مین منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا رحم اللہ علیّا۔ اللھم ادر الحق معہ حیثما دار خدا علی پر رحمت کرے۔ بار الٰھا! حق کو علی کے ساتھ پھرا جہان کہین وہ پھرین۔

احمد بن موثر سے یہ حدیث مروی ہے الحق مع علی وعلی مع الحق۔ لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ۔ اور ہرگز جدا نہ ہونگے جب تک حوض کے نزدیک میرے پاس وارد نہ ہون۔

---

[1] صدقہ کا مال، لوگون کا چرک ومیل ہے۔ شرفا پر اُسکا لینا حرام ہے۔ اُسکے عوض اِنکے لئے خمس، خمس فیئ اور غنیمت سے مقرر ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ بنی ہاشم وبنی مطلب دونون پر صدقہ حرام بتلاتے ہین لیکن امام ابوحنیفہ اور امام مالک صرف بنی ہاشم پر تحریم صدقہ کا قصر کرتے ہین۔ اکثر علماے احناف وشوافع وحنابلہ کا مذہب ہے کہ بنی ہاشم کو صدقۂ نفل کا دینا روا ودرست ہے۔ ایک روایت سے امام مالک کے نزدیک بھی اسکا جواز پایا جاتا ہے لیکن دوسری روایت کے مطابق صدقۂ فرض کا لینا درست ہے نہ صدقۂ تطوع کا۔ اسمین زیادہ ذلت ہے۔ راجح و مختار یہ ہے کہ بنی ہاشم پر بھی زکوۃ مفروضہ کا لینا مطلقاً حرام ہے۔ خواہ خمس سے یا نہ ملے۔ بلکہ اُنکے موالی پر بھی زکوۃ کا لینا منع ہے۔ اور تقوی یہ ہے کہ صدقۂ تطوع بھی نہ لیں۔

شرعاً لوٹ کی دو قسمین ہین۔ ایک جو کفار سے لڑکر ہاتھ آجاے اُسکو غنیمت کہتے ہین۔ اور دوسری وہ جو بے لڑے ہاتھ لگے اُسکو اصطلاح مین فئے کہتے ہین جسکا ترجمہ آجکل کی زبان مین مُفت کیا جاتا ہے۔

احمد بن حنبل اپنی مسند مین جابر سے روایت کرتے ہین کہ پیغمبر نے علی سے کہا کہ "اے علی! مین اور تم ایک درخت سے خلق ہوئے ہو۔ مین اُس درخت کی اصل (جڑ) ہون۔ اور تم فرع (شاخ) ہو۔ حسن و حسین اُس درخت کی شاخین ہین۔ پس جو کوئی اُن شاخون سے کسی شاخ مین لٹک جائے گا۔ ہمیشہ بہشت مین رہے گا"۔

مسلم نے اپنی صحیح مین دو مواضع پر زید بن ارقم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ پیغمبر صلعم نے مکہ و مدینہ کے درمیان خطبہ کیا اور اُس خطبہ مین فرمایا کہ "اے لوگو! نزدیک ہے کہ میرے پروردگار کا رسول (فرستادہ) میرے پاس آئے اور مین اُسکو اجابت کرون۔ پس تمھارے درمیان دو چیز ودیعت چھوڑتا ہون۔ دو بڑی چیزین۔ ایک خدا کی کتاب۔ دوسرے اپنے اہل بیت کو۔ اور سفارش کرتا ہون تم سے اپنے اہل بیت کے حق مین"۔

جار اللہ زمخشری نے باسناد مختلفہ اس روایت کو نقل کیا ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ "فاطمہ سرورِ دل ہے، اُسکے دونون بیٹے میرے دل کا میوہ، اور اُسکا شوہر میری آنکھ کا نور"۔

مفسرین عظام لکھتے ہین کہ جب آیت پاک قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے وہ کون اقربا ہین جنکی مودت ہم پر لازم ہے تو فرمایا کہ علی و فاطمہ و ابناھما (علی اور فاطمہ اور اُنکے دونون بیٹے)۔

جنکے اور جنکے بزرگون کی نسبت مخالف و موافق نے مدائح و محامد مین اتفاق رکھا ہے انکی متابعت و محبت مسلمانون پر واجب ہے اور اُن سے بغض و کینہ رکھنا بہ تحریم غلیظ حرام ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور جسکی تصریح بیہقی و بغوی نے فرمادی ہے۔ شافعی نے اسپر ان الفاظ مین تنصیص کی ہے ؎

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم — فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
یکفیکم من عظیم الفخر انکم — من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

ترمذی مین ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا اللہ کو دوست رکھو کیونکہ وہ ہر صبح تم کو اپنی نعمت دیتا ہے اور اللہ کی وجہ سے مجھے دوست رکھو اور میری محبت کے سبب سے میرے اہل بیت کو دوست رکھو قال قال رسول اللہ صلعم احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمۃ و احبونی بحب اللہ واحبوا اھل بیتی بحبی۔

بخاری مین عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہین کہ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا ارقبوا محمدا فی اھل بیتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام و بزرگی اُنکے اہل بیت کے حق مین کرو۔

حُب اہل بیت

میر عبد الجلیل کو تولاے اہل بیت اطہار مین بڑا شغف تھا۔ اُنکے حُسن عقیدت کی جھلک اُنکے کلام مین ہر جگہ نظر آتی ہے۔ مثنوی طوے فرخ سیر کے خاتمہ مین "خداوندگنہ بخش ترحم آفرین" سے نجات و استغفار فرماتے اور لکھتے ہین ؎

باعزاز رسول رحمت آثار — بہ آل طیب و اصحاب اخیار
خصوص آن پنجتن نور مبرھن — کہ حُب شان بود سرمایۂ من
کہ در محشر چو دست و پا کنم گم — ترحم کن۔ بہ حال ما ترحم

سادات کے فضائل مین اُنھون نے متعدد رباعیان لکھی ہین۔ اُنکے انداز تحریر سے پایا جاتا ہے بلکہ ایک رقعہ مین اپنے فرزند رشید سے صاف طور پر اظہار بھی کر دیا تھا کہ اگر سادات کی نقبت سرائی سے خود اپنے ترفع شان اور نجابت و سیادت کے اظہار اور مباہات و افتخار پر محمول کیے جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ بہت لکھتے اور کیا کچھ نہ لکھتے ؎

(۱)

اولاد علی خلاصۂ ابرار اند — چون والد خویش محرم اسرار اند

تحلیل مواد فاسد کفر کنند　　در منفعت مزاج دین جد دارند

دوسرا شعر مدیح بیضا مین یون نقل کیا ہے ؎

زالیشان باشد مزاج اسلام قوی　　در تقویت دین متین جد دارند

یہی رباعی کسی قدر تغیر عبارت کے ساتھ شیخ حزین اصفہانی اور والہ داغستانی نے میر عسکری قمی[۱۷۲] کے نام سے لکھی ہے ؎

سبطین کز انبیا فزون مقدارند　　چون والد خویش محرم اسرارند

باشد ز امیشان مزاج اسلام قوی　　در تقویت دین نبی جد دارند

---

[۱۷۲] ملک قمی، میر عسکری نام، بڑا فصیح و بلیغ شاعر تھا۔ ملک الکلام بھی کہلاتا ہے شاعری کا شوق بچپن سے دامنگیر تھا۔ پہلے قم سے کاشان آکر مشق سخن کی پھر قزوین گیا اور چار سال قیام کیا۔ رمضان ۹۸۸ھ (نومبر ۱۵۸۰ء) مین ہندوستان آیا۔ سلاطین دکن نے بڑی قدر شناسی کی۔ مرتضی نظام شاہ دیوانہ والی احمد نگر اور اُسکے بعد برہان شاہ نے انعام و اکرام سے مالا مال کردیا۔ پھر بیجاپور، ابراہیم عادل شاہ کے دربار مین چلا گیا۔ جس نے بڑی رعایات و عنایات فرمائین۔ وہین ملا ظہوری کا جوہر قابلیت و استعداد دیکھ کر اپنی لڑکی سے اُس کی شادی کردی شیخ فیضی جب اکبر کی طرف سے برہان شاہ والی احمد نگر کے یہان سفیر ہوکر گیا تھا تو اپنے عریضہ مین بادشاہ کو لکھا تھا کہ "در احمد نگر دو شاعر خاکی نہاد، صافی مشرب اند۔ و در شعر رتبہ عالی دارند۔ یکے ملا ملک قمی کہ بکس کمتر اختلاط می کند و ہمیشہ مزہ ترے دارد۔ دیگر ملا ظہوری کہ بغایت رنگین کلام است۔ و در مکارم اخلاق تمام۔ عزیمت آستان بوس دارد" تاریخ عالم آرائے عباسی مین لکھا ہے کہ ملک قمی نے ظہوری ترشیزی کی شرکت و اتفاق سے کتاب "نورس" نو ہزار شعر کی عادل شاہ کے نام پر لکھی تھی اور نو ہزار ہون بالمناصفہ صلہ پایا تھا۔ خان آرزو لکھتا ہے کہ قمی و ظہوری نے مخزن کے برابر ایک کتاب تصنیف کی اور اُسکے عوض مین ایک شتر کا بار سونا عادل شاہ نے دیا۔ جب اکبر بادشاہ کی فوجون نے قلعہ احمد نگر کا محاصرہ کیا تو ملک قمی نے وہان سے نکلکر شاہزادہ مراد اور نواب سپہ سالار عبدالرحیم خان خانخانان کی آستان بوسی کی۔ ہر ایک کی مدح مین قصائد غرا لکھے اور انعامات پائے۔ ملازمت کے لئے ہر چند اُس سے اصرار ہوا مگر قبول و منظور نہ کیا۔ ایک ضخیم کلیات کئی مثنویان یادگار چھوڑی ہین۔ بروایت ناظم تبریزی ۱۰۲۴ھ مین وفات پائی لیکن کلیم سال وفات ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) بتاتا اور "بگفتا اُو سرایل سخن بود" سے تاریخ نکالتا ہے۔

میر غلام علی آزاد، خزانہ عامرہ مین لکھتے ہین کہ میر عبد الجلیل نے یہ رباعی "عشرہ دہم بعد الف" مین کہی تھی اور سنہ ۱۱۰۰ھ (۱۶۸۸ء) کے بعد عشرہ رابع مین انتقال کیا۔ والہ کہتا ہے کہ میر عسکری نے سنہ ۱۱۰۰ھ (۱۶۸۸ء) کے بعد عشرہ سادس مین وفات پائی تو ظاہر ہے کہ میر عسکری کا زمانہ میر عبد الجلیل کے زمانہ سے خصوصاً اس رباعی کے نظم کرنے کے اعتبار سے بہت متاخر ہے[۵۱۳] لہذا میر عبد الجلیل کی عبارت کی ترجیح نقاد سخن پر ظاہر ہے ؎

(۲)

از بہر محبت علی ہستی ماست — گلچینی این بہار تر دستی ماست
دل ساغر و مہر ساقی کوثر مے — از میکدۂ غدیر خم مستی ماست

(۳)

گویند کہ پنج است بنائے اسلام — غافل شدہ از معنی این حرف عوام
یعنی از حب پنج تن در دنیا — گردید بنائے دین اسلام تمام

(۴)

از دوستی پنج تن اے معنی سنج — در ہر دو جہان از تو رود آفت و رنج
زان داد خدا بدست تو پنج انگشت — تا دامن پنج تن بگیری زین پنج

(۵)

تا مرقد پاک تو خراسان شدہ است — این خطہ بہ از روضۂ رضوان شدہ است
معلوم شد اکنون کہ خراسان زچہ رو — منسوب بہ آفتاب تابان شدہ است

منقبت آل پاک مین اور بہت سا کلام ہے لیکن پانچ کے عدد کی رعایت سے یہ پانچ رباعیان نقل کردی گئین۔

---

[۵۱۳] یہ صریحاً غلط ہے۔ میر عسکری کا زمانہ میر عبد الجلیل سے بہت پیشتر تھا۔ سنین کی یہ غلطی خواہ والہ نے کی ہو یا خود میر غلام علی نے بدیہی ہے۔

اس[۱۷۴] بحث کی نسبت کہ حضرت فاطمہ زہرا کو جناب عائشہ صدیقہ پر فضیلت تھی اپنے عقیدے کو ظاہر کرتے ہین ؎

وی کسے گفت عائشہ در فضل ۔ بہتر از بنت سید البشر است
مصرعے در جواب او خواندم ۔ رشتہ دیگر، رگ جگر دگر است

یہ حسین ثنائی کے مصرع کی تضمین ہے۔ اُسکا شعر یہ تھا ؎

لذت سوختن زشمع مپرس ۔ رشتہ دیگر، رگ جگر دگر است

میر عبد الجلیل کے اہل وطن بلکہ بعض اہل عشیرت کو اس تفضیل[۱۷۵] و ثنا خوانی مین خلوص و عقیدت کا نہین، بلکہ جاہ طلبی و زمانہ پرستی کا جلوہ نظر آتا تھا۔ معترضین اسکو اپنے مربی و سرپرست شیعہ امرا کے تملق اور خوش کرنے اور اپنا رنگ جمانے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہ عاجز جامع اوراق ان ایرادات کی تائید یا تردید کے لئے کوئی مواد فراہم نہین پاتا۔ میر عبد الجلیل نے عالم رویا مین خود حضرت سید الاولیا کرم اللہ وجہہ کا دامن پکڑا تھا اور ظاہر مین شیخ غلام نقشبند لکھنوی کے نقش قدم پر چلتے تھے اور اُنکی صحبت و ارشادات سے فیض و برکت حاصل کی تھی۔ میر کا اصلی مسلک یا طریق تصوف تو معلوم نہین (اغلباً قادری تھے) مگر شیخ اسم با مسمی اور پکے نقشبندی تھے۔ اس خاندان کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق[۱۷۶] رضی اللہ عنہ سے چلتا ہے۔ وہان یہ معارضات

---

[۱۷۴] الفرع السامی من الاصل السامی۔ لسید صدیق حسن خان۔ صفحہ ۱۵۵۔

[۱۷۵] تفضیل ایک شخص کو دوسرے سے زیادہ برگزیدہ جاننے۔ اور ترجیح دینے۔ اور بزرگ تر بتانے کو کہتے ہین۔ اہل سنت و جماعت مین ایک فرقہ تفضیلی بھی ہے جو اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلا فصل نہین کہتے بلکہ خلیفہ چہارم مانتے ہین۔ مگر اوصاف و فضائل مین اُنکو خلفائے ثلثہ اولین سے افضل و بزرگ تر بتاتے ہین۔

[۱۷۶] حضرت ابوبکر صدیق اکابر و عمائد قریش سے تھے۔ نام نامی عبد اللہ بن عثمان بن ابی عامر تھا۔ ابن ابی قحافہ کنیت تھی۔ حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نسب سے آپ کا نسب مرہ بن کعب پر جاکر مل جاتا ہے۔ آپ کا لقب صدیق (نہایت سچ بولنے والے اور ہر ایک کی بات کو بالکل سچ مان لینے والے)

کہان۔ اُس طریقہ سنیہ کے اکابر و مشایخ کے اقوال و ارشادات تو کچھ اور ہین۔

شیخ فاضل دولت شاہ سمرقندی، صاحب تذکرۂ مشہورہ ایسے تنگ نظر لوگون پر تعجب کرتے اور لکھتے ہین کہ ہر شخص جسکو عالم معنی سے ذرا بھی آگاہی ہے اپنے کو ردّ و قبول سے دور رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اُسکو فضولی کے لئے پیدا نہین کیا گیا ہے۔ خاصکر اصحاب رسول صلعم کے

اسوجہ سے قرار پایا کہ حضرت صلعم کی نبوت اور معراج پر سب سے پہلے آپ ہی ایمان لائے تھے۔ آپ کی صاحبزادی عائشہ صدیقہ رض رسول پاک کے حبالۂ نکاح مین تھین۔ حضرت صلعم نے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (۷ جون ۶۳۲ء) کو وفات پائی۔ ثقیفہ بنی ساعدہ مین مہاجرین و انصار نے مشورہ و صلاح کرکے بالاتفاق حضرت ابوبکر سے بیعت کی، اور اپنا امام قرار دیا اور خلیفہ رسول اللہ کہکر خطاب کیا۔ مسند خلافت پر آپ کو بٹھایا۔ ابوبکر نے کچھ دن بعد ممالک عراق و عجم کی تسخیر کے لئے خالد کو، ریاست حیرہ کے لئے مثنے بن حارث کو، شام کے لئے ابو عبیدہ بن الجراح کو روانہ کیا مورخین لکھتے ہین کہ جس روز دمشق فتح ہوا ہے اُسی دن ابوبکر صدیق نے اس جہان سے انتقال فرمایا۔ آپ کی وفات ہجرت کے تیرہوین سال مین ۲۲ جمادی الآخر ۲۳ اگست ۶۳۴ء کو ترسٹھ سال تین ماہ نو یوم کی عمر مین ہوئی۔ مدت خلافت دو سال پانچ ماہ تھی۔ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرُبَتْ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ اَفْضَلُ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ حدیث پاک آپ کی شان مین ہے۔ فردوسی نے شاہنامہ مین اسی حدیث کی طرف تلمیح کی ہے ؎

چہ گفت آن خداوند تنزیل و حی — خداوند امر و خداوند نہی
کہ خورشید بعد از رسولان رمھ — نتابید بر کس ز بوبکر بہ

[یہ وہی فردوسی ہے جسکو یورپ فارسی کا ہومر Homer مانتا ہے اور وہی شاہنامہ جسکو ابن الاثیر فارسی کا قرآن بتاتا ہے]

دوسری حدیث طبرانی نے کعب بن مالک رض سے روایت کی ہے انہ لم یکن نبی الا ولہ خلیل من امتہ وان خلیلی ابوبکر بن ابی قحافۃ۔ وان اللہ اتخذ صاحبکم خلیلا۔ صدیق اکبر کے مناقب و خصوصیات مین سے تھا کہ آپ نے نبی صلوات اللہ علیہ وعلی آلہ سے اپنے لئے کبھی کسی شئے کا سوال نہین کیا حتی کہ دعا کا بھی۔ آپ بھی اُسی جماعت صحابہ سے تھے جس نے آنحضرت سے بیعت اس بات پر کی تھی کہ باہم کسی شخص سے کوئی چیز نہ مانگین گے۔ اور اس عہد کو یہان تک نباہ دیا کہ سوار ہونے کی حالت مین بھی اگر کسی کا کوڑا گر جاتا یا ہاتھ سے مہار شتر چھوٹ جاتی تو اُسکے اُٹھا دینے کے لئے دوسرے سے کبھی نہ کہتا۔

قبول ورد کے لئے۔ ہر ایک کو بزرگ و فاضل جاننا اور حق و راستی پر سمجھنا، یہی شریعت ہے۔ ورنہ طریقت کفر ہو جاتی ہے۔"

حضرت عطار[۵۱۷] نے اس بارہ مین خوب فرمایا ہے ؎

اپنے معاصر شرفاے عرب مین علم و فضل اور شعر گوئی مین کسی سے کم نہ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار قدس مین رونق بخش ہونے پر جو منظوم مرثیہ کہا تھا آج تک اہل سخن کی زبان پر ہے۔ اسیطرح آپ کی مشہور مناجات، جسکو اہل اللہ اور اہل دل اور اہل درد، ہر صبح پڑھتے اور استجابت دعا و نجوے کا لطف پاتے ہین۔

[۵۱۷] شیخ فریدالدین عطار، محمد بن ابراہیم نام، کدکن (اعمال (ضلع) نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ ابتدا مین اپنا آبائی پیشہ عطاری کیا کرتے تھے۔ ایک دن کوئی درویش انکے یہان آیا اور کوئی چیز مانگی۔ یہ نہایت مشغول تھے ملتفت نہ ہو سکے۔ درویش نے کہا کہ "بابا اسقدر خواہش و تعلق کے ساتھ آپ کیونکر مرینگے؟" انھون نے جواب دیا کہ "جس طرح تم مروگے" درویش نے کہا کہ "خواجہ صاحب آپ میرا ساتھ نہ دے سکین گے" اسیوقت لکڑی کا پیالہ جو ہاتھ مین تھا درویش نے سر کے نیچے رکھ کر الا اللہ کہکر جان دیدی۔ عطار اس واقعہ کو دیکھکر دوکان سے اٹھ کھڑے ہوے اور جس نے جو مانگا دے ڈالا۔ وطن مین بزمانہ طفولیت قطب عالم قطب الدین حیدر کے مرید ہو چکے تھے۔ کئی سال شیخ رکن الدین کاف کے ہمراہ رہے۔ پھر زیارت بیت اللہ کے لئے گئے۔ وہان بہت سے بزرگون کی زیارت کی۔ واپسی پر فخر الشہدا شیخ مجدالدین بغدادی کی خدمت مین حاضر ہوکر خرقہ ارادت پہنا۔ ملا جامی نفحات الانس مین لکھتے ہین کہ مولانا جلال الدین رومی قبۃ الاسلام بلخ سے جاتے ہوے جب نیشاپور سے گزرے تو شیخ کی صحبت مین بھی حاضر ہوے وہ زمانہ شیخ کے کبر سن کا تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف اسرار نامہ کا ایک نسخہ مولانا کو دیا جسکو وہ ہمیشہ ساتھ رکھتے اور معارف و حقائق کے بیان کرنے مین شیخ کی اقتدا کرتے۔ آپ کے فضل اور عظمت شان کے تمام معاصرین و متاخرین، مشائخ و علما سب معترف ہین۔ سلطان سنجر کے عہد مین شعبان ۵۱۳ھ (نومبر ۱۱۱۹ء) مین پیدا ہوے۔ انتیس سال نیشاپور مین رہے اور پچاسی برس شہر شاد یاخ مین۔ نیشاپور کے قتل عام مین ۱۰ جمادی الثانی ۶۲۷ھ (۲۶ اپریل ۱۲۳۰ء) کو ایک مغل کے ہاتھ سے شہید ہوے۔ ایک سو چودہ برس کی عمر تھی۔ ایک ضعیف روایت سے سال وفات ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف عظیم ہے۔ شیخ کی تالیفات کثیر ہین۔ منظوم رسالون کی تعداد چالیس سے متجاوز ہے۔ ایک دیوان کبیر الحجم، متعدد مثنویان اور ایک تذکرۃ الاولیا یادگار چھوڑا ہے۔ منطق الطیر، الٰہی نامہ، اسرار نامہ، مظہر العجائب، حیدری نامہ، مختار نامہ، جامع رباعیات، زیادہ شہرت رکھتے ہین

الا اے در تعصب جانت رفتہ — گناہ خلق در دیوانت رفتہ
مشو از ابلہی۔ پر زرق و پر مکر — گرفتار علی ماندی و بو بکر
گہے، این یک بود نزد تو مقبول — گہے، آن یک بود از کار معزول
گر این بہتر، ور آن بہتر ترا چہ — کہ تو چون حلقۂ بر در، ترا چہ
یقین دانم کہ فردا پیش حلقہ — یکے کردند ہفتاد و دو فرقہ
چو یک دم زین تخیل می نہ رستی — ندانم تا خدا را کے پرستی
گرفتم گر ہمہ زشت ار نکو بند — چو نیکو بنگری جویاے او بند
الٰہی نفس سرکش را زبون کن — فضولی از دل جملہ برون کن
دل ما را بخود مشغول گردان — تعصب جوے را معزول گردان

مولانا کمال غیاث[۱۷۸] شیرازی نہایت دانشمند، مورخ، حکیم شیوہ اور خوش طبع تھے۔

مولانا کاتبی محمد بن عبداللہ نیشاپوری صاحب مثنوی مجمع البحرین نے ایک قصیدہ ردیف گل مین لکھا ہے جسمین حضرت عطار کی شان مین لکھتے ہین ؎

ہم چو عطار از گلستان نشاپورم دے — خار صحراے نشاپورم من و عطار گل

[۱۷۸] شیراز مین یہ نام کسی وقت بہت مقبول تھا۔ نوین صدی مین مولانا غیاث نے اور دسوین مین امیر غیاث الدین (منصور پسر امیر صدر الدین) نے زیادہ شہرت پائی لیکن دونون کے مزاج وطبائع مین تباین واختلاف شدید تھا۔ امیر نے ۹۴۸ھ (۱۵۴۱ء) مین وفات پائی۔ اُنکا ایک ذکی وذہین شاگرد حکیم فتح اللہ شیرازی ہندوستان آیا تھا۔ پہلے سلطان علی عادل شاہ والی بیجاپور کا متوسل ووکیل اور اُسکے بعد شہنشاہ اکبر کا مقرب ونديم ہوگیا تھا۔ امیر جتنے بڑے ذیعلم وحافظ احادیث وحامل علوم شرعیہ تھے اتنے ہی دیندار اور پابند احکام دینیہ بھی تھے۔ احتجاج ورد وقدح سے دریغ نہ فرماتے۔ چودہ سال کی عمر مین علامۂ محقق جلال الدین محمد دوانی سے مناظرہ کا داعیہ پیدا ہوا تھا۔ حجۃ الکلام مین حجۃ الاسلام امام غزالی کے بعض اقوال کی تردید کی ہے محاکمات صدر الدین محمد شیرازی وجلال الدین محمد دوانی کی شرح تحریر کی ہے اُستاد البشر لقب تھا۔ اخلاق منصوری آپکی یادگار ہے۔

شاعری کے پھلوان اور فارسی زبان کے معرکہ گیر مانے گئے ہین۔ خاندان طیبین وطاہرین کے مناقب مین قصائد غرا لکھے ہین مگر منصف مزاج اور بعض ابناے جنس کے خلاف تعصب وتشیع سے پاک تھے ہمیشہ اعتدال مرعی رکھتے۔ ایک مرتبہ شاہزادہ ابراہیم سلطان گورگان نے پوچھا کہ "مولانا! کس مذہب کے متابعین وپیرو زیادہ اچھے اور بزرگ ہین"۔ جواب دیا کہ "ہر قوم وہر مذہب کے صلحاء"۔

مولانا غیاث باہمہ علم وحکمت کسی سے چھیڑ چھاڑ نہ کرتے۔ صلح وآشتی ومیانہ روی اُنکا شیوۂ عالی تھا۔ مورخین اُن کے تدین کی نسبت اچھی راے نہیں رکھتے ہین لکھتے ہین کہ نماز وعبادات کے چندان پابند نہ تھے۔ اُنکے معتقدات پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ مولانا نے تمام عمر نہایت آزادہ روی اور آزاد خیالی کے ساتھ گذاردی۔ کبھی کسی سرکاری خدمت کا بار سر پر لینا گوارا نہ کیا۔ امیر منصور مدت دراز تک بادشاہ کی صدارت پر مامور رہے تھے۔ امیر نے بہت سی تصانیف رائقہ یادگار چھوڑی ہین۔ مولانا کے علمی کارنامون پر مستوری وگمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے ؎

یادش بخیر وہ دل ناکام و نامراد　　اس طرح کچھ گیا کہ پتا بھی کہیں نہیں

۷۹۵ھ امیر تیمور صاحبقران کا پوتا۔ مرزا شاہرخ کا منجھلا بیٹا تھا مرزا نے اپنی زندگی مین رفع شر اور حفظ امن کے لئے اپنی مملکت اپنے بیٹون مین تقسیم کر دی تھی۔ شاہزادہ ابراہیم سلطان گورگان کو پہلے بلخ و طخارستان کی حکومت تا حدود کابل وبدخشان سپرد کی تھی بعد ازان ولایت شیراز پر مامور کیا تھا۔ یہ ایک ذی علم وعلم دوست شاہزادہ تھا۔ اُسکے دربار مین علماء وحکماء وشعرا کا مجمع رہتا علمی بحثین ہوتین۔ دلچسپ صحبتین رہتی تھین۔ اہل تاریخ لکھتے ہین کہ ان تینون بھائیون رائغ بیگ، بایسنغر، اور ابراہیم سلطان کے دور مین ھرات وسمرقند وماوراء النہر دار العلم والعمل بنے ہوئے تھے۔ ان شاہزادون کے باہمی لطائف ومکاتبات دنیاے علم مین یادگار بتائے جاتے ہین۔

ابراہیم نے اپنے باپ مرزا شاہرخ کی حیات اور اپنی جوانی مین ۸۳۸ھ (۱۴۳۴ء) مین شیراز مین وفات پائی۔ مرزا عبداللہ اُسکا فرزند سمرقند مین دادا کے تخت پر بیٹھا تھا۔

گورگان ترکی زبان مین داماد کو کہتے ہین۔ چغتا خان کے سلسلۂ قرابت مین جو شخص دامادی کا شرف پاجاتا تھا اوسکو یہ خطاب ملتا تھا۔ تیمور خود بھی اُسی نسل سے تھا اور پھر بادشاہ وقت کی لڑکی سے شادی کی تھی اسلئے گورگان کہلاتا تھا اُسکے بعد یہ لقب اُسکی اولاد مین بھی چلا آیا۔

استاد اسعد مہیہنہ[۱۸۰] جو فحول علماء سے تھا سلطان محمد[۱۸۱] بن ملک شاہ کی مجلس مین افضل[۱۸۲] العلماء

۱۸۰ ابو الفتح اسعد بن ابی نصر بن ابی الفضل المیہنی الفقیہہ الشافعی الملقب بہ مجد الدین [میہنی بکسر میم وسکون یاء وفتح ھا - دبہ آخر نون میہنہ سے منسوب ہے جو بروایت ابن خلکان خابران کا ایک قریہ ہے اور خابران مابین سرخس وابی ورد کے اقلیم خراسان مین ایک ناحیہ ہے] استاذ اسعد فقہ اور دیگر علوم وفنون متداولہ مین نامور امام گذرے ہین۔ انکی تعلیقات مشہور ہین۔ فقہ مرو مین حاصل کی تھی۔ پھر غزنہ چلے آئے وہان بڑی شہرت پائی، انکے علم وتبحر کی خوب اشاعت ہوئی۔ غزی نے بھی انکی مدح کی ہے۔ پھر بغداد آگئے وہان کے مدرسہ نظامیہ کی تدریس دوبارا انکے سپرد ہوئی۔ پہلے ۵۰۷ھ (۱۱۱۳-۱۴ء) مین جس سے ۱۸ شعبان ۵۱۳ھ (۱۱۱۹ء) کو سبکدوش کردیے گئے۔ دوسری بار شعبان ۵۱۷ھ (اکتوبر ۱۱۲۳ء) مین مقرر ہوئے۔ اسی سال ذیقعدہ (جنوری ۱۱۲۴ء) مین عسکر (من محلات نیشاپور) چلے آئے، مدرسہ مین دوسرا استاد مقرر ہوگیا۔ عسکر مین انکے گرد ازدحام عام رہتا تھا۔ خلق کثیر انکے علم وفضل سے فائدہ اٹھاتی۔ ان کی تقریر وتحریر ومناظرات سے متمتع ہوتی تھی۔ حافظ ابو سعد سمعانی نے اپنی کتاب الذیل (تاریخ خطیب) مین انکو بڑی عزت سے یاد کیا ہے۔ لکھتے ہین کہ سلطان محمود سلجوقی کی طرف سے مرو مین سفیر مقرر ہوکر آئے تھے۔ پھر بغداد سے ہمدان کو ایلچی بنا کر بھیجے گئے۔ ہمدان مین ۵۲۷ھ (۱۱۳۳ء) مین وفات پائی۔ سمعانی لکھتے ہین کہ مجھسے ابو بکر محمد بن علی بن عمر خطیب نے روایت کی تھی اور انسے کسی فقیہہ اہل قزوین نے لکھا تھا جو پایان عمر مین اسعد کی خدمت وتیمار ہمدان مین کرتا رہا تھا۔ وہ لکھتا تھا کہ موت کا وقت جب قریب آیا تو مین بھی استاد کے پاس انکے گھر پر موجود تھا۔ استاد نے ہم سب کو دور ہٹا دیا ہم لوگ باہر چلے آئے مگر دروازے سے لگے کھڑے رہے اور سننے لگے۔ امام اپنے چہرے پر طمانچے مارتے اور کہتے تھے "یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ"۔ خوب روتے تھے اور منہ پیٹتے تھے اور بار بار یہی کہتے تھے۔ حتی کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

انھین اسعد میہنی کے تلامذہ (یعنی مدرسہ نظامیہ کے طلبہ) مین شیخ العراق امام ابو النجیب عبد القاہر ضیاء الدین سہروردی تھے۔

۱۸۱ ابو شجاع محمد بن ملک شاہ بن الپ ارسلان، ملقب بہ غیاث الدین جب ملک شاہ نے ۱۶ شوال ۴۸۵ھ (۲۰ نومبر ۱۰۹۲ء) کو وفات پائی تو اس کی مملکت اسکے تینون بیٹون (۱) برکیاروق (۲) سنجر (۳) محمد مین منقسم ہوگئی۔ محمد اور سنجر ایک مان سے تھے۔ تاہم تعلقات کشیدہ رہتے۔ جب محمد و برکیاروق مین اختلاف پیدا ہوا تو محمد اور سنجر بغداد آئے۔ امام مستظہر باللہ نے انپر نوازش وعنایت فرمائی۔ محمد نے امیر المومنین سے درخواست کی

محمد غزالی سے مناظرہ کرنے لگا۔ علمائے خراسان استاد کے یادر و پشت پناہ تھے۔ پہلا سوال غزالی

کہ میرے اور میرے بھائی سنجر کے لئے اجلاس کیا جائے۔ التماس منظور ہوا خلیفہ نے قبۃ التاج مین دربار کیا۔ تمام ارباب مراتب اور اتباع حاضر ہوے۔ امیر المومنین نے ایک سُدّہ (سراوطاق) پشت فرمائی۔ سیف الدولہ صدقہ بن مزید صاحب الحلہ (لارڈ چیمبرلین) تخت کی داہنی جانب کھڑا ہوا اُسکی دوش پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک تھی۔ سر پر عمامہ اور ہاتھون مین قضیب (عصا) محمد کو حسب عادت سلاطین سات پارچہ کا خلعت پہنایا گیا۔ طوق اور تاج مرحمت ہوا۔ سوارین (کنگن) پہنائے گئے۔ خلیفہ نے خود علم (لوا) عنایت کیا۔ دو تلوارین زیب گلو کین۔ پانچ گھوڑے مع ساز و یراق کے مرحمت فرمائے۔ سنجر کو بھی اسی طرح خلعت پہنایا گیا جیسا کہ اُس زمانہ مین دستور تھا جامع بغداد مین محمد کے نام کا خطبہ سلطنت پڑھا گیا۔ برکیاروق کا خطبہ چھوڑا دیا گیا۔ محمد بن عبد الملک ہمذانی اپنی تاریخ مین لکھتے ہین کہ یہ واقعہ سنہ ۴۹۵ھ (۱۱۰۱ء) کا ہے۔ مگر صاحب تاریخ سلجوقیہ کا بیان یہ ہے کہ سلطان محمد کا خطبہ بغداد مین ۱۷ ذیحجہ سنہ ۴۹۲ھ (۵ نومبر ۱۰۹۹ء) کو پڑھا گیا تھا۔ بقول ہمذانی عجیب اتفاق یہ ہوا تھا کہ جسوقت جامع قصر بغداد کا خطیب سلطان برکیاروق کے لئے دعا مانگنے اور اُسکا نام لینے کو ہوا تو خود بخود اُسکی زبان سے سلطان محمد کا نام اور اُسکے لئے دعا نکلی۔ برکیاروق کے خیر خواہون نے اُسپر آفت ڈھائی۔ وہ معزول ہوا مگر اُس کی جگہ پر اُسکا بیٹا مقرر کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان محمد کے خطبہ مین صرف چند روز کی تاخیر ہوئی تھی اُسکے حق مین یہی فال نیک تھی۔ اس کے بعد کے واقعات برکیاروق اور محمد شاہ کی جنگ آزمائی اور محمد شاہ کا رے مین شکست پانا تاریخون مین بالتفصیل مرقوم ہین۔

سلطان محمد ملوک سلجوقیہ مین بڑا امرا اور نامور گزرا ہے۔ بہت سے آثار جمیلہ اور سیرۃ حسنہ اور معدلت شاملہ یادگار چھوڑی ہین۔ فقرا اور ایتام کے ساتھ بڑی نیکی کرتا تھا۔ طوائف ملحدہ سے ہمیشہ برسر جنگ و پرخاش رہتا۔ امور رعیت پر نگاہ رکھتا۔ ابو البرکات بن المستوفی نے تاریخ اربل مین اُسکا ذکر کیا ہے اور ایک مخاطبہ (تائید یا بیان) جو امام ابو حامد غزالی نے سلطان محمد بن ملک شاہ سے کیا تھا اُسکو بھی نقل کر دیا ہے۔ برکیاروق کی وفات پر محمد شاہ سلطنت کا مالک مستقل ہو گیا اور دنیا کو عام فائدہ پہونچانے اور نام نیک حاصل کرنے لگا۔ بیمار زیادہ عرصہ تک رہا۔ پنجشنبہ ۲۴ ذیحجہ سنہ ۵۲۱ھ (یکم جنوری سنہ ۱۱۲۸ء) کو شہر اصفہان مین وفات پائی ۳۷ سال چار ماہ چھ یوم عمر تھی۔ اصفہان مین مدرسہ عظیمہ مین دفن ہوا جو طائفہ حنفیہ کے لئے وقف تھا اور جسکے برابر کوئی کالج دار السلطنت مین نہ تھا۔ محمد شاہ جب اپنی زندگی سے نومید ہوا تو اپنے لڑکے محمود کو بلایا اور بوسہ دیا۔ دونون خوب روئے۔ باپ نے بیٹے کو حکم دیا کہ جاؤ۔ تخت شاہی پر جلوس کرو۔ امور ناس پر

سے یہ کیا کہ آپ مذہب حنفی پر ہین یا شافعی پر۔ غزالی نے کہا کہ مین عقلیات مین مذہب برہان کا

نظر ڈالو" بیٹے نے باپ سے عرض کیا کہ "آجکا دن بہ طریق نجوم مبارک نہین ہے" بولا کہ "ہان۔ سچ ہے۔ لیکن باپ کے لئے نحس اور سلطنت کے لئے مبارک ہے" چنانچہ محمود گیا۔ تخت پر نشست فرمائی۔ تاج اور سوارین (کنگن) پہنے۔ ملوک سلجوقیہ مین سے کسی نے اتنا سامان، ذخائر، اصنافِ اموال اور دواب وغیرہ سے نہین چھوڑا جتنا اس نے چھوڑا تھا امام مقتفی لامر اللہ نے فاطمہ دختر سلطان محمد مذکور سے ۵۳۱ھ (۱۱۳۶ء) مین شادی کی تھی قبول نکاح کا وکیل وزیر شرف الدین ابو القاسم علی بن طراد زینبی تھا۔ لڑکی کا بھائی مسعود بھی مجلس عقد مین موجود تھا۔ فاطمہ بنت سلطان محمد شوہر کے یہان ۵۳۴ھ (۱۱۳۹ء) مین لائی گئی۔ مورخین لکھتے ہین کہ یہ لڑکی نہایت تعلیم یافتہ تھی خوب لکھی پڑھی، اور نہایت صائب رائے رکھتی تھی۔ وہ موضع جو درگاہ خاتون کے نام سے معروف ہے اُسکا سکونت گاہ تھا۔ شنبہ ۲۲ ربیع الآخر ۵۴۲ھ (۲۰ ستمبر ۱۱۴۷ء) کو وفات پائی۔ رصافہ (بغداد) مین دفن ہوئی۔

۱۰۲ حجۃ الاسلام محمد زین الدین محمد بن محمد بن احمد الغزالی الطوسی۔ آپ کی کنیت ابو حامد تھی۔ غزالہ یا غزالہ (غزال) کے رہنے والے تھے جو اعمال طوس مین ایک قریہ ہے۔ دین ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) مین پیدا ہوئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ غزال ریسمان فروش کو کہتے ہین، وہ اپنی مادر معظمہ کا تیار کیا ہوا سوت بازار مین لے جاکر فروخت کرتے تھے اسلئے یہی نام قرار پاگیا۔ ابتداءً احمد راذکانی سے طوس مین تعلیم پائی۔ پھر نیشاپور مین امام الحرمین ابو المعالی جوینی سے تکمیل تحصیل علوم فرمائی۔ جب نظام الملک وزیر سے ملاقات ہوگئی تو اُس نے بڑی قدر شناسی اور رعایت و تعظیم کی اسکے دربار مین ہمیشہ علماء و فضلا کا مجمع رہتا تھا آپ اُن سے مباحثہ و مناظرہ کرتے اور سب پر غالب رہتے۔ کچھ دن بعد نظامیہ بغداد کی تدریس آپ کے سپرد ہوگئی۔ جمادی الاول ۴۸۴ھ (جولائی ۱۰۹۱ء) مین وہان تشریف لے گئے۔ ذیقعدہ ۴۸۸ھ (نومبر ۱۰۹۵ء) مین تعلقات دنیوی کو خیرباد کہکر دنیا سے انقطاع کرلیا۔ حج کو چلے گئے۔ کوفے تو سیدھے شام مین آئے۔ دمشق مین بود و باش اختیار کی اور جامع غربی کے ایک زاویہ مین پڑھنے پڑھانے لگے۔ پھر بیت المقدس چلے گئے۔ وہان سے مصر گئے۔ اسکندریہ مین مقیم رہے۔ پھر بلاد مغرب کا رخ کیا۔ امیر یوسف بن تاشفین صاحب مراکش سے ملنے جارہے تھے۔ رات مین اُسکے مرنے کی اطلاع پائی تو اپنے وطن طوس چلے آئے۔ اور خلوت گزین ہوگئے۔ احیاء علوم الدین جسکو ابن خلکان "نہایت نفیس و جمیل" کتابون مین شمار کرتا ہے و کیمیاے سعادت، یاقوت التاویل فی تفسیر التنزیل (چالیس جلدین) موسوم بہ تفسیر جواہر القران، عقائد غزالی، تہافۃ الفلاسفہ، رسالہ علم لدنی، میزان عمل، بدایت الہدایت، مشکوۃ الانوار، کتاب الوسیط، والبسیط، والوجیز، المنخول، اللباب المنخل فی علم الجدل، محک النظر، المنقذ عن الضلالہ وغیرہ ننانوے کتابین اسی عہد عزلت و خلوت کی یادگار ہین

پیرو ہون اور شرعیات مین مذہب قرآن کا مجھپر نہ حنیفہ کا کچھ حق ہے اور نہ شافعی کا کوئی حصہ۔

مستصفی کے (اصول فقہ مین) لکھنے سے ۶ محرم ۵۰۳ھ کو فراغت پائی۔

گوشۂ عزلت سے نکل کر نظامیہ نشاپور مین درس دینے لگے کچھ دن بعد اسکو بھی ترک کر دیا اور اپنے وطن طوس کو چلے آئے۔ یہان صوفیون کے لیے خانقاہ درست کرائی اور طالبان علم کے واسطے مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ اپنے اوقات عزیز تمام تر وظائف خیر و ختم قرآن اور صحبت ارباب قلوب اور تدریس علوم مین صرف فرماتے۔ فقیہ شافعی تھے۔ مفتیان احناف کی ایک جماعت آپ کے خلاف تھی جو قتل کے فتوے دیا کرتی مگر آپ کو کبھی ضرر و گزند نہ پہونچا سکی۔ اہل تصوف لکھتے ہین کہ آپ نے ستر علوم پڑھے تھے مگر کسی سے کشود کار نہ ہو سکا۔ لاچار صوفیہ سے رجوع کیا۔ زہد و عبادت اختیار کی اور فائز المرام ہوئے۔ ان کی عام روش یہی ہے کہ شرعی باتون کو صوفیون کی باتون سے مخلوط کر کے بیان کرتے ہین۔

شاعر بھی بڑے پایہ کے تھے۔ حافظ ابو سعد سمعانی نے اپنی کتاب الذیل مین انکے کلام کا کچھ نمونہ دکھایا ہے۔ آپ دوشنبہ کی صبح ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ (۱۸ دسمبر ۱۱۱۱ء) کو بمقام طابران (جو طوس کا ایک قصبہ ہے) جوار رحمت حق مین شامل ہوئے۔ اور ظاہر (بیرون قصبہ) مین دفن۔ ابو المظفر محمد ابیوردی مشہور شاعر نے مرثیہ لکھا۔

انکے بھائی امام احمد غزالی بھی بڑے عالی مرتبت محقق و عالم تھے۔ بعض اوقات دونون بھائیون مین مناظرہ و مباحثہ ہو جاتا تھا۔ امام صاحب کے تلمیذ رشید محمد بن ابی القاسم طوسی تھے۔ جنھون نے اپنے وحید عصر استاد کے بہت سے حالات رسالہ محاکمات مین تحریر کیے ہین۔ مرزبان نامہ کے باب سوم مین کچھ احوال مرقوم ہین۔ مستشرقین یورپ مین سے براؤن نے اپنی مشہور تاریخ ادبیات ایران مین آپ کو کوئی جگہ بڑی عظمت و ادب سے یاد کیا ہے۔ ترکی ترجمہ سے ایچ اے ہومس H. A. Homes نے کیمیائے سعادت کا انگریزی مین ترجمہ کیا اور وہ الفاظ ان کی شان مین لکھے ہین جنکو کوئی اور بڑے سے بڑا عقیدتمند بھی نہ لکھ سکے گا۔ البتہ ڈیٹرسی Dieterici مخالفانہ روش رکھتا اور اپنی کتاب فلسفۃ الاعراب (مطبوعہ لیپزگ ۱۸۷۶ء) مین ایراد و تعنت کرتا ہے۔ جرمن کے ایک وسیع النظر عالم نے آپ کی تصانیف پر تین سو صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے۔

۹۱۸۳ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطا بن ماہ کوفی۔ گو اگرچہ فقہاے بلاد کے تذکرون مین علماے رجال و اصحاب سیر نے فقیہان کوفہ مین شمار کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نام کا انتشار، آپ کے علم کا اشتہار، آپ کے حکم کا نفاذ کوفہ سے اختصاص نہین رکھتا۔ آپ کی فقاہت و افتاء کا آوازہ و شہرہ چار دانگ عالم

استاد اسعد نے کہا کہ "یہ بات تو ٹھیک نہیں" غزالی نے کہا کہ "اے بیچارے! اگر تجکو علم الیقین سے شمہ

پر محیط ہے۔ ربع مسکون کے ربع اہل سنت بلکہ نصف کے قریب مذہب حنفی (جو مذہب اربعہ عامہ سے ہے) اختیار کئے ہوئے ہین۔ انقلابات حال و دستور جمہوریت سے پیشتر ممالک روم (ترکی) مین لازم و مقرر تھا کہ سلاطین آل عثمان و صدر اعظم اور قاضی القضاۃ (شیخ الاسلام) ابو حنیفہ کے مذہب کے متبع ہون۔ ائمہ مجتہدین و فقہاء مین آپ اسبق و اقدم تھے۔ امام اعظم کہلاتے ہین۔ نعمان اصلی نام تھا۔ سلسلہ نسب نوشیروان تک پہونچتا ہے۔ دادا زمرہ کفار سے تھے۔ لڑائی مین مسلمانون کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ مدت تک قبیلہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ مین کسی کے یہان غلامی مین بسر کی۔ جب آزاد ہوئے تو قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی جناب ثابت آپ کے والد ماجد اُس وقت عالم وجود مین آئے۔

اہل سنت تذکرہ نگارون کا قول و عقیدہ ہے کہ اُس مولود کو آستان مبارک علی بن ابی طالب امیر المومنین پر لے گئے۔ حضرت نے ثابت اور اُنکی اولاد کے حق مین دعائے خیر فرمائی۔ چالیس سال سے عمر متجاوز تھی کہ صلب ثابت سے ۸۰ھ (۶۹۹ء) مین کوفہ مین نعمان (ابو حنیفہ) نے اس عالم مین قدم رکھا رُشد کا زمانہ ہوا تو خرازون (چرم دوزون) کی جماعت مین داخل ہوکر داد و ستد کرکے بسر کرنے لگے۔ ایک رات عالم واقعہ مین دیکھا کہ خوابگاہ مطہر حضرت خاتم الانبیاؐ سے کفن نکال رہا ہون۔ گھبرا کر خواب راحت سے بیدار ہوئے۔ سراسیمگی و ہراس غالب تھا۔ مشہور معبّر ابوبکر محمد بن سیرین کے پاس آدمی بھیجا اور قصۂ شب گزارش کیا۔ تعبیر کی خواہش کی۔ جواب ملا کہ خواب دیکھنے والے کو اتنا علم حکمت ہوگا کہ وہ تمامی مردمان زمانہ اور علماء عصر سے بڑھ جائے گا۔ داعیۂ شوق تحصیل اُسیوقت سے روز بروز بڑھنے لگا اور اکتساب معارف و اقتباس معانی مین جد و جہد کرنے لگے۔ ایک گروہ تابعین کی صحبت سے بھی فائض ہوئے تھے۔ منھم ۱ عطاء بن ابی رباح ۲ ابو اسحق سبیعی ۳ محارب بن دثار ۴ ہیثم بن حبیب ۵ ہشام بن عروہ ۶ محمد بن منکدر ۷ نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر ۸ سماک بن حرب ۹ ابو عمار ابراہیم نخعی (تابعی) مقامات حدیث اور مراتب معالم دین انھین بزرگون کی خدمت مین طے کئے۔ مبانی علم فقہ کو حماد بن ابی سلیمان سے پختہ و مشید کیا۔ عام و خاص ذرائع سے ثابت ہوا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو حضرت امام ہمام جعفر بن محمد الصادق سے بھی تلمذ حاصل تھا۔ جسکا تذکرہ حافظ ابن حجر مکی نے صواعق مین کیا ہے اور علامہ مجلسی نے بحار الانوار مین۔ بعض تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی صحبت سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ صاحب مطلع العلوم و مجمع الفنون لکھتا ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۱۲۸ھ

بہر بھی آگاہی ہوتی تو یہ نہ کہتا کہ تم خطا کرتے ہو۔ مگر تو تو قید ظاہر مین پڑ گیا اور معذور رہے اگر تیرے

لغایت ۱۵۳ھ) کے شاگرد تھے۔ یہ قرین قیاس نہین کیونکہ امام ابوحنیفہ کی وفات کے وقت امام موسیٰ کاظم کی عمر صرف بائیس سال کی تھی۔ مولانا شبلی سیرۃ النعمان مین فرماتے ہین کہ حضرت کو امام باقر علیہ السلام سے تلمذ تھا۔ باعتبار تناسب عمرین یہ روایت قابل قبول ہے (احکاسال ولادت ۵۷ھ وفات ۱۱۷ھ) زیادہ اجماع امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی پر ہے جنکا زمانہ ۸۳ھ یا ۸۰ھ سے ۱۴۸ھ تک تھا۔

آپ کے علم وفضل کا یہ مرتبہ تھا کہ امام شافعیؒ جو مذاہب چہار گانہ مین سے ایک کے سردار و پیشوا ہین فرماتے ہین کہ "قبائل علما اور شعوب فضلا کو فنون کمالات کے پانچ شعبون مین پانچ شخصون کا عیال سمجھنا چاہیے جنسے انھون نے فوائد و فضائل حاصل کئے ہین۔ (۱) علم فقہ مین ابوحنیفہ کے فضل کے ریزہ خوار ہین۔ عیال فی الفقہ۔ (۲) صنائع شعریہ مین زہیر بن ابی سلمے کے انعام کے پروردہ (۳) مغازی کے جاننے مین محمد بن اسحق سے نعمت اندوز (۴) فن نحو مین عطایائے کسائی سے بہرہ مند اور (۵) تفسیر کی شان مین مقاتل بن سلیمان کے حیرہ خوار"

مالک بن انس اصبحیؒ سے جو خود ائمہ اربعہ سے ہین پوچھا گیا کہ "جب آپ کو ابوحنیفہ سے صحبت و یکجائی کا اتفاق ہوا تو آپ نے اُنکے علم وفضل کو کس درجہ پر پایا" فرمایا کہ "مین نے اُنکے قیاس و استدلال کی یہ قوت دیکھی کہ اگر مین کبھی اُنسے چاہتا کہ وہ اپنے دلائل و براہین سے کسی ستون کو سونے کا ثابت کر دین تو باوصف اسکے کہ حس بصر اور قوت نظر اسکے خلاف حکم دے رہی ہو وہ اُسکے ثابت کر دینے پر قادر تھے"۔

یحییٰ بن معین کہتے ہین کہ "چند شخصون کی بدولت علوم اس مرتبہ کمال پر پہونچے ہین یا یون کہئے کہ اُنھین کے ساتھ انکا اقتصار و انحصار ہو گیا ہے۔ سچ ہے کہ قرأت حمزہ کی قرأت ہے اور فقہ ابوحنیفہ کی فقہ اور اس بارہ مین تقریباً سب ہی مجھسے متفق الرائے ہین"۔

جعفر بن ربیع کہتے ہین کہ "مین پانچ سال تک ابوحنیفہ کے جوار (ہمسائگی) مین رہا ہون۔ وہ اتنا چپ رہتے تھے کہ مین نے کسی شخص کو خاموشی مین اُنکے برابر نہین دیکھا۔ لیکن جب نشر فضائل کے لئے مونہہ کھولتے تھے تو اتنے علوم اُنکی زبان و دھن سے بکھرنے لگتے تھے کہ کمالات کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا"۔

عبداللہ بن مبارک ان کی مدح مین لکھتے ہین ؎

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا ۔۔۔ اِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ اَبُوْحَنِيْفَةْ

بِاٰثَارٍ وَفِقْهٍ فِيْ حَدِيْثٍ ۔۔۔ كَاٰيَاتِ الزَّبُوْرِ عَلَى الصَّحِيْفَةْ

باحکام

بڑھاپے اور مُقدّمی کی حرمت نہ ہوتی تو مین بحث و استدلال کرکے تجکو راہ تحقیق دکھا دیتا"

فما بالمغربین

فَمَا اِنْ بِالْعِرَاقِ لَهٗ نَظِيْرٌ وَلَا بِالْمَشْرِقَيْنِ وَلَا بِكُوْفَه

[ابوحنیفہ نے جو مسلمانون کے پیشوا ہین زیور آثار اور حلیہ احادیث سے صفحات بلاد اور اہل بلاد کو ایسی زینت دیدی ہے جیسی کہ آیات آسمانی نے اوراق قرآنی کو۔ اُنکی نظیر نہ تو عراق مین ہے نہ مشرقین مین۔ اور نہ کوفہ مین]

تذکرۃ الاولیا مین لکھا ہے کہ فضیل عیاض، ابراہیم ادہم، داؤد طائی، بشر حافی وغیرہم آپ کے تلامذہ سے تھے۔

قاضی احمد بن خلکان اربلی اور امام یافعی لکھتے ہین کہ ابوحنیفہ تمام کمالات سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ البتہ علوم عربیہ مین ان کا رتبہ چندان بلند نہ تھا۔ ان کی باتین کبھی کبھی لحن، (بولنے مین خطا کرجانا یا اعراب مین غلطی کرنا) اور غلط آمیختہ ہوجاتی تھین جس کی تمثیل و تائید مین ابا عمرو بن علاء المقری النحوی کے استفتا، اور آپ کے جواب کو نقل کیا ہے۔ اس بارہ مین ایک گروہ نے اعتذار اور بجا اعتذار کیا ہے کہ ابوحنیفہ کوفہ کے باشندے تھے۔ لامحالہ اُنکی بات چیت مین کوفیین کا طرز تکلم اور انداز ادا نمایان رہنا چاہیئے تھا۔ اہل کوفہ تو اسمار ستہ کو تینون حالتون مین الف کے ساتھ پڑھتے ہین۔ جیسا کہ قول مشہور ہے ؎

اِنَّ اَبَاهَا وَاَبَا اَبَاهَا قَدْ بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَاهَا

دمیری شافعی نے ابن شبرمہ سے حکایت کی ہے کہ مین ابوحنیفہ کے ساتھ مدینہ طیبہ مین عتبہ عالیہ جعفر بن محمد الصادق پر مشرف حضوری ہوا۔ عرض کیا کہ "میرا رفیق فضلاے عصر اور فقہاے عراق سے ہے"۔ فرمایا "مین سمجھتا ہون یہ وہی صاحب ہین جو احکام الٰہیہ مین اپنی راے پر اعتماد کرتے اور نوامیس (قواعد و دستور) خداوندی مین قیاس سے کام لیتے ہین۔ کیا یہ ہی نعمان بن ثابت ہین؟" ابن شبرمہ کہتا ہے کہ مجکو اُسوقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ انکا نام نعمان ہے۔ ابوحنیفہ نے آنحضرت کی تصدیق کی اور عرض کیا "اَصْلَحَكَ اللّٰهُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ ہان، مین وہی شخص ہون"۔ فرمایا "نعمان! خدا کے غضب سے ڈرتے رہنا۔ معاملات شرعیہ مین اپنی ناتمام عقل پر کبھی تکیہ نہ کرنا۔ دین الٰہی مین قیاس کو مستند نہ سمجھنا۔ سب سے پہلے جس نے قیاسات کا طریق اختیار کیا، ابلیس تھا۔ جب پروردگار عز اسمہ نے اُسکو آدم علی نبینا و علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو وہ بولا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ [مین تو اُس سے بہتر ہون۔ الجزء الثامن سورۃ الاعراف ع ۲-۹] اسلئے کہ میرے مادہ کو آگ سے جو ایک عنصر لطیف اور جوہر درخشندہ ہے تو نے پیدا کیا اور آدم کا خمیر مٹی سے بنایا ہے جو خود تاریک و تیرہ ہے [خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ مجکو تو نے آگ سے بنایا اور اُسکو بنایا خاک سے] اے ابوحنیفہ! شیطان رجیم نے سجدہ کے بارے مین اپنی عقل و راے پر قیاس کرکے نافرمانی کی، اور ورطۂ ضلالت

یاد رہے کہ اہل بیت اطہار کی محبت اور اُن سے نیاز و عقیدت ہر مومن دیندار کے دل میں ہونا

میں گرا۔ عذاب ابدی میں گرفتار رہے گا۔" پھر فرمایا کہ "اچھا اپنے سر اور تن بدن کے حال کو تو خوب جانتے ہوگے جو احکام میں قیاس لگاتے ہو۔" کہا "نہیں، میں نہیں جانتا۔" پھر دریافت فرمایا کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ کہ حق تعالیٰ نے آنکھ میں شوری، کان میں تلخی، ناک میں مخاط (آب بینی) دونوں لبوں کے مابین شیرینی کیوں پیدا کی ہے۔" کہا "میں نہیں جانتا۔" فرمایا کہ "حق تعالیٰ نے اپنے حکمت بالغہ کے اقتضاء سے دونوں آنکھوں کو چربی سے خلق فرمایا اور اُس میں آب شور رکھا تاکہ مخلوق پر اپنی نعمتوں میں زیادت وافزونی بخشے۔ اور وہ نمکین رطوبات دونوں دیدوں کو انحلال وگداز (پگھلنے) سے باز رکھیں۔ کان میں تلخی اس لئے بنائی تاکہ اپنی مخلوق پر ایک نعمت کا اور اضافہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو چھوٹے چھوٹے جاندار کان کے اندر سے راہ پاکر دماغ کو اپنی غذا بنا لیتے اور بہت تھوڑے سے وقت میں اُسکو نابود کر دیتے۔ دونوں نتھنوں (منخرین) میں پانی اسلئے پیدا کیا کہ قابل تمدد و درازی رہے اور اُس مجرے سے دم خوب حرکت اور اچھی طرح صعود و نزول کرے اور اُس پانی کی رطوبت سے بینی (ناک) کا مزاج بھی صحت پر قائم رہے، اچھی بُری بُو کی تمیز کر سکے۔ دونوں ہونٹھوں کے مابین آب شیریں پیدا کیا تاکہ اُسکی مخلوق کھانے پینے کی لذت پائے۔" پھر پوچھا "وہ کونسا کلمہ ہے جسکا اول کفر، اور آخر ایمان ہے۔" کہا کہ "میں نہیں جانتا۔" فرمایا "وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ کہنے والا اگر لا الٰہ کہکر ساکت ہو جائے تو وجود واجب سے انکار ٹھہرے گا، جو کفر صریح ہے" اور اگر کلمہ الا اللہ کو بھی منضم کرے (کھڑا دے) تو معبود برحق کا اثبات ہوگا جو ایمان محض ہے۔" پھر فرمایا کہ "اے ابو حنیفہ حق تعالیٰ شانہ نے قتل نفس اور زنا کو حرام فرمایا ہے لیکن یہ تو بتائے کہ خدا کے نزدیک قتل نفس بڑا گناہ ہے یا زنا۔" کہا کہ "قتل نفس" فرمایا "تو بمقتضائے قیاس یہی ضرور ہے کہ اسکا ثابت کرنا بھی عظیم تر قرار پائے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے قتل کے ثابت کرنے کے لئے دو شاہدان عادل کی شہادت مقرر فرمائی ہے اور زنا کے لئے چار گواہوں کا اعتبار رکھا ہے! کہئے۔ کہ حکم الٰہی کے ساتھ قیاس کیونکر چل سکتا ہے!" فرمایا کہ "نماز و روزہ میں سے حق تعالیٰ کے نزدیک کون زیادہ بزرگ و افضل ہے؟" کہا کہ "نماز۔" فرمایا "تو حائض پر صوم کی قضا کیوں واجب ہوئی۔ مگر نماز کی نہیں؟"

ان دونوں بزرگوں کے معارضات شیعوں کے یہاں مختلف طریقوں سے احتجاج طبرسی، و مجلسی، و علل الشرائع وغیرہ میں مرقوم ہیں۔ جنکے نقل کرنے سے اہل سنّت و جماعت مورخین نے اوباً

ہونا چاہیئے اور بدرجہ کمال ہونا چاہیئے اور اُسکا اظہار بھی سرًّا وعلانیۃً۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مشرب تھا ۵

واحترامًا گریز و احتراز کیا ہے۔

صاحب درر الاصداف لکھتا ہے کہ امام ہمام جعفر علیہ السلام نے امام ابو حنیفہ سے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دین مین قیاس کرتے ہو اور سب سے پہلے جس نے قیاس کیا، ابلیس تھا۔ ابو حنیفہ نے کہا انما اقیس فیما لا اجد فیہ نصًّا۔

کتاب المصائد والمطارد مین کشاجم نے بھی امام جعفر اور حضرت ابو حنیفہ کی گفتگو کو نقل کیا ہے۔

قاضی القضاۃ احمد بن خلکان نے محمود سبکتگین کے تذکرہ مین امام الحرمین کی کتاب مغیث الخلق سے نقل کیا ہے کہ سلطان محمود ابتدائے حال مین مذہب حنفی کا پیرو تھا۔ لیکن وہ علم حدیث کو زیادہ دوست رکھتا تھا۔ ہمیشہ اُس کی مجلس مین احادیث کا دور ہوتا جن کی تفسیر خود کرتا اور تحقیق بھی کرتا جاتا تھا جب مذہب شافعی کو اُن سے زیادہ موافق پایا تو دونون فریق کے فقہا کا مناظرہ و مباحثہ کرا کے امام شافعی کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ اس سلسلہ مین قفال مروزی کا پہلے شافعی طریق پر بہ کمال خشوع و خضوع باہمہ ارکان و آداب نماز پڑھنا پھر ایک مضحکانہ وسفیہانہ روش پر نماز ادا کر کے اُسکو حنفیت سے منسوب کرنا اور ایک حکیم نصرانی کا دونون مذہبون کی کتابین دیکھ کر شافعیت کے حق مین فیصلہ کرنا کتب سیر و تراجم مین مذکور ہے۔

امام ابو حنیفہ بڑے عابد و مرتاض تھے۔ بہ روایت نامہ و انشوران ناصری و اکثر مورخین سلف (جسکے باور کرنے سے بعض سیرت نگاران حال کو انکار ہے) چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ آپ ہر رات دو رکعت مین پورا کلام اللہ پڑھ لیتے تھے۔ تاریکی شب کے ساتھ انکے گریہ و زاری کی آواز بلند ہو جاتی۔ ہمسایون کو انپر رحم آتا۔ آپ نے زخارف دنیوی سے ہمیشہ اعراض کیا۔ محمد بن شجاع کہتا ہے کہ منصور عباسی نے ابو حنیفہ سے کہا تھا کہ فلان روز آپ کی خدمت مین دس ہزار درہم پہونچینگے آپ نے اُنکے قبول کرنے سے اُسی وقت انکار فرمایا۔ جب روز معہود آیا تو ادائے فریضہ کے بعد گھر مین آکر آپ اور کپڑون مین لپٹ کر بیٹھ رہے۔ کسی سے بات بھی نہ کی جب حسن بن قحطبہ طائی فرستادہ شاہی آیا اور چاہا کہ خلیفہ نے جو کچھ پیشکش بھیجا ہے اُسکو حوالہ کرے تو آپ نے گفتگو بھی نہ کی۔ اصحاب امام نے کہہ دیا کہ حضرت کی عادت وخو یہی ہے اور اشارہ کر دیا کہ اُس مال کو زنبیل چرمین مین

یا راکباً قف بالمحصب من منی	واهتف بساکن خیفها والناهض
سحراً اذا فاض الحجیج الی منی	فیضاً کملتطم الفرات الفائض
ان کان رفضاً حب آل محمد	فلیشهد الثقلان انی رافض

بحر کر کے مکان کے فلاں گوشہ مین رکھ دو۔ چنانچہ امانت گزار وہان رکھ کر چلا گیا۔ امام نے اُسپر اصلا التفات نہ فرمایا اور وہ مال ایک مدت دراز تک اُسی جگہ پڑا رہا۔

امام کو برادران دین کے ساتھ بڑی الفت تھی۔ حسن معاشرت اور اپنی سیرت پسندیدہ سے کام لیتے اور ہر ایک کی کار برآری و انجاح مرام مین مخلصانہ سعی فرماتے۔ اہل تاریخ نے (جس کی تائید مین) بہت سے واقعات نقل کئے ہین۔

با این ہمہ اوصاف جیسا کہ اہل کمال و فضل ہمیشہ محسود رہتے آئے ہین، آپ کے بھی مخالف و معاند تھے۔ منصور عباسی کا حاجب ربیع اور ابو العباس طوسی اُن مین پیش پیش تھے۔ بارگاہ خسروی مین ان لوگون نے طرح طرح سے آپ کی سعایت و بدگوئی کی لیکن اس شہسوار میدان مناظرہ و دانش کے ہاتھ سے ناکامی و مخذولی اُٹھائی۔ امام نے ایک پرانے دوست حماد عجرد شاعر کی معاصرانہ چشمک اور رقیبانہ چوٹ کا لطف اُٹھانا ہو تو ابو الفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی دیکھی جائے۔

آپ کو منصب قضا پر مقرر کرنے کے لئے خلفا نے ہمیشہ اصرار بلکہ شدید اصرار کیا۔ لیکن آپ برابر انکار فرماتے رہے۔ پہلے مروان الحمار بن محمد آخر ملوک بنی امیہ کے عہد مین یزید بن عمرو بن ہبیرہ فزاری والی عراق نے امام صاحب کو کوفہ کی قضا پر منصوب کرنے کے لئے بلایا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ یزید بن عمر واس بار مین جس قدر مبالغہ و ضد کرتا تھا آپ کا گریز و امتناع بڑھتا جاتا تھا حتے کہ دس دن کے اندر ایک روز دس تازیانے بھی آپ کے لگائے گئے۔ تاہم آپ کو اپنے احتراز و انکار پر بدستور اصرار رہا۔ اور یزید بن عمر مجبور ہو کر دستکش ہو گیا۔ یہی خواہش ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی کی طرف سے بھی قایم رہی۔ ربیع بن حاجب نے آپ کے اور منصور کے جد و اصرار کی کیفیت و منازعت بہ تفصیل بیان کی ہے۔ جب منصور نے بغداد کی بنیاد ڈال کر اُسکو آباد کرنا اور کوفہ سے ہٹا کر دار الخلافہ وہان قرار دینا چاہا تو اینٹ اور روڑے کا شمار آپ کے ذمہ کیا گیا۔ آپ نے نے (دائرہ کل) کا ایک پیمانہ بنا لیا اور جس قدر سامان آتا گیا اُسی کے انداز سے معلوم کرتے گئے یہ طریقہ شمار آپ ہی کا اختراع ہے۔ آپ سے پیشتر کسی کا ذہن وہان تک نہین پہونچا تھا۔ جب مشرقی بغداد کی تعمیر و رونق دہی پر دلی عہد سلطنت مہدی کو توجہ ہوئی تو اس نے ایک عظیم الشان مسجد وہان بنائی

پھر ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہین ؎

لو ان المرتضیٰ ابدیٰ محله — لصار الناس طرا سجد اله
کفی فی فضل مولنا علیؑ — وقوع الشک فیه انه الله

مسجد رصافہ" نام رکھا۔ امام ابوحنیفہ کو بلایا اور جانب رصافہ کی قضا پیش کی۔ آپ نے انکار فرمایا مہدی نے کہا "قبول نہ کروگے تو تازیانہ قہر سے سبق دیا جائیگا" ناچار منظور کرلیا۔ دو روز مجلس قضا مین نشست فرمائی۔ کوئی فریادی نہین آیا۔ تیسرے دن ایک صفار (کاسہ گرون مین) آیا۔ امام نے معاملہ کو سُنے اور فریقین کے بیان و عذر کو سماعت فرمانے کے بعد زر دعوی اپنے پاس سے ادا کردیا۔ دو روز بعد بیمار ہوئے۔ اپنے فرزند حمّاد کو بلاکر وصیتین کین اور فرمایا کہ میری وفات کے بعد یہ بدرہ (تھیلی) لے جاکر حسن بن قحطبہ کو دے دینا اور کہنا کہ تمھاری یہ امانت ابوحنیفہ کے پاس تھی (اسکا ذکر اوپر آچکا ہے) چھ دن بعد دنیائے دنی سے رخصت ہوئے۔ حماد نے وصیت کی تعمیل کی اور مال لے جاکر حسن کے سپرد کیا۔ حسن نے کہا کہ "خدا ابوحنیفہ پر رحمت کرے جو اپنے دین مین اتنے بخیل تھے"

امام کی کیفیت وفات اور ماہ وسال مین مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض روز سہ شنبہ ۴ شعبان (۵ ستمبر) اور اکثر ۱۴ رجب ۱۵۰ھ (۱۶ اگست ۷۶۷ء) لکھتے ہین بعض کہتے ہین کہ جس روز ابوحنیفہ نے دوسرے عالم مین قدم رکھا تھا اُسی روز امام شافعی بطن مادر سے برآمد ہوئے تھے۔ ابن الاعرابی محمد بن زیاد الکوفی نے خود تغلب سے لکھا تھا کہ ابوحنیفہ نے جب سرائے باقی کا رُخ فرمایا ہے اُسی شب مین مین نے دار فانی مین قدم رکھا تھا۔ مروج الذہب مین امام مسعودی لکھتے ہین کہ ابوحنیفہ نے سجدہ نماز مین رحلت کی۔ ستر سال کی عمر تھی۔ صاحب تذکرۃ الاولیا ناقل ہے کہ بایان عمر مین ابوالمنصور کے حکم سے محبوس تھے اُسی حالت قید مین وفات پائی۔ تاریخ یافعی مین تحریر ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ بن امام حسین رضی اللہ عنہم سے امام ابوحنیفہ کو اتفاق تھا اور منصور سے اختلاف۔ اُس نے زہر دلا دیا تھا۔

مورخین کا اجماع ہے کہ آپ کو ملکۃ الزمان خیزران (بربریہ کنیز مہدی بن جعفر منصور۔ مادر خلیفہ ہادی و ہارون) کے مقبرہ کی شرقی جانب سپرد خاک کیا گیا۔ پھر ۴۵۹ھ (۱۰۶۷ء) مین شرف الملک ابوسعد محمد بن منصور الخوارزمی نے کہ سلطان جلال الدین ملک شاہ سلجوقی کا مستوفی (محاسب اعلیٰ) تھا، بغداد جدید مین مرقد ابوحنیفہ کی بنیاد ڈالی۔ ایک بلند و عالی روضہ اور اُسپر قبہ تعمیر کیا۔ اُسکے پہلو مین مدرسہ بنایا تاکہ آپ کے متعین و پیرو وہان سکونت و قیام کرسکین، آرام پائین۔ جب تعمیر ختم ہوئی تو اُس شہد و مدرسہ

امام ابوبکر بیہقی نے ایک کتاب مناقب شافعی مین تالیف کی ہے اُس مین امام صاحب کے یہ شعر بھی نقل کئے ہین ؎

کے دیکھنے کے لئے اعیان واکابر کی ایک جماعت کے ساتھ، وہان پہونچا۔ شریف ابوجعفر مسعود جو بیانی شاعر کے نام سے معروف ہے۔ اتفاقاً آگیا اور یہ شعر پڑھے ؎

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْعِلْمَ کَانَ مُبَدَّدًا ۔ فَجَمَّعَہٗ ھٰذَا الْمُغَیَّبُ فِی اللَّحْدِ
کَذٰلِکَ کَانَتْ ھٰذِہِ الْاَرْضُ مَیْتَۃً ۔ فَاَنْشَرَھَا فَضْلُ الْحَمِیْدِ اَبِیْ سَعْدٍ

کچھ جانتے ہو کہ علوم کا شیرازہ متفرق وبرہم تھا۔ انواع فضائل منتشر وپراگندہ تھے۔ لیکن اس ہمت ورنے جو اس وقت گور مین ہے ان سب کو منتظم ومجتمع کیا۔ اسی طرح یہ زمین بھی اراضیات مردہ مین شمار ہوتی تھی، ابوسعد کے وجود باجود سے آباد ومعمور ہو گئی "

ابوسعد کو یہ دونون شعر بہت پسند آئے اور انعام فراوان دیا۔ بعض تواریخ مین نظر سے گزرا ہے کہ شہید ابوحنیفہ کا بانی سلطان الپ ارسلان (۴۵۸ھ تا ۴۶۵ھ) پدر ملک شاہ سلجوقی تھا۔ ان اقوال مین باہمگر جیدان منافات وتعارض نہین۔ ممکن ہے کہ خود سلطان بانی ہو اور ابوسعد منتظم ومہتمم۔ زمانہ کا دستور ہے کہ کارکنان سلطنت منصرم ونگران امور ہوتے ہین اور شہرت بادشاہون کے نام سے ہوتی ہے۔

۱۸۴ امام محمد بن ادریس شافعی قرشی، کی کنیت ابوعبداللہ تھی ائمہ اربعہ مجتہدین سے ہین۔ اپنی نسبت فرماتے تھے کہ "مین غزہ مین ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) مین پیدا ہوا۔ دو سال کا بچہ تھا کہ مجھے مکہ معظمہ مین لے آئے۔ میری مان ازد (ایک یمنی) قبیلہ سے تھی "غزہ (جہان حضرت ہاشم جد نبی صلعم کی قبر ہے) بیت المقدس سے تین منزل ہے۔ دوسری روایت خود سیدنا امام سے یہ ہے کہ "مین عسقلان مین پیدا ہوا۔ عسقلان غزہ سے تین فرسخ ہے"۔ دونون مقام فلسطین (شام) مین ہین۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ جس روز امام اعظم ابوحنیفہ ۱۵۰ھ مین داخل جوار قدس ہوئے ہین اُسی روز امام شافعی نے اس عالم آب وگل مین قدم رکھا تھا۔

حسن بن محمد الزعفرانی لکھتے ہین کہ امام شافعی نے اٹھاون سال کی عمر مین رحلت فرمائی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی وفات مامون عباسی کے عہد خلافت مین سلخ رجب ۲۰۴ھ (۲۰ جنوری ۸۲۰ء) کو بروز جمعہ چون برس کی عمر مین ہوئی۔ مصر کے فراقہ صغرے مین غربی الخندق کے مقابر قریش مین دفن ہوئے۔

آپ عبدالمطلب (جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد سے تھے۔ اسی مناسبت سے آپ "امام المطلبی" بھی کہلاتے ہین دوسرا لقب "عارف باللہ" ہے۔ شافعی منسوب بہ شافعہ ہے جو آپ کے اجداد مین تھے۔

اذا فی مجلس تذکر علیاً ۔۔۔ وسبطیه وفاطمة الزکیه
یقول تجاوزوا یا قوم هذا ۔۔۔ فهذا من حدیث الرافضیه
برئت الی المهیمن من اناس ۔۔۔ یرون الرفض حب الفاطمیه

امام شافعی نے یمن مین طالبعلمی کی۔ فنون شعر و نحو و غریب کو وہان سیکھا۔ چودہ برس کے تھے کہ مدینہ طیبہ مین امام مالک بن انس کی خدمت مین پہونچے آٹھ ماہ رہے اور احادیث کو یاد کیا۔ وہان کے مشائخ اور حلبہ فقہا اور حفاظ و رواۃ کی زیارت کی اور استفادہ و استفاضہ فرمایا۔ عراق مین حضرت محمد بن الحسنؓ کے پاس دو سال رہے اور پھر مدینہ منورہ چلے آئے۔ وہان سے مکہ مکرمہ سید المسلمین ابو داؤد کے حضور مین پہونچے۔ موطا حضرت نوشب مین یاد کر لیا تھا۔

دانائی و فراست مین یگانۂ زمانہ تھے۔ ایک واقعہ مفتاح التواریخ مین مذکور ہے "امام احمد حنبل کے مذہب کے مطابق جو شخص عمداً نماز ترک کرے کافر ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک نہیں ہوتا لیکن اُسپر عذاب کیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے امام احمد سے پوچھا کہ جب کسی نے نماز ادا نہ کی تو کافر ہو گیا۔ پھر کیا کرے کہ مسلمان ہو جائے فرمایا کہ نماز پڑھے۔ شافعی نے پوچھا کہ کافر کی نماز کیونکر درست ہوگی؟ امام حنبل خاموش رہ گئے" امام احمد فرماتے تھے کہ "علم کے لئے شافعی کا وجود ایسا ہے جیسے دنیا کے لئے آفتاب کا یا انسان کے واسطے صحت کا"

اسحق بن راہویہ کا امام شافعی سے مناظرہ یادگار ہے۔ جسکو حاکم نے اپنی تاریخ نیشاپور مین اور آجری نے کتاب "مناقب الشافعی" مین تحریر کیا ہے۔ طویل ہے۔ ان مختصر حواشی مین نقل کرنے کی گنجایش کہاں۔

ایک دلچسپ سبق البتہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ جس روز شافعی امام مالک بن انس کے یہان مدینہ پہونچے اور مالک نے شافعی کے ناصیۂ اقبال سے صلاح و سداد کے آثار نمایان پائے تو اپنا مہمان بنایا اور خود کھانا لے کر آئے اور انکے سامنے رکھا۔ غلام آفتابہ لیکر بڑھا تاکہ ضیف عزیز کے ہاتھ دھلائے۔ مالک نے لوٹکا اور فرمایا کہ اے خدا کے بندے! کھانا شروع کرنے سے پہلے میزبان کے ہاتھ دہولانا چاہیئے اور بعد طعام مہمان کے ہونہار طالبعلم نے وجہ دریافت کی۔ استاد محترم نے فرمایا کہ میزبان نے مہمان کو بلایا ہے اسلئے اُسکو خود پہلے ہاتھ دہونا چاہیئے تاکہ مہمان کو حیا یا لحاظ دامنگیر نہ ہو۔ بعد طعام مہمان کے ہاتھ پہلے دہولانے مین مصلحت یہ ہے کہ میزبان سب سے آخر ہے اور تمام مہمان میزبان کے ہاتھ دہونے تک دستکش نہ ہون۔

اہل بیت اطہار سے بڑی محبت تھی۔ منقبت مین بہت سے اشعار لکھے ہین جن سے خلوص و عقیدت ٹپک رہی ہے بڑے شاعر تھے۔ تصانیف کی تعداد ایک سو چالیس تک پہونچتی ہے۔ جن مین مختصر و مطول

احتراز کی چیز مناقشہ و منافسہ ہے۔ اس سے اجتناب لازم ہے۔ عارف[۸۵] روم قدس سرہ اسی کے لئے سرزنش فرماتے ہین ؎

سرّ حق کے بر تو گردد منجلی　　تو گرفتار ابو بکر و علی

ہر قسم کی کتابین داخل ہیں۔ تفصیل معجم الادبا مین ملے گی بعض کتابین سات سات جلد کی ہین۔

۸۵ مولانا جلال الدین محمد البلخی الصدیقی الرومی، صاحب مثنوی مولوی رومی آپ کی ولادت قبۃ الاسلام شہر بلخ مین ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ (۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء) کو ہوئی۔ پانچ سال کی عمر مین الہامات غیبی ہونے لگے اور اشراقات منور سے آپ کو بہرہ مند کر دیا۔ اتفاقاً یہ عالم تھا کہ چھ سال کے سن مین تین چار دن بعد ایک روز افطار کرتے تھے۔ آخر کار اس فقر و مسکنت نے دولت عرفان سے مالامال کر دیا اور اکابر اہل ذوق و وجدان مین داخل۔ آپ کے والد مولانا بہاء الدین ولد نے جو بڑے عالم و عارف تھے جب ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) مین رحلت فرمائی تو سلطان علاء الدین سلجوقی نے مع تمام امرا و عمائد ملک و رؤسا و بلاد و امصار کے مجتمع ہو کر مولانا جلال الدین کو باپ کی جگہ پر بٹھا دیا۔ مولانا بہاء الدین کے خلیفہ سید برہان الدین محقق ترمذی تھے۔ مولانا جلال الدین انھین سید برہان الدین کے مرید تھے۔ نو سال اُنکی خدمت میں بسر کئے۔ اُنکی وفات کے پانچ سال بعد شیخ شمس الدین محمد تبریزی کی صحبت مین پہونچے۔ جب حضرت شمس بھی راہی ملک بقا ہوئے تو انھوں نے شیخ فریدون صلاح الدین زرکوب کی ملازمت اختیار کی اور اُنکے بعد اپنے رفیق و مرید خاص حسام الدین چلپی قونی کے ساتھ اپنی عمر کاٹ دی اور اُس مرتبہ پر پہونچا دیا جو معلوم و مشہور ہے۔ زیارت مکہ معظمہ کے سفر مین شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری کا شرف صحبت بھی حاصل ہو گیا تھا۔ شیخ حرم اُسوقت شیخ ہرم تھے اور مولانا طفل و صغیر السن۔

علوم ظاہری و باطنی مین وحید عصر و یگانہ دہر تھے۔ آپ کے حلقہ درس مین چار سو طالب علم جمع ہوتے اور ہر ایک اپنے ذوق و استعداد کے بقدر آپ سے استفاضہ فیض کرتا۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی رسالہ اقبالیہ مین لکھتے ہین کہ باوجود ان تمام مراتب و مدارج اور قبولیت عام کی حالت یہ تھی کہ حضرت مولوی اپنے خادم سے ہمیشہ سوال کرتے کہ ہمارے گھر مین کوئی چیز موجود تو نہین ہے۔ اگر وہ کہہ دیتا کہ خیر سے کچھ نہین ہے تو نہایت خوش اور منبسط ہو جاتے اور شکر کرتے کہ الحمد للہ ہمارا گھر پیغمبر اور اہل بیت کے گھرون سے مشابہ ہے اور اگر جواب ملتا کہ اسباب مطبخ مہیا ہے تو مغفل ہوتے اور فرماتے "کہ اس گھر سے خانہ فرعون کی سی بو آتی ہے" مرحبا بشعار الصالحین۔

مولانائے روم پر منحصر نہین خود انھین اکابر اسلام و ائمہ کرام علیہم السلام کے مآثر و ارشادات کو دیکھ لیجئے۔

شیخ نورالدین بن علی بن محمد بن الصباغ المالکی المکی (متوفی ۸۵۵ھ) نے فصول مہمہ مین اولاد ائمہ کے احوال تحریر فرمائے ہین۔ لکھتے ہین کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حضور مین اہل عراق سے بعض اشخاص آئے اور خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے حق مین کچھ کہنے لگے حضرت سنتے رہے جب وہ لوگ کہہ چکے تو دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو۔ کیا مہاجرین اولین سے ہو جن کی شان مین اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ [جو اپنے گھر اور مال سے بیدخل کردئے گئے۔ خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلبگاری مین لگے ہین اور خدا اور اسکے رسول کی مدد کو کھڑے ہوجاتے ہین یہی تو سچے ہین۔ جزو ۲۸ سورۃ الحشر ع ۴-۱] آیا ہے؟ کہا کہ "نہین" پھر پوچھا کیا تم وہ لوگ ہو۔ اَلَّذِیْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [وہ مال انکا بھی حق ہے کہ ان سے پہلے مدینے مین رہتے اور اسلام

سلطان اباقاآن عرف البقاخان ولد ارشد ہلاکو خان بادشاہ ایران کے عہد مین اٹھتر ۶۹ سال کی عمر مین وقت غروب آفتاب ۵ جمادی الآخرہ ۶۷۲ھ (۱۶ دسمبر ۱۲۷۳ء) کو وفات پائی۔ نور اللہ مرقدہ تاریخ رحلت ہے۔ مرقد مبارک اپنی خانقاہ واقع شہر قونیہ ملک روم مین ہے آپ کے انتقال کے بعد آپ کے خلف الصدق بہاء الدین محمد معروف بہ سلطان ولد جانشین ہوئے۔ کتاب ولدنامہ انکی یادگار ہے۔

مولانا کے حالات، تواریخ ہفت اقلیم، وخلاصۃ المناقب و مرآۃ الخیال و مجالس المومنین، تذکرہ دولت شاہ سمرقندی اور رسالہ افریدون سپہ سالار مین مذکور ہین۔

مولانا نے اپنے آثار شریفہ مین ایک دیوان تین ہزار شعر کا اور مشہور مثنوی سینتالیس ہزار شعر کی چھوڑی ہے۔ درویشان روم کا متعارف فرقہ مولوی، نام آپ ہی سے منسوب ہے۔

مین داخل ہو چکے ہین جو اُنکی طرف ہجرت کرکے آتا ہے اُس سے محبت کرنے لگتے ہین اور مال مہاجرین کو جو دیا جاتا ہے اُسکی وجہ سے یہ اپنے دل مین کوئی طلب نہین پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی کیون نہ ہو اپنے سے مقدم رکھتے ہین۔ (جزو ۲۸ سورۃ الحشر ع ۴-۱) جن کی نسبت نازل ہوا ہے "۔ عرض کیا "انکین بھی نہین" فرمایا "تو پھر کیا تم وہ لوگ نہین ہو" جو احد الفریقین (ان مین سے کوئی فریق بھی) ہونے سے بیزار ہین۔ مین گواہی دیتا ہون کہ تم لوگ اس فرمان خداوندی کے مصداق نہین ہو وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا (اور اُنکا ہے جو مہاجرین اوّلین کے بعد آئے، دعائین مانگا کرتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیون کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہین اور ایسا کر کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہین اُن کی طرف سے ہمارے دلون مین کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے (جزو ۲۸۔ سورۃ الحشر ع ۲۰۵) ہٹو۔ میرے پاس سے چلے جاؤ"۔

شریف ابو نمی نے مفتی الحرمین محب طبری سے کہا کہ تم نے ابوبکر کو علی پر باوجود اُنکی مسلمہ غزارت علمی و قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیون مقدم رکھا۔ جواب دیا کہ "مین نے خود اپنی رائے سے ابوبکر کو مقدم نہین کیا اور نہ اس بارہ مین مجکو اختیار ہے۔ تمھارے جد امجد رسول اکرم نے فرمایا ہے سدوا کل خوخۃ فی المسجد الا خوخۃ ابی بکر اور فرمایا تھا مروا ابابکر فلیصل بالناس یہ حدیثین ہم تک بسند صحیح پہونچی ہین۔ یہ بھی یاد ہے کہ جب آنحضرت نے جوار قدس کا قصد فرمایا تو صحابہ نے کہا تھا من رضیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ و سلم لدیننا رضیناہ لدیننا"۔

ابو الفرج عبد الرحمان بن علی الجوزی کتاب صفوۃ الصفوۃ مین عروہ بن عبد اللہ سے نقل کرتے ہین کہ مین نے سیدنا محمد باقر بن زین العابدین سے حلیہ سیف کی نسبت دریافت کیا۔ فرمایا کہ "لا باس یہ ہے۔ ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو محلے کیا تھا" مین نے ٹوکا۔ آپ بھی صدیق کہتے ہین؟

جست فرماکر رُو بہ قبلہ ہو گئے اور کہا نعم الصدیق۔ نعم الصدیق فمن لم یقل الصدیق فلا صدق اللہ لہ قولا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ

شعرانیؒ فرماتے ہین ... ان الواجب علینا ان نحب اصحاب رسول اللہ صلعم تبعا لحب رسول اللہ صلعم ونحب اولادھم کذلک لحب رسول اللہ صلعم لا بحکم الطبع ونقدم اولاد فاطمہ علی اولاد ابی بکر الصدیق کما کان ابوبکر یقدمہم علی اولادہ عملا بحدیث کا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من اھلہ وولدہ والناس

ایک جلیل القدر صحابی ابوبکر بن عیاش کہتے ہین کہ "اگر میرے پاس ابوبکرؓ وعمرؓ وعلیؓ کسی کام کے لئے آتے تو مین پہلے علیؓ کا کام کر دیتا تھا۔ اِس لئے کہ اُن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قرب ہے۔ اور اگر مین آسمان سے زمین پر گرون تو یہ مجکو زیادہ پسند ہے اس سے کہ مین علیؓ کو اُن پر مقدم کرون"۔

خود حضرت ابوبکرؓ فرمایا کرتے تھے صلۃ قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احب الی من صلۃ قرابتی

سرور دو عالم صلعم کی یہ حدیث ابوسعید خدری نے مرفوعاً روایت کی ہے لو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لاتخذت ابابکر خلیلا۔ اور جو متفق علیہ ہے۔

علامہ حسین الجسر صاحب حمیدیہ جو مائۃ حاضرہ مین تمام ممالک روم وشام مین علوم دینیہ وعقلیہ کے اُستاذ کامل تسلیم کئے گئے ہین فرماتے ہین ؎

من طالع التاریخ مع انہ ۔۔۔ لم یتمسک باعتقاد سلیم

اصبح شیعیا۔ والا فقل ۔۔۔ یخرج عن نہج الھدی المستقیم

اسی ذیل مین سید رشید رضا منشی المنار جنکے علم وفضل اور تفقہ وتدین کا سکہ عربی دان اور عربی خوان طبقون مین مدت سے چل رہا ہے لکھتے ہین۔ کہ "اہل ہوا" اور وہ لوگ جن کو حقیقت اسلام اور اُسکی نشاۃ سے آگاہی نہین ہے اور جن کا علم محض چند مورخین کے اقوال پر منحصر اور مستنبط ہے

اس بارہ مین مضطرب ہین۔ وہ گروہ جو صحیح کو ضعیف سے اور حق کو باطل سے تمیز کرسکتا ہی محض حفاظ محدثین کا ہے۔ جماعۃ اوّل کے لوگ علم اور خبرت کی کمی کی وجہ سے، کوئی تو نواصب و خوارج کی طرف مائل ہوجاتے ہین اور کوئی غلاۃ شیعہ کو ترجیح دیتے ہین۔ اکثر ممالک اسلامی مین مذاہب سُنّت کے پیرو زیادہ پائے جاتے ہین جن کو تعظیم آل بیت، مین غلو ہے۔ باین ہمہ بعض ناصبی بھی ہین جو بنی اُمیّہ کو علوین پر فضیلت دیتے ہین اور جن کا زعم یہ ہے کہ بنی اُمیہ نے اسلام کو عزّت دی اور دین کو قائم کیا تھا۔ حالانکہ اہل تحقیق کا فتوےٰ ہی کہ اُنکے زمانہ مین جو کثیر امصار و بلاد مین مسلمانون کو فتح ہوئی اور جو اُن کی حسنات عظیمہ مین شمار کی جاتی ہے اُسکے لئے یہ خاندان کسی تحسین و آفرین کا مستحق نہین ہے۔ اسلام کی طبیعت اسی کی مقتضی تھی، جو اصلاح اور نوع بشر کو بچانے اور راہ راست پر لانے کے لئے آیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے سوائے ان مین ایک فرمانروا بھی ایسا نہین گزرا جسنے کوئی عمل محض اقامۃ دین کی نیّت و خاطر سے کیا ہو۔"

حُسن سُلوک

میر عبد الجلیل نے اپنے نامور و بلند ہمت اجداد کی میراث حسنہ مین حصّہ وافر پایا تھا۔ بلگرام مین اُن کا دیوان خانہ[۵۱۶] مطبخ علماء و مشائخ اور طلباء و درویشون کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا صادر و وارد خانۂ بے تکلّف سمجھ کر آتے اور اُن کے خوان کرم سے مُستفیض ہوتے تھے یہی

---

۵۱۶ اس دیوان خانہ کی شان و شوکت اور رونق و زینت دیکھنے والی آنکھین ابھی بہت سی موجود ہین اگرچہ یہ پاکیزہ عمارت صفحۂ زمین پر باقی نہین ہی۔ پہلے میر عبد الجلیل کے آبائی مکانات سکونت غیر آباد ہوکر رفتہ رفتہ مسمار و منہدم ہوتے رہے۔ سامان عمارت فروخت ہوتا گیا۔ خالی زمین پر نشانات موجود تھی زراعت نے اُن کو بھی مٹا دیا۔ بالآخر دیوانخانہ بھی میر صاحب کے اعقاب کے ذہنی سے معرض بیع مین آگیا۔ جب تک ایک بنئے کے قبضہ مین رہا وہ سامان تجارت رکھتا اور غلّہ اور آلو بھرتا رہا۔ گردش لیل و نہار سے یہ حالت بھی قائم نہ رہی نہ دیوان خانہ قائم رہا۔ ایک نفاقل کیش مقتدر مسلمان نے خرید کیا۔ عمارت کھود ڈالی۔ نیٹین فروخت کرلین۔ اب اس زمین پر تمباکو بویا جاتا ہے اور جلیل بلگرامی کی روح جلال رومی کی زبان سے نوا سنج ہے ؎

متبرک مقام تھا۔ جہان تیس سال تک میر طفیل محمد نے شریعت و طریقت کا سبق دیا تھا اور مدتہائے دراز تک علم و فضل کی شمع جہان روشن رہی تھی۔ سلطان ابوسعید اور سید سلطان مقصود و بزرگان کالپی، بلگرام آتے تو یہین قیام فرماتے تھے۔ حاجی صفت اللہ خیرآبادی جب ۱۱۳۲ھ (۱۷۱۹-۲۰ء) مین بلگرام آئے تو خود تکلیف فرمائی اور دیوان خانہ مین آکر میر عبدالجلیل سے ملاقات کی تھی۔ شاہزادہ عظیم الشان کا ہمزلف میر محمد رضا اسی مین فروکش ہوا تھا۔

ضعفاء و غربا کی لڑکیان جن کے والدین کو تزویج کی استطاعت نہ ہوتی اُن کی حیثیت و درجہ کے فراخور نقد و جنس سے سامان کرا کے کدخدا کرادی جاتی تھین۔ میر محمد یوسف اسی دست عطا اور نوال عام کی ستایش مین فرماتے ہین ؎

یا للامام الذی جلت مناقبہ — اجد بنیان مجد دارس الرسم

اعطاہ رب الوری فی الکف توسعۃ — وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم

دارالخلافہ مین جہان میر صاحب کا قیام خود مسافرانہ اور محض بے اطمینانی کا تھا انکے ملدہ نعمت پر اُن کے اہل وطن[۵۱۸۶] اور اہل حاجت کا ہجوم رہتا اور یہ باہمہ پریشانی و بے سروسامانی بقدر وسعت و استطاعت ہر ایک کی خدمت کرتے۔ سندھ مین توان کو مقابلتاً ہر قسم کی آسایش اور فراغت خاطر میسر تھی۔ وہان مہمانی و میزبانی، خاطر مدارات مین کوئی دقیقہ کسیپر فروگذاشت ہو سکتا تھا۔ اُمرائے عالیشان بھی اُدھر سے گذرتے تو اُن کی دعوت و ضیافت اُن کی شان و مرتبت کے موافق کی جاتی تھی۔ جب سلطان اورنگ زیب نے شہزادہ محمد معزالدین بن شاہ عالم کو صوبہ داری ملتان[۵۱۸۷] پر مامور کیا

بعد از وفات تربت ما در زمین مجوے — در سینہ ہاے مردم عارف مزار ماست

۵۱۸۶ اُس زمانہ مین اہل بلگرام کی ہر طرف قدر تھی جن ایام مین کہ میر صاحب بوجہ بیکاری یا بسلسلہ ہندوستان شاہجہان آباد مین مقیم تھے۔ اُن کے بعض اہل وطن تلاش معاش مین دہلی پہونچے۔ حق وطن اور قرابت کے لحاظ سے میر سید محمد نے بھی اپنے والد کو لکھ دیا تھا اور سعی و سفارش کی التجا کی تھی۔ میر صاحب جواباً لکھتے ہین کہ "صاحبزادے! یہ تو خود ہی خوش نصیب و طالع مند تھے۔ جیسے ہی پہونچے میر جملہ کی سرکار مین نوکر ہو گئے۔ ہمنوز مجھ

توحسن علی خان کو ہمرکاب جانے کی دستوری دی۔ اتفاق سے موافقت مزاج نہ ہوئی اور حسن علی لاہور کو آزردہ خاطر لوٹے۔ اُس زمانہ مین میر عبدالجلیل کا قیام بھکّر و سیوستان مین تھا حسن علی خان نے جب نواحی بھکّر سے ہوکر لاہور جانے کا قصد کیا تو میر صاحب نے اُن کے

کو آئے۔ ۱۲ تاریخ کو نوکری مل گئی۔ سید یار علی اور سید محمد باقر کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار اور سید امام علی کو ایکسو چالیس روپیہ درماہہ کی۔"

۵۱۸۸ ملتان۔ عہد عالمگیر مین ایک صوبہ تھا۔ ماتحت سرکار تھی۔ یہان کے خشتی قلعہ کا صاحب خلاصۃ التواریخ اور دیگر جغرافیہ نگاران نے خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ مُرور زمانہ سے اب وہ ایک قسمت و کمشنری کا صدر مقام رہگیا ہے جس کا کمشنر، موسم گرما مین فورٹ منرو مین رہتا ہے۔

خاص شہر کی آبادی ۱۹۰۱ء مین ۸۷۳۹۴ تھی جو ۱۹۲۱ء مین ۸۴۸۰۶ رہ گئی

اس قطعہ ملک مین جنگل و بیابان زیادہ ہین قدرتاً جانوران وحوش وچرند مثلاً نیل گائے اور ہرن زیادہ ہوتے ہین۔ آم بھی اچھا ہوتا ہے۔

ملتان کی خاک اور گرمی ضرب المثل ہوگئی ہے۔ موسم گرما عرصہ تک رہتا ہے۔ حرارت مین ملتان جیکب آباد سے صرف ایک یا دو دقیقہ کم ہے۔ ایسی شدید گرمی سارے ہندوستان مین کسی مقام پر نہین پڑتی مجموعی طور پر آب وہوا ایسی خراب نہین ہے جیسی شہرت پاگئی ہے۔ پنجاب کے دیگر مقامات کی طرح یہان کی شب بھی خوشگوار ہوتی ہے۔

ملتان کی قدامت ہنود بہت بتاتے ہین۔ مشہور سیاح اور مورخین مین سے ہیکاٹیس Hecataeus ہیروڈوٹس Herodotus اور ٹالمی Ptolemy کے سفرناموں مین اور سکندر مقدونی کے حملہ و محاربات کے سلسلہ مین ملتان کا نام بھی آتا ہے۔ دسوین صدی مسیحی یعنی ۱۶-۹۱۵ء (۳۰۳ھ) مین مشہور جغرافیہ نویس مسعودی بغدادی اس طرف سے گزرا تھا لکھتا ہے کہ ملتان مین ایک لاکھ بیس ہزار پور دے ہین۔

ساتوین صدی عیسوی مین ملتان بادشاہی سندھ کے ایک اہم صوبہ کا دارالصدر تھا۔ یہان کا ہندو راجہ "رائے" کہلاتا تھا۔ ۶۳۱ء مین اس کا خاتمہ ہوا۔ ۶۴۱ء مین برہمنون کے عہد مین مشہور بودھ زائر ہیون تسانگ چینی، کا یہان بھی گذر ہوا تھا۔ ۴۳ھ (۶۶۴ء) مین اہل عرب بڑھتے ہوئے یہانتک

ساتھ نہایت پسندیدہ سلوک اور شایان شان برتاؤ کیا تھا۔ سادات کیساتھ رسم و ربط کی ابتدا یہیں سے ہوئی

مؤاسات و غمخواری

اہل وطن سے کوئی دہلی آتا تو سلسلۂ ملازمت ہو جانے تک اُس کا خرچ روزمرہ اور مہمانداری بلکہ دوا و معالجہ بھی میر عبد الجلیل کے ذمہ ہوتا۔ ایک خط مین میر سید محمد کو لکھتے ہین کہ "میر کرم اللہ دہلی آئے ہین اُن کی داہنی آنکھ مین بیس دن سے درد ہے نہ رات مین آرام ملتا ہے نہ دن مین آنکھ

چلے آئے اور محمد بن قاسم ثقفی نے خلفائے اسلام کے نام پر حکومت قائم کی تین صدی تک ملتان اسلام اور اہل اسلام کا مضبوط اور محفوظ مورچہ بنا رہا تھا کہ غزنوی خاندان ہندوستان پر حملہ آور ہوا ۲۵۷ھ (۸۷۱ء) مین دریائے سندھ کا نشیبی وادی یعقوب بن لیث کے قبضہ مین تھا۔ بعد ازان یہان دو آزاد سلطنتین قائم ہو گئین ایک منصورہ مین، دوسری ملتان مین ۳۷۰ھ (۹۸۰ء) مین قرامطہ نے ملتان پر قبضہ کر کے افاغنہ لودی کے حوالہ کر دیا ۳۶۶ھ (۱۰۰۰ء) مین محمود غزنوی قابض ہوا۔ تین صدی مابعد یعنی منگولیون کے دستبرد حملہ تک ملتان کی تاریخ صاف و پاک نظر آتی ہے ۹۳۷ھ (۱۵۲۸ء) مین پورے امن و خیر کے ساتھ بابر کا تسلط ہو گیا اور باوجود متعدد شبخون اور جدال و قتال کے کچھ مدت تک قائم رہا۔ بہر حال ملتان اُسی وقت سے دہلی کے تخت مین ہو گیا ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) مین افواج مغول نے یہان جوئے خون بہادی ہوتی مگر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا معروف بہ بہاء الحق مشہور ولی و مخدوم نے خون بہاوے کر ملتان کو بچا لیا اور کشت و خون کرنے والون کو ٹالا۔

سلاطین خلجیہ کے عہد مین ملتان برابر مصئون و مامون رہا۔ اُس زمانہ مین اس صوبہ ملتان مین کل جنوبی و مغربی پنجاب داخل تھا کبھی کبھی سندھ بھی شامل کر لیا جاتا تھا۔ جب مغلون کی قوت روبہ زوال تھی تب بھی ملتان اُن کے تابع فرمان بنا رہا۔ ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۸ء) مین ملتان کے قریب نیر سنون، صوبہ دار پنجاب کے نائب کوڑا مل اور شاہ نواز سے معرکہ ہوا۔ شاہ نواز کو یہ صوبہ محمد شاہ نے عنایت کیا تھا۔ کوڑا مل نے شکست پائی۔ احمد شاہ دُرّانی کے وقت سے ملتان بادشاہان کابل کے زیر نگین ہو گیا۔ اخیر انقلاب ۱۸۴۹ء کا نتیجہ سرکار انگریزی کی حکومت و فرمانروائی تھی۔

ملتان سے ساحل بحر عمان یا کراچی کا فاصلہ ۵۷۶ میل ہے۔ شہر پناہ قائم ہے

یہان کے مقامات مقدسہ مین مزارات مخدوم بہاؤ الدین زکریا (متوفی ۷ صفر ۶۶۵ھ) قلعہ پر، شیخ صدر الدین مخدوم (متوفی ۷۰۹ھ)، شیخ رکن الدین قریشی (قلعہ پر) اور سید زین العابدین پدر سلطان سرور کے مشہور ہین اورنگ زیب کی تعمیر کردہ جامع مسجد کا موقع وہ بتایا جاتا ہے جہان کبھی سورج کا مندر تھا۔ یہ مسجد سکھون کے عہد مین

کھلتی ہی جب کھلی تو معلوم ہوا کہ آنکھ مین پردہ رقیق جو مانڈہ کہلاتا ہے پڑگیا ہی جو بینائی مین حائل ہے۔ بائین آنکھ مین زخم کے سبب سے ضعف بصر تھا۔ یہ اسکے علاوہ ہوا سخت درد و تکلیف ہے علاج کرتے ہین۔ حق سبحانہ شفا دے۔ بندہ کے ہاتھ سے جو کچھ خدمت ہوسکتی ہی بجالاتا ہون بجز دار بیان سُنا ہے کہ شیخ عبد الجلیل دمعانی کے پاس آنکھ کے مانڈہ کا علاج نہایت نہایت مجرب ہے لازم ہے کہ مانڈہ کے علاج کی گولیان اگر اُنکے پاس موجود ہون تو لے کر۔ احتیاط چھوٹی ڈبی مین رکھ کر بھیجدیجئے۔ اور اگر موجود نہ ہون تو اُس پر جو کچھ خرچ پڑے اپنے پاس سے خرچ کر کے گولیان تیار کرا کے جلد بھیجدیجئے۔"

سفارش

امین الدولہ نے جو حضور بادشاہی کا وقائع خوان تھا امیر الامرا سید حسین علی خان کی غیبت مین امیر الامرا کے خلاف کچھ عمل کیا تھا جب دکن سے امیر دار الخلافہ واپس آیا تو امین کو اس تقصیر کی پاداش دینا چاہی۔ ایک روز امین امیر کے دربار مین حاضر ہوا۔ دروازے سے نکلتے ہی میر عبد الجلیل سامنے موجود تھے۔ میر نے امیر سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلعم نے انصار[۱۰۹] اور ذریت انصار کے حق مین دُعا کی اور اُن کی مراعات کے لئے وصیتین فرمائی ہین اور ارشاد کیا ہے کہ تجاوزوا عن

بارود خانہ بنادی گئی تھی جو نذر آتش ہوگئی۔

تجارت کا سلسلہ کابل و قندھار سے قائم ہی۔ قالین بانی و چینی کا کام خوب ہوتا ہی۔

۱۰۹ انصار یعنی یاری دہندگان جمع نصیر۔ یاری گر مثل شریف و اشراف۔ عرف عام مین مسلمانون کا وہ مبارک طبقہ کہلاتا ہی جس نے مدینہ طیبہ مین رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے قدوم و میزبانی کا شرف حاصل کیا تھا انصار کے اسلام لانے کا آغاز سلسلہ یازدہم نبوت مین ہوا۔ اللہ اللہ۔ ایک وہ وقت تھا کہ نوع انسانی کا سب سے بڑا مصلح اور خدائے برتر کا سچا پیغامبر کاشانہ رحمت سے نکلتا اور مختلف موسم مین مختلف قبائل و عشائر کی تلاش مین اُنکے آثار و نقش قدم پر چل کر اُن کے منازل و مقامات پر عکاظ و مجنہ و ذی المجاز مین پہونچتا اور ندائے عام دیتا کہ من یؤویني من ینصرني حتی ابلغ رسالة ربي وله الجنة۔ اس صدائے رحمت پر لبیک کہنے والا اور سوال نصرت پر ناصر بننے والا کوئی نہ ہوتا۔ حتے کہ انفار سے بالانفراد سوال کرنے کے بعد اتمام تبلیغ

مُسِیئِہِم یعنی ان مین کے گنہگارسے درگزر کرو - آپ دنوآب ، اولاد رسول ہین اور امین الدولہ انصار کی اولاد سے اپنے جد بزرگوار کی اقتدا کیجئے اور امین کا قصور معاف فرمائیے۔ امیر الامرا نے فوراً غضب وعتاب سے درگزر کیا اور معاف فرما کر امین الدولہ پر بڑی مہربانی ونوازش کی اُسوقت تک

کے لئے یہ ہی سوال قبیلہ قبیلہ سے کیا جاتا۔ گم گشتگان وادی ضلالت اس کا جواب اقبال اقرار سے نہین بلکہ عجب وانکار سے دیتے اور کہتے کہ قومک اعلم بک ابتلاء وآزمایش کا یہ مرحلہ بھی طے ہوا تو سحاب کرم نے رشحہ افشانی کی اور خداوند جل وعلا نے اپنے سچے دین کا اظہار فرمانا چاہا تو اُس سپکر قدسی کو اُن لوگون کی طرف بھیجا جو قیلہ (ایک عورت) کی اولاد، اوس وخزرج کہلاتے تھے۔ سب سے پہلے بزرگان خزرج نے دعوت اسلام قبول کی اور خدا کے راستہ پر آ گئے۔ پھر رفتہ رفتہ اوس۔ اور بنو عبد الاشہل تو مرد وعورت سب نے ایک ہی دن شرف اسلام حاصل کیا تھا۔ مدینہ منورہ مین انصار نے رسول اقدس کے نزول اور زمانہ قیام مین اسلام اور پیغمبر اسلام کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔

انصار احرار نے اپنی راستبازی وانہماک اور خالص وصادق محبت کا جائزہ بڑے نازک موقعون پر دیا ہے۔ اوّلیان وہم کی کسی تاریخ مین "عقد مواخات" کی دوسری مثال نہین پائی جاتی۔ انصار ومہاجرین مین جب برادرانہ قائم کیا گیا اور ایک ایک انصاری کے حصہ مین ایک ایک مہاجر بھائی دیا گیا تو اپنی جائداد اپنے مال ومتاع اپنے سرمایہ، اپنے مساکن، غرض ہر نوع وہر قسم کی مملوکات ومعاملات مین انصار نے مہاجرین کو اپنا بھائی اور برابر کا شریک بنا لیا۔ ہر چیز بالمناصفہ تقسیم کر کے حوالہ کر دی۔ حتے کہ اگر کسی کی دو بیوی بیان تھین تو اُن مین سے بہتر کو طلاق دیدی اور اپنے برادر مہاجر سے خود اُس کا نکاح کر دیا۔ مختصر یہ کہ اپنے کو اور اپنے فرزند وزن کو ہر طرح رسولؐ اور رفیقان رسول برحق پر نثار کر دیا ؎

مِل گیا دِل سے بکا یک ترے سو فار کا رنگ ورنہ بیگانے سے برسون مین لہو ملتا ہے

یہ اسی باحمیت وسیر چشم گروہ کا کارنامہ تھا کہ جب سرور عالم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نضیر کے غنائم تقسیم فرمانے لگے تو انصار مین سے صرف تین حضرات کا حصہ نکالا جو فی الواقع حاجت مند اور مسکین تھے۔ باقی جماعت سے ارشاد ہوا کہ اگر غنیمت مین مہاجرین کے ساتھ حصہ لینا مد نظر ہے تو اپنے اثاثہ و سرمایہ واراضی مین برادر مہاجر کو شریک وسہیم بنا لیجئے آدھا آدھا بانٹ دیجئے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے مملوکات پر بدستور قبضہ وتصرف تنہا رکھئے اور اموال غنیمت سے دست برداری کیجئے۔ انصار نے عرض کیا کہ ہم کو سب منظور ہے۔ ہم بانٹ بھی دینگے اور غنیمت سے حصہ بھی نہ لین گے۔ مال غنیمت ہمارے برادران مہاجرین کو دیدیا جائے۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ

میر عبدالجلیل کی امین الدولہ سے شناسائی بھی نہ تھی۔ صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ انصار کی اولاد سے ہے۔ چونکہ میر کا طریقہ محدثین کا تھا اسلئے ہمیشہ پیروی سنت نبوی مین کوشش کرتے اور اپنے پر انصار کی شفاعت لازم سمجھتے تھے۔

مجرّبات

میر عبدالجلیل کے مجرب نسخہ جات کی تعداد زیادہ نہ تھی لیکن جس قدر نسخے تھے اُن پر اُنکو اعتماد کامل حاصل تھا۔ ان مین پہلا نمبر جورن کنکولاد کا تھا جسکو اکثر امراض مین خود استعمال کرتے اور اپنے تمام متوسلین کو اُسکے کھانے کے لئے تاکید کرتے رہتے تھے خانہ داری کی ضروریات کے متعلق ایک چھوٹی سی بیاض (نوٹ بک) بلگرام مین رکھتے تھے اُس مین اِس کا نسخہ رہتا اور

مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ قف [اور (وہ مال جو بنے لڑے ہاتھ آیا ہے) اُن کا (بھی حق) ہے کہ (مہاجرین نے ابھی ہجرت نہین کی تھی اور وہ) اُن سے پہلے مدینے مین رہتے اور اسلام مین داخل ہو چکے ہین جو اُن کی طرف ہجرت کرکے آتا ہے اُس سے محبت کرنے لگتے ہین اور (مال غنیمت مین سے) مہاجرین کو جو (کچھ بھی دے) دیا جاے اُس کی وجہ سے یہ اپنے دل مین (اُسکی) کوئی طلب نہین پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی کیون نہ ہو (مہاجرین بھائیون کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہین۔ الجزء ۲۸ سورۃ الحشر ع ۲-۱]

مسجد نبوی کی تعمیر مین ایک طرف وہ پیکر نورانی اینٹ پتھر کے ڈھونے مین مصروف تھا دوسری طرف خادمان ملت حقہ کی نصرت کے لئے یہ دعا زبان پر تھی۔ اللھم لا خیر الا خیر الآخرۃ فانصر الانصار والمھاجرۃ۔ عبداللہ بن رواحہ انصاری نے تبرکاً و تیمناً اس دعا کو نظم بھی کر دیا ہے ؎

اللھم ان الاجر اجر الآخرۃ فارحم الانصار والمھاجرہ

اے خدا اجر تو بس آخرت کا اجر ہے اسلئے تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما

صحیحین مین یہ حدیث شریف وارد ہے آیۃ الایمان حب الانصار (انصار کی محبت کمال ایمان کی نشانی ہے) دوسرے موقع پر یہ ارشاد اقدس ہوا تھا کہ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءًا مِنَ الْأَنْصَارِ (ہجرت کا شرف اگر مجھے حاصل نہ ہو جاتا تو مین بھی انصار مین سے ایک شخص ہوتا) آنحضرت صلعم مہاجرین کے طبقہ عالیہ سے تھے

اور اُسکے مطابق چورن تیار کیا جاتا تھا۔

فرجام نے میر عبد الجلیل کو اُن کی حلیلہ جلیلہ کی علالت کی خبر دی ہے کہ کھانسی اور تپ عارضی کبھی کبھی ہو جاتی ہے تو ہدایت فرماتے ہین کہ "چورن[۱۹۰] کنکولاد اس عارضہ کیلئے خوب ہے اور نافع۔ نسخہ بیاض خانگی مین موجود ہے۔ سید محمد خود جانتے ہین۔ بنوالین اور کھلائین۔ انشاء اللہ موافق ہوگا۔"

رُسوم و تقریبات

کان چھیدنے کی رسم و خوشی جو اب بہت کم بلکہ تقریباً متروک ہوگئی ہے میر عبد الجلیل کے زمانہ مین بہت مانی اور منائی جاتی تھی۔

میر صاحب دہلی مین تھے عرصہ سے سفر وطن کا تھیا کر رہے تھے اور جلد سے جلد اُن کا بلگرام پہونچ جانا یقینی اور قطعی تھا۔ البتہ دربار کے تعلقات اور دستورات کی طوالت سے تعین ماہ نہین کر سکتے تھے۔ عزیزان وطن کی متواتر طلب اور اپنی مجبوری پر لکھتے ہین "اگر ساعت شادی ہمشیرہ سید غلام علی اس قسم کی ہے جس مین وہان کی عورتون کی اصطلاح کے بموجب تقدیم و تاخیر نہین ہو سکتی تو مبارک ہو۔ شادی سے فارغ ہو جائے۔ فقیر بھی جسوقت یہان کے کامون سے فراغت پا جائے گا، وہان پہونچ کر طرفین کو مبارک باد کہدے گا۔"

یہ تقریب میر صاحب کی عدم موجودگی مین ہو جاتی ہے تو فرماتے ہین کہ "انجادم شادی کنیہ

تاہم انصار کی قدر منزلت مہاجرین سے کم نہ فرماتے تھے۔

صحاح مین یہ ذیل معجزات شریفہ آیا ہے کہ رسول اکرم صلعم نے انصار سے فرمایا تھا کہ میرے بعد لوگ تم پر اورون کو ترجیح دین گے چنانچہ جناب معاویہ کے زمانہ مین ایسا ہی ہوا۔ رضی اللہ تعالی عنہم و ارضاھم عنا۔

[۱۹۰] کنکولاد مین الف دال اضافی یا ترکیبی ہے کنکول بھاشا اور مرہٹی کا نام ہے۔ اُردو مین کباب چینی، عربی و فارسی مین کبابہ کہتے ہین دیگر دیسی زبانون مین "کاپور چینی" اور سیتل چینی، انگریزی مین Cubebs یا piper cubeba کہلاتا ہے۔ چورن کا نسخہ قدیم و معروف ہے۔ جزو غالب کنکول ہے۔ اطباء اسکے خواص و فوائد

بوالدہ وہمشیرہ شما مبارک باشد و ادلائے قرض سودی با ہمایون باد۔ انشاء اللہ ادا نمودہ خواہد شد۔"

شادی کنیہ کے متعلق اورینٹل مسلینی مطبوعہ ۱۸۹۸ء کا جامع لکھتا ہے کہ یہ رسم کان چھیدنے کی پانچ سال سے لے کر نو سال تک کی عمر مین ادا کردی جاتی تھی۔

یاد رہے کہ ابھی کچھ زمانہ پیشتر میر سید محمد کی شادی کا قرض جو میر صاحب کے ذمہ ہوگیا تھا سالہائے دراز کے بعد ادا ہو پایا تھا۔

اسی طرح تمام خاندانی مراسم اور پرانے دستورون کی پابندی ضروری اور لابد سمجھتے تھے۔

قرض

قرض کا بار ہمیشہ کچھ نہ کچھ اس خاندان پر بنا رہتا تھا۔ روزمرہ کے اخراجات کی وجہ سے، قصباتی شرفا کی برادر نوازی اور کنبہ پروری کی بدولت، شادی غمی و تفریحات کے غیر معمولی مصارف کے سبب سے، مقروض و پریشان رہتے تھے۔ سود مین کثیر رقم ہر سال نکل جاتی تھی اور میر عبدالجلیل اور ان کے اعزہ اس کو بے تکلف برداشت کر لینے کے عادی ہو گئے تھے میر غلام علی کی بہن کی، کان چھیدنے کی تقریب ہوئی۔ یہ سربرآوردہ اور بزرگ خاندان تھے اور ہر قسم کے مصارف کے ادا کرنے کے ذمہ دار۔ اطلاع پانے پر لکھتے ہین کہ "شادی کنیہ کا انجام ہو جانا تمھاری والدہ اور تمھاری بہن کو مبارک ہو۔ سودی قرضہ کا ادا کرنا ہمکو مبارک ہو۔ انشاء اللہ ادا کردیا جائیگا"

میر سید محمد کی شادی مین بھی قرض ہوگیا تھا جب ادا ہوگیا اور میر سید محمد کے خط محرر ۱۹ رمضان المبارک ۵۱ ج (عالمگیر) سے اس کی اطلاع پردیس مین ملی تو فرمایا کہ "آپ کی شادی کے قرضہ سے خلاصی کی خوش خبری سنکر شکر بجالایا۔ اب معلوم ہوا کہ خدا کے فضل سے اس مہم عظیم سے فراغت حاصل ہوگئی"

کثیر لکھتے اور اسکو مقوی دل مستہی، دافع گندہ دہنی و بلغم و ریاح، نیز امراض چشم مین مفید بتاتے ہین۔

ایک اور خط مین بھی یہی مذکور ہے "گھنشیام تیواری کا قرضہ جو ادا کر دیا نہایت خوب ہوا۔ اُس کا سُود ہر روز بڑھتا جاتا تھا۔ باقی بالائی قرض کے لیے جس کی تعداد تین سَو روپیہ ہوگی آپنے لکھا ہے۔ وہ بھی خدا نے چاہا تو ادا ہو جائے گا۔ لیکن ہر کام ایک وقت اور ایک ہنگام پر منحصر ہے اس زمانہ مین کہ اُردوئے مُعلّٰے کے دریائے قُلزم مین پڑ گیا ہون اور ہر روز خرچ مبلغ درپیش رہتا ہے۔ یہ کام جلد صورت پذیر نہین ہو سکتا۔"

بیٹا باپ کے اور باپ بیٹے کے دیکھنے کے لئے بے چین اور سخت مشتاق ہین۔ باپ مجبور ہے۔ مُدّت ہوئی داخل لشکر شاہی ہو چکا ہے لیکن دربار سے اپنے معاملات کے سُلجھانے مین ہنوز قاصر و ناکام رہا ہے۔ ایک نوکر بیمار ہے۔ دوسرا تن تنہا میر عبد الجلیل کی خدمتگذاری کر رہا ہے۔ اسلئے اُس کو جُدا کرنا اور بیٹے کے بُلا لانے کیلئے وطن بھیجنا دشوار ہے۔ اس تمام پریشانی اور بے سروسامانی مین بھی اطمینان دلایا جاتا ہے کہ "اپنے قرض کی نسبت جو لکھا ہے تمھارا قرض میرے ذمہ ہے۔ انشاءاللہ آپ کی تحریر کے مطابق عمل کیا جائیگا خاطر جمع رکھئے گا۔"

صِلہ

اگرچہ میر عبد الجلیل کا کلام (شعری) تمام تر مدائح مین واقع ہوا ہے لیکن اُنھون نے سوائے ایک موقع کے مدۃ العمر کسی ممدوح سے کبھی کوئی صلہ لینا گوارا نہین کیا۔ وہ مستثنیٰ موقع یہ تھا کہ ایک بار یہ رُباعی لکھ کر سلطان اورنگ زیب کی نظر سے گذاری ؎

کسرٰے[۱۹۱] کہ بہ عدل بود عالم پرور — بے جرم آویخت پائے زنجیر ز در
ذاتت بکمال عدل تجویز نہ کرد — آویختن سلسلہ ہم در کشور

---

[۱۹۱] کسرٰے (معرب خسرو) نوشیروان عادل بادشاہ فارس کا لقب تھا جس نے زنجیر عدل ایجاد کی تھی۔ اسی کی تقلید مملکت ہند مین شہنشاہ جہانگیر نے کی۔ ایک زنجیر دار الخلافت آگرہ مین بھی نصب کی تھی۔ اسکی نسبت وہ اپنے تزک مین لکھتا ہے کہ طلائے خالص سے بنائی گئی تھی۔ تیس گز لمبی تھی۔ چار من پختہ ہندوستانی

سلطان نے قدر افزائی فرما کر دکن کے طلائی سکہ کے (جو ہون[۱۹۲] کہلاتا تھا، چار خریطے (توڑے) شہزادہ کام بخش کے حوالہ کئے اور شہزادہ نے مخلص خان میر بخشی کے ہاتھ میر صاحب کے پاس بھیج دئے۔ میر صاحب کے معتقدین لکھتے ہین کہ میر کا تمام عمر مین ایک بار یہ صلہ لے لینا امیر خسرو[۱۹۳] کے ساتھ استکمال تشابہ کی راہ سے تھا۔ اس لئے کہ امیر بھی سلاطین و اُمرا سے صلہ قبول نہ فرماتے تھے اور جس کا اپنی تصانیف مین بھی ذکر کیا ہے۔ صرف ایک بار سلطان قطب الدین خلجی نے امیر کو کتاب نہ سپہر[۱۹۴] کے جائزہ مین بقدر وزن جثہ فیل کے سونا عطا کیا تھا۔

وزن تھا۔ کڑیان ساٹھ تھین۔ زنجیر کا ایک کنارہ قلعہ کے بُرج (نشیمن شاہی) سے لٹکا دیا گیا تھا اور دوسرا، کنارہ دریا کے قریب زمین سے وابستہ ہوتا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اگر عدالت ہائے سرکاری کے حکام انفصال قضایا مین طرفداری یا فصل خصومات و نصفت گستری مین تاخیر کرین تو ستم رسیدہ فریق خود حاضر ہو کر زنجیر کو ہلا دے۔ کڑیون کی جنبش سے صدا بلند ہو کر شہنشاہ معدلت پناہ کو آگاہ کر دے گی کہ مسامع دولت و اقبال تک اپنا مظلمہ و استغاثہ پہونچانے کے لئے ایک فریادی چشم براہ ہے۔

۱۹۲ ہون۔ جنوبی ہندوستان یعنی دکن کا دینار یا طلائی سکہ تھا۔ مسلمان اہل لغت اس کو مین لفظ ہندی اور راجہ اچپت رائے کو اس کا واضع بتاتے ہین۔ یہی تامل زبان مین دیرا ہا اور یورپی السنہ مین پیگوڈا کہلاتا ہے۔ دو صدی سے اسی نام (پیگوڈا) سے مشہور ہے۔ تین روپیہ سے لے کر ساڑھے تین روپیہ یا چار روپیہ قیمت تک کا ہوتا تھا۔ اسکی مسطح (چپٹی) سمت تین چھوٹے چھوٹے نشان نصف درازی تک ہوتے تھے چندان ہموار و خوشنما نہین ہوتا تھا۔ محدب سمت اس پر چھوٹے چھوٹے نقاط ہوتے تھے۔ مونٹیور اے مان لکھتا ہے کہ اسکی صورت بالکل (اٹھارہوین صدی کے) اشتین کے گول بوتام کی طرح ہوتی تھی۔ مورخین اسکا واضع راجہ اچپت رائے کو لکھتے ہین"۔

۱۹۳ امیر خسرو، ابو الحسن بن سیف الدین دہلوی کا شہرہ اور کمال میرے تعارف سے بے نیاز ہے ایک زبردست صوفی اور عدیم النظیر ادیب و شاعر کی حیثیت سے ان کو ہندوستان کا حرف شناس بچہ بھی جانتا ہے آپ کی ولادت ۶۵۱ھ (۱۲۵۳ء) مین ہوئی تھی۔ رمضان ۷۲۵ھ ستمبر ۱۳۲۵ء مین وفات پائی۔ آپ کی تصانیف بہت ہین اور بہت مشہور ہین۔ خالق باری، پند نامہ، تحفۃ الصغر، سکندر نامہ، قران السعدین، عشقیہ، دیول رانی و خضر خان، و تغلق نامہ وغیرہ۔

باوجودیکہ امیر الامرا سید حسین علی خان کے ساتھ ایسے گہرے اور مخلصانہ و بے تکلفانہ تعلقات تھے لیکن جب ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) مین قلعہ آگرہ فتح ہوا اور شاہزادہ نیکوسیر کی افواج کو شکست ہوئی تو اسکی تہنیت مین میر عبد الجلیل نے قصیدۂ غرا لکھکر پیش کیا۔ نواب نے پانچہزار روپیہ نقد اور خلعت[۱۹۵] و اسپ دینا چاہا لیکن میر نے اپنے ضابطہ معمول کے موافق قبول نہ فرمایا۔

---

۱۹۴ نہ سپہر۔ امیر خسرو نے قطب الدین خلجی کے نام پر ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) مین لکھی تھی۔ نو باب ہین اور ہر باب جداگانہ بحر مین ہے۔ اسی مناسبت سے "نہ سپہر" نام رکھا ہے۔ امیر کی عمر آنوقت پینسٹھ (۶۵) سال کی تھی اسکے ہدیہ و سپاس گذاری مین ع مرا عمر کہ شصت بالا گزشت۔ مین اسی کا اشارہ ہے۔ یہ مثنوی مطبع یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ مین نہایت خوب و پر تکلف چھپی ہے

۱۹۵ خلعت (بالکسر) اصلاً، وہ سلا ہوا کپڑا جو بدن سے اُتار کر کسی کو پہنایا جائے۔ عرفاً وہ اعزازی پوشاک جو ملوک و اُمرا کسی شخص کو عطا فرمائین۔

خلعت مختلف مواقع پر مختلف حیثیت سے عطا ہوتا تھا

(۱) عموماً اپنے سے کم کو بہ نظر اکرام،

(۲) کسی عہدہ پر ماموری و تقرر کے وقت،

(۳) بدستور قائم و بحال رہنے کے صلہ و خلد مین،

(۴) جلیل القدر اُمرا کی طرف سے اپنے ممتاز مہمانون اور آنے جانیوالون کو بھی پیش یا ارسال کیا جاتا تھا

خلعت مین اکثر جامۂ نادوختہ و تیار دیا جاتا تھا۔ بعض اوقات اسلحہ و زیورات و دیگر اشیائے بیش بہا بھی اضافہ کر دیے جاتے تھے مگر ایسی حالت مین کوئی پارچہ پوشیدنی اس مین نہین ہوتا تھا۔ عمامہ و شال ان عطایا مین ضرور شامل ہوتے تھے اور سلاح و اسپ و فیل تو مکمل خلعت کے جزو لازم تھے۔

رائے رایان لند رام مخلص لکھتا ہے کہ خلعت کے تین درجے تھے۔

پہلا۔ چھ پارچہ کا۔ مقررہ تین پارچون کے سوا، سرپیچ اور بالابند اور نیمہ آستین یہ ہفت ہزاریون کیلئے مخصوص تھا

دوسرا۔ پانچ پارچہ کا۔ نیمہ آستین ندارد۔ یہ پنجہزاری کو ملتا تھا۔

تیسرا۔ تین پارچہ کا۔ معمولی۔

بادشاہان تیموری کے آخر عہد تک یہی معمول قائم رہا۔ ان کے دربار سے کبھی خلعت تیار اور سلے ہوئے کپڑون کا

اسی طرح نواب آصف جاہ نظام الملک نے بھی اپنے قصیدۂ مدحیہ اور غزل فرمایشی کے صلہ مین پانچ ہزار روپیہ اور خلعت و اسپ مرحمت فرمانا چاہا تھا جس کو میر نے منظور نہین کیا۔ یہ دونون قصیدے مع ان دونون اُمرائے عالی شان کے حالات اور میر صاحب کے تعلقات کے اپنے اپنے محل پر نقل کئے جائین گے۔

معاش و خدمت

اس خاندان مین کوئی مستقل ذریعۂ معاش و بسر اوقات باقی نرہا تھا۔ وہ معافیات[۱۹۶] و التمغا[۱۹۷]

دیا جاتا تھا جیسے جامہ و قبا کا۔ اور کبھی بے سلے ہوئے سادہ پارچون کا۔ ہر صورت مین دستار یا چیرہ (رنگین دہار دار) اور پٹکا ضرور دیا جاتا تھا۔

وہ خلعت جس مین سر سے پانون تک سارا جسم چھپ جاے سر پا کہلاتا تھا۔ زیادہ رتبہ والون کیلئے ایک اور لباس زاید بالا پوش کے طور پر اور اس پر ایک جُبّہ مستزاد ہوتا تھا۔ یہ جُبّہ کسی قدر چھوٹا ہوتا تھا اور اسکی آستینین بھی چھوٹی ہوتی تھین۔ سر پا خلعت مین جُبّہ ملاکر پانچ یا چھ پارچے ہوتے تھے۔ ایک تھان ہلکی کمخواب یا زربفت کا لمبے پاے جامہ کے لئے اضافہ کیا جاتا تھا۔ مگر زبان سے اس کا اظہار معیوب سمجھا جاتا تھا۔ یہ تمام پارچے ململ کے ہوتے تھے۔ اسی پر سنہرا اور روپہلا کام اور ریشم سے گلکاری نہایت نفیس اور پرتکلف ہوتی تھی۔

مغلون کے آخر زمانہ مین خلعت معمولاً تین پارچہ کا دیا جاتا تھا چار پارچون کا خاص خاص موقعون پر امتیاز کے لئے عطا ہوتا تھا مگر ہر حالت مین کپڑے بیش قیمت دیئے جاتے تھے۔

خلعت کی ایک صورت اور بھی تھی۔ "ماتمی"۔ یہ ہمیشہ ململ کا ہوتا تھا سیاہ یا سبز رنگا ہوا۔ عطا ہوتے وقت فوراً پہن لیا جاتا تھا۔ مگر لازم تھا کہ دوسرے دن (ایک دن بعد) اُتار دیا جاے۔

عطائے خلعت کا رواج مسلمانون مین بہت پرانا ہے۔ خلافت بنی عباس کی تاریخون مین اسکا ذکر مختلف نامون سے پایا جاتا ہے۔ رشید، اعزاز و اکرام کے طور پر ثیاب فاخرہ بھیجتا تھا۔ منصور، جوائز حسنہ کے علاوہ، کسوۂ سینہ، دیکر خصعت کرتا تھا۔

[۱۹۶] معافی۔ کے لفظی معنے عفو کنندہ کے ہین لیکن اصطلاحاً وہ اراضی مراد ہے جس کی جمع

جو سید محمد صغرے اور اُن کی اولاد کے لئے سلاطین دہلی نے عطا کی تھین کچھ تو ضبط اور کچھ پُشتہا پشت کی توریث و تقسیم سے کالمعدوم ہو چکی تھین۔ زمینداری کی قدر نہ تھی۔ آبائی پیشہ عرصہ دراز سے ملازمت چلا آتا تھا۔ غرض معاش سے فارغ البالی کبھی نہین رہی۔

میر عبد الجلیل کو باوجود اُن کے کمال علم کے قلت اسباب معیشت و کثرت اہل و عیال نے مطمئن و متوکل بیٹھنے نہ دیا تینتیس ۳۳ سال کی عمر مین میر سید محمد فیض زمیندار بلگرام کے ساتھ ۱۱۰۴ھ (۹۲-۱۶۹۲ء) مین گھر سے باہر نکلے۔ دکن پہونچے اور بے نیل مرام واپس آئے۔ سید محمد فیض کی دادرسی ہو گئی مگر یہ ناکام رہے۔ سات برس بعد وہی جاذبہ پھر دامنگیر ہوا۔ شاہزادہ عظیم الشان کا ہمزلف میر محمد رضا جو شاہ حسین خان کا بیٹا تھا بنگالہ سے بارادہ حاضری آستان خلد مکان چلا بلگرام پہونچا اور میر عبد الجلیل کا مہمان ہوا۔ یہ بھی اُس کے ساتھ ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ء) مین دوبارہ عازم دکن ہوے۔ اس مرتبہ یکہ و تنہا نکلے تھے۔ چند انفار و خدام کے سوا کوئی ہم وطن رفیق نہ تھا ارادہ کر لیا تھا کہ بغیر فوز مراد و حصول مطلوب واپس وطن نہ ہون گے۔ چنانچہ طے منازل و قطع مراحل کے بعد اسلام پوری[۱۹۸] عرف برہا پوری توابع بیجاپور مین پہونچے اور عالمگیر خلد مکان کے

(مالگذاری) سرکار سے معاف ہو۔ کوئی جائداد جو بطور وظیفہ عطا کی گئی ہو

[۱۹۷] التمغا۔ ترکی مین آل بمعنی سرخ، بادشاہ کی مُہر کو کہتے ہین۔ زمانۂ قدیم مین بادشاہ کی مُہر ہمیشہ شنجرف سے کیجاتی تھی۔ آل تمغا۔ زمین و جاگیر کا نسلاً بعد نسل بخشدینا ہے۔ اسی لئے بعض محققین نے یہان لفظ آل عربی کا مانا ہے۔ جسکے معنی فرزندان و اہل خانہ و پیروان کے ہین تمغا بھی ترکی مین نشان و مُہر کو کہتے ہین۔ نیز اُس محصول اور باج کو جو ممالک غیر سے آئی ہوئی اجناس و اشیا پر داخلۂ سرحد اور گھاٹون اور بندرون پر لیا جاتا ہے اور ادائگی کی مُہر لگادی جاتی ہے۔ سند عطا۔ فرمان سلطانی۔

[۱۹۸] اب یہ دونون نام بہت بدل گئے ہین۔ یہ مقام اُورون۔ اسلام پور کہلاتا ہے اور ضلع ستارہ مین دائرہ تعلقہ کا صدر مقام ہے۔ ستارہ خاص سے فاصلہ اٹھائیس ۲۸ میل ہوگا۔ انشائے جلیل مین اس کو "پُرسُرور اسلام پور" لکھا ہے۔

قصبہ کے دونون حصے ایک دوسرے سے جدا ہین۔ اسلام پور کو مسلمانون نے مسلمانون سے آباد

لشکر مین داخل ہوے۔ یہ بادشاہ جیسا مردم شناس اور قدردان اہل ہنر تھا اسکی مثال تاریخ مین کم ملے گی۔ میر زا یار علی بیگ سوانح نگار حضور بادشاہی نے نہایت قدرشناسی اور تکریم کی اور ملازمت سلطانی مین پہونچا دیا۔ ان کی تاریخ فتح ستارہ سے ان کی قابلیت و ذکا کا سکہ جم چکا تھا۔ بادشاہ نے منصب ۸۰۰ شالیستہ اور ایک بڑی جاگیر محال سائی پور مین دلگرام کے

کیا تھا۔ اُدرون ہندؤن کا محلہ اور قدیم تر ہے۔ اسی مین شمبھوا باکوشتی کی زیارت گاہ ہے۔ یہ ذات کے پارچہ بان بڑے عابد و مرتاض تھے۔ ان سے خوارق عادات و غرائب افعال سرزد ہوتے تھے۔ اب بھی وہان میلہ لگتا ہے۔

میونسپلٹی بھی قائم ہے سنہ ۱۹۰۱ء مین مردم شماری بارہ ہزار کے قریب تھی لیکن بیس برس بعد سات ہزار نو سو سولہ رہ گئی جس مین مسلمانون کا شمار صرف سات سو ستاسی تھا۔

۵۱۹۹ **Royal Intelligencer** مسلمانون کے نظام مملکت مین فرمانروا کی آگاہی اور باخبری کے لئے یہ سررشتہ نہایت کارآمد تھا اس صیغہ مین اعلےٰ سے ادنیٰ تک جو کارکن مقرر کئے جاتے تھے وہ کامل دیانت دار راستباز اور لایق اعتماد ہوتے تھے۔ ان کا تقرر براہ راس حضور شاہی سے ہوتا تھا۔ یہ وقائع نگار نام بڑے بڑے مقامات، شہرون، لشکرون، بندرگاہون اور صوبون مین مامور رہتے تھے اور شب و روز کے ضروری واقعات قلمبند کرکے دربار شاہی مین بھیجدیتے تھے۔ یہ لوگ آزاد منش اور آزادہ رو ہوتے تھے کسی مقامی افسر یا عہدہ دار کے ماتحت نہین۔ اسلئے بلا کسی خوف و اندیشہ کے ملک و رعایا کے حالات لکھتے رہتے تھے۔ ممالک دور دست کے حکام اور والی ان کی راست نگاری اور صداقت کوشی سے خائف رہتے رعایا و برایا کے ستانے کی جرأت، اور احکام شاہی کی تنقیص نہ کرتے تھے۔ خود اُن کی زندگی بھی خوف و خطر سے محفوظ نہین تھی۔ کوئی بداطوار و ظالم کیش جب اپنے کسی فعل یا جریمہ کو چھپانا چاہتا تو ان کو لالچ بھی دیتا اور جان کی دھمکی بھی۔ غرض جو خدمات پہلے پہل میر عبدالجلیل کو سپرد ہوئی تھین، نہایت ذمہ داری اور جوابدہی کی تھین جنکی انجام دہی آسان نہ تھی۔ اسی سلسلہ مین یہ بھی لکھنے کے قابل بات ہے کہ وقائع نویس، سوانح نویس، سوانح نگار تقریباً ایک ہی نوع کی خدمات اور یکسان اہمیت و وقعت رکھتے تھے۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ واقعہ نویس کی اطلاعین شایع کردی جاتی تھین اور اورون کی مخفی رہتی تھین بجز اسکے کہ مصالح ملکی ان کی اشاعت و توزیع کے مقتضی ہون، یا مرور ایام کے بعد۔

قریب) مرحمت فرمائی اور بخشی گری[۵۲۰۲] و وقائع نگاری گجرات[۵۲۰۳] شاہ دولا[۵۲۰۴] (ملک پنجاب) کی خدمت پر

۵۲۰۰ صاحب مفتاح التواریخ کا بیان ہے کہ "عالمگیر بادشاہ اور امنصب ثلاثہ عطا فرمود بعد چندے خدمت بخشی گری و وقائع نگاری گجرات شاہ دولا مرحمت ساخت"۔

۵۲۰۱ صفی پور (واقع ضلع اوناؤ صوبہ اودھ) کا پرانا نام سائی پور ہے کسی زمانہ مین ان اطراف مین برہمنون کا قبضہ تھا اور راجہ سائی شوکل نے اس مقام کو آباد کیا تھا جب حضرت شاہ صفی مخدوم کا اس مقام پر قرار پایا تو فیض انتساب سے اس قصبہ کا نام صفی پور ہوگیا تاہم پرانا نام باقی اور بہت شہرت رکھتا ہے۔

جون پور جاتے ہوئے جب مولانا شاہ اکرم مورث وجد اعلےٰ شاہ صفی علیہما الرحمہ اس طرف سے گزرے تو برہمنون نے اُن کو ستایا اور تنگ کیا۔ اس کی پاداش کے لئے شاہ ابراہیم شرقی نے ایک لشکر جرار بسرکردگی شاہ اکرم موصوف و راؤ مہیش راؤ کائستھ بخشی فوج بھیجا۔ سائی سوکل اور اُس کا آقا اور گرسین راجہ اوگو لڑائی مین کام آئے اور مسلمانون سے بہاء الدین پسر علاء الدین شہید ہوئے۔ اُن کا مزار بردوات سرکاری گزٹیر اب تک بوسہ گاہ خلائق ہے اور ہندو اور مسلمان یکسان ادب و احترام کرتے ہین۔

سائی پور کا تذکرہ آئین اکبری مین بھی ہے۔ یہ پرگنہ اُس وقت سرکار لکھنو صوبہ اودہ سے متعلق اور چند بیوتون کے تصرف مین تھا۔ چالیس سوار ایکہزار پیادہ فوج رہتی تھی۔ قابل زراعت رقبہ ۳۹۰۸۳ بیگھ تھا جس پر ۲۶۲۵۳۸۸ دام تشخیص تھے۔ یہی انتظام اور تشخیص عہد اورنگ زیب تک قائم رہی۔ موجودہ رقبہ انگریزی حساب سے ۸۴۴۵۱ ایکڑ یعنی ۱۳۲ میل مربع ہے اس مین ۱۳۵ مواضع ہین۔

قصبہ صفی پور کی آبادی ۱۹۲۱ء مین چھ ہزار اکیاون تھی تحصیل منصفی اور تھانہ کا مستقر ہے

۵۲۰۲ انگریز مورخین نے اسکا ترجمہ (Pay Master and News Writer) کیا ہے

۵۲۰۳ قصبہ گجرات صوبہ پنجاب مین ضلع و تحصیل کا صدر مقام ہے۔ دریائے چناب یہان سے پانچ میل جنوب پر رواں ہے ریل کا اسٹیشن بھی ہے۔ موجودہ آبادی بائیس[۲۲] ہزار ہے۔ مقامی روایات سے پایا جاتا ہے کہ اس قصبہ کی بنیاد اُودنا گری کے نام سے بچن پال ایک راجپوت نے آج سے ڈھائی ہزار سال پیشتر رکھی تھی اُسکے بعد ۱۱۰۰ء مین رانی گجران نے جو راجہ رسالو مشہور فرمانروائے سیال کوٹ کی بہو تھی از سر نو آباد کیا پھر تیسری بار اسکی بنیاد علی خان نے رکھی۔ ممکن ہے کہ یہ وہی اللہ خانہ بادشاہ رہا ہو جسکو بروایت ڈاکٹر اسٹائین، بحوالہ راج ترنگنی، مابین ۲۷۰ھ (۸۸۳ء) و ۲۸۹ھ (۹۰۲ء) کے شنکر ورمن و اُتی ورمن نے

ممتاز و مامور کیا۔ میر صاحب نے بہ کمال امتنان اس سرفرازی و تعین خدمت کی تاریخ لکھی ؎

مرا از جناب خلافت عطا شد — ز روئے کرم خدمت عیش افزا
خرد گفت تاریخ تفویض خدمت — سوانح نگاری گجرات زیبا
(۱۱۱۱ھ (۱۷۰۰ء)

شکست دی اور شہر کو درہم و برہم کر ڈالا تھا۔

موجودہ شہر اُسی پُرانے موقع پر آباد ہے جہاں دو شہر یکے بعد دیگرے بسے رہے ہیں۔ سر الیگزنڈر کننگھم کا گمان ہے کہ اسی کے دوسرے شہر کو سنگولیون (تورانیون) نے ۷۰۳ھ (۱۳۰۳ء) میں بعہد علاء الدین خلجی اپنے حملوں سے تباہ کر دیا تھا۔ پھر دو سو برس سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد شیر شاہ نے بھی قطعات متصلہ و قرب و جوار پر نظر عنایت ڈالی اور توجہ فرمائی۔ موجودہ شہر کی تاسیس اغلباً اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ہوئی اور اگرچہ اسکی ہر طرف جاٹوں کی آبادی و جمعیت تھی لیکن اس کی محافظ فوج سب سے پہلے گوجروں کی متعین ہوئی اور اسی مناسبت سے "گجرات اکبر آباد" نام رکھا گیا۔ مغلوں کے بعد یہ مقام مقرب خان حاکم راول پنڈی کے قبضہ میں پچیس سال تک رہا۔ ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۵ء) میں سکھوں کے اور ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۹ء) میں انگریزوں کے تصرف میں آگیا۔

کشمیر سے تجارت اور میوہ جات خشک و تر کی درآمد کے اعتبار سے میر عبد الجلیل کے زمانہ تک گجرات ایک قابل لحاظ مقام تھا۔ یہاں کے موروثی قانون گویان کے خاندان میں انتظامات مالی کے جو رجسٹر یا کاغذات موجود ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ گجرات ایک سرکار یا ضلع کا دار الصدر تھا۔ جس میں ۲۵۹۲ دیہات شامل تھے اور جس کی مالگذاری سولہ لاکھ تھی۔ اکبر بادشاہ نے ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں سید عبد القاسم کو گجرات بطور "تیول" یعنی مشروط بخدمت و امداد بوقت جنگ دیا تھا۔

میر عبد الجلیل ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ء) سے ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ء) تک گجرات میں بخشی و وقائع نویس رہے تھے خاص قصبہ اور اُسکے قرب و جوار کے مقامات میں عہد مغلیہ کی بہت سی یادگاریں ابتک باقی ہیں۔ اکبر کا بنوایا ہوا پُرانا قلعہ مع ایک حمام کے وسط شہر میں ہے پیر شاہ دولہ کی درگاہ قصبہ کے شمال میں ہے اور شہر کا دو حصہ اور دروازہ آپ ہی کے نام نامی سے موسوم اور مشہور ہے۔

جہانگیر و شاہجہان اور اورنگ زیب کے زمانہ میں گجرات (یا چھوٹی گجرات) ایک مشہور ولی اللہ پیر شاہ دولا دریائی کا مسکن و قیام گاہ تھا۔ اسی وجہ سے اس بزرگ کے نام نامی کے ساتھ شہرت و نسبت پا گیا۔ میر غلام علی آزاد میں شاہ دولا لکھا ہے مگر تحقیق اور صحیح یہی ہے کہ آپ شاہ دولہ یا دولت تھے، شاہان لودی کے پوتے۔ آپ کی فتوحات غیبی اور بے اندازہ مصارف کی نسبت عجیب و غریب

بعد حصول خدمت ذیحجہ سال مذکور مین دکن سے سیدھے بلگرام تشریف لائے اور وہان سے محرم ۱۱۱۳ھ (جون ۱۷۰۱ء) مین گجرات کی طرف روانہ ہوے۔ میر طفیل محمد کو اپنے ہمراہ چلنے کی تکلیف دی۔ اُنھون نے میر سید مبارک محدث سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ آپنے پہلے تامل کیا پھر اجازت دیدی اُن کی معیت مین میر عبد الجلیل غرہ ربیع الاول ۱۱۱۳ھ (۲۷ جولائی ۱۷۰۱ء) کو وارد گجرات ہوئے اور اپنی خدمات کا جائزہ لیا۔ چار برس کے قریب اُن دونون خدمتون کو نہایت دیانت و استقلال کے ساتھ انجام دیا۔

اقوال منقول ہین۔ مگر اس قدر اہل تاریخ کو بھی تسلیم ہے کہ آپ کے مریدین اور معتقدین سے نذر و نیاز مین زر و مال کثیر آتا تھا اور وہ سب شہر اور اطراف شہر کی زیب و تزئین مین صرف ہوتا تھا۔ مزید برآن پرانے کھنڈرون کے متعلق بھی آپ کو علم و وقوف حاصل تھا۔ جہان سے آپ مصالح (مسالہ) اور سنگ و خشت نکلوا لیتے اور اس سے نہایت مضبوط اور کارآمد رفاہ عام کے کام تیار کراتے تھے۔ گجرات کے متصل ایک تیز رو نالہ پر آپنے ایک شاندار محرابی رہگذر (معبر) بنوایا تھا جو اب تک محفوظ اور اچھی حالت مین ہے۔ آپ نے بہت سے پل ندی نالون پر گجرات و سیالکوٹ و گوجرانوالہ کے علاقون مین بنوائے تھے۔ تالاب کھدوائے۔ مساجد تعمیر کرائی تھین ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۷ء) مین رحلت فرمائی۔ آپکے سجادہ نشین اور خلیفہ بھون شاہ نے آپکا مزار ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ء) مین تعمیر کرایا۔ ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) مین فرش کو بلند کرکے از سر نو بنوایا گیا۔ پھر ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ء) مین اُس کی مکمل اور بخوبی مرمت ہوگئی۔

"شاہ دولہ کے چوہے" آپ کی کرامات جاریہ مین شمار ہوتے ہین۔ پنجاب مین ان کا دخل اور وجود ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ یہ گاڑیون کے ساتھ ساتھ بازارون مین گھومتے پھرتے دیکھے جاتے ہین۔ اگر بچہ ہے تو کسی آدمی کی گود مین نظر آئے گا۔ ان کا سر چھوٹا اور گول، کان لمبے لمبے شکل و صورت چوہے کی سی ہوتی ہے۔ فریب آکر تھپکیان دیتے اور ایک انداز سے مسکرا کر مسکوک ابیض کے لئے ہاتھ بڑھا دیتے ہین۔ مانگنے کھانے کی یہ روش و طریقے ان کو ان کے مالک سکھاتے ہین جو ان بے شعور و بے زبان، انسان نما جانورون کو اپنا ذریعہ معاش بناتے ہین۔ اسپرٹیل گزٹیر لکھتا ہے کہ اس درگاہ کی شہرت سارے صوبہ مین بلکہ باہر بھی بہت دور دور تک ہے۔ یہ مقام خلاف سرشت انسانی یا مسخ شدہ آدمیون کی ایک تعداد کثیر کا مسکن و مرجع ہے جنکے سر چپٹے اور عقل ضعیف ہوتی ہے۔ "یہ شاہ دولا کے چوہے" کو دور دراز مقامات اور مسافت بعیدہ سے لائے جاتے ہین۔ خود والدین اپنی اولاد کو اس مامن عالی اور اسکے ماحول کہنا سب حال بنانے کیلئے اپنے بچونکے سر دیدیتے ہین

عزل خدمت و باز تقرر

واقعۂ معزولی ۱۱۱۶ھ مین پیش آیا اور اسی سال ماہ جمادی الاول (ستمبر ۱۷۰۴ء) مین میر صاحب بلگرام واپس آگئے۔ کسی سانحہ نگار نے وجہ عزل نہین لکھی کہ آیا معزولی کسی الزام پر مبنی تھی یا اُن اسباب پر جن کو موجودہ ملکی و سیاسی مصطلحات مین "بغرض نفع سرکار" یا "انتظاماً" کہا جاتا ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ کسی جرم یا خطا کا تعلق اس حکم سے نہ تھا۔ کیونکہ مرزا بار علی بیگ نے اس مرتبہ بھی غائبانہ قدردانی کی اور اُسی سال ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ء) پھر متعدد خدمات یعنی بخشی گری و وقائع نگاری و سوانح نویسی سرکار بھکر (۵۲۰۵) و سرکار سیوستان (۵۲۰۶) (ملک سندھ) کی بارگاہ خلد مکان سے ان کے متعلق کر آئے

۵۲۰۵ بکر یا بھکر دریائے انڈس (سندھ) مین ایک قلعہ بند جزیرہ، ضلع سکھر، ملک سندھ، صوبہ بمبئی مین مابین شہر سکھر و روہری کے واقع ہے ۱۹۰۱ء مین مردم شماری ۸۰۶۲ تھی مگر روز بروز کم ہوتی جاتی اور ویرانی بڑھتی جاتی ہے۔

بھکر ایک سفید پتھر کی پہاڑی پر آباد ہے جو شکل مین بیضاوی، آٹھ سو گز لمبی اور تین سو گز چوڑی اور تقریباً پچیس فٹ بلند ہوگی۔ دریائے چنبل جو بھکر کو سکھر کے ساحل سے جدا کرتا ہے سو گز سے زیادہ چوڑا نہ ہوگا بلکہ جب طغیانی پر نہین ہوتا تو وسط مین صرف پندرہ فیٹ عمیق رہجاتا ہے۔ لیکن شرقی چنبل جو اسکو روہری سے علیحدہ کرتا ہے بہت زیادہ چوڑا ہے یعنی جب دریا اپنے سب سے کم وسعت و عرض مین آجاتا ہے تو قریب چار سو گز کے چوڑا اور وسط مین ساٹھ گز گہرا رہجاتا ہے۔ سرکاری تار برقی کی لائن جو روہری سے سکھر کو جاتی ہے جزیرۂ بھکر مین ہوکر دریا کو عبور کرتی ہے۔ ریلوے اُس پُل پر ہوکر جو زیادہ چوڑی شاخ پر بنایا گیا ہے گزرتی ہے یہ لانسڈون برج Lansdowne Bridge جو بھکر ہوکر انڈس کو عبور کرتا ہے ۱۸۸۹ء مین اڑتیس لاکھ سے زائد صرف سے تعمیر ہوا تھا۔ اس کا سب سے بڑا چشمہ یا محراب جو مابین بھکر اور روہری کے ہے آٹھ سو تینتیس فیٹ کا ہوگا۔ بھکر سے کسی قدر شمال کو ایک چھوٹا سا جزیرہ "خواجہ خضر" یا "جند (زندہ) پیر" کے نام کا ہے۔ درمیان مین ایک تنگ آبنائے ہے جس پر بہ آسانی گزار ہوسکتا ہے۔ اس جزیرہ مین ایک نہایت متبرک مزار ہے بھکر کے جنوب مین ایک جزیرہ ہے جو "سادہ بیلا" کہلاتا ہے اور برگ و بار و سبزہ و گل سے ڈھکا ہوا ہے اس مین بہت سے متبرک مقامات اور مقابر ہین۔ تقریباً پورے جزیرہ بھکر پر یہ قلعہ محیط ہے۔ دیوارین

اور سندِ سلطانی حاصل کرکے ایک قاصد اجیر کے ہاتھ روانہ بگرام کی اور کہلا بھیجا کہ "ہم نے دو خدمتوں کے عوض چند خدمات آپکے لئے حاصل کی ہین بہتر ہے کہ سفر دکن کی زحمت نہ اٹھائیے بلکہ وہین سے براہ راست مستقر خدمت کو تشریف لے جائیے" اُسی سند کی ایک نقل

دوسری ہین بمنیس سے لیکر پینتیس ۳۵ فٹ تک بلند ہون گی۔ بہت سے بُرج ہین۔ یہ جزوی پختہ اور جزوی خام اینٹ سے بنائے گئے ہین اور سُوا خدار یا تیر کش ہین (جنہین راہ گریز رکھی جاتی ہے) اسمین دو پھاٹک ہین ایک مشرق مین دوسری کی جانب، دوسرا غرب مین سکھر کے رُخ۔ دریا سے قلعہ کا نظارہ نہایت دلکش اور اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اب اسکی دیوارین مرمت طلب ہوگئی ہین۔ آئین اکبری مین لکھا ہے "سرکار بھکر پرگنہ بھکر قلعہ مستحکم دارد" دوسرے موقع پر یہ تحریر ہے کہ "بھکر گزین و زیست و آن را در کہن نامہا منصورہ نوسند ہر شش دریا یکتائی گزیدہ از تہ او گذرد۔ دو حصہ از جانب جنوب قلعہ دیک بخش از شمال"

اگلے زمانہ مین اپنے موقع اور جگہ کی تنہائی کی وجہ سے بھکر ایک زبردست حصن اور اہم مقام سمجھا جاتا تھا۔ اسکی تاریخ بہت سے مسلسل نزاعات اور پیہم مجادلات کا نشان دیتی ہے۔ ۷۲۷ھ (۱۳۲۶ء) مین جب سندھ سلطنت دہلی کا ایک جزو تھا تو بھکر ایک مشہور، اہم اور قابل بحاظ توجہ مقام شمار ہوتا تھا۔ حتے کہ سلطان محمد بن تغلق کو نہایت معتمد اور معتبر سردار اسکی حکمرانی کے لئے بھیجنا پڑے تھے۔ شاہان سما کے عہد مین اس قلعہ پر چند بار نقل دخل ہوا، کبھی اُن کا قبضہ ہوجاتا اور کبھی سلاطین دہلی کا رہتا۔ شاہ بیگ ارغون کے زمانہ مین بھکر کی قلعہ بندی تحصین از سر نو یا تقریباً کل کی گئی۔ قلعہ اُنور کو توڑ کر اس کا تمام سامان قلعہ بھکر کی تعمیر و درستی کے کام مین لایا گیا۔ ۹۶۱ھ (۱۵۵۳ء) مین جلال الدین اکبر نے اس قلعہ کو فتح کیا اور ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) مین یہ مقام کیشو خان کے حوالہ کردیا گیا تھا جو شاہنشاہ اکبر کا ملازم تھا۔ ۱۱۴۹ھ (۱۷۳۶ء) مین یہ قلعہ کلھورا سلاطین کے قبضہ مین آیا اور کچھ دن بعد افاغنہ کے ہاتھ مین۔ افاغنہ کے قبضہ سے خیرپور کے میر صاحب نے چھینا تھا۔ میر صاحبان سے لڑکر انگریزون نے ۱۸۴۳ء مین فتح کیا۔

بھکر صوبہ ملتان مین ایک سرکار تھی۔ یہان اکبر بادشاہ نے سکہ سی کی ٹکسال قائم کی تھی۔ یہان کے دام اب نہایت نایاب ہین۔ صرف عجائب خانہ کلکتہ مین ایک موجود ہے۔ معمولاً دام اکبری کا نقشہ یہ ہوتا تھا، وزن مین تولہ بھر۔ مرصع جیسے دلی کا پیسا۔ ایک طرف معمولی نشان سے بادشاہ کا نام۔ دوسری طرف نہایت خوش قلم خط ثلث مین "دام" روپیہ کے چالیس دام تانبے کے قرار دیے گئے تھے۔ مقامی حالات کی نسبت ابو الفضل لکھتا ہے کہ "باران کم شود و میوہ گزین"۔

بھکر مین سرکار برطانیہ کا سلح خانہ بھی مہم افغانستان و جنگ سندھ کے زمانہ مین رہا ہے

۲۰۶ سیوستان اب سہوان یا ایک ولی اللہ کا آرامگاہ اور مرجع خلائق ہونے کے سبب سے

دوسرے قاصد کی معرفت بھکّر و سیوستان بھی بھیج دی ۔ وہان کی رعایا اور اہل علاقہ کو میر عبدالجلیل کے تقرر اور خدمات پر سرفراز ہونے کا اعلام و اعلان کرا دیا۔ اتفاقاً میرزا صاحب کا قاصد جو میر کے پاس بلگرام سند لئے جاتا تھا اثنائے راہ مین مارا گیا جب میعاد کو بہت زمانہ گزر گیا اور اُن کو اسکی اطلاع پہونچی تو مثنے سند مرتب کرا کے پھر بلگرام بھیج دی۔

"سہوان شریف" کہلاتا ہے ۔ صاحب جامع التواریخ نے سہوان کو سیوہان لکھا ہے سہوان صوبہ بمبئی ملک سندھ مین ایک جدید قائم شدہ ضلع لارکانہ مین ایک حصّہ ضلع کا صدر مقام ہے جسمین تعلقہ جات دادو و جھٹی و سہوان شامل ہین قصبہ سہوان شمالی و مغربی ریلوے کا اسٹیشن اور اُس شاہراہ پر واقع ہے جو کوٹری سے شکارپور کو لارکانہ ہو کر جاتی ہے ۔ کوٹری سے شمال و مغرب مین ۸۴ میل پر اور لارکانہ کے جنوبی و مغربی گوشہ مین ۹۵ میل پر ہوگا ۔ اُس کی بلندی سطح بحر سے ایکسو سترہ فیٹ ہے ۔ ۱۹۰۱ء کے شمار کے مطابق یہان سوا پانچ ہزار نفوس کی آبادی تھی لیکن جیسا کہ تمام پُرانے مسلمان قصبات کی حالت ہے ۱۹۲۱ء مین صرف چار ہزار چار سو تیئیس (۴۴۲۳) رہ گئی۔

دریائے سندھ کسی وقت اس قصبہ کے قریب بہتا تھا اب بالکل علیحدہ اور دُور ہو گیا ہے سہوان سے چند میل دکن کی جانب لکّی (لکھی) پہاڑیان بجبار گی ختم ہو جاتی ہین جس سے اس تعلقہ اور قصبہ کی ایک خاص ہیئت بنگئی ہے مسلمان باشندے زیادہ تر مچھلی کے شکار مین مصروف رہتے ہین اور ہند تجارت مین ۔ یہان کے باشندگان کی ایک بڑی جماعت پیشہ ور گداگرون کی ہے جنکی بسر اوقات محض اُن زائرین و معتقدین کی نذر و نیاز سے ہوتی ہے جو مخدوم پیر لعل شاہ باز کی درگاہ پر گذرتی ہین ۔

ان بزرگ کا مقبرہ مربع ہے جو اور عمارات سے گھرا ہوا ہے ۔ اسکے اوپر گنبد اور قندیل ہے ۷۵۷ھ (۱۳۵۶ء) مین تعمیر ہوا تھا ۔ اس مین خوشنما مینا کار کھپرے اور نہایت نفیس عربی کتبے لگے ہین مرزا جانی بیگ حکمران ٹھٹھہ نے جو ترخان خاندان کا مایۂ افتخار تھا حضرت مخدوم کی یادگار مین ایک رفیع الشان گنبد تعمیر کرایا ۔ تیاری و تکمیل کی نوبت ۱۰۴۹ھ (۱۶۳۹ء) مین پہونچی ۔ تالپور کے میر صاحب کرم علی خان نے پھاٹک اور کٹھہرہ پر چاندی کے پتر چڑھوا دیے اور گنبد پر چاندی کے کنگرے لگوائے ۔

مولانا غیاث الدین محمد اپنی مشہور کتاب اللغات مین لکھتے ہین کہ "لال شہباز" صاحب کمال درویش تھے ۔ اکثر قلندران کے ساتھ اعتقاد تمام رکھتے اور بھنگ پیتے وقت ان کو یاد کر لیتے ہین"۔

مخدوم کی نسبت میر غلام علی آزاد مآثر الکرام مین خود اپنا تجربہ اور عالم رویا کا مشاہدہ نقل کرتے ہین نیز یہ کہ نام نامی عثمان تھا ۔ مرتد (تبریز کے ایک قریہ) کے رہنے والے تھے ۔ اپنے ملک مین بابا ابراہیم

اس مژدہ تقرر کے پہونچنے پر میر صاحب جمادی الاول ۱۱۷۱ھ (اگست ۱۷۵۸ء) مین راہگرائے ملک سندھ ہوئے ۲۴ رجب ۱۱۷۱ھ (۳۱ اکتوبر ۱۷۵۸ء) کو سواد بھکر مین ان کے قدم پہونچے اور اپنی مسند خدمت پر متمکن ہوئے۔ میر عبد الجلیل سالہا سال تک دیانت و امانت کے ساتھ ان عہدون کا کام انجام دیتے رہے۔ خود بھکر مین نشست اختیار کی۔ اپنے داماد سید محمد اشرف کو

مرید شیخ جمال مجرد کے مرید ہوئے تھے۔ ہندوستان آئے تو شیخ فرید گنج شکر، شیخ الاسلام ناصر الدین زکریا اور شیخ صدر الدین عارف کی خدمت مین رہکر فیض اتم پایا۔ قطب دین اور بازسپید بھی کہلاتے تھے نسب شریف تیرہ واسطہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ شاہجہان نامہ و تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی) مین آپکے حالات تفصیلاً مرقوم ہین۔ مولانا محب علی تنوی اور صاحب تذکرہ مشائخ ہند نے بھی نقل کئے ہین۔ ۱۲ شعبان المعظم ۶۷۳ھ (۲۰ فروری ۱۲۷۵ء) کو وفات پائی۔

یہان کی ایک درگاہ اور قابل ذکر ہے۔ یہ شیخ جمعہ علیہ الرحمہ کا روضہ ہے جو بر لب دریائے سندھ واقع ہے۔

صنادید سلف مین سہوان کا مشہور قلعہ ہے جس کی تاسیس و تعمیر اسکندر مقدونی سے منسوب ہے یہ ایک اسی یا نوے فیٹ بلند مصنوعی ٹیلہ ہے جسکے اوپر پہونچکر طول ڈیڑھ ہزار اور عرض آٹھ سو قدم پایا جاتا ہے۔ اب تک شکستہ و منہدم دیوارون سے گھرا ہوا ہے۔ اسکے اندر ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن اور کھپرے منتشر و متفرق پڑے ہین۔ ٹیلہ بظاہر دست صنعت کی کاریگری نظر آتا ہے بہت سے برجون اور مینارون کے نشانات نمایان ہین۔ حصار و قلعہ نہایت بے مرمت ہو رہا ہے۔ قلعہ کے نیچے عیسائیون کا پرانا گورستان ہے جس مین چند قبرین اور تاریخین انیسوین صدی مسیحی کے آغاز کی پائی جاتی ہین۔ درحقیقت سہوان ایک نہایت قدیم جگہ ہے۔ روایات سے پایا جاتا ہے کہ قصبہ کا وجود اس وقت بھی تھا جبکہ ۹۳ھ (۷۱۱ء) مین سندھ پر مسلمانون کا پہلا حملہ محمد بن قاسم ثقفی کے زیر قیادت ہوا۔ یہ وہی مقام خیال کیا جاتا ہے جو برہمن کوٹ کی فتح کے بعد اُن کے قبضہ مین آیا تھا۔ برہمن کوٹ اب حیدر آباد کہلاتا ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ مغربی کا بھی ۷۳۴ھ (۱۳۳۴ء) مین ان اطراف سے گذر ہوا تھا۔

باہر جانے والی اشیائے تجارت مین گیہون اور چاول ہے۔ مقامی تجارت خاص کر کپڑے اور غلہ کی ہے۔ دستکاری مین دریان، موٹے کپڑے اور ظروف سفالین داخل ہین۔ مہر کندہ کرنے کا ہنر جس کا رواج پہلے بہت زیادہ تھا، اب قریبًا نابود ہو گیا ہے۔ سندھ کے اور مقامات کی طرح سہوان مین بھی موسم گرما بہت سخت گزرتا ہے۔ سالانہ بارش کا اوسط چھ و نو انچ کے مابین ہے۔ ان اطراف مین مسلمانون کی آبادی پچاسی فیصد ہے اور چورانوے ۹۴ فیصد اشخاص سندھی زبان بولتے ہین

سیوستان مین نائب مقرر کرکے بھیج دیا جب محمد اشرف کو وطن آنے کی رخصت دی تو سید کرم اللہ[۲۰۸] اپنے برادر عم زاد کو نیابت سیوستان کے لئے روانہ کیا۔ سید کرم اللہ بڑے ذی علم اور ذی ہوش بزرگ تھے۔ ایک زمانہ تک بڑی نیکنامی و خوش انتظامی کے ساتھ بخشی گری و سوانح نگاری سرکار سیوستان کا کام ان کی نیابت مین کرتے رہے۔ انھون نے اپنے اعمال کے بہت سے نشانات اور اچھے اچھے کام یادگار چھوڑے تھے۔ درگاہ شیخ جمعہ کے متصل، برلب دریاے سندہ حویلی سوانح نگاری کے پہلو مین، ایک رفیع الشان مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔

عہد اورنگ زیب عالمگیر مین سیوستان کی سرکار صوبہ ٹھٹھہ (برہمن آباد) مین داخل تھی آئین اکبری مین تحریر ہے کہ "حویلی سیوستان قلعہ مستحکم دارد"..... "نزدیک سیوان بزرگ کولامبیت دراز از دو روزہ راہ آن را میخور گویند بر فراز آب زمینہا ساختہ برخے ماہی گیران زندگی بسر برند" اُس وقت سیوی یا سیوان (سرکار) صوبہ ملتان کے متعلق تھا۔

۲۰۷ سنہ ۱۸۳۰ء مین جو گزیٹیر بحکم سرکار انگریزی مرتب و طبع کیا گیا تھا اور جس کو ماضی بعید کے قریب کی تاریخ کہنا چاہیے اس مقام کی نسبت لکھتا ہے۔

"قصبہ بھکر دریاے سندہ کے داہنے ساحل پر ایک شور زار میدان مین دریا سے نصف میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔ پہاڑیون کا ایک سلسلہ حائل ہے جو شرق سے چلا آتا ہے۔ اسوقت یہ مقام نہایت خستہ و تباہ حال ہو رہا ہے ہر جگہ ویرانے اور ہر طرف کھنڈر نظر آتے ہین۔ البتہ کسی زمانہ مین بہت آباد اور بڑی جگہ رہی ہوگی۔ بہت سے مقابر، مساجد، برج اور منارے مع اپنی چینی کے تکلفات اور گلکاریون کے دکھائی پڑتے ہین اور میدان بھر مین پھیلے ہوئے ہین اور اسکی سابقہ عظمت و شان کا اظہار کرتے ہین۔ دریا کے کنارے کچھ زراعت بھی ہوتی ہے جسکے ساحل پر کھجور و خرما کے درخت برابر چلے گئے ہین اور نہایت خوشنما اور نظر فریب معلوم ہوتے ہین۔ آگے چل کر یعنی خشکی کے اندر بڑھ کر سارا ملک نہایت ویران اور شور زار بیابان ہے کہین کہین خاردار جنگل وغیرہ سے گھرا ہوا ہے۔

دریاے سندھ کی رفتار بھکر کے پاس فی گھنٹہ تین میل اور بہتر گز کی ہوگی۔

سردی مین انتہا کی سردی ہوتی ہے یعنی جنوری مین پینتالیس[۴۵] درجہ پر پارہ پہونچ جاتا ہے گرمی مین گرمی بھی شدت کی پڑتی ہے۔"

خلد مکان کی رحلت کے بعد اُن کو کوئی دشواری پیش نہین آئی۔ اُن کی قدر و منزلت تمام شاہزادگان اور ارکان سلطنت کے نقش خاطر ہو رہی تھی اپنے طبقات اور علاقہ ہاے خدمت مین وہ نہایت عزیز و مقبول ہو رہے تھے۔ بھکّر سے نقل و حرکت کرنے کے بغیر زمانہ محمد شاہ بادشاہ تک، ہر عہد مین ارکان سریر خلافت استقلال خدمت کی سند ان کو روانہ کر دیتے تھے لیکن میر صاحب کی رنج کی تحریرات سے پایا جاتا ہے کہ انقلابات پیہم اور اہل دربار کی سازشون اور خفیہ و علانیہ رشیہ دوانیون سے اُن کو کسی وقت اطمینان و دلجمعی نصیب نہین ہوئی۔ اُن کے کان ہر وقت آستان خلافت کے اخبار پر لگے رہتے تھے۔ انکی بے اطمینانی و انتشار کا عکس اُن کے متوسلین اور اہل وطن پر بھی پڑتا تھا اور اُن کو بھی ہر وقت ان کے تعلقات و ملازمت کی جانب سے تشویش رہتی تھی۔ میر سید محمد کو ایک خط مین لکھتے ہین کہ برخوردار۔! بعد بند کر دینے تمام خطوط اور ختم کر دینے اس خط کے بائیس روز مین حضور پُر نور سے یہ خبر بھکّر پہونچی ہے کہ جو صاحب "اشفاق الرسول" نامی پیشتر سوانح نگار بھکّر کے تھے اور اس زمانہ مین پھر اسی خدمت کے متلاشی اور خواہان تھے بفضل الٰہی اس خدمت سے موقوف رہے۔ سوانح نگاری سہرند[۲۰۹] پر مقرر ہو گئے ہین۔ بارے اس خبر سے فی الجملہ

حضرت خواجہ سید عبداللہ چشتی بھکری اور اُن کے والد خواجہ سید اسد اللہ المعروف بہ سلطان گنج نشین بھکری کے انتساب و توطن سے اس خطہ کو شرف و برکت حاصل ہے۔ ہندو بھی بھکر کو معظم و قابل احترام مانتے ہین۔ مولانا ظہیر الدین بکری بہان کے مشاہیر علما سے تھے۔

شیخ ابو الفضل لکھتا ہے "میان سیوی و بھکر بزرگ دشتے است، بہنگام تابستان سہ ماہ سوم وزد"۔ "خربزہ در بھکر و آن نواحی غیر از جلہ زمستان فراوان باشد"۔

مشہور افریقی سیاح ابن بطوطہ بہان ۷۳۴ھ (۱۳۳۴ء) مین وارد ہوا تھا۔

۵۲۰۸ سید کرم اللہ، سوادسیال کوٹ مین ۲ محرم الحرام ۱۱۳۴ھ (۱۲ اکتوبر ۱۷۲۱ء) کو شہید ہوئے اور حضرت امام الحق کی درگاہ مین فرش دروازہ کے متصل مدفون ہین۔ میر عبد الجلیل کے بڑے سدھی یعنی سید عنایت اللہ کے باپ تھے۔ سندھ مین بہت سی نیک یادگارین چھوڑی تھین۔

اطمینان خاطر ہوگیا ہے لیکن اس دور کی خدمات پر مطلقاً اعتماد نہیں ہے"۔

عارف لبیدؓ نے اسی حقیقت یعنی دنیا کی ناپائداری کے راز کو اپنی زبان میں آشکار کردیا ہے

الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالۃ زائل

ف ۵۲۰ قصبہ سرہند تحصیل فتح گڈھ یا سرہند، نظامت امرگڈھ، ریاست پٹیالہ ملک پنجاب میں واقع ہے۔ ریلوے اسٹیشن ہے۔ آبادی ۱۹۰۱ء میں ساڑھے پانچہزار نفوس کی تھی جو ۱۹۲۱ء میں چار ہزار چوسٹھ رہ گئی۔ سرہند کا اصلی حال کی ایجاد ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ سر اور ہند (سرہند دستان) سے مرکب ہے۔ یہ نام غالباً اس مقام کی خوبی اور موقع کی مناسبت کے لحاظ سے قرار دیا گیا ہوگا۔ عہد اسلام کے مورخین اسکو سِہرِنْد (بکسر سین مہملہ وسکون ہا و کسرہ را و سکون نون و دال مہملہ) لکھتے اور پرانے جغرافیائی طریق اظہار پر اس شہر کا موقع مابین دہلی و لاہور شارع اعظم پر تحریر کرتے ہیں۔ اہل ہند اس کا تلفظ سَرْہِنْد کرتے اور سَرْہند کے معنی "شیر کے جنگل" کے بتاتے ہیں۔ ایک روایت سے پایا جاتا ہے کہ اس کا بانی ساہر راؤ فرمانروائے لاہور تھا جو کرشن جی سے ایک سو چھیاسٹھ ۱۶۶ پشت میں تھا۔ ابوالقاسم فرشتہ کا خیال ہے کہ یہی جگہ قلعہ دیوپال کی شرقی حد تھی جو اُو ہند کا برہمن بادشاہ تھا۔ مگر بعض مورخین نے اسی کو بھٹنڈا یا سُرہند سمجھا ہے۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد یہ دہلی کا ایک جزو ہوگیا تھا۔ سلطان رضیہ بنت شمس الدین التمش کے عہد میں ملک النوبہ والی سرہند نے بغاوت کی۔ ملکہ اسکے مقابلہ کیلئے خود گئی۔ امرا نے غداری اور کافر نعمتی کی۔ ملک النوبہ سے مل گئے۔ امیر جمال الدین یاقوت حبشی (سالار لشکر رضیہ) کو مار ڈالا اور ملکہ کو گرفتار کرکے قلعہ سرہند میں قید کردیا۔ اسنے مجبورانہ ملک النوبہ سے نکاح کرلیا۔ کچھ زمانہ بعد فیروز شاہ ثالث نے اپنے مرشد جلال الدین بخاری کے ارشاد سے اسکی بنیاد از سر نو ڈالی۔ قلعہ تعمیر کرایا جس کا نام فیروز آباد رکھا ۷۶۲ھ (۱۳۶۱ء) میں وہ ایک جدید سرکار (ضلع) کا صدر مقام ہوگیا جو پرانے دشق، ڈکڑے، سمانہ کو تقسیم کرکے بنائی گئی تھی۔ فیروز شاہ نے ایک نہر بھی کھودوائی تھی۔ یہ نہر اب بھی ہے جو قصبہ کے قریب سے گذرتی ہے۔ سرہند ہمیشہ ایک مضبوط اور اہم مقام سلطنت دہلی میں رہا ہے۔ ۸۱۸ھ (۱۴۱۵ء) میں خضر خان نے جو خلجی کا سب سے پہلا فرمانروا خاندان سادات سے تھا اپنے بیٹے "ملک الشرق" ملک مبارک کو فیروز پور سرہند کا گورنر اور ملک سدھو نادرہ کو اسکا نائب مقرر کیا۔ ۸۱۹ھ (۱۴۱۶ء) میں ملک سدھو کو طغان رئیس اور اور ترکوں نے قتل کرڈالا لیکن زیرک خان گورنر سمانہ نے

عزل مکرر و بحالی خدمات

عہد فرخ سیر بادشاہ مین نیرنگی قدرت الٰہی سے ایک عجیب واقعہ پیش آیا پرگنہ جبوئی[۵۲۱] اعمال (ضلع) بھگر مین مصری کے ریزے جو چھوٹے چھوٹے اولون (ذرالۂ خرد) کے برابر تھے ابر سے برسے۔ اس حسلاوۂ غیبی کے نزول سے ایک عالم کے کام و زبان شیرین ہو گئے سانحہ نادر و غریب تھا میر صاحب نے یہ رُباعی لکھ کر فرد وقائع مین مندرج و معروض کر کے بارگاہ شہنشاہی کو روانہ کر دی ؎

دوسرے سال اس بغاوت کا استیصال کر دیا۔ ۸۲۸ھ (۱۴۲۰ء) مین خضر خان نے سرہند مین سیاہ رنگ خان باغی کو شکست دی۔ سرہند اُس وقت ملک سلطان شاہ لودی کی گورنری کے تحت تھا۔ یہی مقام ہے جہان ملک بہلول لودی نے ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) مین سلطان کا خطاب اختیار کیا تھا۔ سلاطین مغلیہ کی دولت مین سرہند نہایت سرسبز اور بارونق شہرون مین شمار ہوتا تھا اور "بلدۂ عظیمہ" بارھوین صدی ہجری کے وسط تک لکھا جاتا تھا۔ اسمین تین سو ساٹھ مساجد، مقابر اور سرائین تھین۔ چاہات تھے۔ ریلوے اسٹیشن سے ایک میل چل کر اس کے کھنڈر شروع ہو جاتے اور کئی میل تک چلے جاتے ہین عہد اورنگ زیب عالمگیر مین صوبہ دہلی کے متعلق ایک سرکار تھا۔ صاحب آئین اکبری لکھتا ہے "سہرند از نامور شہرہا۔ دباغ حافظ رخنہ نشاط افزائے نظارگیان۔ سرکار۔ قلعہ دار و از خشت پختہ"

اسی قصبہ مین ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ء) مین بازید خان گورنر سرہند نے بابا فتح سنگھ اور زورآور سنگھ پسران گورو گوبند سنگھ کو دیوار مین اینٹون سے زندہ چنوا دیا تھا۔ اسی زمانہ سے یہ جگہ آج تک سکھون کی نظر مین مقہور و ملعون ہے اور سرہند سے موسوم۔ ۱۱۲۰ھ (۱۷۰۸ء) مین بندا بیراگی نے سرہند پر تاخت کی اور بازید خان کو قتل کر ڈالا۔ احمد شاہ دُرّانی نے ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۱ء) مین زین خان کو صوبہ دار سرہند مقرر کیا مگر جمادی الاول ۱۱۷۷ھ (دسمبر ۱۷۶۳ء) مین سکھون نے اس شہر پر قبضہ کر لیا اور زین خان کو ایک موضع متصلہ سنہیرہ مین قتل کر ڈالا۔ پھر یہ شہر اور ملحقہ علاقہ راجہ الا سنگھ کے قبضہ مین آگیا۔ قدیم ترین عمارات مین دو نفیس دو برجے مقبرے ہین جو مرشد اور مرید کے کہے جاتے ہین اور وضع و قطع سے چودھوین صدی عیسوی کی تعمیر معلوم ہوتے ہین۔ بہلول لودی کی لڑکی کا مقبرہ (جو ۹۰۳ھ مطابق ۱۴۹۷ء مین فوت ہوئی تھی) اب بھی موجود ہے۔ شہر کے قریب ایک نہایت محترم و مقدس

فرخ سیر آن شہنشہ بابرکات — چرخ از ادب او شدہ شیرین حرکات
در سند زمین عہد عشرت عہدش — بارید سحاب، ریزۂ قند و نبات

میر جملہ سمرقندی اُس زمانہ مین تمام مہمات سلطنت کے رائق و فائق تھے حضور معلّٰے کے سوانح بھی انھین کے متعلق تھے (بالآخر جمیع ممالک ہندوستان کے صدر الصدور ہوگئے تھے) بمجرد ملاحظہ فرد وقائع بغیر اسکے کہ تحقیق و تفتیش کا حکم دیتے، خلاف واقع پر محمول کرکے میر جملہ نے اوائل ۱۱۲۶ھ (۱۷۱۴ء) مین میر عبد الجلیل کو معزول کر دیا۔ میر صاحب نے

گورستان مین شاہ زمان، فرمانروائے کابل بھی دفن ہے

مسلمان عالم کی نگاہ مین سہرند کی عظمت و حرمت اُس فرد فرید کی جائے ولادت اور اُس کا آخری راحت گاہ ہونے کی وجہ سے ہے جو علوم صوری و معنوی کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا تھا اور جس نے حقائق و معارف الٰہیہ کے راز یگانہ و بیگانہ کے لئے آفتاب سے زیادہ روشن کر دیئے تھے۔ میری مُراد مولانا شیخ احمد بن شیخ عبد الاحد فاروقی رحمہما اللہ مجدد الف ثانی کی ذات اقدس سے ہے۔ اولیا واللہ مین حضرت شیخ فرید ثانی اور حضرت شیخ محمد معصوم کابلی اور علماء مین مولانا عبد القادر سہرندی اور شعرا مین شیخ ناصر علی نے بھی اپنے مولد و موطن (سرہند) کا نام خوب روشن کیا۔

سرہند کے مفصل حالات خلیفہ محمد حسین کی دلچسپ تاریخ پٹیالہ (مطبوعہ ۱۸۷۷ء) اور سر ایچیسن کے رُوند کے گزٹیر ریاست ہائے پھولکیان (مطبوعہ ۱۹۰۸ء) مین مرقوم ہین

۵۲۱۰ "جتوی" کے واقعہ کی طرح آج اُس کا موقع بھی محتاج تحقیق ہوگیا ہے سرو آزاد (مطبوعہ رفاہ عام لاہور ۱۹۱۳ء) مین پرگنہ "جنوبی از اعمال بھکر" لکھا ہے۔ مآثر الکرام (مفید عام آگرہ ۱۹۱۰ء) مین پرگنہ جتوئی از توابع سرکار بھکر" اور مفتاح التواریخ (مطبوعہ نولکشور کانپور ۱۸۶۶ء) مین "پرگنہ جتوئے از اعمال بھکر"

ہندوستان کے مکمل اور ضخیم گزٹیر کے دیکھنے سے اس اقلیم مین "جنوبی" نام کا کوئی پرگنہ پایا نہین جاتا اگر کسی غیر معروف یا غیر معین قطعہ یعنی محض منسوب بہ جنوب پرگنہ سے مراد ہو تو دو ڈھائی صدیون کے عظیم انقلابات و تغیرات کے بعد وثوق کے ساتھ اب اُسکی حد بندی و تعیین دشوار ہے۔

"جتوئی" اگر صحیح مانا جائے تو اسکی دو صورتین ہوتی ہین (۱) جتوئی۔ بلوچیون کا ایک خیل (فرقہ

مستعجلانہ بھکر سے دارالخلافہ شاہجہان آباد کی جانب نقل و حرکت فرمائی۔ ۱۰ رجب سنہ ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۶ء) کو وہاں پہونچے۔ اپنے لڑکے کو لکھتے ہین کہ "شداید این راہ دور و دراز کہ در عرض چہار ماہ طے نمودہ شد تا کجا نویسد مفصل از زبانی پانڈے چنتامن واضح خواہد شد" اس زمانہ مین دہلی کا قیام روح فرسا و جان گسل تھا۔ یہان کے گران مصارف اور کثیر اخراجات سے سخت پریشانی کا سامنا رہا تاہم تسلی دیتے ہین کہ "احوال قلت و گرانی شہر دہلی یقین کہ شنیدہ باشند

حیدر آباد سندھ مین ہے جسکی بود و باش کا صدر مقام دارالپور، سنکار پور سے بیس میل پورب کو ہے۔ اس علاقہ مین اعلیٰ درجہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ ذرائع آبپاشی متعدد ہین۔ یہ لوگ ریاست خیرپور و ضلع سکھر و سرحد سندھ بالائی تک پھیلے ہوئے ہین (۲) ایک موضع جتوئی تحصیل علی پور ضلع مظفر گڈھ صوبہ پنجاب مین ہے۔ اسکی بنیاد بابر بادشاہ کے عہد مین امیر بجار خان نے ڈالی تھی۔ اصل مقام تو دریائے سندھ نے غرق و نابود کر دیا مگر اسی نام سے آبادی دوسری جگہ قایم ہے۔ یہ قصبہ کچھ روز تک ریاست بہاولپور کے متعلق رہا تھا پھر سکھون نے چھین لیا موقع پاکر جتوئی کے باشندون نے بغاوت کی اور بڑی دلیری و ہمت سے کام لیا۔ اس کو "شہر جتوئی" بھی لکھتے اور بولتے ہین۔

ایک تیسری صورت اور ہو سکتی ہے "جوہی" جو سیوان کے متصل بلکہ مضافات سکھر مین، ضلع لاڑکانہ ملک سندھ مین ایک تعلقہ ہے۔ اس مین مسلمانون کی آبادی بہت زیادہ ہے اور یہان کی اراضی مین بہت سی قسمین پائی جاتی ہین۔ بارش حسب حال ہو تو ایک ہی تخم ریزی سے جوار کی تین فصلین متواتر پیدا اور تیار ہوتی ہین۔

زیادہ صحیح اور قابل استناد جتوئی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ میر سید محمد نے اپنے پدر بزرگوار کے "عنایت نامہ سیر دہم" کے ذیل مین تحریر کیا ہے اور جسکو انگریزی مترجم نے Pergunnah of Jey-too-ee in Sircar Bukhir لکھا ہے یہی جتوئی جو بروایت آئین اکبری سرکار بھکر مین ایک بڑا پرگنہ تھا۔

(۱) قاضی عبداللہ تورانی (فرخ سیر کا استاد) پہلے جہانگیر نگر ڈھاکہ کی قضا پر مامور تھا۔ فرخ سیر نے اسکو خانخانان میر جملہ کا منصب و خطاب دے کر اپنا ہمدم و ہمراز بنا لیا تھا۔ پھر صوبہ دار بہار بنا دیا گیا۔ سادات بارہہ کی ملالت و ناخوشی کے باعث پائے تخت کو چھوڑ کر کچھ روز لاہور جا کر رہا تھا۔ محمد شاہ کے جلوس کے پہلے سال مین صدر الصدور مقرر ہوا۔ سنہ ۱۲ جلوس یعنی سنہ ۱۱۴۴ھ (سنہ ۱۷۳۱ء) مین انتقال کیا۔ صدارت کل یا صدر الصدور کا عہدہ سلاطین اسلام کے زمانہ مین نہایت معزز و با اختیار تھا۔ جملہ امور دینی و اوقاف خیر اور جاگیرات مذہبی کا انصرام و انتظام اس کی خدمات مین داخل تھا۔ وظائف خیر و اقطاعات و اراضی مدد معاش کے معاملات اور سادات و مشائخ اور فقرا و علما و فضلا کے قضایا اسی کی معرفت فیصل ہوتے تھے۔

بے جگری (بے جاگیری ؟) و بے کاری موجب تشویش خاطر گردیدہ حق سبحانہ بہ فضل خود آسان گرداند ؛

میر شیر علی افسوس اپنی کتاب آرائش محفل مین لکھتے ہین کہ "نب میر مذکور خبر مسطور کی صداقت کے لئے وہان کے قاضی مفتی بلکہ اکثر اشراف و ثقات کی مُہرون سے ایک محضر کرواکر حضور مین لے آیا اور مورد الطاف ہوکر اُسی خدمت پر پھر سرفراز ہوا" محضر کا تیار کرانا اور اُس کی ضرورت قرین قیاس ہے لیکن اس واقعہ کو نہ تو میر عبد الجلیل اپنے خطوط و حالات مین لکھتے ہین نہ آزاد اور دیگر تذکرہ نویس اس کا کچھ حوالہ دیتے ہین ان سب کی تحریرات کا ملخص تو یہی ہے کہ امیر الامرا سید حسین علی خان کی سعی و وساطت سے میر عبد الجلیل پھر اپنی خدمات پر بحال ہو گئے جسکی کسی قدر تفصیل نوّاب نامدار کے حالات و تعلقات کے ضمن مین ملے گی ۔ میر کا دعوے تو یہ ہے کہ

میر جملہ بڑا شاعر، صاحب دیوان تھا ۔

۵۲۱۲ دہلی کو بارھوین مرتبہ ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ء) مین شاہجہان نے از سر نو آباد کیا اور شاہجہان آباد نام رکھا تھا قلعہ کی بنیاد ۱۰۴۸ھ مین (۱۲ اپریل ۱۶۳۱ء کو) ڈالی گئی ساٹھ لاکھ روپیہ کے صرف سے قلعہ اور دیگر عمارات کی تعمیر ۱۰۵۸ھ (۱۶۴۸ء) مین ختم ہوئی میر یحیی شاعر نے تاریخ لکھی ع شد شاہجہان آباد از شاہ جہان آباد

۵۲۱۳ ۱۸۴۰ء کا پرانا گزیٹیر لکھتا ہے کہ بھکر کا قلعہ بند جزیرہ دریائے انڈس (سندھ) کے وسط مین واقع ہے ۔ سطح بحر (سمندر) سے اسکی بلندی تقریباً دو سو فٹ ہوگی پرانا راستہ فیروزپور ہوکر جانے کا تھا جسکی مسافت چار سو چالیس میل رہی ہوگی ۔ راستہ سکھر اور انڈس کے ساتھ ساتھ دریا کے کنارے ہوکر جاتا تھا ۔ یہ ایک پتلی سی گردن زمین کی ہے جو ان دونون دریاؤن کے بیچ مین چلی گئی ہے اور صحرائے اعظم مین داخل ہے ۔ حصہ کم سرسبز زمین کا ہے اور وہ بھی صحرا سے تین میل سے لے کر تیس میل کی چوڑائی مین ہوگا اوسط دس میل کے قریب ان لیجے لیکن بہت سے مقامات پر صحرا بالکل دریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ آجاتا ہے اور اکثر قصبات و دیہات کو تباہ کر ڈالتا ہے ۔

اس کا مقابلہ زمانہ حال کی سہولتون سے کیا ہوسکتا ہے اب ذرائع سفر متعدد اور نہایت آسان ہین

پروانگی بحالی آمد چون ایشان (امیر الامرا) وقطب الملک وبادشاہ بحال کردند دیگر جائے دم زدن نماند۔ باآن کہ بندہ ہرگز استدعائے بحالی این خدمت نہ کردہ بود وامابر قسمت خود راضی باید شد ماشاء اللہ کان۔

میر صاحب نے شیخ محمد رضا بھکری کو اپنی نیابت پر مقرر فرمایا اور سوانح نگاری کی سند اُن کے پاس بھیج دی وہ اُس وقت بخشی و وقائع نگار بھکر کے تھے۔ بعد کو دفتر سوانح حضور سے معلوم ہوا کہ ماہ جمادی الاول ۱۰۴۷ھ مین بھکر وسیوستان مین میر صاحب کا عمل ہو گیا اور وہان کے سوانح کا "نلوہ" (پیکٹ) میر صاحب کی مُہر ثبت ہو کر حضور پُر نور مین پہونچا کچھ زمانہ بعد میر نے اپنے دوسرے داماد سید محمد نوح (پدر آزاد) کو بھکر وسیوستان روانہ کیا۔ وہ وہان سات سال تک نائب رہے۔

میر عبد الجلیل سندھ کے قیام وتعلق سے ہمیشہ پریشان دل برداشتہ رہے۔ اپنے اعزہ واہل وطن سے برابر شکایت ناسازی آب وہوا کرتے اور لکھتے رہتے تھے کہ "راہ بغایت دُور ودراز از خانہ تا سواد بھکر ہمہ جا

(۱) دریائے سندھ (۲) بہت سی پختہ سڑکین (۳) نارتھ ویسٹرن ریلوے (۴) حیدر آباد جودھپور کی لائن جو سرحد کو جودھپور بیکانیر ریلوے سے ملاتی ہے اور اس طرح سندھ راجپوتانہ وشرقی ووسطی ہندوستان وگجرات سے ملجاتا ہے۔

میر عبد الجلیل کے وقت مین بھی ہرکارے اور پیادے دہلی سے بھکر بائیس روز مین پہونچ جاتے تھے

۱۰۲۴ھ دہلی کی آبادی وبربادی کی طرح دہلی کی قحطون کی تاریخ بھی بہت طویل ہے سب سے بڑا اور پہلا قحط جس کا تذکرہ حالات ماضیہ کے سلسلہ مین کیا جاتا ہے ۷۴۶ھ (۱۳۴۵ء) مین بعہد محمد تغلق پڑا تھا جب آدمی کو آدمی کھا جاتا تھا اسکے بعد ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۱ء) مین شاہجہان کے وقت مین واقع ہوا پھر ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۱ء) مین جو اورنگ زیب کا ابتدائی زمانہ تھا یہ قحط بھی سخت تھا محمد شاہ کے وقت مین ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) مین قحط پڑا۔ آفت پر آفت یہ آئی کہ اسکے بعد ہی نادر شاہ کا حملہ ہوا پھر ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) اور ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) مین قحط پڑے۔ انگریزون کی عملداری مین سب سے پہلے ۱۸۰۳ء مین قحط پڑا اسکے بعد کے قحط خشک سالیان تقریباً اکثر اہل علم وخبرت کو معلوم ہین۔

میر عبد الجلیل جس (۱۱۲۸ھ والی) مصیبت وتکلیف کا ذکر کرتے ہین ظاہر ہے کہ اس گرانی نے بھی اس زمانہ کی سیاسیات وتجارت واخلاق ملکہ باشندگان کی صحت وعافیت پر کتنا خراب اثر ڈالا ہوگا۔ یہ وہی گرانی تھی جسکے قبل وبعد کی فراوانی وفلاح کے تعداد واخبار قلم زرین سے لکھے گئے ہین۔ شہنشاہ اکبر کے عہد مین آنٹا روپیہ کا پانچ من اور گھی سوا دو روپیہ مین فروخت ہوتا تھا اور ایک شخص کے اوقات بسر کرنے کیلئے صرف پانچ آنہ ماہوار کافی تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی عہد کے کاغذات سے پایا جاتا ہے کہ گھی چھ روپیہ فی من بکتا تھا اور گندم فی روپیہ ۳۹ سیر نخود ایک من اونس سیر۔

در راہ خوف۔ و من ہم از بودن اینجا نا محظوظ و دل کندہ، شب و روز درین فکر کہ بجزیت از ینجا برآیم"
سنہ ۱۱۲۶ھ (سنہ ۱۷۱۴ء) یعنی اوائل عہد محمد فرخ سیر مین میر عبد الجلیل بھکر سے دہلی تشریف لائے اور
بادشاہ کی ملازمت حاصل کی۔

سنہ ۱۱۳۰ھ (سنہ ۱۷۱۷ء) مین اپنی خدمات سے سبکدوشی حاصل کی۔ استعفا منظور ہوا اور دربار
شہنشاہی سے اِن کے عہدے اِن کے فرزند رشید میر سید محمد کے حوالہ و تفویض کر دیے گئے۔ میر
سید محمد اپنے پدر بزرگوار کے حسب الطلب، سند تقرر پا کر وطن سے ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۳۰ھ (۱۴ مارچ سنہ ۱۷۱۸ء)
کو روانہ بھکر ہوئے ۲۶ تاریخ (یعنی ۱۶ مارچ کو) قصبہ دانسہ پہونچے اور شاہجہان آباد سے آنیوالون کی زبانی
سنا کہ نواب حسین علیخان دکن سے مراجعت کر کے سواد دہلی مین دائرہ ڈالا ہے لکھتے ہین میر سید محمد نے اُدھر کا رُخ
کیا۔ ۲۷ تاریخ کو شہر مین داخل ہوئے شیخ فرید کے کٹرے مین اُترے۔ ۲۸ کو سورج گرہن پڑا۔ ان کو خیال ہوا
کہ ایسے منحوس دن مین "میر صاحب و قبلہ حقیقی" کی ملازمت کیا حاصل کرین گل مبارکی"
کے ساتھ جا کر حاصل کرین گے۔ ۲۹ کو بوقت چاشت یہ تو تھیا سواری مین تھے کہ خود میر عبد الجلیل
کٹرہ مین سید محمد کی فرودگاہ پر تشریف لے آئے اور اُن کو اپنے قدمون پر سر رکھ دینے کا شرف
عطا فرمایا۔ دربار کے معمولی مراسم و آداب سے فارغ ہو کر میر سید محمد اپنی جائے خدمت پر

اِس سے پیشتر کے نرخ و اعداد تو آج افسانہ و داستان معلوم ہوتے ہین اور تاریخ فرشتہ، تاریخ
سالک المصباح، فتوحات فیروز شاہی، آئین اکبری اور پرانے گرنتھون کو پڑھ کر تو اُس صدی کا انسان
متحیر رہ جاتا ہے۔

فیروز شاہ کے عہد مین گیہون ۷ من، جو ۳۰ من، گھی ۳ سیر فروخت ہوتا تھا۔

محمد شاہ تغلق کے وقت مین گیہون ۱۰ من، جو دس پیسے من، گھی روپیہ کا چودہ سیر

علاء الدین خلجی کے زمانہ مین گیہون چھ آنہ من، جو ۱۰ من، شکر روپیہ کی ۲۲ سیر، گھی ایک روپیہ کا
۳۳ سیر بخیہ، دودھ ایک روپیہ کا چھ من ملتا تھا۔

پرتھوی راج کے عہد مین گھی ایک روپیہ مین پختہ بکتا تھا اور من بھی آج کل کے من سے بڑا تھا
غدر سے پہلے دہلی مین بڑے سے بڑا ہاتھی تین سو روپیہ مین ملتا تھا۔

چلے گئے۔ خود کام کرنا شروع کیا اور سید محمد نوح کو وطن واپس بھیج دیا۔ میر سید محمد اپنے
ماموں کی نیابت میں، میر غلام علی آزاد بھی ۱۱۴۳ھ (۳۱-۱۷۳۰ء) سے ۱۱۴۵ھ (۳۳-۱۷۳۲ء) تک
وہاں کام کرتے رہے۔ یہ تعلقات یا بادشاہی خدمات جن کا سنہ ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ء) میں آغاز ہوا تھا
چالیس سال قائم رہے۔ انقلاب روزگار سے نادر شاہ کے تسلط پر سنہ ۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء) میں اس
دودمان کا آب و خور ملک سندھ سے اٹھ گیا اور کلیتاً قطع تعلق ہو گیا۔

باز آمد۔ وطن اور اہل وطن سے سولہ سال دور رہنے کے بعد میر عبدالجلیل سنہ ۱۱۳۲ھ
(۲۰-۱۷۱۹ء) میں بلگرام تشریف لائے۔ ایک سال کے قریب (بلکہ صرف دس ماہ) وہاں قیام و توقف
فرمایا۔ بعض مصالح ذاتی اور اغراض سیاسی کی وجہ سے نیز احتفاظ آیندہ کے خیال سے
شاہجہان آباد کو چلے جانے اور اہالی و موالی دربار کے قریب، اہل حل و عقد کی ہمسائگی میں
دارالخلافہ میں موجود رہنے اور قیام کرنے کا عزم مصمم کر لیا ؎

بکل تدا وینا فلم نشف ما بنا ۔۔۔ علی ان قرب الدار خیر من البعد

[ہم سب کچھ کر کے دیکھ چکے کسی سے ہماری تشفی نہ ہوئی۔ تاہم دوری سے قرب مکانی بہتر ہے]

سنہ ۳ جلوس فرخ سیر سے لے کر شروع سنہ محمد شاہی تک یعنی گیارہ سال تک سفر و حضر
میں میر عبدالجلیل حاضر حضور رہے۔ صرف دس ماہ کیلئے ایکبار وطن کو تشریف لے گئے تھے
سید حسین علی خان کا قضیۂ قتل ان کے عقب میں گذرا۔

دوران قیام شاہجہان آباد میں اُن کے نواسے میر غلام علی اور میر محمد یوسف مع
ایک اور عزیز میر عظمت اللہ بے خبر کے سنہ ۱۱۳۴ھ (۲۲-۱۷۲۱ء) میں میر عبدالجلیل کے پاس آئے
نواسوں نے اُن کے سایۂ تربیت و شفقت میں دو سال بسر کئے۔ جن علوم کی تحصیل کا سلسلہ
سنہ ۱۱۳۲ھ (۲۰-۱۷۱۹ء) میں بزمانۂ قیام بلگرام چھٹ گیا تھا اُنکو دو برس یہاں رہکر انجام کو پہونچایا۔

۵۲۱۵ لشکر۔ فرودگاہ اُمرا۔ کیمپ

جاگیر اور اضافہ پنجاہی

میر عبدالجلیل کی خانگی تحریرات سے دو وسائل آمد کا اور پتہ چلتا ہے مگر وہ دونوں غیر مستقل اور غیر معین صورت میں ہی ہیں ایک جاگیر[۲۱۶] دوسرا ' اضافۂ پنجاہی

میر سید محمد کو ایک بار اُن کے والد بزرگوار نے لکھا تھا۔ کہ "بغیر جاگیر کے فقیر کا ایمان سے چلنا دشوار ہے میں چاہتا تھا کہ نواب امیر الامرا سے جاگیر کے لئے التماس کروں کہ اس اثنا میں قضاء الٰہی سے نورالدین علی کا واقعہ ہوگیا۔ نورالدین، نواب صاحب کا بیس برس کا جوان بھتیجا تھا۔ اس قضیہ کے بعد ہی امیر الامرا کے لڑکے کا حادثہ ہوا۔ اسی وجہ سے جب تک کچھ روز اور، زمانۂ ماتم کے گذر نہ جائیں التماس کا پیش کرنا موقوف ہے ... ... مجھے دو دفعہ سوار ہو کر جانا پڑتا ہے"

(۲) "اس زمانہ میں پرگنہ ملانوہ[۲۱۷] سرکار لکھنؤ سے دو لاکھ دام[۲۱۸] کا پروانہ وکالت خان کے تغیر سے فقیر کے

---

۲۱۶ جاگیر۔ جائے گیر۔ قطعۂ ملک جو تعین منصب کے وقت سرکار بادشاہی سے امرا کے لئے مخصوص و معین ہو جاتا تھا [یہ لفظ اسی معنی میں متاخرین اہل ایران کی تحریرات میں بھی پایا جاتا ہے] ۔(۲) اراضی کا کوئی قطعہ جسکو حکومت نے کسی شخص یا اہل خدمت کے لئے بطور انعام یا مجلد وی کسی کارنمایاں کے دیدیا ہو۔ اس قسم کی جاگیر اراضی یا جاگیر جمع اراضی، سرکار برطانیہ ہند میں بھی کسی قدر رائج ہے (۳)۔ جو جاگیر کسی خاص عہدہ یا مرتبہ کے متعلق ہوتی تھی "جاگیر منصب" کہلاتی تھی۔

سلاطین سلف کا دستور تھا کہ مساجد میں امام، صوفی پرہیزگار اور متقی، ذی علم اور عالی خاندان لوگوں کو مقرر کرتے اور اُن کے لئے مدد معاش اور جاگیریں معین کر دیتے تھے۔ ایسے فرامین پر صدر الصدور کی تصدیق و دستخط ہونا لازم تھا۔ اوراق تاریخ شاہد ہیں کہ جاگیر دینا اور قطعات کا دینا اگر مسلمانوں کی ایجاد نہیں تو کم سے کم یہ دستور اُن میں بہت پرانا چلا آتا ہے۔ رحمت عالم نبی اکرم روحی فداہ نے حضرت زبیر اور حضرت ابوثعلبہ الخشنی و دحیہ ناز اور خوش نظم صحابیوں کو ایک ایک قطعہ اراضی جاگیر کے طور پر عطا فرمایا تھا۔ خلفائے ثلثہ اولین رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی بعض مصالح اور ضرورتوں سے اپنے قرون ہمایوں میں عربستان اور دیگر ممالک مفتوحہ میں جاگیریں مرحمت فرمائی تھیں اس کا رواج بنی امیہ میں زیادہ اور بنی عباس میں کم کم قائم رہا۔ سلاطین سلجوقی و ایوبی وغیرہ نے اسکو خوب ترقی دی تھی

۲۱۷ ملانوہ اب عموماً ملانواں لکھا جاتا ہے۔ یہ پرگنہ اب تحصیل بلگرام ضلع ہردوئی صوبہ اودھ سے متعلق ہے

نام دفتر دیوانی[۵۲۱] سے تیار ہو کر آگیا ہے۔ اسکی نقل قاضی القضاۃ[۵۲۲] کی مہر سے بھیجدی گئی ہے اور دو روز کے

اور اُس قدیم شارع پر واقع، جو دہلی سے بنارس کو دریائے گنگ کے شمال ہوتا ہوا جاتا ہے۔

اکبر کے عہد میں اس پرگنہ میں ۸۳۰۲۲ بیگہ رقبہ زیر زراعت تھا مالگذاری ۳۵۹۸۰۱۳ دام تشخیص تھی تین سو سوار دو ہزار پیادہ فوج رہتی تھی۔ بنیں تھاکردن کا زمینداران قبضہ تھا۔ آئین اکبری میں اسکا ذکر ہے یہی انتظام کم و بیش اورنگ زیب کے زمانہ تک قائم رہا۔ موجودہ پرگنہ کا رقبہ انگریزی پیمائش سے ۹۱۶۱۲ ایکڑ یا ۱۴۳ میل مربع ہے جس میں ۱۳۲ مواضع داخل ہیں

مسلمانوں کی آبادی خاص ملانوان میں سکندر لودی کے وقت سے ہے۔ قانون گویان و چودھریان پرگنہ کا صدر مقام بھاشیر شاہ سوری، جب ۹۵۱ھ (۱۵۴۴ء) میں یہاں آیا تھا تو شیخ عبدالقدوس کو دو سو بیگھہ اراضی معافی، بود و باش اور اقامۃ صوم و صلوٰۃ کی شرط پر دی تھی

سید سالار مسعود غازی بھی ۴۲۴ھ (۱۰۳۳ء) میں تشریف لائے تھے، ان کے بعض رفقا کے مزارات موجود ہیں۔ شاید اسی مناسبت سے یہ آبادی کبھی غازی پور کے نام سے موسوم تھی

شہنشاہ عالمگیر بھی ادھر سے گذرا ہے۔ ۱۱۳۸ھ (۱۷۲۶ء) میں شتاب رائے دیوان بہادر شاہ ملانوہ کا حکیلہ دار تھا۔

خاص قصبہ میں عید گہن کی یادگار ہندوؤں کے پرانے منادر کے سوا، چند مساجد اور مزارات باقی ہیں۔ دو امام باڑے بھی ہیں۔ مخدوم شاہ کی درگاہ اور اُن کے تلمیذ رشید قاضی بھکاری کی مسجد سنگین نہایت خوشنما ہیں درگاہ کے نیچے کنکر کا چبوترہ ہے۔ اُس پر ہندوانہ ساخت کے آٹھ نازک ستون قائم ہیں جنپر نہایت عمدہ گلکاری کی گئی ہے گنبد سادہ، پھاٹک کی وضع تعمیر کا ہے۔ اسی کے قریب ایک نہایت پرانا اور عمدہ کنواں کنکر کا بنا ہوا ہے۔ درگاہ کی نگہداشت و مرمت کیلئے معافی باقی ہے۔ حضرت مخدوم ایک جہانگیر و جہان گشت سیاح تھے۔ مصباح العاشقین لقب تھا۔ شیوخ کے قیام کی بنیاد ۸۱۸ھ (۱۴۱۵ء) میں اُن کے قدوم سے پڑی۔ شاگرد کا نام مصباح الاسلام عرف بھکاری تھا جنکو لودی سلطان کی طرف سے ۸۵۰ھ (۱۴۴۶ء) میں خدمت قضا سپرد ہوئی اور معافی ملی تھی۔

جامع مسجد عہد اکبر کی تعمیر اب شکستہ حالت میں ہے۔ قلعہ کا ٹیلہ باقی ہے جس پر زراعت ہوتی ہے

قصبہ ملانوہ کسی وقت بڑا بارونق تھا۔ اہم سمجھا جاتا تھا۔ ۱۷۷۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی افواج کی چھاؤنی یہاں قائم کی گئی تھی جو بعد کو کانپور چلی گئی۔ اودھ کے الحاق اور سرکار برطانیہ کے قبضہ کے بعد ۱۸۵۷ء میں ملانوہ اس ضلع کا صدر مقام قرار پایا تھا، لیکن بعد صدر دفاتر ضلع، ہردوئی کو منتقل کر دیئے گئے۔

ملانوان کی آبادی ۱۹۲۱ء میں نو ہزار چھ سو پانچ (۹۶۰۵) تھی

۵۲۱ چالیس دام سادی ایک روپیہ سکہ رائج کے ہوتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دام کی قیمت مختلف

تفاوت سے ایک خط قاضی محمد باقر کے نام بھی لکھ دیا گیا ہے جسکے ساتھ نقل پروانہ منسلک ہے بہتر ہے کہ آپ پروانہ کی نقل جو اس خط مین ملفوف ہے "قاضی جیو" کے پاس ملانوہ بھیج دین تاکہ مطابق اس نقل کے محصول جاگیر کا حساب وکالت خان کے اجارہ دار[۲۲۱] یا عامل[۲۲۲] سے کرکے اپنے خاطر نشین کرلین عنقریب "پروانہ درگاہی" مع پروانہ نواب عالی جناب جو دیوان و فوجدار[۲۲۳] لکھنؤ کے نام ہوگا آپ کے پاس بھیجدون گا "قاضی جیو" کا آدمی یہان موجود ہے اُن کی بحالی کا پروانہ بھی تیار ہو رہا ہے عنقریب مل جاے گا"

اوقات مین مختلف رہی ہے کبھی پیسہ کے برابر بھی مانا جاتا تھا

۲۱۹ دفتر دیوانی۔ "دفتر" بمعنے فہرست وکاغذات۔ یا کوئی سرکاری رپورٹ یا تحریر جو امور مالیہ عامہ کے متعلق ہو کسی سرکاری کام یا کاروبار کی جگہ۔ نیز عملہ۔ "دیوان" (بالکسر حسب روایت غیاث اللغات۔ دیوان بہ یاے مجہول کا معرب ہے) لوگون کے جمع ہونے کی جگہ، دربار یا اجلاس شاہی امرا و ملوک کی نشستگاہ۔ نیز۔ وزیر مال۔ صدر عہدہ دار ریاست۔ محکمہ مال یا خزانہ کا اعلےٰ عہدہ دار۔ "دفتر دیوانی" مسلمانون کے عہد سلطنت مین بڑا ضروری محکمہ تھا تمام معاملات مالی اور انتظامی کا حساب وکتاب اسی دفتر کے متعلق رہتا تھا [زمانہ موجودہ مین لفظ "دیوانی" عموماً سول کی عدالتون، اور معاملات نقد وجنس، اور حقوق کے متعلق انصاف گستری کے لئے مستعمل ہوتا ہے] عالمگیر اپنے رقعات (کے نمبر ۷) مین لکھتا ہے کہ "دیوان رامیان صاحب جاگیر ورعایا و عامل امین گفتہ۔ گفتہ اند دیوانی کردن آسان وامین بودن مشکل"

۲۲۰ قاضی القضاۃ یا افضی القضاۃ۔ وہ قاضی جو اور قاضیون سے مرتبۂ قضا مین بلند ہوتا تھا [قاضی بمعنی حکم دینے والا یا ادا کرنے والا مجسٹریٹ یا عہدہ دار دیوانی] عہد شاہی مین قاضی وہ جج ہوتا تھا جو شریعت اسلامی کے احکام وحدود کے مطابق انفصال خصومات کرتا تھا محکمۂ رجسٹری (تصدیق وتسجیل اسناد ونکاح وقبالہ جات) بھی اُسیکے تحت مین تھا سرکار برطانیہ نے قاضی القضاۃ یا مہتمم قاضی کا عہدہ اُٹھا دیا ہے اعداد قاضی صرف نکاح پڑھانا یا عقد وازدواج کو درج رجسٹر کرتا ہے۔ اُسکا کوئی سرکاری عہدہ یا کوئی اختیار و اقتدار باقی نہین رہا ہے۔

۲۲۱ اجارہ دار۔ کسی زمین کا پٹہ دار یا ٹھیکہ دار۔ یا جسکو کلیتہً پورا اختیار دیدیا گیا ہو۔ اجارہ کسی گانون یا ضلع کی مالگزاری کا ٹھیکہ یا پٹہ۔ نیز رسوم یا کسی اور قسم کے مطالبہ وخراج کی تحصیل وجمع کرنے کا اختیار دینا مثلاً کسی معینہ فیس یا الاؤنس یا ابواب کا وصول وجمع کرنا۔

(۳) "اب امید ہے کہ جاگیر کی آمدنی بھی وصول ہو گی تو سب مشکلین آسان ہو جائین گی۔ جاگیر کا اصل پروانہ دفتر معلّے سے درست ہو کر نواب قطب الملک کی مہر سے مکمل ہو کر مل گیا ہے نقل پیشتر بھیج چکا ہون۔ اصل پروانہ اب رستم وغیرہ سپاہیون کے ہمدست بھیجتا ہون۔ اس پروانہ کو اس لئے روک رکھا تھا کہ نواب عالی جناب کا پروانہ بھی فوجدار و دیوان لکھنو کے نام مل جاے تو اسی "پروانہ درگاہی" کے ساتھ ساتھ بھیجدون۔ چونکہ ماہ ربیع الاول مین نواب صاحب اکثر متوجہ خدمت گذاری جناب اقدس حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم رہتے اور شب و روز اسی کام مین صرف کرتے ہین، وقت نہ ملا کہ ان پروانون کی "پروانگی" حاصل کر لیتا اور سپاہیان معتمد گھر روانہ ہو رہے ہین اس لئے اصل پروانہ بھیج دیا گیا۔ اسکے متعاقب نواب کے پروانے بھی حاصل کر کے بھیجدیئے جائین گے۔ جب اصل پروانہ پہونچے تو کسی معتمد کے ہاتھ پرگنہ ملانوہ کو بھیج دیجئے گا تاکہ قاضی محمد باقر حسب صوابدید اس کو چوہدریون اور قانونگویان کو دکھا دین پھر جب واپس آجاے تو اپنے پاس حفاظت سے رکھئے گا۔ اس قدر توقف کرنا مناسب ہے کہ پروانہ نواب عالی جناب کا دیوان لکھنؤ کے نام اس بارہ مین آپ کے پاس پہونچ جائے اُسوقت لکھنؤ روانہ کیجئے گا تاکہ پروانہ مطابق لے آئے۔ اس پروانہ کی نگلداشت مین احتیاط کیجئے گا کہ "سند درگاہی" (بادشاہی) ہے اور غالب ہے کہ فوجدار کا گماشتہ، جاگیر وکالت خان

---

۲۳۲ عامل۔ کوئی انتظامی یا اہل قلم عہدہ دار تحصیل کنندۂ مالگذاری۔ اس زمانہ مین صیغۂ انتظام کا ایک ماتحت اہلکار ہوتا تھا۔ سندھ مین یہ لفظ اب بھی ہندو اہل قلم کیلئے بولا جاتا ہے۔

یہان ایک ضروری بات اور لکھدینا چاہتا ہون چکلہ داری یا چکلہ دار کا حد عمل سرکار یا گورنمنٹ کا ایک جزو ہوتا تھا۔ یہ عہدہ سب سے پہلے شاہجہان کے عہد ۱۰۲۸ھ ۱۶۱۸ء ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۸ء قائم کیا گیا تھا۔ زمانہ حال کے ایک ضلع سے چکلہ بڑا ہوتا تھا اور موجودہ زمانہ کی قسمت یا کمشنری سے چھوٹا۔ وہ افسر جو چکلہ دار کے بعد ہی اس کا ماتحت ہوتا تھا عامل کہلاتا تھا۔ اسکی عملداری تقریباً اتنے ہی قطعۂ ملک پر ہوتی تھی جتنی آجکل ایک تحصیل ہوتی ہے یہ عامل تحصیل وصول مالگذاری کا مستاجر بھی ہوتا تھا اور جھلاقہ اسکو تفویض ہوتا تھا اسکا حاکم منتظم بھی۔

۲۲۳ فوجدار شاہی زمانہ مین ایک گورنر ماتحت ہوتا تھا اور جسقدر رقبہ ملک کا اسکے حدود عمل

کے دستور پر متعرض احوال نہ ہوگا۔ ورنہ فوجدار کے نام پروانہ متعاقب پہونچا ہوا سمجھیے گا۔"

(۱) مراسلت کا وہ حصہ تو اب مہیا نہین ہی جس سے میر صاحب کی اس تصدیع و زحمت کا نتیجہ معلوم ہو سکے۔ اغلباً وہ کامیاب ہوئے ہون گے کیونکہ اُنکی ایک تحریر سے قیاس ہوتا ہی کہ وہ اس کام کے انصرام و انجام کے بدون دہلی سے نہ ہٹے ہون گے "بدون کار جاگیر بر خاستن بندہ ازین جانمی شود کہ کار جاگیر پر ضروری است و بر آمدن جاگیر بحال محض شدہ عالمے درین خیال سرگردان است امیدوارم کہ بفضل الٰہی کار جاگیر حقصورت گیرد" اس کے متعاقب اطلاع دیتے ہین "ماہم بعد دخیل شدن گماشتہ در جاگیر ملانوہ بوطن می رسیم"

خطوط میر عبد الجلیل (مطبوعہ ۱۸۹۸ء) مین اُنکی تحریر کی تاریخین درج نہین ہین لیکن اگر تسلیم کر لیا جاے (جیسا کہ دعوی ہی) کہ انکے رقعات تاریخون کے سلسلہ سے مرتب کئے گئے ہین تو عنایت نامہ شمارہ بستم سے پتہ چلتا ہی کہ جاگیر کے عنایت کرنے کا پروانہ ملنے پر میر صاحب نواب امیر الامرا کا خلوت خاص کے وقت، شکریہ و تسلیمات بجا لائے اور اشعار عربی و فارسی و ہندی جو شکر نواب مین لکھے تھی پڑھ کر سنائے تھے نواب نہایت محظوظ ہوئے اور بہت تحسین و آفرین کی۔

(۵) فرد اضافہ پنجاہی کہ حضرت خلد مکان عالمگیر غفر اللہ لہ کے خط خاص مین ہی دفتر مین تھی بڑی تلاش سے بجنسہ فقیر کو دستیاب ہوگئی۔ اس کوشش مین ہون کہ فرد مذکور کو منظور کرا کے

واختیار کے اندر ہوتا وہ فوجداری کہلاتا تھا نیز کسی ضلع کی سپاہ فوجی کا منتظم و نگران۔ عصر موجودہ مین عدالت ہاے مجسٹریٹی و جج صیغہ مواخذہ و پاداش جرائم پر فوجداری کا اطلاق رکھیا ہے۔

اسی ذیل مین مورخین لکھتے ہین کہ پیمایش ممالک و اراضی کے بعد شہنشاہ اکبر نے یہ انتظام کیا تھا کہ جس قدر زمین کا محصول ایک کرور تنکہ ہو وہ ایک معزز کے حوالہ کی جائے جو "کروری" کہلاتا تھا۔ کروری سے بالاتر کارکن "فوطہ دار" ہوتا تھا۔

۲۲۴ چودھری۔ عہد گزشتہ مین صیغہ مال کا ایک اہلکار ماتحت ہوتا تھا نیز بعض اشخاص کو خطاب (کے طور پر) دیا جاتا تھا۔ آجکل معمولاً کسی پیشہ یا حرفہ یا ذات کے مکھیا یا سرغنہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ الفنسٹن صاحب Elphinstone تاریخ مرتبہ کاویل Cowell کے ضمیمہ پنجم کے حاشیہ مین لکھتے ہین کہ

سیاہہ بحالی حاصل کرلون"۔

(۶) "اضافہ کے مقدمہ مین نواب امیر الامرا سے عرض کیا تھا منظور فرمایا اور اپنے پیشکار کو پروانگی دیدی ہے پیشکار مذکور نے حقیقت (رپورٹ) دفتر سے نکالی ہے۔ غالب ہے کہ عنقریب فرد حقیقت دستخط اضافہ سے مزین ہوجائیگی بعنایت الٰہی اس کام سے بھی خاطر جمع ہوجائے گی"۔

(۷) "حضرت خلد مکان انار اللہ برہانہ نے بابتہ 'تغیری گجرات' کے بندہ کی بیس کی کمی کو بحال فرماکر پچاس کا اضافہ دیا تھا چونکہ ایکماہ بعد عالمگیر خلد مکان کا واقعہ ہوگیا سند دفاتر معلےٰ مین مرتب نہین ہوئی تھی۔ اس زمانہ مین خلد مکان کی دستخطی فرد بخنس دستیاب ہوگئی تو مین نے نواب امیر الامرا کے ملاحظہ کے لئے پیش کی۔ ازراہ توجہ منظور فرماکر حقیقت دفتر سے تحریری طلب کی۔ ۷ ربیع الآخر ۴ سنہ کو دستخط بحالی کمی و اضافہ پنجاہی کی بموجب دستخط عالمگیر کے، فرد حقیقت پر کردیے۔ الحمد للہ کہ یہ عقدہ حل ہوگیا۔ اب انشاء اللہ چند روز مین تصدیق ایک سو پچاس عہد عالمگیر کی دفاتر معلےٰ سے مرتب ہوکر آجائے گی"۔

ان وسائل کے سوا ایک غیر مستقل ذریعہ آمد اور تھا۔ یہ جب دہلی مین تھی تو نواب اخلاص خان[۵۲۲۶]

چودھری کا خطاب پہلے ایک پرگنہ کے افسر اعلیٰ کو بطور موروثی ملتا تھا

۵۲۲۵ قانونگو۔ قانون، سریانی یا یونانی مین ہر چیز کی اصل یا بسط کتاب وجدول کو کہتے ہین مجازاً قاعدہ و دستور کہلاتا ہے۔ قانونگو مال کا ایک افسر معائن یا پرگنہ کا رجسٹرار، جو جائداد و حقوق مالکانہ و مزارعانہ کے صحیح اندراج و نگہداشت کا نگران ہوتا تھا۔ انگریزی عملداری مین بھی یہ عہدہ قائم ہے لیکن اسکی خدمات اور اختیارات مین فی الجملہ تغیر ہوچکا ہے

۵۲۲۶ اخلاص خان، ایک ہندو نژاد، نومسلم، بہادر شاہی امیر تھا۔ تمام مورخین اسکی وضعداری اور روش صلح جوئی کی ستایش کرتے ہین۔ صاحب سیر المتاخرین اور حاجی مصطفےٰ اسکو نہایت فاضل و قابل، فرزانہ و دانشمند لکھتے ہین۔ قطب الملک کا ندیم و معتمد تھا۔ سادات کی مودت و دلبستگی اور زمانہ کے رنگ و کیفیت سے نہایت دلشکستہ اور دنیا سے متنفر ہوگیا تھا۔ اس کا اثر ہر طبقہ، ہر فریق اور ہر جماعت پر یکساں تھا۔ سب اسکا احترام کرتے تھے۔ بنظر دفع منازعات ترک منصب و خدمت کرکے مشاغل علمی اختیار کرلیے تھے۔ فرخ سیر نامہ (عہد فرخ سیر کی تاریخ) لکھا کرتا تھا

فرخ سیر نے جب خبر پائی کہ خلاف حکم شاہی امیر الامرا دکن سے ہندوستان آرہا ہے، ہوائے بغاوت اسکے سر مین بھری ہوئی ہے تو فرخ سیر نے اخلاص خان کو امیر الامرا کے سمجھانے اور اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے

کی سرکار سے دو روپیہ روزان کو ملتے تھے۔ مگر یہ رقم اُن کے خرچ کیلئے کبھی مکتفی نہوتی تھی۔ بلکہ اسکے سوا ایک روپیہ اور ہر روز خرچ ہو جاتا تھا۔ نوکرون اور کہارون کی تنخواہ، دربار کا خرچ، اور دیگر اخراجات اسکے علاوہ تھے۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ دہلی مین مقروض ہو جاتے تھے اور جب ان کے مستقر الخدمت سے ہنڈی آتی تھی تو سب سے پہلے یہ قرض بیباق کیا جاتا تھا۔

مخارج

میر عبد الجلیل جہان کہین رہتے تھے خرچ سے تنگ رہتے تھے۔ خود اپنا خرچ، اُجلا اور شریفانہ، پائے تخت کے اُمرا اور عمائد سے ہر وقت کا ملنا جلنا اور برابر کا برتاؤ۔ اُس پر گرانی اور مصارف، وارد و صادر اشخاص، اعزہ اور امیدواران ملازمت کی مہمانداری، فرمائشات اہل وطن کی مہربانی ان کا ہاتھ ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ فوری اور ہنگامی ضرورتون کا پورا کرنا دشوار ہو جاتا تھا۔

وطن مین جانی و درگاہی دونون نوکر بیمار پڑے ہین۔ میر سید محمد نے اُنکے لئے خرچ مانگا ہے یہ جواب دیتے ہین کہ "بالفعل بیس روپیہ بھیجدیئے ہین۔ اسکے بعد اور بھی بھیجون گا خاطر جمع رکھئے گا اسوقت اس سے زیادہ میسر نہین آیا"۔

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہین کہ "الحمد للہ آپ کا قاصد عین انتظار مین پہونچا تعلق خاطر کو رفع کیا۔ وطن مین گرانی غلہ اور درماندگی خرچ روزمرہ اور دیگر خصوصیات کی نسبت جو کچھ لکھا تھا معلوم ہوا۔ بزخوردار من مجکو کسی لحظہ اور کسی لمحہ اپنے سے غافل نہ جانئے گا۔ اس سے قبل جو کچھ قلیل کہ میسر آیا تھا، دیگر مداری اور فیض اللہ کو روانہ وطن کر دیا تھا بفضل الٰہی بخیریت پہونچ گئے ہون گے۔ مین

بھیجا تھا۔ میر سے اخلاص خان کو ربط و رسم خاص تھا۔ وہ میر کو بڑے اصرار و جد سے اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔

خیال رہے کہ یہی نام (محمد اخلاص خان) کا ایک امیر عالمگیر اورنگ زیب کا بھی معتمد خاص اور دمساز تھا۔ بادشاہ کے اخیر انفاس حیات مین بھی اُسکے قریب موجود تھا اُسنے اور عنایت اللہ خان نے بہت سے واقعات و حالات چشمدید نقل کئے ہین۔

چاہتا تھا کہ بہ مجرد پہونچنے قاصد کے فکر کرکے جلد اُس کو رخصت کر دیتا۔ لیکن ہر چند سعی کی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ حتیٰ کے چند روز ضرورتاً توقف کرنا پڑا۔ اب اخوی میر کرم اللہ نے بڑی کوشش کرکے جزوی رقم حاصل کرکے سیوستان سے بھیجدی ہے۔ قاصد کو روانہ وطن کرتا ہوں۔ حق سبحانہٗ بخیریت پہونچا دے۔ چونکہ تمھارا بھیجا ہوا قاصد گھاسی چنداں ہوشیار معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے مہاجن کی معرفت ہنڈی روانہ کی گئی۔ اور اُس کو خطوط کے ساتھ وطن رخصت کر دیا۔ برخوردار! بھکر میں کوئی مہاجن[۲۲۷] ایسا نہیں ہے کہ ہنڈوی اکبر آباد یا قنوج کو لکھ دیوے ہنڈوی یہاں سے ملتان اور ملتان سے لاہور اور لاہور سے اکبر آباد اور وہاں سے قنوج چلتی لکھی جاتی ہے۔ اس صورت میں چار جگہ ہنڈوی کو باحتیاط بقید جنس وسکہ وسند کے لکھانا پڑتا ہے۔ اور یہ امر گھاسی کی عقل وسمجھ سے باہر نظر آیا۔ اس لئے ہنڈوی جوابی لکھا کر مہاجن کی معرفت بھیجی گئی ہے۔"

میر سیّد محمد کو اپنی کیفیت سے اطلاع دیکر نصیحت فرماتے ہیں "یہاں کے احوال نوع دیگر نظر آتے ہیں کہ تمام لوگ حضور پر نور میں ہماری خدمت کی تلاش کے لئے رہتے ہیں۔ بلکہ یہ شہرت ہو رہی ہے کہ ہماری خدمت حضور سے کسی دوسرے کے نام مقرر ہو گئی ہے۔ لہذا لکھا جاتا ہے کہ زیادتی اخراجات سے ہاتھ کوتاہ رکھئے اور اس طرح کیجئے گا کہ شرم رہ جائے۔ ہمارے جاگیر نہیں ہے خدانخواستہ اگر ہم یہاں سے اُٹھ کھڑے ہوں تو اُسی دن سے بے روزگار رہ جائیں گے۔

---

[۲۲۷] بھکر حاکم نشیں شہر تھا۔ دولت مند لوگ رہتے تھے۔ میر صاحب کے وقت کے حالات معلوم نہیں لیکن ۱۸۴۰ء کا گیزیٹر سندھ بالائی کے ذیل میں لکھتا ہے کہ یہاں تین قوم کے لوگوں کی آبادی ہے ہندو۔ سندھی۔ بلوچی۔ تمام تجارتیں نہ صرف بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں ہندوؤں کے ہاتھ میں ہیں بلکہ تمام ضروریات زندگی اور مایحتاج انسانی کو دیہات اور مفصل میں یہی لوگ پورا کرتے ہیں۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا گاؤں بھی ایسا نہ ہوگا جس میں بنئے کی دوکان نہ ہو۔ ہندوؤں کی حالت جیسی کچھ مسلمانوں کے ملک میں ہوتی ہے معلوم ہے۔ یہاں بھی گرے ہوئے اور پست درجے اور متمول طبقہ کے سے ہو رہے ہیں لیکن سارے ملک میں دولت جمع کرنا بھی یہی جانتے ہیں۔ ان ممالک میں ہندو اسقدر کارآمد ہیں کہ اُنکی جان ومال کا بہت لحاظ وادب کیا جاتا ہے۔ بلوچیوں میں سے بڑے سے بڑا بدمعاش زشت اعمال وسیہ کار بھی بالعموم ان کا خیال رکھتا ہے۔ شکارپور کے مہاجنوں کو دیکھئے۔ جو اپنی دولت وثروت

اس لئے کہ نوکری کا مدار جاگیر پر ہے اور بے جاگیر والا نوکر گویا نوکر ہی نہیں ہے۔ اس بات پر نگاہ رکھ کر گزران کرنا چاہئے۔ جب کچھ کشایش ہو جائے اُس وقت اختیار ہے۔ غرض کہ ان مراتب کو خوب خاطر نشین رکھ کر عاقبت بینی اور دور اندیشی کو ہاتھ سے نہ دیجئے گا"۔

حضرت دہلی

میر عبدالجلیل کو دربار شہنشاہی میں آداب و مجرا بجالانے کا اعزاز چند بار نصیب ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ جب کہ زنجیر عدل والی رباعی لکھ کر عالمگیر خلد مکان کے حضور میں پیش کی تھی جس کا صلہ چار توڑے ہُون ملا تھا۔ دوسری مرتبہ جب کہ قلعۂ ستارہ کی فتح کی تاریخیں لکھ کر نذر کی تھیں۔ غالباً اُس وقت سوائے خشک ستایش و آفریں کے کوئی خلعت یا انعام بارگاہ خسروی سے عطا نہیں ہوا۔ نہ کسی سوانح نگار نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اسکے بعد جب سے میر دارالخلافہ

اور ساہوکارانہ کاروبار اور رسوخ کے لحاظ سے تمام ہندوستان اور ممالک مغربی و شمالی میں شہرت رکھتے ہیں ایسے بازار بہت کم ہوں گے جہاں ان ساہوکاروں کے گماشتے موجود نہ ہوں۔ کلکتہ سے لے کر جیوانگ کی ہنڈیاں یہاں مل جاتی ہیں۔

۲۲۸ھ شہر دہلی کی آبادی ۱۹۰۱ء میں ۲۰۸۵۷۵ تھی۔ ۱۹۱۱ء میں برطانی ہند کا دارالملک یہاں منتقل ہوا۔ اور اُسوقت سے روز افزوں ترقی اور عظیم تغیر و عروج شہر کو حاصل ہے۔ کاروبار تجارت اور کارخانجات اور سلسلۂ تعمیرات میں انقلاب دار تقاے عظیم نمودار ہو رہا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ۳۰۴۴۲۰ پر پہونچی تھی وہ رقبہ جہاں اروالی پہاڑیوں کا شمالی حصہ جمنا سے آکر مل گیا ہے مدت ہاے دراز بلکہ زمانۂ قدیم در قدیم سے یکے بعد دیگرے کسی نہ کسی بڑے شہر کا موقع ہوتا چلا آیا ہے۔ یہاں پہلے شہر اندرپرستھ آباد تھا جسکی بنیاد ایک پانڈو راجہ جودھسٹر نے ڈالی تھی۔ ملا قاسم فرشتہ مشہور مورخ لکھتا ہے کہ دہلی یا دلّی کی بنیاد اسکندر مقدونی کے حملہ سے پیشتر راجہ دھلو نے ڈالی تھی۔ راجہ انگ پال نے شہر آباد کیا اور لال قلعہ بنوایا جہاں اب قطب مینار استادہ ہے۔ وہ متھرا سے لوہے کی لاٹ لایا اور ۵۲ء میں یہاں نصب کی۔

۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں شہاب الدین محمد غوری کو شکست دینے کے لئے راے پتھورا اپنے رفیقوں اور حلیفوں کی زبردست و پُرشوکت جماعت لیکر بڑھا۔ لیکن فیصلہ کُن جنگ سال مابعد میں ہوئی اور ہمیشہ کے لئے دہلی ہنود راجگان کے

(دہلی) چلے آئے تھے کئی بار شرف حضوری میسر ہوا تھا۔ میر کی تحریرات سے واضح ہوتا ہے کہ دربار کی رسائی بہت مشکل بات تھی اور جو خلعت و انعام عطا ہوتا تھا اُس کا وصول ہو جانا اور بھی دشوار تھا۔ اس کے لئے بھی قواعد و ضوابط معیّن تھے۔ جن کا مرعی رکھنا اور پورا کرنا دِقت

ہاتھ سے نکل گئی۔ ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں قطب الدین ایبک (محمد شہاب الدین بن سام کے غلام) نے دہلی پر قبضہ کیا۔ اُسکے آقا کی وفات پر ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں دہلی خاندان غلامان کے بادشاہوں کا دارالملک ہوگئی۔ پُرانی دہلی کے سب سے بڑے اور شاندار کھنڈر اور ویرانے اسی نامور خاندان کی یادگار ہیں۔ پہلے مسجد جامع قطب الدین کی تعمیر شروع ہوئی تین سال تکمیل میں صرف ہوئے۔ التمش کے عہد میں اُسکی توسیع ہوئی۔ جو قطب الدین کا داماد تھا اور اس نسل کا سب سے بڑا فرمانروا مانا جاتا ہے۔ قطب منار بھی اسی بلند حوصلہ اور عالی ہمت بادشاہ کی یادگار ہے۔ اسی کے قریب التمش کا مقبرہ اور سلطان علاء الدین کا غیر تکمیل یافتہ منار واقع ہے۔ منار کا آغاز ۷۱۱ھ (۱۳۱۱ء) میں ہوا تھا۔ ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) تک خانوادہ غلامان کا عمل و دخل رہا۔ پھر جلال الدین خلجی نے ایک نئے خاندان کی بنا ڈالی۔ جلال الدین اور اُسکے کافر نعمت بھتیجے اور جانشین علاء الدین کے عہد میں تورانیوں نے وسط ایشیا سے اس ملک پر دو بار حملہ کیا برابر گھستے اور بڑھتے چلے آئے مگر بالآخر ناکام رہے اور پسپا ہوئے۔

۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں خاندان تغلق نے مملکت ہند پر قبضہ پایا۔ اُسکے بانی غیاث الدین نے ایک نیا دارالصدر تغلق آباد کے نام سے ایک پہاڑی کی بلندی پر پورب کو چار میل پر آباد کیا اُسکی عظیم الشان محلسراؤں قلعوں اور رفیع ایوانات کے نشانات اور پُرانی بنیادوں کے آثار اب بھی نمایاں ہیں۔ یہ تیسرا دارالسلطنت تھا غیاث الدین تغلق نے ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں وفات پائی۔ اور اُس کا بیٹا محمد بن تغلق سلطان الغ خاں تخت نشین ہوا اُس نے دارالحکومت کو ہٹانے اور دہلی کی پوری آبادی کو دولت آباد ملک دکن میں اٹھالے جانے کی تین بار کوشش کی۔ فاصلہ آٹھ سو میل سے زائد تھا اور آب و ہوا ناسازگار۔ ناکام رہا۔ ابن بطوطہ مشہور مغربی سیاح نے دہلی کو اُسکی آبادی یا بربادی کے ڈیڑھ سو برس بعد دیکھا تھا۔ قطب الدین کی مسجد کو بے نظیر بتاتا ہے۔ وہ شہر کی ویرانی و بربادی، اُسکے عظیم الشان ویرانوں، سر بفلک عمارات اور اُسکے غیر آباد اور خالی مکانات کا دردانگیز تذکرہ کرتا ہے۔ فیروز شاہ تغلق پھر دہلی کو جھنجھلا کر ایک دوسرے مقام فیروز آباد پر اُٹھالے گیا جو مقبرۂ ہمایوں اور پہاڑی کے مابین تمام و کمال پھیلا ہوا تھا۔ اس بادشاہ کے ویران محل و کوشک، مقابر و مساجد اور اشوک کی لاٹ جو حضرت مسیح سے تین صدی قبل بنائی گئی تھی اب بھی یہاں نظر آتی ہے۔ وہی اب فیروز شاہ کی لاٹ کہلاتی ہے۔ اس دہلی کی تکمیل ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں ہوئی۔

جمادی الاولیٰ ۸۰۱ھ (دسمبر ۱۳۹۸ء) میں جب کہ خاندان تغلق کے دور قریب دعویدار سلطنت کے باقی ماندہ ریزوں کے لئے جنگ و پیکار کر رہے تھے تیمور صاحبقران کے دَل بادل عساکر دہلی پہونچے۔ محمود شاہ ثانی جو

اور مشقت دونوں کا طالب و متقاضی تھا۔ صدر فرمان شاہی کے بعد بھی جاگیر تو ایک بڑی چیز اور دیرپا بخشش و موہبت تھی، معمولی چیزوں کے ہاتھ آنے میں بھی بہت دیر لگتی تھی۔

جو برائے نام بادشاہ تھا گجرات بھاگ گیا اُسکی فوجوں نے عین شہر پناہ کے نیچے شکست کھائی۔ تیمور شہر میں فاتحانہ داخل ہوا۔ قتل عام و غارتگری تمام کا بازار چار روز تک گرم رہا۔ گلی کوچوں میں جوئے خون رواں تھیں اور کشتوں کے پشتوں سے راستے بند تھے۔ جب منگولیوں (تورانیوں) کی آتش عقاب کچھ سرد ہوئی اور یہ حملہ آور واپس ہوئے تو عورتوں اور مردوں کی ایک کثیر تعداد کو اسیر دام و غلام بنا کر کشاں کشاں ہمراہ لے گئے دو مہینے تک دہلی میں نہ حکومت تھی نہ حاکم۔ محمود شاہ واپس آیا اور اپنی بچی کھچی سلطنت کے ایک ٹکڑے پر قدم جمائے۔ ۸۱۵ھ (۱۴۱۲ء) میں اُسنے وفات پائی اور سادات نے جو منگولیوں کے زیر فرمان بلکہ حلقہ بگوش تھے دہلی اور اُس کے اطراف و جوانب میں ایک مختصر سی مملکت پر قبضہ کر لیا۔ ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں خاندان لودی نے عنان حکومت پائی۔ ۹۰۹ھ (۱۵۰۳ء) میں سکندر ثانی نے اپنی سلطنت کا دارالصدر آگرہ بنایا۔ تاہم دہلی کی عظمت و شوکت کم و بیش قائم رہی۔ ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں پانی پت کے مقام پر بابر بادشاہ نے لودیوں کے اخیر تاجدار ابراہیم ثانی کو شکست دی اور دہلی میں داخل ہوا۔ اُس نے اپنی بود و باش زیادہ تر آگرہ میں رکھی ہمایوں پھر دہلی چلا آیا۔ اور اُس نے اندرپت کے موقع پر پرانے قلعہ کی ترمیم و تجدید بلکہ تعمیر شروع کی۔ ۹۴۶ھ (۱۵۴۰ء) میں شیر شاہ سوری افغان نے ہمایوں کو ہند بدر کیا اور شہر کے گرد نیا حصار بنایا اور قلعہ بندی و تحصین کی۔ لال دروازہ اُسی کا تعمیر کردہ بھاٹک ہے جو بڑی سڑک کی ایک سمت موجودہ جیل خانہ کے رخ پر یکہ و تنہا موجود اور قائم ہے۔ سلیم گڈھ کے قلعہ سے شیر شاہ کے ایک بیٹے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے گرد و نواح کی شکستہ جال عمارات اور کھنڈروں میں مقبرۂ ہمایوں نہایت عبرت خیز اور اثر ڈالنے والی یادگار باقی ہے۔

اکبر اور جہانگیر تو معمولاً آگرہ، لاہور یا اجمیر میں رہتے تھے۔ شاہجہاں نے شہر کو موجودہ موقع پر از سر نو بسایا۔ قلعے درست اور تعمیر کئے۔ شہر کا نام اپنے نام پر شاہجہاں آباد رکھا۔ جامع مسجد تعمیر کرائی۔ نہر جمن غربی کو حفر کرا کے پھر جاری کیا۔ چند ایام کو چھوڑ کر اُس زمانہ سے برابر دہلی سلاطین مغلیہ کا دارالصدر رہی۔ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں بعہد محمد شاہ بادشاہ باجی راؤ مرہٹہ پیشوا دہلی آیا۔ دو سال بعد نادر شاہ فاتحانہ غرور و عجب کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور قتل عام و خونریزی کے بارہ میں تیمور کی تقلید اور اُس کے مراسم جہانداری و جہانبانی کی تجدید کی۔ اس ایرانی فتحمند یا غارتگر نے اٹھاون دن تک سیل خون بہائے۔ غریب و امیر سب کو لوٹا اور کٹوایا۔ وہ جس وقت دہلی سے ہٹا ہے تو اُسکے مال غنیمت کا اندازہ چھتیس کروڑ اکتیس ملین (اسٹرلنگ) کیا گیا تھا۔ ۱۱۷۲ھ (۱۷۶۰ء) میں اس شکستہ حال سلطنت کے تجربے سے قبل اس آفت نصیب دارالسلطنت میں دو بار خانہ جنگیاں ہوئیں۔ احمد شاہ دُرانی نے جو کچھ پایا لوٹ مار کر لیگیا اور بالآخر غارتگری

فرخ سیر کے متعلق لکھتے ہیں۔

"۴ ماہ ربیع الآخر ۴ جلوس (۱۱۲۸ھ) کو دیوان خاص میں حضرت ظل سبحانی کی ملازمت حاصل کی۔ از راہ فضل و کرم تبرک یعنی خلعت بالابند مرحمت فرمایا اور تعلقہ خدمت کی رخصت دی خلعت اور رخصت دونوں کے لئے آداب و تسلیمات بجالایا۔ اب بادشاہ ظل اللہ سے کوئی کام باقی نہیں رہا۔"

ایک اور موقع پر ذکر کرتے ہیں "یہاں کی روئیداد یہ ہے کہ سیاہہ بحالی خدمات کا دفتر خالصہ شریفہ سے نواب قطب الملک کے دستخط کے بموجب 'دفتر بخشی الممالک' دفتر سوانح حضور انور میں بھجوا دیا تھا چونکہ خدمت سوانح بدستور نواب میر جملہ کی سپرد ہے اور نواب نے کوریطر فسی نیابتاً مرزا غلام محمد کام کرتے ہیں

کا خاتمہ مرہٹوں کے ہاتھ پر ہوا۔

۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) میں عالمگیر ثانی قتل ہوا جو واقعی بادشاہوں میں سب سے اخیر کہا جاتا ہے۔ شاہ عالم ثانی جس نے یہ خطاب خالی خولی اختیار کر لیا تھا اپنا اقتدار و اختیار دہلی میں بھی نافذ نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ شہر برابر افاغنہ اور مرہٹوں کا صید گاہ بنا رہا۔ ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) میں مرہٹوں نے شاہ عالم کو اُسکے آبا و اجداد کے گھر لے جاکر آباد کیا مگر ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۸ء) میں مرہٹوں کی فوج محافظ محل شاہی میں مستقل طور پر مقیم ہو گئی۔ شاہ عالم بیچارہ سندھیا کے پنجہ میں اسیر و مقید رہا۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۱۷ھ یعنی ۱۴ مارچ ۱۸۰۳ء کو مرہٹوں کو شکست دے کر لارڈ لیک دہلی میں داخل ہوا اور بادشاہ کو اپنی حفاظت و حراست میں لے لیا۔ مفتوحہ و مقبوضہ علاقہ جات پر بادشاہ کے نام سے انگریز فرمانروائی کرتے رہے۔ صرف محلسرا کے اندر بادشاہ کا حکم نافذ تھا ۱۸۵۷ء کے غدر اور ابوظفر بہادر شاہ کی شرکت یا الزام بغاوت نے اس برائے نام بادشاہ و بادشاہی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دہلی کی عمارات اور پرانے کھنڈروں کے متعلق پوری تفصیل سر سید احمد خاں بہادر کی مشہور کتاب آثار الصنادید میں ملے گی۔ لیکن اسی ذیل میں فرگسن صاحب کی "تاریخ عمارات ہندوستانی و شرقی" (مطبوعہ ۱۸۷۶ء) اور فینشا صاحب کی "دہلی سابق و حال" (مطبوعہ ۱۹۰۲ء) بھی قابل ملاحظہ ہیں۔ اُن کو اسی آئینہ کا عکس سمجھنا چاہئے۔ اُمرا کے محلات، بادشاہوں کے قلعے اور ایوانات تو صفحہ عالم سے اکثر محو و نابود ہو چکے لیکن اولیائے کرام کے مزارات و مقابر دہلی مرحوم کے نام کو اب تک روشن کر رہے اور یار و اغیار کو آستان بوس بنائے ہوئے ہیں ؎

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود　　سالہا سجدہ گہ اہل نظر خواہد بود

مرزا پہلے خواصان عالی شان کے داروغہ تھے۔ اب سہ ہزاری منصب رکھتے ہیں اور قابلیت و استعداد سے خالی نظر نہیں آتے۔ فقیر نے اُن کی خدمت میں رجوع کیا۔ اُنھوں نے سند کے دینے میں تعلل کیا اور اس مقدمہ کو پھر عرض کیا۔ آجکل بادشاہ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ جب کوئی عرضی مکرر جاتی ہے تو یا تو اُسمیں کچھ کمی کر دیتے ہیں یا قطعاً نامنظور فرماتے ہیں۔ خدا کے فضل سے فقیر کی عرضی پر دستخط خاص سے یہ فقرہ مزین فرمایا کہ "بدستور سابق بحال تبرک بہ دہند"۔ اب مرزائے مزبور نے سیاہۂ تبرک داروغۂ خلعت خانہ کے لئے بندہ کو دیدیا ہے۔ تبرک سر پیچ یا شال[۲۲۹] مرحمت ہوگا۔ داروغۂ خلعت خانہ اشرف علی خاں ہیں اور وہ کسی تقریب کی وجہ سے کئی روز سے دربار میں نہیں آئے تھے۔ اُن کے نائب سے رُجوع کیا گیا۔ نائب صاحب چنداں متوجہ نہیں ہوئے اور فرمایا کہ بالفعل جنس موجود نہیں ہے، چند روز کے بعد آئیگی۔ اس لئے ایک آشنا کی معرفت اشرف علی خاں کے گھر پر گیا تو ..... اپنے نائب سے تاکید کر دی کہ انکا کام آج ہی انجام کرا دیا جائے ..... دربار کے کام کوئی اختیاری بات نہیں ہیں۔ ایک دن کے کام میں ایک مہینہ لگتا ہے اور ایک عالم سرگرداں پھرتا ہے ....."

دہلی میں میر صاحب کا قیام شیخ فرید[۲۳۰] کے کٹرے میں رہا۔ کوئی حویلی کرایہ کی میسر نہیں آتی تھی سرائے کا رہنا جو بازار کے برابر تھا انکو کبھی پسند نہیں آیا لیکن کیا کرتے کہ ہر چیز کی قلت اور گرانی لشکر میں انتہا درجہ کی تھی۔

---

[۲۲۹] شال نفیس و قیمتی شے جو بخوبی مشہور ہے۔ یہ چادریں کشمیر و پنجاب میں دُنبوں کے بال مختلف رنگ و وضع کی بُنی جاتی ہیں۔ ہمیشہ دو فرد (پرت) ملا کر فروخت کی جاتی ہیں یا تحفتاً پیش یا اعزازاً عطا کی جاتی ہیں یہی دوشالہ کہلاتا ہے۔

[۲۳۰] شیخ فرید بخشی۔ تقوی سید، صحیح النسب، آل جعفر تواب، اُمراے اکبری سے تھے۔ جوہر شناس بادشاہ کے دربار میں وفاداری و خیر خواہی سے کام لیا تھا خدمات شایستہ انجام دیکر اس منصب بلند (بخشی گری) پر ترقی پائی تھی جہانگیر کے عہد میں بہت سے معرکے مردانہ سر کئے اور کمال بہادری دکھائی تو مرتضیٰ خاں کا خطاب عطا ہوا تھا۔
کٹرہ ہندی لفظ ہے۔ مارواڑی زبان میں کٹلو کہلاتا ہے۔ اصل میں بازار کی جگہ یا بازار کو کہتے ہیں۔ مجازاً محلہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

میر صاحب کے لئے ایک بڑا کام فراہمی فرمایشات کا تھا میر سیّد محمد کبھی آئینہ کے لئے لکھتے تھے کبھی صندوقچہ کیواسطے۔ آئینہ عمدہ موجود تھا وہ میر صاحب نے بھیج دیا۔ صندوقچہ کی تلاش وخریداری ملتوی رکھی تھی۔ کبھی پارچہ کی ضرورت پڑتی تو یہاں سے گٹھری بندھوا کر سربمہر کسی ہرکارے کے ہاتھ یا کسی معتمد دوست کے ساتھ بھیجنا پڑتا تھا ع دراز دستی ایں کوتہ آستینان بیں

میر سیّد محمد اس قسم کی تصدیع کے شروع سے عادی تھے۔ جب اُن کے باپ بھکر میں تھے اُس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ایکمرتبہ سُرمہ منگایا۔ میر نے ان کا خط بجنس (خان صاحب مہربان فیض رساں) امین الدین خاں (فوجدار سرکار بھکر) کو دکھایا۔ انھوں نے ازراہ مہربانی سرمہ نفیس عنایت فرمایا۔ اُن کی سرکار کا سُرمہ نہایت خوب ہوتا تھا۔ بہت سے آدمی جن کی آنکھ میں چیچک سے گُل (پھول) پڑ گئے تھے اسی سُرمہ کی مُداومت سے صحت پا گئے تھے۔ اُسی کے ساتھ خان موصوف نے ایک (حلقہ) کمان بھی میر سیّد محمد کے لئے عنایت فرمائی۔

حُسنِ تدبیر و حُسنِ عمل

میر عبدالجلیل کی ذات جملہ اوصاف وکمالات سے متصف تھی وہ جہاں سازشوں اور گروہ بندیوں سے دُور رہتے تھے۔ وہاں یہ خوبی بھی ان میں موجود تھی کہ ہر جماعت میں رُسوخ اثر اور اعتماد رکھتے تھے۔ ہر دربار میں ان کی رسائی تھی۔ اگر نواب قطب الملک اور امیر الامرا انکا احترام کرتے تھے۔ تو اُسی وقت میں میر جملہ سمرقندی جوان سیّدوں کا مخالف بلکہ معاند تھا اور جس نے کبھی خود میر عبدالجلیل کو خدمات بھکر سے معزول کر دیا تھا اب میر کو آنکھوں پر جگہ دیتا اور انکی پرورش ومعاش کی فکر وتدبیر کرتا تھا۔ دربار شاہی میں بھی ان کو بار حاصل تھا اور اکثر بادشاہ ان سے بذات خاص واقف اور ان کے کمالات کے معترف تھے۔ میر کی اس دانشمندانہ روش کا حوالہ کسی تذکرہ نویس نے نہیں دیا نہ میر سیّد محمد و میر غلام علی نے ذکر کیا ہے لیکن اس کا پتہ اُن خطوط سے چلتا ہے جو اُس وقت تو خانگی و مخفی طور پر محض اپنی حالت اور ہنگامی مجبوریوں کے

اظہار کے لئے لکھے گئے تھے مگر میر سیّد محمد نے اُن کی نگہداشت کی اور اس طرح اپنی اور اپنے باپ کی قابل قدر یادگار چھوڑی ہے۔ بعض کے دلچسپ اور ضروری اقتباسات ذیل میں دیئے جاتے ہیں

(۱) [بحالت علالت سخت]۔ احوال بدن چنیں و رسیدن در لشکر و بیکار نشستن بغایت دشوار۔ و در سلطنتِ نو ہیچ یک از اُمرائے نو ما را نمی شناسند و فضل کمال را کسے نمی پُرسد۔ و قواعد قدیمۂ سلطنت ہمہ برہم خوردہ و کارہائے خلائق ہمہ بند۔ مگر کسے کہ زر بسیار داشتہ باشد۔ وآں ہم عالمے ست کہ زر خرچ کردہ باز نقصان کشیدہ و خاک بر سر خود انداختہ می گردند۔ عامۂ خلق بایں حالت گرفتار از قبیل مضمون کریمہ است[۲۳۱] فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ بالغرض از جملہ اُمرائے ایں زمان نوّاب دلیر دل خاں کہ در بھکر بخدمت ایشاں روشناسی بہم رسیدہ بود آشنا بودند..... خدمت صوبہ داری ملتان بہ نوّاب مقرر شد۔ مربّی کہ در اُردوے معلے بود آنہم بیروں رفت..... بالفعل آمد و رفت بدربار امیر الامرا دارم۔ اما بسیار تنگ بار و عالی شان واقع شدہ اند.....

(۲) "آج دوشنبہ دوسری ذی الحجہ کو اگرچہ طاقت و توانائی نہ تھی ایک ماہ سات دن بعد سوار ہو کر شیخ لالن[۲۳۲] مدار علیہ سرکار میر جملہ کے یہاں گیا تھا..... لشکر کی روئیداد یہ ہے کہ ارکان سلطنت کے عناصر اربعہ بمقتضائے تضاد طبعی ایک دوسرے سے ناسازش رکھتے ہیں۔ اسلئے قطب الملک اور امیر الامرا دونوں بھائیوں نے استعفاء منصب کر دیا۔ لوگوں نے اس بات کو عرض اقدس میں بہ نوع دیگر پہونچایا چنانچہ کئی روز تک ہنگامۂ عظیم برپا رہا۔ قلعہ میں سات چوکیاں (پہرے) شب و روز موجود رہتی تھیں۔ چونکہ نفس الامر میں سادات کی طرف سے کوئی بات نہ تھی۔ اس لئے حضرت ظل سبحانی کی والدہ نواب قطب الملک کے گھر تشریف لے گئیں اور استمالت کر کے قطب الملک کو حضور پر نور میں لے آئیں۔ حضرت بدولت نے ان کے حال پر مہربانی کمال مبذول

---

[۲۳۱] تو جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اُن پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی مگر جس کو خدا چاہے۔ (جزو ۲۴۔ سورۃ الزمر ع۔ ۷۔ ۴۰)

فرمائی خلعت و سرپیچ مرصع اور پانچ گھوڑے دو ہاتھی مرحمت کئے لیکن امیر الامرا نے اب تک ملازمت نہین کی ہے۔ اپنی ملازمت کو ایک شق پر منحصر رکھا ہے کہ میر جملہ بنگالہ کو چلا جاے اور مین دکن کو جب میر جملہ رخصت بنگالہ لے کر روانہ ہو جائے گا مین بھی ملازمت کر کے دکن کو رخصت ہو جاؤن گا۔ اسلئے یہ قرار پایا ہے کہ ۱۱ ذی حجہ کو میر جملہ رخصت ہو جاے"۔

(۳) "دربار کی حقیقت یہ ہے کہ میر جملہ عید اضحے کے دن ظل سبحانی سے بنگالہ کو رخصت ہو گئے چند روز سرانجام باربردار وغیرہ لوازم سفر کے لئے توقف کرنا پڑے گا۔ ساعت دیکھ کر بنگالہ کو روانہ ہون گے۔ سبحان اللہ عجب قسمت ہے کہ انھین دونون دربارون سے روشناسی حاصل ہو گئی تھی اور چاہتا تھا کہ اب کئی مہینے خدمت کر لی ہے تو اپنے کام کے لئے التماس کرون کہ یہ مقدمہ پیش آیا۔ گویا آج شاہجہان آباد مین داخل ہوا ہون۔ اب از سر نو کوئی اور فکر کرنا پڑیگی نواب امیر الامرا سے خوب روشناسی ہو گئی تھی لیکن کیا فائدہ کہ اب یہ دکن روانہ ہو رہے ہین اس زمانہ مین کاسون کے ازدحام اور کثرت سے ان کے حواس متفرق ہین۔ آج کل ان کے دربار مین اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ جتنی دربار شاہی مین بھی نہین ہوتی۔ اس پر بھی ہر روز مجرے کے لیے خلوت مین جاتا ہون"۔

(۴) "متواتر ماتم کے سبب سے کہ امیر الامرا کا جوان بھتیجا اور لڑکا واصل رحمت الٰہی ہو گئے ہین عرض کرنے کا موقع میسر نہ آیا۔ نواب صاحب سلخ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰۶۴ سے شہر شاہجہان آباد سے باہر نکل آئے ہین اور حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ کے قریب دائرہ (لشکر و خیمہ) مین فروکش ہین۔ باوجود ناتوانی بدن کے کہ ہرگز اصلی حالت پر نہین آیا ہے ہمیشہ سوار ہوتا ہون

۵۲۳۲ شیخ فلان "رفعت پناہ عوالی دستگاہ" لکھے جاتے تھے اور محمدی خان خطاب ملا تھا

۵۲۳۳ آزاد دہلوی لکھتے ہین سلاطین چغتائیہ مین یہ آئین تھا کہ جس امیر پر خفا ہوتے تھے اُسے بنگالہ بھیج دیتے تھے۔ کچھ اس سبب سے کہ گرم ملک تھا اسپر ہوا مرطوب، بیمار ہو جاتے تھے۔ اور کچھ اس سبب سے کہ ولایتی لوگ اپنے ملک سے دوری اور بُعد مسافت سے بہت گھبراتے تھے اور ناجنسی محض کے سبب سے اس ملک مین تنگ رہتے تھے

صبح کو سوار ہو کر امیر الامرا کے لشکر کو جاتا ہون پھر وہان سے دربار شاہی مین آتا ہون خدا کرے کہ سب کام خاطر خواہ صورت پذیر ہو جائین۔ اگر امیر الامرا یہان کچھ زمانہ تک رہ جاتے تو تمام مطالب پورے ہو جاتے ..... ۱۴ ربیع الاول سنہ ۴ کو سند خدمت سوانح نگاری بھکر و سیوستان کی مرتب ہو کر مل گئی۔ مگر سند بخشی گری و وقائع نگاری سرکار سیوستان کی ہنوز بخشی صاحبان کے دفترون مین رجوع ہے۔"

(۵) "امیر الامرا روانہ دکن ہو گئے جب تک شاہجہان آباد سے چار پانچ کوس پر رہے فقیر برابر مجرے کیلئے جاتا اور دوپہر تک شاہجہان آباد آجاتا تھا۔ اب کہ دور پہونچ گئی ہین آمد و رفت کے قابل مسافت نہین رہی۔ ارادہ ہے کہ ۹ تاریخ کو گھر سے کوچ کر کے اُن کے لشکر کو چلا جاؤن اور اُن کی خدمت میں چند روز رہ کر رخصت ہو کر شاہجہان آباد آجاؤن ... ...

باوجود نحافت بدن اور قوت نہ ہونے کے دونون وقت سوار ہوتا ہون۔"

(۶) "نواب قطب الملک نے ہمارے اور آپ کے کام کے اجرا کی پروانگی برائے خوشحال چند پیشکار نواب امیر الامرا کو کہ بخشی الممالک ہین، دیدی ہے کہ بندہ کا منصب اور خدمات آپ کے لئے مقرر کر دی جائین اور بندہ کو دستک تعیناتی نواب بخشی الممالک کی دیدین چونکہ ان دنون بخشی گری اول کی نیابت پر نواب صمصام[۲۳۴] الدولہ خان دوران بہادر مقرر ہین اس لئے ان کی اطلاع کے بغیر کام کی صورت نہین نکلتی آپ (سید محمد) کی مرد حقیقت کے لئے جو عرضی دی گئی تھی اُسکو جب نواب خان دوران نے دیکھا تو پوچھا کہ سید محمد کہان ہین؟ اُن کو لے آئیے تاکہ بموجب تحریر امیر الامرا

---

[۲۳۴] یہ خان دوران چہارم تھا۔ فرخ سیر کے عہد کے بڑے امرا مین شمار ہوتا ہے۔ محمد شاہ کی تخت نشینی، سید حسین علی خان کے قتل اور اسکے بھائی قطب الملک کے قید ہو جانے پر "امیر الامرا" مقرر ہوا۔ ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۱ء) مین "صمصام الدولہ" خطاب پایا اور ایک سال بعد "خان دوران بہادر" اصلی نام خواجہ محمد قاسم تھا، عبد الصمد خان بہادر جنگ بھی کہلاتا ہے۔ نادر شاہ کے معرکہ مین نہایت شجاعت و مردانگی سے لڑا۔ خطرناک مجروح ہوا۔ تین دن درد و تکلیف برداشت کر کے ۱۷ ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ (۱۶ فروری ۱۷۳۹ء) کو اس دار ناپائدار سے رخصت ہوا۔

عرض کرکے منصب وخدمات کا تقرر کرا دیا جاے۔ بنابرین رائے خوشحال چند نے ... بندہ سے تاکید کردی ہی کہ آپ کے صاحبزادے کا کام تیار ہے انکو بلا لیجیے تاکہ تصدیق منصب وسند خدمت اُن کو دیدی جاے..... تمھارے منصب وخدمت کا ہمارے سامنے اس زمانہ مین بہت بڑا کام تھا بہ توجہ امیر الامرا فضل الٰہی سے امید ہی کہ بہ آسانی صورت نکل آئیگی۔ اپنی بے وسیلگی اور دربار کے رنگ کو دیکھ کر اس کو مین نے بہت غنیمت سمجھا ہی اور محض اسی واسطے کہ تمھارا قدم جم جائے مین نے دکن کا سفر اختیار کیا....."

(۷) "سواری دو دفعہ اور سفر ہمراہی نواب امیر الامرا کے سبب سے کہ جنکے ساتھ مین بائیس روز رہا اور شاہجہان آباد سے چھ منزل چل کر رخصت فرمایا تھا... بہ ضرورت میرے خیال سے اُتر گئی تھی۔"

اقتباسات بالا کو مین نے حتی الوسع فارسی سے بلفظہا ترجمہ کردیا ہے تاکہ قارئین محترم اُس زمانہ کے اصول انتظامی وقواعد ملک داری سے آگاہ ہوسکین۔ اسی ضرورت سے بعض کلمات بدستور رہنے دیے ہین جن مین سے کچھ تو دفاتر سرکار کی مصطلحات تھین اور کچھ اہل غرض اور امیدواران کی اختراعات۔ ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہی کہ باوجود انقلابات و بے اطمینانی شدید کے تبادلۂ خدمت اور اجراے احکام ردوبدل و بحالی جاگیر ومدد معاش مین کس قدر احتیاط کی جاتی تھی۔ حتےٰ کہ باوصف میر صاحب کے ذاتی رسوخ ورسائی کے اُن کے فرزند ارجمند کی حاضری وموجودگی لازم سمجھی گئی اور وہ دار السلطنت کو بلائے گئے تھے۔ رائے خوشحال چند کی مہربانی اور نواب خان دوران بہادر کی سرپرستی وعنایت اُن کی اعانت نہ کرسکی۔ دربار شاہی اور خود بادشاہون کی کیفیت کچھ بھی رہی ہو لیکن ارباب حل وعقد اپنے عمل مقررہ اور دستورات مستمرہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے اور اپنے فرائض کو بلا رُو ورعایت انجام دیتے تھے۔

وفات

بھکّر کی آب و ہوا[۲۳۵] میر عبدالجلیل کے موافق مزاج نہ تھی۔ خاص کر سردی کا موسم نہایت دشواری اور بہت سی شکایات جسمانی مین گزرتا تھا۔ وہان سے نکلے تو چار ماہ مین بھکر سے شاہجہان آباد کا سفر طے ہوا اُس کے شدائد و صعوبات کو ناقابل بیان لکھتے ہین پہونچنے کے سوا مہینہ بعد بیمار، اور سخت بیمار پڑے۔ خدا خدا کر کے صحت پائی۔ پائے تخت کے قیام کا وہ زمانہ نہایت پُرفتن اور پُرشور و شر تھا۔ بادشاہ گردی اور اُمرا کی سازشون اور پُرپیچ چالون سے کوئی ساعت خالی نہین جاتی تھی۔ یہ عشرۂ مہلکہ مین گام زن تھے۔ دہلی کی آب و ہوا، درد انگیز گرانی اور اخراجات سے تنگدستی و حیرانی، روز افزون تھی تندرستی قائم نہ رہ سکی، اعتدال مزاج باقی نہ تھا۔ بارہا علیل ہوئے اور اچھے بھی ہو گئے۔ عمر کی آخر منزل یعنی سرسٹھوین سال مین ایسے بیمار پڑے کہ پھر بستر مرگ سے اُٹھ نہ سکے وہ مرض، مرض الموت ثابت ہوا۔ بہت سے ملازم، سچے رفیق و وفادار ساتھ تھے۔ معالجہ بھی

---

[۲۳۵] میر عبدالجلیل بھکر مین انتہا درجہ کی سردی ہونے کے شاکی ہین اور لکھتے ہین کہ ہوائے بھکر از سہ چہار سال این قدر مختلف شدہ کہ در نوشتن می آید خصوص در موسم سرما این قدر تغیر فاحش در ہوا بہم رسد کہ ہیچ متفنے از ابرار سالم نمی ماند این معنی را از مداری و فیض اللہ کہ تازہ می رسد تحقیق نمایند۔ مجھے اُن کے زمانہ کی کوئی تاریخ یا تحریر ایسی نہین ملی جس سے مزید تحقیق و انکشاف ہو سکتا۔ البتہ آج سے ایک صدی پیشتر سلسلۂ جدید رہنمائے سالانہ کی مُیر صوبہ جات بنگالہ و آگرہ، کا جو کام بحکم لارڈ آکلینڈ گورنر جنرل New Series of the Bengal and Agra Annual Guide and Gazetteer, Calcutta, 1842.

شروع کیا گیا تھا اور جس کو بعد تکمیل ولیم رشٹن کمپنی نے اپریل ۱۸۴۲ء مین شائع کیا اُس سے پایا جاتا ہے کہ "جنوری مین بہان ۴۵ درجہ پر سردی پڑتی ہے۔ اسیطرح گرمی بھی انتہا کی ہوتی ہے" ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ "بھکر مین فروری کے اُنتیس دن کا اوسط مقیاس حرارت بہت زیادہ تھا۔"

شیخ علی حزین خدا آباد سے کشتی پر بھکر آئے تھے۔ فرماتے ہین کہ یہ شہر بھی اسی دریائے سندھ کے کنارے چند روز کی راہ پر واقع ہے۔ یہان کے باشندگان کے اوضاع و اطوار کی شکایت کرتے اور طبائع کو ظرافت و لطافت سے باہر پاتے ہین۔

خوب کیا۔ تیمار بھی طبیب و معالج، مزاج شناس، کہنہ مشق، ہمدرد و مہربان تھے لیکن یہ سب مداوائے کار ثابت ہوا ؎

کیسی دوا، کہاں کی شفا، یہ بھی چند روز قسمت میں تھا کہ ناز مسیحا اٹھائیے!

چھیاسٹھ سال چھ ماہ دس روز عمر پاکر میر عبد الجلیل نے شنبہ کی شب میں ۲۳ ربیع الآخر ۱۱۳۸ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۷۲۵ء کو شاہجہان آباد میں رحلت فرمائی۔ ضلع ہردوئی کے گزٹیر مطبوعہ ۱۹۰۴ء میں سال وفات ۱۱۳۳ھ تحریر ہے۔ صاحب مفتاح التواریخ ۱۱۳۸ھ (ہزار دیکھد دسی و ہفت) لکھتے ہیں فقیر (محرر سطور ہذا) نے میر غلام علی آزاد کی تحریرات پر اعتماد کیا ہے۔ اسی کی تائید اور نٹیل سلینی جلد

Visit to the Court of Scinde

ڈاکٹر برنس Dr. Burns اپنی کتاب "مشاہدہ دربار سندھ" میں لکھتے ہیں کہ پرانی تاریخوں میں اس ملک کا نام سندھ حدیث تحریر ہے یعنی وہ زمین جو دریا سے نو برآمد ہوئی ہے دریائے سندھ کی رعایت سے اس قطعہ کا نام سندھ پڑا اور اسی بنا پر اہل یونان اس کو Scindomona کہتے ہیں۔ یہاں تین موسم ہوتے ہیں (۱) بہار (۲) تابستان یا گرما (۳) زمستان یا سرما۔ بارش بھی کبھی کبھی جون جولائی میں ہو جاتی ہے بالائی سندھ کی بیماریاں، چونکہ موسم سرما میں بارش بہت ہوتی ہے اور سردی بھی بشدت پڑتی ہے اس لئے یہاں بیماریاں بہت پھیلتی رہتی ہیں۔ وجع مفاصل کے حملے نہایت سخت اور دورے دیرپا بلکہ نامفارق ہوتے ہیں بخار کے بعد سندھ میں یہی بیماری سب سے زیادہ پھیلتی ہے۔

جب بخار پھیلا ہوتا ہے تو اسکے بعد ہی طغیانی آب کے فرو ہو جانے کی وجہ سے ماہ ستمبر و اکتوبر میں "گنٹھیا" کی فصل شروع ہو جاتی ہے جو کبھی کبھی آخر ماہ نومبر تک ختم نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ جب اس ملک کا ہر ایک باشندہ کم و بیش اس قسم کی شکایات تپ و لرزہ و ناسازگاری موسم کا اچھا خاصہ شکار ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ اکثر طحال کا بڑھ جانا ہوتا ہے یا استسقا، امراض چشم اور آشوب کا بعض خاص خاص موسموں میں بڑا زور ہوتا ہے اور بہت سی بیماریوں (میں متعلق شش وغیرہ کے) اور تپ دق میں یہاں کے بہت سے باشندے مبتلا نظر آتے ہیں۔

بااین ہمہ مصنف تحفۃ الجیران آب و ہوائے سندھ کی ستائش کرتا ہے ع بر فطرت سلیم او از حق سلام باد۔ اس کو اختیار تھا کہ وہ سندھ کو دوسرا کشمیر لکھے لیکن تاریخی واقعات پر پردہ کون ڈال سکتا ہے۔ مغلیہ بادشاہوں کے احکام کو دیکھئے شیخ کمال بیابانی سے اکبر بدعقیدہ ہوا اُن کو بھکر بھیج دیا تھا شیخ حسن اجمیری سے بدگمانی ہوئی تو وہ بھی بھکر کو جلا وطن کئے گئے۔ سید محمد میر عدل بھکر اس خیال سے بھیجے گئے کہ ملک کا کنارہ ہے

اسکے متعلق گذشتہ صدی میں انگریز سیاحوں اور فوجی افسروں نے اپنی سرگزشت اور یہاں کے احوال تفصیلاً قلمبند کئے ہیں

اوّل (Oriental Miscellany, Vol. I.) مطبوعہ کلکتہ ۱۷۹۸ء کے دیباچہ نگار مکاتیب کی روایت سے ہوتی ہے۔

ان کی وصیت کے موافق نعش وطن بھیجدی گئی۔ بلگرام مین جمعہ کے بعد بلکہ عصر کے اوّل وقت ۶ جمادی الاول سال مذکور (۲۱ دسمبر ۱۷۲۵ء) کو ان کا پیکر خاکی پیوند خاک کر دیا گیا باغ محمود گورستان آبائی مین اپنے پدر بزرگوار میر سید احمد کے پاس جگہ پائی۔ فیالها من روضة ما اکرمها شانا و اعظمها عزا و ایمانا۔ ان کے ہم عمر و ہمدرس قدسی صفات سید طفیل احمد نے قبر مین اُتارا تھا۔ میر غلام علی آزاد سبحۃ المرجان اور ید بیضا مین میر عبد الجلیل کے آثار شریفہ کے ذیل مین لکھتے ہین کہ اُن کا جسد تابوت سے سالم و درست نکلا تھا کسی عضو مین اصلا کوئی تغیر یا خرابی نہین ہونے پائی تھی۔ آفتاب کی تپش اور چودہ دن کے سفر کو خیال کیجیے تابوت سے نکال کر نعش چارپائی پر لی گئی، جیسا کہ تازہ میت کو لے جاتے ہین۔ لب قبر لائے۔ زیر کمر چادر ڈال کر لحد مین اُتارا۔

اہل حکمت کا فتوی ہے کہ عالم کا آغاز و انجام معلوم نہین لیکن شاید میر عبد الجلیل کو اپنے آغاز و انجام یا کم از کم اپنی آرامگاہ خاکی سے کچھ آگاہی تھی۔ اُن کی مثنوی امواج الخیال در تعریف بلگرام کا مطلع ہے ؎

آب و گل من کہ فیض عام است — از خطۂ پاک بلگرام است

اہل عقیدت و ادراک نے اس کی تعبیر فرمائی کہ عنصر لطیف نے اپنے مسقط الراس کی طرف رجوع کیا اور فرع نے اصل کی جانب بازگشت فرمائی۔ سچ ہے کل شئ یرجع الی اصلہ

---

(۱) میجر اوٹرم Major Outram کا محاصرہ سندھ و افغانستان ۲۹-۱۸۳۸ء" مطبوعہ ۱۸۴۰ء

(۲) ٹی پوسٹنس T. Postans کے "سندھ مین ذاتی تجربات" مطبوعہ ۱۸۴۳ء

(۳) "سندھ کے متعلق سرکاری مراسلت" ۱۸۳۹ء لغایت ۱۸۴۳ء مطبوعہ ۱۸۴۴ء

تواریخ وفات

موت التقی حیوۃ لا انقطاع لھا　　قد مات قوم وھم فی الناس احیاء

میر عبد الجلیل کے اہل وطن و متوسلین و متعلقین کو اُن کے انتقال سے جس قدر صدمہ و ملال ہوا ہوگا ظاہر ہے۔ اُن کا دائرہ اہل علم کا دائرہ تھا اور بڑا تھا۔ تقریباً ہر ایک ہوا خواہ اور مداح نے ماتم گساری مین حصہ لیا اور اپنے دردِ دل کا اظہار مختلف پیرایہ و انداز مین کیا ہے۔ انہین سے چند جو انشا پردازی یا فن استخراج تاریخ کا عمدہ نمونہ ہین پیش کیجاتی ہین۔

میر غلام علی آزاد، نے آیات کریمہ سے نکالی تھین۔

(۱) لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ ۲۳۶ [واسطے اُن لوگون کے کہ نیکی کرتے ہین نیکی ہے اور زیادتی ہے۔ جز ۱۱ سورۂ یونس۔ ع۔ ۸]

(۲) اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّارِ جَنّٰتُ عَدْنٍ [یہی لوگ ہین جنکی دنیا کا انجام ہے ہمیشہ رہنے کے باغ۔ جز ۱۳ سورۃ الرعد ع ۳-۹]

آزاد نے ایک مرثیہ رنّانہ (قصیدہ) بھی لکھا تھا۔ جسمین ایک سو ایک شعر اور چار مطلع تھے اور ہر مصرع سے تاریخ نکلتی تھی۔ ایک مطلع یہ ہے ؎

رسید روز گل از سموم برق بتان　　کباب شد جگر نار و لالہ بریان

---

۲۳۶ الحسنیٰ الجنۃ و الزیادۃ ھو اللقاء اور یعنی لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا اُن لوگون کے واسطے جنھون نے نیکی کی یعنی ایمان لائے۔ الحسنیٰ جزاء خیر اور نیکی کی پاداش یعنی بہشت ہے وَزِیَادَۃٌ نیکی کی جزا مین وہ افزونی جو بطریق تفضیل رحمت ہوگی۔ اہل علم لکھتے ہین کہ حسنے جزائے نیک ہے، ایک کے بدلے ایک اور زیادۃ وہ ہے جو ایک کے بدلے مین دس یا اُس سے بھی زائد عنایت ہو۔ یا حُسنے کو مغفرت سمجھے اور زیادہ کو خوشنودی حضرت حق سبحانہ۔ تفسیر مدارک مین لکھا ہے کہ زیادہ بندون کے قلب مین کی وہ محبت ہے جو دنیا مین عطا ہو اور جس کا آخرت مین حساب نہ کیا جائے۔ بعض فرماتے ہین کہ وہ ایک سحاب (ابر) ہے جو اہل بہشت پر سے گذرے گا اور جو خوشبو کرے گا

ایک اور تاریخ بھی لکھی تھی ؎

میر عبد الجلیل کرد وفات　　ورضوا عنہ گشت سال ممات

ایک دائرہ تاریخی بھی تیار کیا تھا جس مین لاعد ولاتحصے تاریخین برآمد ہوتی ہین اس کی تقریب آزاد ان الفاظ مین کرتے ہین۔

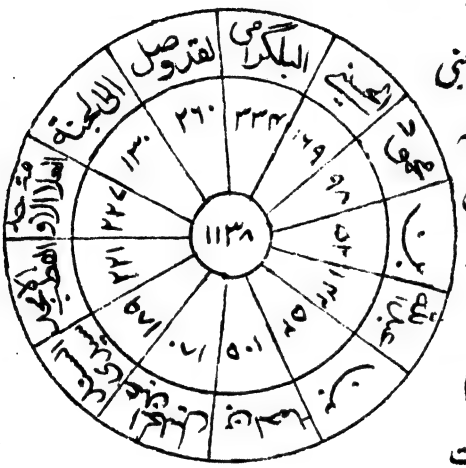

"وعبارت دائرہ مشتمل است بر صنعت اطراد یعنی اسامی، اما ترتیب تا چار پشت آمدہ بلکہ تا پنج پشت زیرا کہ نام پدر سید محمود سید حسین است پس لفظ حسینی درینجا بدو اعتبار است یکے نسبت با مام حسین علیہ السلام و دیگر نسبت بہ پدر سوائے آن مشعر است بر اظہار نسب مقام اصل و مسکن حال چون خالی از ندرت نیست دائرہ را با طریق استخراج ثبت می کنم۔

طریق استخراج تاریخ ازین دائرہ این است کہ از خانہائے چہاردہ گانہ ہر خانہ را کہ خواہند مبدا قرار دہند و بہر عددے کہ بخاطر برسد شمار نمایند سوائے واحد و چہاردہ و اضعافش و اول بآخرین و بہر خانہ کہ شمار تمام شود عددش بگیرند پس عددے کہ بر آن شمار مقرر شدہ اگر فرد باشد باز خانہ منتہی را مبدا گردانیدہ بعداد نمایند مرۃ بعد اخری و دورۃ فدورۃ تا آنکہ منتہی مبدا اصل گردد اکنون مقدار عددش بگیرند کہ مجموع اعداد حاصلہ تاریخ شود۔ و اگر زوج باشد خانہ مابعد منتہی را مبدا گردانند۔ و بہمین نمط شمار متجر شود تا آنکہ منتہی خانہ ماقبل مبدا اصل گردد پس بدستور مجموع اعداد حاصلہ تاریخ شود۔

مخفی نماند کہ مراد از اضعاف در اعداد مستثنے مثلین و سہ مثل فصاعدا باشد و اطلاق ضعف از روئے لغت بر

اُن پر برس جائے گا۔ جمہور محققین کا خیال یہ ہے کہ زیادہ سے مراد حق تعالیٰ کا دیدار ہے جو محض اپنے کرم و لطف سے بہشت والوں کو نصیب فرمائے گا

مِثل فصاعداً آمدہ است برخلاف مصطلح علماء حساب فِی الْقَامُوسِ الضِّعْفُ بِالْکَسْرِ اَلْمِثْلُ اِلٰی مَازَادَ یُقَالُ لَکَ ضِعْفُهٗ یُرِیْدُوْنَ مِثْلَیْهِ وَثَلٰثَةَ اَمْثَالِهٖ لِاَنَّهٗ زِیَادَةٌ غَیْرُ مَخْصُوْصَةٍ

آزاد سبحۃ المرجان مین ایسے دائرہ تاریخی کی نسبت لکھتے ہین کہ اُس کے واضع کا نام مجھے دریافت نہ ہوسکا سب سے پیشتر مین نے جس چیز کو دیکھا تھا وہ ایک دائرہ فارسی زبان مین تھا جس کو اُسکے مورّخ نے ہندوستان کے ایک مشہور عارف باللہ کے لئے لکھا تھا جس نے سنہ ۱۰۶۱ھ (سنہ ۱۶۵۱ء) مین وفات پائی تھی۔

مصرِ دُواکر بلگرام کے شاعر بھاکا و عالم سنسکرت نے اپنے ارتباط قدیم و محبت صمیم کے تعلق سے ایک دوہرہ (دُوہرہ) میر صاحب کے ماتم مین نظم کیا تھا۔

نہ ہوا ہے اَو نہ ہوئے گا ایسو کہین سُوشِیل　　جلیسو احمد نند جگ ہوے گیو میر جلیل

नहुआ है ओ न होवेगा एसो कहीं सुशील
जैसो अहमद नन्दजग हेगायो मीरजलील॥

اتفاق غریب یہ ہوا کہ جب اِس دوہے کے اعداد نکالے گئے تو بلا کمی و بیشی تاریخ نکل آئی۔

۵۳۳۷ حضرت امیر ابوالعلا نقش بندی اکبرآبادی سے مراد ہے آپ کی تاریخ وفات کتاب فلاح دارین (دنیا) مین ۹ صفر سنہ ۱۰۶۱ھ روز سہ شنبہ لکھی ہے۔ مفتاح التواریخ و تحفۃ الابرار و انوار العارفین و حجت العارفین مین سنہ ۱۰۶۱ھ اور عمر ۷۱ سال لکھتے ہین۔ امیر ابوالعلا کا سال ولادت ۹۹۰ھ اور مولد سرائے تتلہ متصل دہلی تھا۔ آپ کے دادا امیر عبدالسلام حسینی اکبر بادشاہ کے عہد مین سمرقند سے ہندوستان آئے تھے۔ یہان سے زیارت بیت الحرام کیلئے تشریف لے گئے اور وہین رحلت کی۔ اُن کے بیٹے امیر ابوالوفا نے فتحپور سیکری مین وفات پائی اور نعش دہلی لے جاکر لعل دروازہ کے مدرسہ کے متصل دفن کی گئی۔ میر ابوالعلا نے اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے نانا خواجہ محمد نعیمی کے زیر سایہ تربیت و تعلیم پائی۔ خواجہ صاحب عہد اکبر مین راجہ مان سنگھ صوبہ دار بنگالہ کے ہمراہ تھے اور بردوان کی فوجداری پر متعین۔ نانا کی شہادت کے بعد سہ ہزاری منصب مع سہ ہزار سوار آپ کو تفویض ہو گیا تھا۔ جہانگیر کے اوائل عہد مین دنیا کی ہوا و ہوس کو ترک فرماکر اجمیر چلے گئے وہان سے آگرہ تشریف لائے اور مسند ارشاد و ہدایت کو زینت دی۔

در ہیچ پردہ نیست نباشد نوائے تو
عالم پُر است از تو و خالی است جائے تو

تذکرۂ علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی

موسوم بہ

حیاتِ جلیل

حصّہ دوم

جسمیں میر میرور کے کلام اور تصانیف کا مبسوط تذکرہ، اور اُن پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔
نیز اولاد و احفاد و اعقاب اور معاصرین و قدر فرمایان کے مفصّل حالات مندرج ہیں

از

مولوی سیّد مقبول احمد صاحب صمدانی

لیٹ ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ۔ و۔ فیلو رائل سوسائٹی
آف آرٹس، مینوفیکچرس اینڈ کامرس، لندن وغیرہ

کیوں اہل حشر ہو کوئی نظّارہ سوز دل
لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کیے ہوئے

فہرست عناوین و مضامین تذکرۂ علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی حصہ دوم

نمبر سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
	ازواج و اعقاب	۱
۱	میر عبد الجلیل کی جلیلہ جلیلہ - ایک لڑکا تین لڑکیاں	۱
۲	سید محمد کا لاولد رہنا بہانجہ کو متبنیٰ کرنا	۱
۳	بڑے داماد محمد اشرف	۱
۴	منجھلے محمد نوح	۲
۵	چھوٹے - عنایت اللہ	۲
۶	سید نوح کے اسلاف صمدانی تھے نہ کہ بلگرامی	۲
۷	شرائف عثمانی کا اعتراض اور تحقیق صمدانی کی مقامی روایات سے تصدیق	۳
	فرزندان مجازی	۳
۸	میر کے شاگرد کم تھے - اسکی وجہ سرکاری مشاغل	۳
۹	غلام علی اور محمد یوسف کی تعلیم و تربیت	۴
۱۰	ان کا دہلی آنا، اور طریق تحصیل سند حدیث لینا	۴
۱۱	میر سید محمد کا استفاضہ	۵
۱۲	سید غلام مصطفیٰ شہید کا مثنوی مولانا روم پڑھنا	۶
۱۳	بعض خواص تلامذہ	۶
۱۴	میر احمد لاہوری متخلص بہ فائق	۶
۱۵	میر محمد زمان سہرندی - راسخ	۶
۱۶	راسخ کا ناصر علی کو شیخ معصوم کی گرفت سے بچانا	۶
۱۷	شیخ محمد رضا شستری متوطن بھکر	۷
۱۸	شیخ سیف الدین محمد الوری طبعیت مخلص	۸
۱۹	" اور میر غلام علی کا ساتھ	۸
۲۰	" اور میر عبد الجلیل سے تعارف کی ابتدا	۹
	خدام	۹
۲۱	عالمگیر کا شکوہ قحط الرجال	۹
۲۲	میر کے ملازمان خدمت اور ڈاک کے ہرکارے	۱۰
۲۳	اُن کی ہمدردی - خبر گیری	۱۰
۲۴	بعض کے احوال	۱۰
۲۵	ایک غلام کی وفات اُسکی مثنوی اور مرثیہ	۱۱
۲۶	ناصر علی کی داد و ستائش	۱۱
	اولادِ معنوی	۱۲
۲۷	میر کا مختصر سرمایۂ تالیفات مثنویاں قصائد رباعیاں، معمے - تاریخیں	۱۲
۲۸	ایک دلیل ہندسی	۱۳
۲۹	آداب المرسلین و تبصرۃ الناظرین	۱۳
۳۰	منشآت جلیل	۱۳
	انشائے جلیل	۱۴

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۳۱	نقش اول - اسکے مضامین	۱۴
۳۲	میر کا دکن جانا بعض مربی و سرپرست	۱۴
۳۳	روئیداد دربار و شرف حضوری	۱۴
۳۴	فتح بسنت گڈھ کی پانچ تاریخیں پیش کرنا	۱۵
۳۵	صلۂ شہنشاہی - منصب صدی کا عطا ہونا	۱۵
۳۶	مزید عنوانات و تفصیلات	۱۵
۳۷	کلمات تنبیل شرح انشائے جلیل از امیر حیدر	۱۵
۳۸	میر غلام علی کے چار قصیدے	۱۶
	مُنشآت جلیل	۱۶
۳۹	میر جلیل کے سبق آموز اور حقیقت آشکار خطوط	۱۶
۴۰	مآثر الکرام میں ان کا تذکرہ	۱۷
۴۱	نخبۃ الشرق حصۂ اول مضامین	۱۷
۴۲	مفتی امیر حیدر اور میر آزاد کی شرکت ترتیب	۱۷
۴۳	خطوط کی نوعیت اور مضامین	۱۹
۴۴	تشویق علم	۱۹
۴۵	ترہیب و ترغیب کتب درسی کا پڑھنا	۲۰
۴۶	صلاح نیک - مطالعہ شب موقوف	۲۰
۴۷	خیر اندیشی و شفقت، فرزند رشید	۲۰
۴۸	مشکلات مالی - اخراجات کی زیادتی	۲۱
۴۹	بعض رقوم موصولہ کے مخارج	۲۱
۵۰	مہمانات، صرف ضروری کیلئے	۲۲
۵۱	فرنگی عینک، حلقہ چوبی کی	۲۲
۵۲	سرکار امتیاز گڈھ کی خدمات قبول کرنیسے گریز	۲۲

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۵۳	طریق سفر - تنوج کی راہ آنے و رفت	۲۳
	بلگرام - سواریوں کا انتظام	۲۴
۵۴	سیر سید محمد کی طلبی دہلی	۲۴
۵۵	اولاد و عیال کی محبت	۲۵
۵۶	تعلق خاطر اور اشتیاق دیدار	۲۶
۵۷	حکیم محمد جعفر کی ہمدردی - درمان طلبی	۲۸
۵۸	" کا اعتراف سنت	۲۸
۵۹	شکر صحت - اولے شکر کی اعزہ کو ہدایت	۲۹
۶۰	واپسی وطن - وقت سے پیشتر اطلاعات	۲۹
	اور تکلف و استقبال کی ممانعت	۳۰
	شاعری	۳۰
۶۱	شغف نہ ہونا - تقریبی شاعری - ضرورتاً	۳۰
۶۲	کلام کا انداز - ترہات شاعرانہ سے تنفر	۳۰
۶۳	قصائد اور اُن کا رنگ	۳۱
۶۴	ہفوات سے گریز کرنیکے لئے اعزہ کو تاکید	۳۱
۶۵	چار زبانوں میں شاعری اور قدرت نظم	۳۱
	تخلّص	۳۲
۶۶	مختلف تخلّص - مختلف وجوہ سے	۳۲
۶۷	طرازی - واسطی - عبد الجلیل	۳۲
۶۸	میر جلیل حیات الشعرا میں تذکرہ	۳۲
	عَرُوض	۳۲

شمار سلسلہ	عنوان مضمون	صفحہ
۶۹	مہارت فن	۳۲
۷۰	شیخ سعدی اور سیر نور اللہ کے مابین محاکمہ	۳۲
۷۱	بعض اقوال کی شرح	۳۳
	حُسن طلب	۳۳
۷۲	خواجہ عبد الباسط سے ربیع الابرار منگانا	۳۳
۷۳	پُر لطف قطعہ حُسن طلب	۳۴
۷۴	ابراہیم غزی کا اعتراف عجز	۳۵
۷۵	مراعات النظیر کی بعض نظیر تن میر عبد الجلیل کا کمال	۳۵
	اشعار متفرق	۳۶
۷۶	بعض فارسی اشعار	۳۶
	مستزاد	۳۷
۷۷	رباعی نوروز چار زبانوں مین	۳۷
	اشعارِ عربی	۳۸
۷۸	منتخب	۳۸
۷۹	ایک اور شاعر کے رنگ مین کچھ شعر	۳۸
	معمّے	۳۹
۸۰	چار زبانوں مین	۳۹
۸۱	۱- علی کے نام کا	۳۹
۸۲	۲- بصیر 〃	۳۹
۸۳	۳- امام کے 〃	۳۹

شمار سلسلہ	عنوان مضمون	صفحہ
۸۴	ملا قاسم کاہی اور شیخ ناصر علی کی طبع آزمائیان	۴۰
۸۵	معمّا باسم ممنون - از آزاد بلگرامی	۴۰
	متصوّفانہ مکاتبت	۴۰
۸۶	شیخ اسمٰعیل کا ایک رقعہ حقیقت نوم و یقظہ کا سوال	۴۰
۸۷	میر کا جواب - خواب و بیداری یکسان ہین	۴۱
	بعض تاریخین	۴۳
۸۸	تاریخ گوئی مین ملکہ [تہنیت فتح یا جلوس کی]	۴۲
۸۹	قلعہ ستارہ کی متعدد تاریخین، ایک شب مین نکالنا - ایک پورا رسالہ	۴۴ تا ۴۸
۹۰	عربی کی تاریخ، صنعت تعمیہ مین	۴۴ و ۴۵
۹۱	فارسی کی تاریخ، صنعت استنباط مین	۴۵
۹۲	فارسی کی دوسری، تعمیہ کے ساتھ	۴۶
۹۳	ایک تاریخ سے چار تاریخین	۴۶
۹۴	فتح بسنت گڈھ کی تاریخین	۴۷
۹۵	فرخ سیر کی تخت نشینی کی تاریخ	۴۷
۹۶	مفتاح التواریخ وغیرہ کی ایک غلطی	۴۷
۹۷	خطاب - خان دوران بہادر	۴۸
۹۸	ولادت - سید نور الحق	۴۸
۹۹	〃 میر غلام نبی رعلم و یقین پائی	۴۸
۱۰۰	میر غلام نبی کے شاگرد مرزا جانجانان	۴۹
۱۰۱	〃 کا معتقد میرزا محمد امین	۴۹

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۱۰۲	مرزا امین کا قطعہ غلام نبی اور غلام علی کی توصیف مین	۴۹
۱۰۳	ولادت پسر محمد روشن	۴۹
۱۰۴	وفات ۔ میر سید مبارک محدث	۴۹
۱۰۵	" سید مربی و سید احمد (مشترک تاریخ)	۵۰
۱۰۶	سید محمدی و قاضی محمد حافظ کی مشترک تاریخ	۵۰
۱۰۷	سید محمد حسن بندگی کی دردانگیز رحلت کی تاریخ آیۂ کریمہ سے	۵۰
۱۰۸	تاریخ ارتحال اورنگ زیب بادشاہ	۵۰
۱۰۹	انتباہ ۔ انتباہِ تاریخ ایک رباعی مین	۵۱
	قصیدۂ فتح آگرہ	۵۱
۱۱۰	شکوہ سیر کی تخت نشینی ۔ امیر الامرا کا قلعہ آگرہ فتح کرنا	۵۱
۱۱۱	میر عبد الجلیل کا قصیدہ فتح لکھنا	۵۱
	صلہ و خلعت لینے سے انکار	۵۱
	قصیدہ	۵۱ تا ۵۶
	امواج الخیال	۵۷ تا ۶۰
۱۱۲	بلگرام کی تعریف مین مثنوی	۵۷
۱۱۳	اس کی خصوصیات و خوبیان	۵۷
۱۱۴	شہر کی ستایش مین اشعار	۵۷
۱۱۵	فقرائے بلگرام کی مدح	۵۹
۱۱۶	فضلائے شہر کی توصیف	۵۹

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
	مثنوی کدخدائی ارشاد خان	۶۰
۱۱۷	امین الدولہ کے لڑکے کی شادی	۶۰
۱۱۸	پان کی صفت بسبیل ابہام	۶۰
۱۱۹	حمام کی تعریف	۶۰
۱۲۰	دانۂ مروارید	۶۱
۱۲۱	آتش بازی کی تعریف	۶۱
۱۲۲	دلہن کی صفت اور خلوتخانۂ عروسی	۶۲
۱۲۳	کوک کے معنی	۶۲
	مثنوی طوئے محمد فرخ سیر بادشاہ	۶۲
۱۲۴	مطبوعۂ مطبع نول کشور ۱۸۸۳ء	۶۲
۱۲۵	فرخ سیر کی شادی راجہ اجیت سنگھ کی لڑکی سے	۶۳
۱۲۶	شادی کا عنوان	۶۳
۱۲۷	تاریخ شادی و تقریب کا انعقاد ۔ اہتمام و سرانجام	۶۳
۱۲۸	بعض تاریخی حوالے اور تحقیقات	۶۴
۱۲۹	رانی ، بائی اندر کنور ۔ اس کا انجام	۶۴
۱۳۰	مثنوی کے اشعار کا شمار	۶۶
۱۳۱	فرخ سیر کے روبرو مثنوی کا پیش ہونا	۶۶
۱۳۲	میر عبد الجلیل کی بدولی و دلگرفتگی	۶۶
۱۳۳	میر آزاد کا مثنوی کو صاف کرنا	۶۶
۱۳۴	مثنوی کا رنگ ۔ شاعر کی قدرت کلام	۶۶
۱۳۵	اکثر علوم و فنون کے مصطلحات ۔ آمد و آورد	۶۶
۱۳۶	سلاست و کیفیت	۶۶

نمبر سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۱۳۷	بعض پسندیدہ و بے تکلف اشعار منتخب از مہتدی	۶۷
۱۳۸	فوج کشی بادشاہی	۶۷
۱۳۹	دیگر مختلف مضامین و عنوانات پر طبع آزمائی	۶۸
۱۴۰	ناچ کا اہتمام محفل طرب کی تصویر کشی یا "بزم افروزی رقص گنجینیان"	۶۸
۱۴۱	میر کے کلام کی پوری داد مقبول کا نہ بننا	۶۸
۱۴۲	ظہوری کے پانچ شعر وصف رقاصان مین	۶۸
۱۴۳	میر کے مزہ دار اشعار ناچنے والیونکی تعریف مین	۶۹
۱۴۴	ہنگامہ سازی ہزالان ظرافت و ضیافت	۶۹
۱۴۵	شکوئے عروسی مین بادشاہ کا پہونچنا	۷۰
۱۴۶	دولت خانۂ شاہی مین عروس کا ورود	۷۰
۱۴۷	ولیمہ کا انتظام و اہتمام۔ مطبخ ہمایون	۷۱
۱۴۸	دعا و خاتمۂ مثنوی	۷۱
۱۴۹	دعا کا نامقبول ہونا	۷۱
۱۵۰	فخریہ و خاتمہ	۷۲
۱۵۱	مثنوی کا ایک نفیس قلمی نسخہ	۷۲
	بذلہ سنجی و ہزل سرائی	۷۲
۱۵۲	آغاز شباب کا رنگ اس کا اقتضاء	۷۲
۱۵۳	ترجیع بند	۷۲
۱۵۴	اٹل، تخلص	۷۲
۱۵۵	چند اور اشعار	۷۲
۱۵۶	بعض تذکرہ نویسون کی غلط فہمی	۷۲
۱۵۷	نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اور منشی گوپال رشاد رسا کی روایات	۷۳
۱۵۸	میر غلام علی آزاد کا بہ جد لقین دلانا	۷۳
۱۵۹	میر عبد الجلیل کو دہلوی سمجھنے کی وجہ	۷۴
۱۶۰	تذکرہ نویسون کا احتیاط نہ کرنا	۷۴
۱۶۱	راقم اوراق کا خیال	۷۴
۱۶۲	بعض باکمال شعرا ہاجی و ہرزہ سرا بھی گذرے ہین	۷۴
۱۶۳	جاحظ کا قول	۷۵
۱۶۴	میر عبد الجلیل ہجو گو نہ تھے۔ انکا احتراز	۷۵
	ہندی شاعری	۷۶
۱۶۵	پورب کا لگاؤ موسیقی عشق اور محبت سے	۷۶
۱۶۶	پورب کے بعض مشہور ہندی شعرا	۷۶
۱۶۷	سید نظام الدین مدہنا یک بلگرامی	۷۶
۱۶۸	دیوان سید رحمت اللہ	۷۶
۱۶۹	بلبھدر برہمن	۷۶
۱۷۰	جنتا سن۔ مت رام بھوشن	۷۶
۱۷۱	ملا محمود جونپوری۔ شیخ شاہ محمد فرملی	۷۶
۱۷۲	شیخ عنایت اللہ بلگرامی اور انکی روش	۷۷
۱۷۳	میر جلیل کا کمال اور ہندی بھاشا	۷۷
۱۷۴	اس دور کے امرا کا بھاکا سے شغف	۷۹
۱۷۵	مرزا فقیر اللہ، سیف خان	۷۹
۱۷۶	حسین علیخان اور عالم شاعر کے کبت	۷۹
۱۷۷	امیر الامرا کا مصرد واکر کو بلگرام سے بلا کر نوکر رکھنا	۸۰

سلسلہ شمار	عنوان و مضمون	صفحہ
۱۷۸	مصرجی کے ایک دوہے مین میر کی تاریخ	۸۰
۱۷۹	میر جلیل اور پدماوت پر طبع آزمائی؟	۸۱
۱۸۰	میر کی بعض منظومات، سکھ نکھ	۸۱
	ظرافت و حاضر جوابی	۸۵
۱۸۱	ایک ہندو دوست کا سوال اور میر کا جواب	۸۵
۱۸۲	صنعت بوقلمون	۸۵
۱۸۳	جامع احوال کی معذوری و معذرت	۸۵
	معاصرین، رائین اور صحبتین	۸۶
۱۸۴	بلگرام کی علمی مجالس اور اُن کے رکن	۸۶
۱۸۵	بعض معاصرین کی آراء و اقوال	۸۶
۱۸۶	۱۔ سراج الدین علیخان، آرزو	۸۶
۱۸۷	۲۔ خواجہ عبدالباسط، دہلوی	۸۷
۱۸۸	۳۔ سید علی معصوم، مدنی	۸۷
۱۸۹	۴۔ مرزا محمد علی خان، متین	۸۸
۱۹۰	۵۔ میر محمد مراد، لائق	۸۸ مقابلہ ۹۰
۱۹۱	— لائق اور صائب	۹۰ و ۹۱
۱۹۲	۶ ناظم خان فارغانی قمی	۹۱
۱۹۳	۷ شیخ ناصر علی سرہندی	۹۱
۱۹۴	— ناصر علی کے کلام پر میر کے اعتراض	۹۱
۱۹۵	۸ مرزا خاضع	۹۲
۱۹۶	۹ میر محمد ہاشم، جرات	۹۳
۱۹۷	۱۰ مولوی جیون، شیخ احمد امیٹھوی	۹۴
۱۹۸	۱۱ مرزا یار علی بیگ	۹۴
۱۹۹	۱۲ شعر و سخن کی ایک مجلس	۹۴
۲۰۰	۱۳ شیخ غلام نقشبند اور اُنکا خط	۹۵
۲۰۱	۱۴ حافظ ضیاء اللہ	۹۵
۲۰۲	۱۵ سید قاسم اسرار بلگرامی	۹۶
۲۰۳	۱۶ سید محمد اشرف، درگاہی	۹۶
۲۰۴	۱۷ سید محمد باقر بلگرامی	۹۷
۲۰۵	۱۸ حاجی صفت اللہ خیرآبادی	۹۸
۲۰۶	۱۹ سید حسین خالص مخاطب امتیاز خان	۹۸
۲۰۷	— اُنکا قتل و نسب، حذآباد دین	۹۸
۲۰۸	۲۰ مرزا احمد یار خان، یکتا	۱۰۰
۲۰۹	۲۱ سید قریش بلگرامی، میر کی مدح	۱۰۰
	اُمرا و سلاطین	۱۰۲
۲۱۰	حسین علی خان کا میر کو بے نظیر کہنا	۱۰۲
۲۱۱	میر کا امیر خسرو سے تشابہ	۱۰۳
۲۱۲	میر کا سات بادشاہون کی خدمت کرنا	۱۰۳
	۱ عالمگیر اورنگ زیب	۱۰۴
	۲ شاہ عالم بہادر شاہ	۱۰۴
	۳ معز الدین جہاندار شاہ	۱۰۴
	۴ محمد فرخ سیر	۱۰۵
	۵ رفیع الدرجات	۱۰۵
	۶ شاہجہان ثانی	۱۰۵
	۷ محمد شاہ	۱۰۵

نمبر سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۲۱۳	نواب فضائل خان کی مجلسین اور میر کی قدر شناسی	۱۰۵
	نواب آصف جاہ	۱۰۵
۲۱۴	سرو آزاد مین نواب کا ذکر خیر	۱۰۵
۲۱۵	نواب کا خاندان عالی۔ اسلاف نامور	۱۰۶
۲۱۶	نواب کو عالمگیر کا منصب پنجہزاری دینا	۱۰۶
۲۱۷	شاہ عالم کا خان دوران بہادر خطاب دینا	۱۰۷
۲۱۸	نواب کا تعلقات دنیوی کو قطع کرنا	۱۰۷
۲۱۹	معز الدین کے اصرار پر منصب و خطاب قبول کرنا	۱۰۷
۲۲۰	فرخ سیر کا ہفت ہزاری منصب و خطاب عطا کرنا	۱۰۷
۲۲۱	دکن کا انتظام۔ مقابلہ و مقاتلہ	۱۰۷
۲۲۲	وزارت پر مامور ہونا	۱۰۸
۲۲۳	حیدر قلی ناظم گجرات کی تادیب کیلئے جانا	۱۰۸
۲۲۴	حکومت دکن و وزارت و صوبہ داری مالوہ و گجرات پانا	۱۰۸
۲۲۵	ملازمت و حضوری مین محمد شاہ کے اصرار پر پہونچنا	۱۰۹
۲۲۶	نواب کی تشریف آوری کی تاریخ۔ ایک رباعی	۱۱۰
۲۲۷	دہلی سے مرہٹون کی تنبیہ کیلئے روانگی	۱۱۰
	صلح	۱۱۱
۲۲۸	رحلت و مدفن	۱۱۲
۲۲۹	انگریز مورخین کی ثنا گستری و ستائش	۱۱۲
۲۳۰	نواب اور میر کی صحبت اور شاعری	۱۱۳
۲۳۱	قصیدۂ مدحیہ	۱۱۴
۲۳۲	نواب کا مرزا بیدل کا احترام اور قدر کرنا	۱۱۶
	سادات بارہہ	۱۱۷
۲۳۳	عالمگیر کی بہادر شاہ کو وصیت	۱۱۷
۲۳۴	سادات بارہہ۔ پرانی تاریخ	۱۱۷
۲۳۵	— شاہی نمکخواری و وفاداری	۱۱۷
۲۳۶	ان کے کارہائے نمایان	۱۱۸
۲۳۷	انقلابات دہلی مین سادات کا ہاتھ	۱۱۹
	سادات بارہہ سے تعلقات	۱۱۹
۲۳۸	سادات سے مراسم کے وجوہ	۱۱۹
۲۳۹	سادات بلگرام و بارہہ کا ہم نسب ہونا	۱۱۹
۲۴۰	آغاز تعلقات و شناسائی	۱۲۰
۲۴۱	امیر الامرا کے دربار مین قصیدہ پیش کرنا	۱۲۰
۲۴۲	رباعی تہنیت عید	۱۲۰
۲۴۳	امیر الامرا کے لڑکے کی پیدائش کی باغیان	۱۲۱
۲۴۴	جنتوئی کی بارش والی رباعی کا تذکرہ اور امیر الامرا کا پسند کرنا	۱۲۲
۲۴۵	لے جاکر خود بادشاہ کو دینا	۱۲۳
۲۴۶	بحالی خدمات	۱۲۳
۲۴۷	شیخ محمد رضا نتوی کی رباعی	۱۲۳
	* **سید حسن علی خان**	۱۲۴
۲۴۸	خطاب خانی	۱۲۴
۲۴۹	فوجداری نذر دربار و سلطان پور بکلانہ	۱۲۴

شہادت آصف و تقرری کا اہتمام و فراہمی — ۱۲۳

ان پر فروع اوصاف

سید سلطان کا جغرافیہ اور اس واقعہ کی تفصیل — ۱۲۳

شیخ محمد رضا کی رباعی

* شیخ نصیر حسین کا حدیقۃ الاقالیم مین یہ رباعی نقل کرنا ۱۲۳

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۲۵۰	حاکم اورنگ آباد	۱۲۴
۲۵۱	شاہزادہ معزالدین کی مرافقت و عدم موافقت	۱۲۴
۲۵۲	میر عبدالجلیل کا سلوک حسن علی خان سے	۱۲۵
۲۵۳	صوبہ دار اجمیر بعد ازان الہ آباد کا مقرر ہونا	۱۲۶
۲۵۴	معرکۂ کھجوہ اور داد شجاعت	۱۲۶
۲۵۵	ہفت ہزاری منصب پانا اور خطاب	۱۲۷
۲۵۶	راجہ رتن چند پر اعتماد مفرط	۱۲۷
۲۵۷	محمد شاہ کی تخت نشینی، سادات کی سرکشی اور مقابلہ۔ گرفتاری و قید	۱۲۹
۲۵۸	زہر دیا جانا۔ وفات۔ مدفن	۱۳۱
۲۵۹	میر جلیل کا اپنی مثنوی میں انکی مدح کرنا	۱۳۲
۲۶۰	نہر بیت گنج کا کھدانا۔ تاریخ	۱۳۳
۲۶۱	میر کا مسلک سادات کا ذکر و مآثر	۱۳۳
۲۶۲	سادات کی غلط روی کا اعتراف	۱۳۳
۲۶۳	خاتمہ مثنوی میں فرخ سیر کا نام لینا	۱۳۳
۲۶۴	میر سید محمد کا ذکر و واقعات انقلاب	۱۳۴
۲۶۵	فرخ سیر کی آنکھوں میں سلائی پھیرا جانا	۱۳۵
۲۶۶	حبس۔ موت۔ دفن	۱۳۶
۲۶۷	تاریخ قتل کی نسبت مفتاح التواریخ کی غلطی	۱۳۷
۲۶۸	فرخ سیر کی فرد مظالم اور بیرحمیان	۱۳۷
۲۶۹	فرخ سیر کا حجاج سے تشابہ	۱۳۷
	سید حسین علی خان	۱۴۰
۲۷۰	حاکم رن تھنبور۔ فوجدار سدول تھانہ	۱۴۰
۲۷۱	سہ ہزاری منصب۔ نائب صوبہ دار پٹنہ	۱۴۰
۲۷۲	معزالدین پر فتح پانا	۱۴۰
۲۷۳	امیر الامرا خطاب ہفت ہزاری منصب	۱۴۰
۲۷۴	مہاراجہ اجیت سنگھ کا تمرد و تنبیہ و استیصال	۱۴۰
۲۷۵	طریق فوج کشی۔ ضبط و نسق افواج	۱۴۱
۲۷۶	اجیت سنگھ کی درخواست مصالحت	۱۴۲
۲۷۷	ابھے سنگھ راجکمار کو دہلی بھیجنا	۱۴۲
۲۷۸	اپنی لڑکی سے بادشاہ کی شادی کرنا۔ ڈولہ	۱۴۲
۲۷۹	امیر الامرا کا صوبہ دار دکن مقرر ہونا	۱۴۲
۲۸۰	میر جملہ کی سعایت و بدسگالی	۱۴۲
۲۸۱	امیر الامرا کی بادشاہ سے علانیہ مخالفت	۱۴۳
۲۸۲	فرخ سیر کو قید کر لینا نیکو سیر کا مقابلہ	۱۴۳
۲۸۳	چبیلہ رام ناگر و گردھر بہادر کی مخالفت	۱۴۳
۲۸۴	نواب نظام الملک سے رنجش	۱۴۳
۲۸۵	خود دونوں بھائیوں میں صفائی قلب تھی	۱۴۳
۲۸۶	روشن اختر، محمد شاہ کا تخت نشین ہونا	۱۴۳
۲۸۷	میر حیدر ترک کا امیر الامرا کو مار ڈالنا	۱۴۳
۲۸۸	تجہیز و تکفین	۱۴۵
۲۸۹	سادات کے موافق و مخالف فرقے	۱۴۶
۲۹۰	نعمت اللہی بھلائی سے یاد کرتا تھا	۱۴۷
۲۹۱	حیدری معاند تھا	۱۴۷
۲۹۲	مرزا بیدل اور سادات	۱۴۸
۲۹۳	میر بے خبر کا جواب	۱۴۹
۲۹۴	محمد یوسف کا قطعۂ تاریخ	۱۵۰

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
۲۹۵	میر غلام علی کی ستایش امیر الامرا	۱۵۱
۲۹۶	امین الدولہ اور امیر الامرا	۱۵۲
۲۹۷	ملا عبد الغفور تاجر سورت کا مال و متاع حاکم بندر کا ضبط کر لینا	۱۵۲
۲۹۸	اُس کے لڑکے کی فریاد اور وعدہ نیاز	۱۵۳
۲۹۹	امیر الامرا کا مال مع رقم نیاز واپس کر دینا	۱۵۳
۳۰۰	معدلت شاہجہانی کا ایک یادگار واقعہ	۱۵۳
۳۰۱	محمد امین حاکم سورت کی سختی۔ گرفتاری اور حکم سزا۔ راجہ رگھوناتھ رائے کا جرأت کر کے تعمیل سزا ملتوی کرانا	۱۵۳ و ۱۵۴
۳۰۲	امیر الامرا کی ذہانت و شعر فہمی	۱۵۴
۳۰۳	اہل فضل و کمال کی صحبت	۱۵۴
۳۰۴	امیر الامرا کے مرثیہ میں میر کا قصیدہ	۱۵۴
۳۰۵	تاریخ وفات	۱۵۶
۳۰۶	مثنوی شادی میں ستایش	۱۵۷
۳۰۷	عید قربان کی تہنیت و نذر	۱۵۷
۳۰۸	مولد نبوی پر اہتمام و چراغاں کرنا	۱۵۸
۳۰۹	سیر کی تضمین۔ اس احتشام کو چمکانا	۱۵۸
۳۱۰	امیر الامرا کے بعض جرائم و سیئات	۱۵۸
	میر سید محمد شاعر	۱۵۹
۳۱۱	ولادت	۱۵۹
۳۱۲	تحصیل علوم۔ فضائل	۱۵۹
۳۱۳	کتب حقائق کا مطالعہ	۱۵۹
۳۱۴	باپ بیٹے کی محبت۔ اشتیاق لقا	۱۵۹
۳۱۵	شاہجہان آباد بلانا چاہا تھا کہ فوراً قناعت کی	۱۶۰
۳۱۶	میر سید محمد کا آیۂ قرآنی میں جواب بھیجنا	۱۶۰
۳۱۷	باپ کی مسرت اور اظہار محبت در رباعی	۱۶۰
۳۱۸	مستطرف کا انتخاب	۱۶۰
۳۱۹	تبصرۃ الناظرین	۱۶۰
۳۲۰	میر عبد الجلیل کے استفسار پر اُن کی خدمات میر سید محمد کے سپرد ہونا	۱۶۱
۳۲۱	میر سید محمد کا حسن سلوک رعایا کا راضی ہونا	۱۶۱
۳۲۲	خدمات کی نیابت سیوستان کی آمد و رفت	۱۶۱
۳۲۳	عزل خدمت کے باوجود خدا یار خان کا ان کا اعزاز و اکرام کرنا مقیم رکھنا	۱۶۱
۳۲۴	چالیس سال بعد اس خاندان کا سندھ سے قطع تعلق	۱۶۱
۳۲۵	حکیم ابن خلدون کا قول۔ اقوام و امم کی زندگی و موت	۱۶۱
۳۲۶	ایک علمی لطیفہ۔ نادر شاہ کی واپسی	۱۶۲
۳۲۷	میر سید محمد کی عمر۔ وفات	۱۶۲
۳۲۸	آزاد کا مرثیہ و تاریخ لکھنا	۱۶۲
۳۲۹	میر سید محمد کی طباعی۔ شاعری۔ دیوان	۱۶۲
۳۳۰	میر جلیل کے خطوط کا جمع کرنا	۱۶۲
۳۳۱	منصور حلاج کی تاریخ شہادت آیۂ قرآنی سے	۱۶۳
۳۳۲	مثنوی ناز و نیاز	۱۶۳
۳۳۳	سید حسن ترمذی اور شاہ فیض کا منظوم قصہ	۱۶۳

شمار سلسلہ	عنوان و مضمون	صفحہ
	میر غلام علی آزاد	۱۶۳
۳۳۴	ولادت - مقام و تاریخ	۱۶۳
۳۳۵	تحصیل علوم سیعت طریقہ	۱۶۳
۳۳۶	شاہجہان آباد جاکر نانا سے تکمیل کی	۱۶۴
۳۳۷	میر سید محمد کا نائب مقرر ہو کر آزاد کا سیوستان جانا	۱۶۴
۳۳۸	ایک جذبہ صغر سن مین رسول مقبول کی زیارت	۱۶۴
۳۳۹	بلگرام سے پاپیادہ چل دینا	۱۶۴
۳۴۰	سرگذشت سفر کی مثنوی طلسم اعظم نام	۱۶۴
۳۴۱	نواب آصف جاہ کے لشکر مین پہونچنا	۱۶۴
۳۴۲	نواب کے حضور مین رباعی عرض کرنا	۱۶۴
۳۴۳	آزاد کی شرکت غزا و جہاد	۱۶۵
۳۴۴	بھوپال کے سواد مین رمضان	۱۶۵
۳۴۵	نواب کا زاد و راحلہ بہم پہونچانا	۱۶۵
۳۴۶	سفر بیت اللہ - روانگی	۱۶۵
۳۴۷	مکہ معظمہ پہونچنا	۱۶۵
۳۴۸	مدینہ منورہ کا اشتیاق اور زیارت	۱۶۶
۳۴۹	شیخ محمد حیات سندی سے سند صحیح بخاری و غیرہ لینا	۱۶۶
۳۵۰	بارگاہ رسالت سے واپسی	۱۶۶
۳۵۱	مکہ مین شیخ عبد الوہاب طنطاوی کی صحبت	۱۶۶
۳۵۲	آزاد کا تخلص شکر استاد کی تحسین	۱۶۶
۳۵۳	طواف وداع	۱۶۷
۳۵۴	واپسی سورت - پانچ ماہ قیام	۱۶۷
۳۵۵	ورود اورنگ آباد	۱۶۷
۳۵۶	بابا شاہ مسافر کے تکیہ مین سات سال قیام	۱۶۷
۳۵۷	دیار عرب کی دوبارہ کشش	۱۶۷
۳۵۸	حیدرآباد اور نواب نظام الدولہ کی معیت	۱۶۸
۳۵۹	باوجود مصائب خاندانی آزاد کا وطن نہ جانا	۱۶۹
۳۶۰	میر اولاد محمد ذکار اور سید امیر حیدر کی تربیت پر داخت	۱۷۰
۳۶۱	وفات آزاد	۱۷۱
۳۶۲	مدفن اور قبر	۱۷۱
۳۶۳	آزاد کے کمالات اور تصانیف	۱۷۲
۳۶۴	ید بیضا	۱۷۲
۳۶۵	سرو آزاد	۱۷۲
۳۶۶	خزانۂ عامرہ	۱۷۲
۳۶۷	مآثر الکرام	۱۷۳
۳۶۸	سبحۃ المرجان و شمامۃ العنبر	۱۷۳
۳۶۹	سبعہ سیارہ	۱۷۳
۳۷۰	سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات	۱۷۴
۳۷۱	روضۃ الاولیاء	۱۷۴
۳۷۲	تسلیۃ الفواد	۱۷۴
۳۷۳	صنور الدراری - شرح بخاری	۱۷۵
۳۷۴	ترجمہ مکاتیب شیخ مجدد سرہندی	۱۷۵
۳۷۵	آزاد کی اردو شاعری سے انکار	۱۷۵
۳۷۶	قائم چاندپوری کی شاگردی غلط	۱۷۶

سلسلہ شمار	عنوان و مضمون	صفحہ
۳۷۷	گربہ نامہ	۱۷۶
۳۷۸	شجرۂ طیبہ	۱۷۶
۳۷۹	دیوان فارسی	۱۷۶
۳۸۰	کشکول اشعار منتخبہ۔	۱۷۶
۳۸۱	مآثر الامرا کی ترتیب جدید میں شرکت	۱۷۶
۳۸۲	آزاد کا میر عبد الجلیل کے حقوق کو ادا کرنا	۱۷۶
۳۸۳	آزاد کا زیر تالیف تذکرہ	۱۷۷
	رَدُّ و قَبُول	۱۷۸
۳۸۴	شیخ وجیہ الدین اشرف کا بحر زخار میں میر کا ذکر کرنا	۱۷۸
۳۸۵	نہایت گران قدر الفاظ میں یاد فرمانا	۱۷۸
۳۸۶	ابتدائے نامل تھا مگر آزاد کی رہنمائی اور اصرار پر حال لکھنا پڑا	۱۷۸
۳۸۷	میر کی زندگی کے بعض واقعات	۱۷۸
۳۸۸	میر کی شعر گوئی کی ستائش	۱۷۹
*	**پایان سخن**	۱۸۰

سلسلہ شمار	عنوان و مضمون	صفحہ
۳۹۲	ختم کتاب پر سپاس باری	۱۸۰
۳۹۳	راقم کی دشواریاں	۱۸۰
۳۹۴	تمنائے ستایش سے بے نیازی	۱۸۰
۳۹۵	اپنی تقصیرات اور فروگذاشتوں کا اعتراف	۱۸۱
۳۹۶	ہر موقع پر ماخذ و ذریعہ معلومات نہ لکھنے کی عذر خواہی	۱۸۱
۳۹۷	" " وجہ	۱۸۱
۳۹۸	سعی تحقیق و تمحیص	۱۸۲
۳۹۹	حملۂ اہل قلم کا شکر	۱۸۲
۴۰۰	ایک جہرسن فاضل کا قول	۱۸۳
۴۰۱	بعض ارباب علم و ادب کی سپاس گذاری	۱۸۳
۴۰۲	بالخصوص، مولوی زید احمد صاحب	۱۸۳
۴۰۳	مولوی حکیم سید اسحق علی صاحب	۱۸۴
۴۰۴	منشی محمد بشیر علی خانصاحب	۱۸۴
۴۰۵	غلطیوں کا مزید اعتراف	۱۸۴
۴۰۶	اہل نظر سے توقع و ترصد	۱۸۴

فہرست حواشی و فوائد تحت المتن تذکرۂ میر عبد الجلیل بلگرامی حصہ دوم

سلسلہ شمار	حاشیہ۔ بالتحت المتن	صفحہ
۱	حوالہ شجرۂ طیبہ	۱
۲	محمد اشرف کی نیابت سیوستان	۱
۳	محمد یوسف، احوال	۱
۴	سید محمد نوح	۲

سلسلہ شمار	حاشیہ۔ بالتحت المتن	صفحہ
۵	سید فیروز، وفات	۲
۶	میر اولاد محمد، ذکا	۲
۷	شیخ غلام حسن فرشوری یقین	۲
۸	شرائف عثمانی، تاریخ شیوخ بلگرام	۲

شمار سلسلہ	حاشیہ۔ یا تحت المتن	صفحہ	شمار سلسلہ	حاشیہ۔ یا تحت المتن	صفحہ
۹	سلطان بہلول لودی	۳	۳۱	ترجمہ آیت	۴۲
۱۰	ثمین کی کتاب وقائع احمد شاہ ابدالی و عماد الملک وزیر	۳	۳۲	ستارہ، شہر و تاریخ۔ لڑائیوں کی۔ گزشتہ و موجودہ احوال	۴۳
۱۱	ترجمہ انگریزی کتاب مذکور	۳			
۱۲	حدیث رحمت مسلسل اولیت مع تضمینات	۴	۳۳	میر حمزہ تاشکندی کی تاریخ استنباط	۴۵
۱۳	حدیث الاسودین	۴ و ۵		نیز سرخوش کی	۴۵
۱۴	سید غلام مصطفےٰ، شہید	۶	۳۴	ترجمہ آیت	۴۷
۱۵	الور و مہاراجہ صاحب بہادر الور	۸	۳۵	خاندوران، سوم و چہارم	۴۸
۱۶	شیخ ناصر علی سرہندی	۱۱	۳۶	میر غلام نبی بلگرامی۔ کمال و تذکرہ	۴۸
۱۷	مآثر الکرام کا حوالہ	۱۲	۳۷	تذکرہ شمع انجمن کا حوالہ	۵۱
۱۸	میر غلام علی آزاد سے مراد	۱۶	۳۸	مہتمم الاشبال معنی و توجیہ لقب	۵۳
۱۹	قنوج، تاریخ مع آثار قدیمہ	۲۳	۳۹	ساباط معنی و مرادف	۵۴
۲۰	پیشہ خطابت بعض مشاہیر حکما حکیم جعفر	۲۸	۴۰	اوہم کے معمے کی تلمیح	۵۴
۲۱	ترجمہ شعر سبعہ معلقہ	۳۲	۴۱	حذر اصم۔ لغوی و اصطلاحی معانی	۵۵
۲۲	ابو القاسم جار اللہ زمخشری عقائد مناظرہ ابو	۳۳	۴۲	حذیفہ بن الیمانؓ	۵۶
	شیخ شریف ابن شجری بعض مناظرات	۳۵	۴۳	کتم	۵۶
	زید الخیل	۳۵	۴۴	دو عیدین۔ عید فتح و عید فطر	۵۶
۲۳	ربیع الابرار	۳۶	۴۵	سلبت سر۔ آواز کے سات مرتبے	۵۶
۲۴	نوروز، جشن، تحقیق، اورنگ زیب کا ارشاد	۳۷	۴۶	مُتَمَّم۔ معنی	۵۷
۲۵	میر سید اسماعیل بلگرامی	۴۰	۴۷	الرحمٰن علی العرش استویٰ ترجمہ و تحقیق	۵۹
۲۶	شاہ عبد الرزاق بانسوی	۴۱	۴۸	فرخ سیر کے ازواج و اعقاب	۶۳
۲۷	اختصام ملاء اعلیٰ۔ حدیث	۴۱	۴۹	سیر المتاخرین	۶۴
۲۸	ترجمہ آیت	۴۲	۵۰	تاریخ شادی فرخ سیر	۶۴
۲۹	قم یا نومان حذیفۃ الیمان اور غزوۂ خندق	۴۲		مفتاح التواریخ کی روایت	۶۴
۳۰	عبود۔ غلام حبشی، کا حال	۴۲	۵۱	رانی	۶۵

شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ
۵۲	راجہ اجیت سنگھ کا گریز بقول رائے مان	۶۵
۵۳	فرفرہ چمڑے کی پھرکی	۶۹
۵۴	چنڈول	۷۰
۵۵	میر صفدر رائل برادر جعفر زٹلی	۷۲
۵۶	بارہ ہزار	۷۲
۵۷	گلشن بخار مطبوعہ نولکشور	۷۳
۵۸	ارمغان گوتمل پرشاد	۷۳
۵۹	سید قریش بلگرامی، عجیب	۷۴
	اور میر امام علی صاحبقران	۷۴
۶۰	ملا نورالدین قرخان و دیگر ہزل گو شعرا	۷۴
۶۱	سید نظام الدین سہنا یک	۷۶
۶۲	دیوان سید رحمت اللہ	۷۶
۶۳	بلبھدر برہمن	۷۶
۶۴	چنتامنی یا چنتامن	۷۶
۶۵	مت رام	۷۷
۶۶	بھوشن	۷۷
۶۷	تحقیق سکونت	۷۸
۶۸	ملا محمود فاروقی	۷۸
۶۹	شیخ شاہ محمد	۷۹
۷۰	کبت یا سیکھ	۷۹
۷۱	شیخ عالم	۷۹
۷۲	نکھ سکھ یا سراپا	۸۰
۷۳	سراج الدین علیخان، آرزو	۸۶
۷۴	ترجمہ ایت تعلیم تحیت و سلام	۸۷

شمار سلسلہ	حاشیہ یا تحت المتن	صفحہ
۷۵	تذکرہ حیات الشعراء	۸۸
۷۶	مرزا محمد علی صائب	۸۸
۷۷	مرزا کے معانی کی تحقیق	۹۲
۷۸	اختلاف روایت	۹۳
۷۹	دہار دار	۹۳
۸۰	مرزا عبدالقادر بیدل	۹۳
۸۱	حاجی ملا جیون، شیخ احمد نام	۹۴
۸۲	شاہ قاسم انوار	۹۶
۸۳	شمس آباد	۹۶
	آثار قدیمہ	۹۸
	نواب صاحبان	۹۹
۸۴	سید محمد اشرف، درگاہی	۹۹
۸۵	سید محمد باقر، بلگرامی	۹۹
۸۶	حاجی صفت اللہ خیرآبادی	۹۹
۸۷	خدا آباد تھارنٹن کا گزیٹیر	۱۰۰
۸۸	ٹھٹھہ	۱۰۰
۸۹	عالمگیر سے لیکر محمد شاہ تک بادشاہوں کی مختصر تاریخ و حالات ضروری	۱۰۳ تا ۱۰۵
۹۰	سلطنت حیدرآباد	۱۰۸
	سلطنت بہمنی	۱۰۹
	" عماد شاہی	۱۰۹
	" عادل شاہی	۱۰۹
	" نظام شاہی	۱۰۹
	" برید شاہی	۱۰۹

نمبر سلسلہ	حاشیہ۔ یا تحت المتن	صفحہ
	سلطنت قطب شاہی	۱۰۹
	حیدرآباد کی تاریخ	۱۰۹
	قدیم وجدید عمارات، قلعہ و نظام کی مصنوعات۔ مواشی مسکوکات	۱۱۰
۹۱	ایک نحوی غلطی	۱۱۲
۹۲	سمبت	۱۱۵
۹۳	ترجمۂ رباعی	۱۱۶
۹۴	ایک ادبی اعتراض	۱۲۱
۹۵	آمین	۱۲۱
۹۶	آمین	۱۲۱
۹۷	خان۔ ترکی خطاب	۱۲۴
۹۸	نذر بار	۱۲۴
۹۹	سلطان پور	۱۲۴
۱۰۰	بنگلانہ	۱۲۴
۱۰۱	اجمیر۔ تاریخ۔ اکبر کا زیارت کرنا	۱۲۵
	سرٹامس رو۔ عمارات قدیمہ	۱۲۶
۱۰۲	الہ آباد یا پریاگ	۱۲۷
	تاریخ خسرو باغ	۱۲۸
	یونیورسٹی۔ پبلک لائبریری	۱۲۹
	عمارات جدیدہ۔ مسجد شاہجہانی	۱۲۹
	آثار قدیمہ۔ بارہ سرائین	۱۳۰
	بارہ دائرے	۱۳۰
	دائرہ شاہ رفیع الزمان رح	۱۳۱
	شاہ عبداللطیف شیخ العجم رح	۱۳۱

نمبر سلسلہ	حاشیہ۔ یا تحت المتن	صفحہ
	شاہ عبداللطیف ثانی رح	۱۳۱
۱۰۳	کھجوہ	۱۳۱
۱۰۴	راجہ رتن چند	۱۳۲
۱۰۵	خاص جلو یعنی فرخ سیر کا باڈی گارڈ	۱۳۴
۱۰۶	راجہ جیت سنگھ	۱۳۴
	ابھے سنگھ	۱۳۵
۱۰۷	ریاست جودھپور مارواڑ	۱۳۵
۱۰۸	میڑتھ کا قلعہ	۱۳۶
۱۰۹	حجاج بن یوسف ثقفی	۱۳۷
۱۱۰	رن تھم بھور، و قلعہ کندھار	۱۴۰
۱۱۱	راجہ جے سنگھ ثانی	۱۴۱
۱۱۲	فرخ سیر کا قید کیا جانا تسمہ کشی	۱۴۲
۱۱۳	مالوہ	۱۴۳
	سلطنت مالوہ	۱۴۴
	بازبہادر اور روپ متی	۱۴۶
۱۱۴	میر حیدر خان کاشغری	۱۴۷
۱۱۵	محمد یوسف، سخنور خان	۱۴۸
۱۱۶	برہان پور	۱۴۸
	سرٹامس رو اور ٹیورنیر	۱۴۹
۱۱۷	ملغور	۱۵۱
۱۱۸	شہر سورت، و بندر سورت	۱۵۱
	تاریخ، سابق و حال	۱۵۲
۱۱۹	ملک التجار عبدالغفور	۱۵۵
۱۲۰	آمین	۱۵۷

شمار سلسلہ	حاشیہ۔ یا تحت المتن	صفحہ
۱۲۱	تسبند	۱۵۸
۱۲۲	معتقی	۱۵۸
۱۲۳	المستطرف فی کل فن مستظرف	۱۶۰
۱۲۴	خدایار خان، بہادر نابت جنگ	۱۶۱
۱۲۵	بھوپال۔ تاریخ ماضی وحال	۱۶۵
	〃 ریاست۔ عمارات	۱۶۵
	〃 مرکز علوم وفنون	۱۶۵
	〃 بیگمات حکمران	۱۶۵
	〃 نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ	۱۶۵
	〃 نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر	۱۶۶
۱۲۶	شیخ محمد حیات سندی	۱۶۶
۱۲۷	شیخ عبد الوہاب طنطاوی	۱۶۷
۱۲۸	بابا شاہ مسافر۔ بابا سعید۔	۱۶۸
۱۲۹	تکیہ یا درگاہ مسافر شاہ	۱۶۸
۱۳۰	شہر حیدرآباد۔ تاریخ	۱۶۹
	وضع آبادی شہر	۱۶۹
	قطب شاہی عمارات، چار مینار	۱۷۰
	چار کمان	۱۷۰
	حوض چارسو	۱۷۰
	دار الشفا	۱۷۰
	مسجد دعا خورخانہ	۱۷۰

شمار سلسلہ	حاشیہ۔ یا تحت المتن	صفحہ
	پرانا پل۔ گوشہ محل۔ مسجد جامع مسجد	۱۷۰
	پرانی حویلی۔ چومحلہ۔ دیگر محلات شاہی	۱۷۱
	سالار جنگ کا محل شمس الامرا کا مکان بادری	۱۷۱
	فلک نما۔ جہان نما	۱۷۱
	اطراف بلدہ رزیڈنسی و ریذیڈنسی بازار	۱۷۲
	حسین ساگر۔ سیر عالم۔ واٹر ورکس	۱۷۲
	باغ عامہ۔ گندی پیٹھ	۱۷۳
	سرشتہ آرائش بلدہ	۱۷۳
۱۳۱	مرثیہ میر نور الحسن	۱۷۴
۱۳۲	مفتی امیر حیدر	۱۷۴
۱۳۳	تحقیق تاریخ وفات آزاد	۱۷۴
۱۳۴	بیاض	۱۷۵
۱۳۵	سرو آزاد	۱۷۵
۱۳۶	خزانہ عامرہ	۱۷۵
۱۳۷	مآثر الکرام	۱۷۵
۱۳۸	سبحۃ المرجان	۱۷۵
۱۳۹	السبعۃ السیارۃ مختار دیوان آزاد	۱۷۵
۱۴۰	سند السعادات	۱۷۵
۱۴۱	روضۃ الاولیا	۱۷۵
۱۴۲	ضوء الدراری	۱۷۵
۱۴۳	حضرت حسان بن ثابت رضؓ	۱۷۵
۱۴۴	ترجمہ شعر	۱۸۰
۱۴۵	سلسلۂ روایت کا بیان	۱۸۱

بعض تصحیحات کتابت حصہ دوم

صفحہ	سطر متن	سطر نوٹ	خطا	صواب
۱	فہرست	۱۴	اسکی، وجہ	اسکی وجہ،
۵	″	۹	احترار	احتراز
۲	۰	۳	ملکی	کی
۴	۰	۱۶	میری	سیری
۱۴	۱۹	۰	مفر	سفر
۱۵	۸	۰	بیتی	بیستی
″	۱۹	۰	۱۸۵۴-۱۵۳	۱۸۵۲-۵۳
۱۹	۱۹	۰	العلا	العسلا
۲۰	۶	۰	خوارند	خواندند
″	۱۰	۰	تقید	تقیید
۲۲	۱۰	۰	پیشر	پیشتر
۲۴	۰	۷	عہدکی	عہدکے
″	۰	۹	موتیامحل	مٹیامحل
″	۰	۱۱	سید محمد قنوجی	سید محمد قنوجی متوفی ۲۲ شوال ۱۱۰۱ھ
۲۵	۰	۵	۱۰۸۸ھ	۱۰۸۸ھ
۲۶	۰	۲	لڑکے کا	لڑکے سید نورالشمس مخاطب امجد خاں کا
″	۰	۱۴	روایت	رفاہیت
۳۳	۷	۰	جاہلاً و	جاہلاً و

صفحہ	سطر متن	سطر نوٹ	خطا	صواب
۳۳	۷	۰	تزدّدِ	تزوّد
۳۶	۰	۲	۹۲۰ھ	۹۲۱ھ
۳۷	۳	۰	بالتنشاطِ	بالتنشاطِ
۴۴	۷	۰	اِبُحامَہٗ	اِبُحامَہٗ
۴۴	۰	۴	سنہ ۱۶۷۳	سنہ ۱۶۷۳ء
۴۹	۶	۰	محفوظ	محظوظ
۵۱	۸	۰	نست	نیست
″	۱۵	۰	بتہادیا	بٹھادیا
۵۳	۱	۰	ہُزبَرِ	ہِزبَرِ
″	۰	۲	موتم، فیم	موتم، یتیم
۵۴	۸	۰	نصرت	نصرت
۵۵	۰	۹	یعرف	یعرف
″	۰	۱۱	فحول	فحول
۵۶	۰	۱۰	سر	ھر
۵۷	۶	۰	تیغ	تیغ
۶۴	۷	۰	مجھے	مجھے
″	۰	۷	Biggs	Briggs
۶۵	۴	۰	بودوباش	بودوباش
۶۸	۹	۰	تخییل	تخیل
۷۴	۱۱	۰	منقدین	معتقدین

صفحہ	سطر		خطا	صواب
	متن	نوٹ		
۷۷	۵	۰	تہیاء نماز	تہیۂ نماز
۷۷	۰	۳	۱۶۷۲ء سمبت	۱۶۷۲ سمبت
۸۰	۱۱	۰	نہ ہوا تھے	نہ ہوا ہے
″	″	۰	کنین	کہیں
۸۲	۰	۰	چار	چہار
۸۳	۱۶	۰	گردِ	بہار
۸۹	۱۴	۰	گردِ	گرَوِ
۹۰	۷	۰	پیس	بس
۹۲	۰	۳	حدف تحتانی	حذف تحتانی
۹۵	۱۴	۰	شاگردن	شاگرداں
۹۷	۰	۱۳	فرمولی	فرملی
۹۹	۰	۱۹	کے سمت	کی سمت
۱۰۲	۰	۶	دیگر مسجد	دیگر مسجد
۱۰۳	۰	۱۳	مصاحبت سے	مصاحبت کی جہت سے
″	۰	۱۹	۱۶۰۸ھ	۱۰۶۸ھ
۱۰۹	۰	۱۳	۱۰۰۸ھ	۱۰۹۸ھ
۱۱۴	۳	۰	تخیل	تخییل
۱۱۵	۱۷	۰	نَصِیبًا	نَصِیبٌ
۱۲۱	۱۴	۰	بگلزار	بگلزارٍ

صفحہ	سطر		خطا	صواب
	متن	نوٹ		
۱۲۲	۵	۰	جنوبی	جتوئی
۱۲۳	۷	۰	توسو	نوسو
۱۲۴	۱۱	۰	نواھی	نواحی
″	۰	۷	آں بگلانہ	آں رابگلانہ
۱۲۷ ۱۲۸	۰ ۰	۶ ۸	اور دیگر ۹۸۱ھ	و دیگر ۹۸۱ھ
۱۳۱	۰	۱۲	۱۳۳۶ھ	۱۳۲۶ھ
۱۴۰	۰	۳	فوجیں	فوجی
۱۵۳	۲	۰	معہ	مع
۱۵۳	۰	۹	صدی کے	صدی مسیحی کے
۱۵۵	۱۳	۱	کے مابین	نوٹ کی فاضل لکیر
۱۵۹	۲	۰	نُعمُ	نِعَمُ
″	۷	۰	المستفی	المستفیٔ
۱۷۵	۰	۱۸	وبات	دہات
۱۸۰	۵	۰	فما القاوت	فما القاوت
۱۷۳	۹		qutidissime	putidissime
۱۷۳	۹	۰	qater	pater

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ازواج واعقاب

میر عبد الجلیل کا ازدواج سید مرتضی بن سید فیروز سلطرہ کی دختر سے ہوا تھا۔ اس قران سعید کی یادگار ایک لڑکا اور تین لڑکیان تھین۔ لڑکے کا نام سید محمد تھا۔ جو اپنے باپ کے خلف الصدق اور علم و فضل و سخنوری مین خاندان کا شرف تھے۔ ان کا تذکرہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ جدا لکھا جائیگا میر عبد الجلیل نے وقتاً فوقتاً جو خطوط و اسفار سے ان کو لکھے تھے اور جن کو ترتیب دیکر انھون نے یکجا کیا تھا محل مناسب پر اُن پر بھی تبصرہ کیا جاے گا۔ کہتے ہین کہ تاریخ واقعات کو دُہراتی ہے میر عبد الجلیل کے باپ (سید احمد سید عبد اللہ کے) متبنّی تھے میر عبد الجلیل کے بیٹے کو بھی یہی صورت و ضرورت پیش آئی۔ سید محمد کے کوئی اولاد صُلبی[۱] نہ تھی۔ اُنھون نے اپنے بھانجے سید غلام امام صادق (غلام علی آزاد کے سب سے چھوٹے بھائی) کو متبنّی کر لیا تھا۔

میر عبد الجلیل کی (۱) بڑی لڑکی سید محمد اشرف[۲] (پدر محمد یوسف[۳]) بن سید عبد العزیز بُھتہ سے

---

[۱] شجرہ طیبہ۔ جلد دوم

[۲] جب میر عبد الجلیل بھاگر مین متعین و مقیم تھے تو محمد اشرف کو سیوستان مین اپنا نائب کر دیا تھا محمد اشرف جب وطن آئے۔ تو سید کرم اللہ اپنے برادر عم زاد کو نیابت سیوستان پر چھوڑ آئے تھے

[۳] محمد یوسف۔ میر غلام علی آزاد کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور ہم عمر و ہم سبق تھے۔ ایک مدت دراز تک دونون یکجا رہے تھے جوانی اور بقیہ ایام حیات تقاضائے آب و خور سے آزاد نے سفر و سیاحت دکن مین بسر کئے اور یوسف نے وطن مین۔ یوسف نے بعد کو شاہجہان آباد جاکر علوم ریاضی و ہیئت و ہندسہ و حساب وغیرہ تحصیل کئے۔ الفرع الثابت من الاصل الثابت اُن کی تصنیف ہے۔ بیمار ہوئے۔ علاج کیلئے لکھنؤ گئے۔ ۲ جمادی الآخر ۱۱۷۲ھ (۳۱ جنوری ۱۷۵۹ع) کو لکھنؤ مین انتقال کیا نعش بلگرام آئی اور ۴ ماہ مذکور کو دفن کی گئی۔ یوسف و آزاد کے باہم بڑی محبت تھی۔ ایام مفارقت مین بڑی درد انگیز اور ولولہ خیز منظوم مراسلات و غزلین ایک دوسرے کو بھیجتے تھے۔ آزاد نے تاریخ وفات لکھی ؎

مات جبر الزمان یوسفنا + ولہ راحۃ و ریحان اذ تقاضیت علم رحلتہ + قال قلبی علیہ رضوان

(۲) منجھلی سید محمد نوح بن سید فیروز بہنہ (والد غلام علی آزاد) سے اور (۳) چھوٹی سید عنایت اللہ بن سید کرم اللہ سے بیاہی گئی۔ سید غلام صادق کے بڑے لڑکے میر اولاد محمد ذکا، زوجۂ اولیٰ سے تھے۔ دوسری بی بی سے بھی اولاد ہوئی جس کا سلسلہ باقی و قایم ہے۔

سید نوح، اُن کے لڑکے اور متوسلین خود کو "بلگرامی" فخریہ بتاتے تھے۔ لیکن بزرگان بلگرام کو اس دعوئے انتساب پر ہمیشہ اعتراض رہا۔ منشی غلام حسن ثمین شرائف عثمانی میں لکھتے ہیں۔

"بزرگ حضرت آزاد مذکور از قصبۂ سمدن در عہد ملک بہلول لودی در بلگرام برای تحصیل علم برآمدہ بعد چندی بوجہ اخلاق اہالیان بلگرام طرح توطن انداختہ، این معنی بر جمہور قدمای بلگرام پیدا و ہویدا است"

---

۵۴ سید محمد نوح سات سال تک بھکر بیلور تان میں میر عبد الجلیل کے نائب رہے تھے۔ ۱۰ محرم ۱۱۶۵ھ (۱۹ نومبر ۱۷۵۱ء) کی شب میں ستر سال کی عمر میں بلگرام میں ناگہان وفات پائی۔ کچھ دن تک نواب سربلند خان ملکی ملازمت و رفاقت میں بھی رہے تھے۔ الہ آباد مستقر خدمت تھا۔

۵۵ سید فیروز نے رجب ۱۱۲۰ھ (جولائی ۱۷۰۸ء) میں وفات پائی۔

۵۶ میر اولاد محمد ذکا، آزاد کے حقیقی بھتیجے تھے۔ ۲۰ رجب ۱۱۵۱ھ (۳۱ اکتوبر ۱۷۳۸ء) کو پیدا ہوئے اپنی تاریخ ولادت خود کہی تھی ؎

روزے کہ نمود بندہ را حق ایجاد — اولاد محمد پدرم نام نہاد
گفتم تاریخ خویشتن را من خود — در ماہ رجب تولد ما رُو داد

آزاد نے ان کو ۱۱۷۲ھ (۱۷۵۹ء) میں اپنے پاس بلا لیا تھا۔ وہیں اورنگ آباد میں زیر سایۂ عم محترم تعلیم و تربیت پائی خوش لیاقت و خوش گو تھے۔ آزاد نے تذکرۂ خزانۂ عامرہ ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) میں انکی فرمایش سے لکھا تھا۔

۵۷ غلام حسن صدیقی فرشوری تھے۔ نامور خاندانی قاضی اور اہل علم تھے۔ آزاد کی مآثر الکرام فی تاریخ و نسب سادات بلگرام کے جواب میں وہاں کے شیوخ کی ایک مبسوط تاریخ شرائف عثمانی نام ۱۱۷۹ھ (۶۶-۱۷۶۵ء) میں لکھی تھی۔ ان کا تذکرہ سرو آزاد میں بھی ہے (صفحہ ۳۵۰، شرائف عثمانی ایک مستند کتاب ہے) اکثر مورخین و تذکرہ نگاران نے اس کا حوالہ دیا ہے۔

۵۸ افسوس ہے کہ یہ تاریخ اب تک طبع نہیں ہوئی۔ بلگرام و سمدن و سندیلہ وغیرہ میں اس کے متعدد نسخے پرانے رؤسا و شرفا کے یہاں محفوظ ہیں، نیز انگلستان میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں۔ ولیم آروین نے کوایچ کے نیلام گھر سے ایک نہایت صحیح و مکمل نسخہ خریدا تھا جس پر بعض پرانے اُمرا کی مُہریں اور عالی مرتبت انگریز عہدہ داران فوجی و ملکی کے دستخط ثبت تھے۔ مفتاح التواریخ میں مسٹر طامس ولیم بیل نے اس کتاب کا اکثر

سمدن ضلع فرخ آباد کی مقامی روایات اور پرانے اسناد و مقالات و مقامات بھی ثمین کے قول کی تصدیق کرتے ہین۔ عہد اسلام کے نامور مورخ و محقق ولیم آروین نے جو فرخ آباد مین مدت تک حاکم اعلیٰ رہے تھے۔ واقعات احمد شاہ ابدالی و وزیر عماد الملک کے انگریزی[۵۱] ترجمہ کے دیباچہ مین اس امر کو اپنے مخصوص انداز مین بیان کیا ہے۔

فرزندان مجازی

اس صنف مین فرزانگان پیشینہ نے عموماً تلامذہ و خوشہ چینان خرمن علم کو شامل و داخل کیا ہے۔ میر عبد الجلیل کے شاگردون کا شمار بہت کم تھا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کی عمر با حیات علمی کا بڑا حصہ مشاغل خدمات اور حضوری دربار مین گذرا ہو جسکے اوقات عزیز ادائے فرائض و سنن کے بعد تمامتر حل و عقد امور حکومت و نظم اور عزائم رزم و بزم مین بسر ہوتے ہون اپنے مائدہ فیض سے شائقین علم و فن کے لئے صلائے عام دینے کا موقع کہان پا سکتا تھا۔ تاہم وہ تھوڑا سا وقت جو میر صاحب بچا سکے اور جس مین اپنے ہونہار اعزہ کو اپنے ہمراہ بازیر نظر رکھ سکے بہت قابل قدر تھا اور حقیقتاً وہ نہایت عمدہ مصرف و شغل مین گزار گیا۔ میر عبد الجلیل کے دونون جگر گوشے (دختر زادے)

حوالہ دیا ہے اور بہت سے ملگرامی حضرات کے حالات اسی سے نقل کئے ہین۔ اسکا ایک عمدہ اور مکمل نسخہ بنگال ایشیاٹیک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ مین موجود ہے۔

۵۹ سلطان بہلول نے ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ع) سے ۸۹۴ھ (۱۴۸۸-۸۹ع) تک یعنی ۳۸ سال ماہ، روز سلطنت کی تھی

۵۰ ثمین نے چند واقعات چشم دید کو ۱۷۵۷ع (۱۱۷۱ھ) مین کپتان جوناتھن اسکاٹ کی فرمایش سے قلمبند کیا تھا۔

۵۱ Ahmad Shah Abdali and The Indian Wazir Imad-ul-Mulk (1756-57), by William Irvine.—1907. Bombay Education Society's Press.

غلام علی آزاد، اور محمد یوسف، یوسف، بلحاظ تعلیم و تربیت اُن کے خلف صالح اور بہترین یادگار ثابت ہوئے ہین۔ آزاد کا ترجمۂ احوال و سوانح مستقلاً اس تذکرہ مین دیا جائیگا۔ یوسف کا مختصر تذکرہ حواشی ذیلی مین آچکا ہے۔

ان کی تعلیم و تعلّم کی حالت بھی یہ تھی کہ جب ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ء) مین سولہ سال کے بعد میر عبد الجلیل بلگرام آئے تھے تو آزاد سترہ سال کے تھے اور یوسف آزاد سے چھ ماہ چھوٹے۔ دونون نے اپنے سن شعور مین ان کو پہلی بار دیکھا تھا۔ بلگرام کے دس ماہ کے قیام مین جو کچھ سیکھا ہوگا اسکو محض شرف تلمذ یا احراز سعادت کہنا چاہئے۔ اُسی عمر مین اُسی استعداد و قابلیت کیساتھ دونون نے میر صاحب سے سند حدیث مسلسل بالاولیۃ اور حدیث اسودین کی

---

۵۱۲ حدیث رحمت مسلسل بہ اولیت یہ ہے الراحمون یرحمہم الرحمن تبارک وتعالی ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء اس کی تضمین بہت سے ائمہ و حفاظ حدیث نے فرمائی ہے۔ شیخ ابو الخیر محمد بن محمد بن علی الشہیر بہ ابن الجزری کہتے ہین۔

تجنب الظلم من کل الخلائق فی — کل الامور فیاویل الذی ظلما
وارحم بقلبک خلق اللہ کلھم — فانما یرحم الرحمن من رحما

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ بن عساکر دمشقی فرماتے ہین۔

بادر الی الخیرات یا ذا اللب مغتنما — ولا تکن عن قلیل الخیر محتشما
واشکر لمولاک ما اولاک من نعم — فالشکر یستوجب الاقبال والکرما
وارحم بقلبک خلق اللہ دارعہم — فانما یرحم الرحمن من رحما

۵۱۳ محدثین کے نزدیک بالاتفاق اسودین (دو کالی چیزون) سے مراد کھجور اور پانی ہین۔ ظاہر ہے کہ عرب کی عمدہ اور نفیس کھجور سیاہ ہوتی ہے۔ اُس کی مجاورت و مقارنت کے سبب سے پانی کو بھی سیاہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کلام عرب مین اس طرح اکثر آتا ہے جیسے ابوین اور قمرین۔ اسیکو تغلیب کہتے ہین۔

مآثر الکرام مین حدیث اسودین کی سند کا حاصل کرنا لکھا ہے اور وہ حدیث یہ ہے عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا شَبِعْنَا مِنَ الْاَسْوَدَيْنِ متفق علیہ حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ پیغمبر خدا نے وفات پائی اور ہم نے دو سیاہ چیزون یعنی کھجور اور پانی سے پیٹ نہین بھرا (یعنے یہ قوت بھی بطریق میسری نہ ملا) اس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔

مسلسلات مین بھی ایک حدیث متعلق بہ اسودین داخل ہے جو حدیث مسلسل بالضیافۃ علی الاسودین

حاصل کی۔ اکثر کتب احادیث کی بھی اجازت پائی۔ اس کے بعد یہ دونون (خالہ زاد بھائی) جو ہم عمر اور ایک ہی سال کے پیدا تھے اور ہمیشہ ایک جگہ رہے تھے، ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۱ء) مین میر عظمت اللہ بلگرامی کو ساتھ لے کر شاہجہان آباد گئے اور وہان دو سال کے قریب اُن کی صحبت مین رہے اور بعض کتابین حدیث و سیرۃ نبوی و ادب و دیگر فنون کی پڑھین لغت بالخصوص قاموس جس کے میر صاحب ماہر فرید سمجھے جاتے تھے۔ انھین سے پڑھی۔ طریق تحصیل یہ تھا کہ ہمیشہ دو کتابین یا ایک ہی کتاب دو مقام سے باکید گر پڑھتے تھے۔ ایک سامع ہوتا تھا دوسرا قاری۔ دونون کی رفتار علم یکسان و برابر رہتی تھی۔ احیاناً اگر ان مین سے ایک بیمار پڑ جاتا یا کوئی اور امر مانع پیش آجاتا تو دوسرے کا سبق بھی ناغہ کر دیا جاتا، معرض توقف مین رکھا جاتا۔ اسکے ساتھ یہ روش بھی جاری رہتی کہ یہ دونون جب موقع پاتے تو اورون کو بھی پڑھاتے تھے۔

میر عبد الجلیل کے جامع کمالات و فنون بیٹے میر سید محمد کو بھی ان کے فیضان صحبت اور ارشاد و ہدایت سے کافی حصہ پہنچا تھا۔ اُنھون نے اپنے باپ کے پارہائے جگر یا زادہائے طبع کے البقاء و ترتیب مین حصہ لیا تھا اسلئے وہ بھی جداگانہ تذکرہ کے محتاج و مستحق ہین۔

یا حدیث مسلسل بالاضافۃ علی الاسودین کہلاتی ہے وہ یہ ہے

قال علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔ اضافنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التمر والماء ثم قال من اضاف مومنا فکانما اضاف آدم علیہ السلام ومن اضاف مؤمنین فکانما اضاف آدم وحوا ومن اضاف ثلاثۃ فکانما اضاف جبرئیل ومیکائیل واسرافیل ومن اضاف اربعۃ فکانما قرأ التوراۃ والانجیل والزبور والفرقان ومن اضاف خمسۃ فکانما صلی الصلوۃ الخمس فی جماعۃ من اول یوم خلق اللہ عزوجل الخلق الی یوم القیامۃ ومن اضاف ستۃ فکانما اعتق ستین رقبۃ من ولد اسماعیل علیہ السلام ومن اضاف سبعۃ غلقت عنہ ابواب جہنم السبعۃ ومن اضاف ثمانیۃ فتحت لہ ثمانیۃ ابواب الجنۃ ومن اضاف تسعۃ کتب اللہ لہ حسنات بعدد من عصاہ من اول یوم خلق اللہ الخلق الی یوم القیمۃ ومن اضاف عشرۃ کتب اللہ لہ اجر من صام وصلی وحج واعتمر الی یوم القیمۃ۔

جب تک دارالخلافہ مین قیام تھا بعض جلیل القدر مشائخ و عمائد بھی ان کے حلقۂ درس مین حاضر ہوتے اور مائدۂ فیض سے زلّہ ربائی کرتے رہتے فقر و تصوّف کی کتابین پیش نظر ہوتین، مجاہدات و ریاضت و تزکیۂ نفس و مکاشفات کے مسائل زبان حال سے بیان ہوتے، غوامض و نکات حل کئے جاتے۔ انوار و برکات کا نزول ہوتا۔ ایک طرف دونون نور دیدہ (آزاد و یوسف) علم و ادب کے سبق لیتے۔ دوسری طرف سید غلام مصطفےٰ[۱۴] شہید معتمد و مصاحب نواب مبارز الملک سربلند خان تونی ناظم گجرات، مثنوی مولانا روم کا ورد کرتے سبقاً سبقاً پڑھتے اور اجازت و سند لیتے تھے، میر آزاد بیضا مین لکھتے ہین "مستعدانے کہ در وادی علوم علم مہارت می افراشتند اکثر مشکلات لاینحل خود را برای عقدکشای آنجناب عرض می داشتند"

میر عبد الجلیل کے بعض خواص تلامذہ اور نیازمند احباب یہ تھے

(۱) میر احمد لاہوری متخلص بہ فائق۔ عالمگیری منصب دار اور لاہور مین مہتمم خزانہ سرکار تھے بڑے طباع و ذہین، نظم مین سلیقہ وافر رکھتے تھے جس زمانہ مین کہ میر صاحب شاہ دولا گجرات مین تشریف رکھتے تھے میر احمد اپنے اشعار انکے پاس بھیجا کرتے تھے اور بڑے عجز و عقیدت سے اصلاح کیلئے درخواست کرتے تھے۔ انکے بعض مسودات کے آخر مین انکے قلم سے لکھی ہوئی یہ عبارت ملی تھی

"سیدا، ملاذا، مشفقا، مہربانا! درین ولا از شغل باز ماندہ از گفتنی ہا گذشتہ غزلے چند نوشتہ شدہ بنظر اصلاح خواہد در آمد۔"

---

[۱۴] نواب سے اور مہاراجہ ابھے سنگھ والی مارواڑ سے احمد آباد گجرات کے قریب ۸ ربیع الآخر ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ء) مین جنگ شدید ہوئی اُسی مین شہید ہوئے تھے نعش مبارک ہر چند تلاش کیگئی نہین ملی۔ شہادت سے پہلے یہ رباعی کہی تھی جسمین حال آیندہ کی خبر دی تھی ؎

در خلوت ما، ورائے ما یارے نیست — یعنی کہ بہر ش و فرش اغیارے نیست
ما چون جانیم پاک ز آلایش مرگ — ما را بہ جنازہ و کفن کارے نیست

میر عبد الجلیل کے ہموطن اور بڑے مرتاض اور عالم ربانی تھے گو بظاہر سپہ گری کے پیرایہ مین بسر فرماتے ابتدا مین فائق تخلص کرتے تھے پھر ترک کر دیا تھا۔ غزل اور رباعیات کا دیوان مکمل ہو چکا تھا۔ توحیدی رباعیات

فائق کا خاندان بھر شاعر، اور شہرت یافتہ شاعر تھا۔ میر جلال الدین سیادت، ان کے حقیقی بھائی تھے لیکن فائق نے ایک بیگانہ سے تلمذ و اصلاح پسند کی۔ بھائیون سے رجوع نہین کیا یہ محض قدر کمال اور نظر انتخاب کی کشش تھی۔

(۲) سید محمد زمان راسخ سہرندی، بڑے پایہ کے شاعر اور خوش گو تھے۔ انکی شہرت اور ناموری ایران تک پہونچی تھی۔ مرزا طاہر نصیر آبادی نے اپنے تذکرۃ الشعرا مین ان کو یاد کیا ہے۔ شاہزادہ محمد معظم بن عالمگیر بادشاہ کی سرکار مین منصب ہفت صدی ذات پر سرفراز تھے اور حسن شمائل و لطف خصائل سے متصف۔ میر عبد الجلیل اور راسخ سے بڑا ارتباط تھا کچھ روز تک دونون آگرہ مین اقامت گزین رہے تھے اُس وقت کا اختلاط و وداد آخر تک قائم رہا۔ اُسی زمانہ سے راسخ اپنا کلام میر کو دکھاتے تھے سنہ ۱۱۰۷ھ (۱۶۹۵ع) مین سہرند مین وفات پائی۔ "راسخ بمرد" تاریخ ہے۔ مثنوی خوب کہتے تھے یادگار شایستہ چھوڑی تھین۔ راسخ ہی نے ناصر علی کو بچایا اور دہلی بھجوا دیا تھا۔ شیخ محمد معصوم نے ناصر علی کو ایک باغ مین شراب پیتے دیکھا اور پوچھا کیا ہے؟ جواب ملا کہ "وہ شراب جس کو ملائکہ پیتے ہین"۔ شیخ نے تو درگزر فرمایا لیکن صوفیون اور علمار نے تکفیر کی بنا پر محضر قتل تیار کیا راسخ مع اپنے اقربا کے مسلح ہو کر گئے اور ناصر علی کو ساتھ لے جا کر سہرند سے دہلی روانہ کر دیا۔

راسخ کے لڑکے میر معصوم مخاطب بہ عالی نسب خان متخلص بہ وجدان بھی مشہور شاعر تھے ارادت خان اور میر غازی شہید دونون راسخ کے شاگرد تھے۔

(۳) شیخ محمد رضا جن کا ذکر پیشتر آچکا ہے اصل مکین شوستر کے رہنے والے تھے۔ بھکر مین توطن اختیار کر لیا تھا۔ عربی فارسی مین استعداد کامل رکھتے تھے۔ عالمگیر بادشاہ کے عہد سے لے کر محمد شاہ کے زمانہ تک بھکر کے اکثر عہدے مثلاً فوجداری بھکر وغیرہ اصالتاً و نیابتاً ان کے تعلق رہے تھے۔ میر عبد الجلیل سے اعتقاد تمام رکھتے تھے اور بے انتہا انقیاد و اطاعت سے پیش آتے، اپنا کلام شاگردانہ دکھاتے تھے۔ سنہ ۱۱۴۲ھ (۳۱-۱۷۳۰ع) مین وفات پائی۔ میر عبد الجلیل جب

کے کہنے مین سلیقہ عالی رکھتے تھے حکیم سحابی کی تقلید مین ایک پورا دیوان رباعیات کا مرتب کر لیا تھا۔

ہندوستان چلے آئے تھے تو بھکر مین شیخ کو اپنی خدمات پر نیابتاً مقرر کر آئے تھے،

(۴) شیخ سیف الدین محمد طبیعت تخلص، اعیان و مشائخ الور[۱۵] سے تھے، ان کے والد شیخ غلام محی الدین، صاحب فضل و کمالات تھے جملہ علوم متداولہ اور فنون متعارفہ مین دستگاہ کامل عربی و فارسی و ہندی کی نظم مین سلیقہ خوب رکھتے تھے۔ شیخ سیف الدین نے اوائل مین مختصرات متداولہ مختصر المعانی تک اپنے والد سے پڑھی تھین۔ اس کے بعد میر عبد الجلیل کی صحبت مین پہونچے اور اُن سے فضائل و کمالات اکتساب کئے علوم ادبیہ مین پوری مہارت اور عربی و فارسی کی نثر مین ید طولیٰ رکھتے تھے۔ میر غلام علی آزاد جب ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ء) مین سفر سندھ سے واپس آرہے تھے تو شیخ سے ملاقات کا اتفاق ہوا تین ماہ کے قریب شب و روز صحبت رہی

---

۱۵ الور۔ شمالی راجپوتانہ مین ایک بڑی ریاست ہے جس کے اطراف مین صوبہ پنجاب و ریاستہائے جے پور و ناہہ و پٹیالہ و بھرت پور واقع ہین۔ یہان کی پہاڑیون مین بعض نہایت عمدہ قسم کے پتھر برآمد ہوتے ہین شہر الور۔ راجپوتانہ مالوہ۔ ریلوے لاین پر واقع ہے۔ الور کا تلفظ مختلف طور پر کیا جاتا ہے اور مختلف وجوہ تسمیہ بتائی جاتی ہین بعض کہتے ہین کہ پہلے اس کا نام الپور یعنی مضبوط شہر تھا بعض کا قول یہ ہے کہ اس کا پرانا نام اربل پور یعنی شہر اربلی منسوب بہ اربلی (سلسلہ کوہ) تھا جسکے ساتھ الور کی پہاڑیان وابستہ ہین۔ جنرل کننگھم کا خیال تھا کہ یہ نام قبیلہ سلوس سے نکلا ہے پہلے سلوہ پورہ تھا پھر سلور پھر ملور اور بالآخر الور ہوگیا۔ شہر کے پانچ پھاٹک ہین اسکے گرد فصیل و خندق ہے صرف ایک موقع پر اسی طرف اتنی جگہ پر نہین ہے جو سلسلہ کوہ سے محفوظ ہے اور جس طرف سے قلعہ ہر قسم کے حملون سے بچا ہوا ہے۔

۱۹۰۱ء مین شہر کی آبادی ۵۶،۷۷۱ تھی مگر گذشتہ رسم شماری (۱۹۲۱ء) مین ۴۴،۷۶۰ رہگئی عمارات قدیمہ مین ایک پرانا مقبرہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) مین ترنگ سلطان کی یادگار مین بنایا گیا تھا جو فیروز شاہ تغلق کا بھائی تھا۔ بعض کہتے ہین کہ ناہر خان میواتی کا پوتا تھا چند قدیم مساجد بھی ہین جن کے کتبے شاہد حال و مقال ہین۔ ان مین سے حسب ذیل قابل تذکرہ ہین (۱) مدور مسجد، جو دائرہ کی مسجد کہلاتی ہے قریب ۱۵۷۹ء (۹۸۷ھ) کی تعمیر ہوئی ہوگی جب اکبر کا گذر اس طرف سے ہوا تھا۔ یہی اکبری مسجد بھی کہلاتی ہے اور محلات کے قریب ہے (۲) اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی مسجد (۳) قلعہ نہایت محکم و استوار ایک ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

میر آزاد ان کی خوبی و فضائل و حسن شمائل تہذیب اخلاق مکارم آداب شیوۂ تمکین و وقار، ہر ہر ادا کی تعریف مین رطب اللسان ہین۔ شیخ کہتے تھے کہ مین مدت سے میر عبد الجلیل کے کمالات کا شہرہ سُن رہا تھا اور اُن کی محبت غائبانہ میرے دل مین پیدا ہوگئی تھی اور بڑھتی جاتی تھی سنہ ۱۲۵۰ھ (سنہ ۱۸۳۴ء) مین مین وارد دہلی ہوا اتفاقاً جہان فروکش ہوا تھا، اُسی کے قرب و جوار مین میر مرحوم بھی اقامت گزین تھے مجھے جیسے ہی اسکی اطلاع ملی مین نے آپکی خدمت مین رقعہ لکھا۔ اُس مین یہ دو شعر اسناد مرحوم کے بھی داخل کر دیئے تھے۔ ؎

سلامٌ علی من شاقنی بوصالہ — وان لم افز الا بطیف جمالہ

عشقت وما ابصرتہ غیر انّنی — سمعت من الحاکین وصف کمالہ

رقعہ بھیجنے کے بعد خدمت مین حاضر ہوا اور سعادت ملازمت حاصل کی۔ مین نے جو کچھ پایا ہے یہ سب میر کے فیض تربیت سے ملا ہے۔

خُدّام

عالمگیر سا با جبروت و جوہر شناس شہنشاہ اپنے رقعات مین ہر جگہ کاردان و کارآمد آدمی کے نہ ملنے کا اعتراف کرتا اور کہتا ہے کہ "آدم خوب نایاب است" اُسکی زبان پر یہ شعر بار بار آجاتا ہے ؎

اُنچہ بر جستیم و کم دیدیم و بسیار است و نیست — نیست جز آدم، درین عالم کہ بسیار است و نیست

یہ تو ڈھائی سو برس پہلے کی بات تھی۔ اب اس زمانہ مین کہ ہر طرف سے قحط الرجال کی شکایت کی

نکو بہار احیو تون نے اسکو بنوایا تھا جو خانزادون کے تسلط سے پہلے یہان فائض و حکمران تھے۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک بڑی قبر ہے جو فتح جنگ کی کہلاتی ہے غالباً وہ بھی خانزادہ تھا لیکن اُس کا نسل ہنود سے ہونا کتبہ سے عیان ہے کتبہ سنہ ۱۵۴۱ء (سنہ ۹۵۸ھ) کا ہے اور ناگری ہے۔ یہ مقبرہ ساٹھ فیٹ مربع ہے۔ تین منزلین اُسی طول و عرض کی ہین جن پر انوزہ نما "ہشت گوشہ" مینار چارون کونون پر ہین۔ سب سے اوپر ایک چوتھی منزل بھی ہے جو مربع ہے مگر نسبتاً عرض و طول کسی قدر کم ہے۔ اسکی ہشت گوشہ، صراحی دار گردن سے ابھرتا ہوا گنبد نمودار ہے۔ اُس پر ایک چھوٹا سا مربع قبہ بنا ہوا ہے جو ایک برگ و بار دار ظرف پر قائم ہے۔

صدائے دلخراش اور بھی بلند ہو رہی ہے کون شخص اُس خوش نصیبی کا اندازہ کر سکتا ہے جو میر عبدالجلیل کو اپنے ملازمان خدمت اور مقربان صحبت کے بارہ مین حاصل تھی۔ اُن کے خطوط سے جو میر سید محمد کو لکھتے ہین پایا جاتا ہے کہ ان انقلاب و زوال کی فعد اکثر بھی مسلمان چاکرون سے ہندو نوکرون اور کہارون کا شمار زیادہ تھا جو ہر قسم کی خدمت بجالاتے اور وطن اور عزیزان وطن کی خبر اور ڈاک برابر لاتے رہتے تھے۔ اُن خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ۔ فرجام حسین۔ مداری و فیض اللہ خدمتگار ذاتی تھے گھاسی قاصد تھا فرید۔ پانڈے چنتامن۔ جمال داموڈر بھی ہم وطن اور معتمد ملازمان خدمت سے تھے۔ نج کا کوئی خط ان لوگون کے ذکر سے خالی نہین جاتا تھا کبھی اصرار کرتے ہین کہ ان رفیقان دور افتادہ از وطن کے گھر پر ان کی خبر خیریت پہونچا دینا کبھی فرزند رشید کو لکھتے ہین کہ "جانی دو رگاہی کے بارہ مین آپنے لکھا تھا بالفعل مین روپیہ بھیجتا ہون۔ اس کے بعد اور بھی بھیجون گا۔ خاطر جمع رکھئے گا اس وقت اس سے زیادہ میسر نہ ہوا"۔ کم از کم ہر تحریر مین یہ تاکید ضرور ہوتی تھی کہ "ہر مردم ہمراہی" کے گھر پر پیام بنام خیریت کہدینا اور سلام پہونچا دینا۔ اہل وطن سے کسی کا قاصد جب کبھی خبر خیریت لے کر گھر سے آتا تھا تو اُسپر بھی نگاہ لطف و کرم مبذول رہتی تھی میر صاحب معمولاً اپنے خدمتگاران کو نفر لکھتے تھے اور سپاہی و چپراسی کو پیادہ۔

نین سکھ اُن کا منشی اور مقرب خاص تھا جس زمانہ مین دربار کی حاضری دونون وقت دینی پڑتی تھی اور میر صاحب عدیم الفرصت تھے تو افسوس کرتے تھے کہ "نین سکھ بیارست لہذا جواب خطوط مردم

اکبر کے زمانہ مین اور صوبہ آگرہ مین ایک سرکار تھا۔ ابوالفضل لکھتا ہے۔ "اور قلعہ دار دانہ سنگ بالائی کوہ ہزارہی کنبس راج راجیشر بھارتھ و ہرم پرکھا کار سوائی مہاراج شری جے سنگھ جی در بندر دشر کوتی بالقابہ کے عہد دولت مین شہر اور ریاست اور نے کمال رونق و ترقی حاصل کی ہے حضور ممدوح بڑے علم دوست ہنر پرور، بیدار مغز و روشن خیال فرمانروا ہین۔ اور کے ممتاز و نامور رؤسا کو جو دلچسپی انسو علوم مشرقیہ کے ساتھ رہی ہے اور جس کا جلوہ مرزا غالب اور دیگر انشا پردازون کی نیازمندانہ و فدائیانہ تحریرات مین نظر آتا ہے۔ وہی التفات و سرپرستی سرکار عالی بھی مبذول فرما رہے ہین۔

آنجا کہ میر سندنی شود کہ بنویسیم ۔ بہر کدام عذر خواہند گفت"۔ دوسرے خط مین لکھتے ہین کہ "نہ مین سکم بتاریخ ششم جمادی الآخر ۱۰۴۲ھ بقضائے الٰہی فوت شد۔ تاسف بسیار نمودیم بجز صبر چارہ نیست"

کوئی نوکر مر جاتا تو ان کو بے حد قلق و الم ہوتا ۔ میر عبد الجلیل کا ایک پروردہ یا غلام تھا جس نے سفر دکن مین بہت خدمت کی تھی اور کمال وفادار و ثابت قدم ثابت ہوا تھا ۔ قضائے الٰہی سے خلد مکان کے لشکر مین وبا پھیلی ۔ ایک عالم تاراج فنا کے حوالہ ہوا اس غریب کا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہو گیا میر نے اس رفیق دیرینہ کے ماتم مین ایک نہایت پُرسوز مثنوی لکھی جس کا مطلع یہ تھا ؎

بیا اے خامۂ ماتم روایت ۔ پریشان ساز گیسوئے حکایت

میر ناصر علی[۱۶] سرہندی سے ایک روز اس مثنوی کا ذکر آگیا سُن کر نہایت محظوظ ہوئے نقل کی استدعا کی ۔ میر عبد الجلیل نے ایک نسخہ بھیجدیا ۔ ناصر علی نے اسکی رسید مین یہ شعر فی البدیہہ کہہ کر اور زعفران کاغذ کے شقہ پر لکھ کر بھیج دیا ۔ ؎

ندانم تا چہا از دست ایوب تو می آید ۔ کہ بوئے خون مظلومان ز مکتوب تو می آید

ہزار رحمت ہو اس گمنام غلام پر جس کی موت اُسکے بقائے نام کا باعث ہوئی اور شہرت دوام کی ضامن فرجام اُن کا ملازم ذات تھا ۔ لیکن آم مین بیمار پڑ گیا تو برابر اسکی مزاج پرسی کرتے اور دعا کے ساتھ یہ کہلا بھیجتے ہین کہ "اگر خوب تندرست ہو گئے ہو اور سفر کی طاقت ہو تو یہان آنا ۔ ورنہ وہین ٹھہرنا بتکلیف نکرنا"

---

[۱۶] شیخ ناصر علی سرہندی، سید تھے مشیخت و بزرگی کے اعتبار سے شیخ کہلاتے تھے ۔ بڑے مشہور اور قادر الکلام شاعر تھے ۔ علوم و فنون ظاہری کے سوا کمالات باطنی مین بھی پایہ بلند حاصل تھا ۔ شیخ محمد معصوم خلف الصدق حضرت مجدد سے استفادہ کیا تھا ۔ سلسلۂ علیا نقشبندیہ مین منسلک تھے ۔ اپنے وطن سرہند مین پیدا ہوئے ۔ وہین پرورش و تعلیم پائی ۔ ابتدا مین مرزا فقیر اللہ مخاطب بسیف خان بدخشی متخلص بہ والا کے یہان ملازم رہے جب مرزا صوبہ الہ آباد کی حکومت پر مامور ہوا تو شیخ بھی اُس کی رفاقت مین الہ آباد چلے آئے اور چند روز زمین کی سیر و تفریح سے دل و دماغ تازہ کرتے رہے ۔ سیف خان خود جوہر قابل ، قابل دوست تھا ۔ فن موسیقی اور رقص ہندی مین ایک نہایت نفیس کتاب فارسی زبان مین راگ درپن نام لکھی ہے ۔ اُس کے ساتھ شیخ کی خوب بسر ہوئی ۔ اُسکی وفات پر ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۸ء) مین شیخ بیجاپور چلے آئے اور امیر الامرا

اولادِ معنوی

اس ذیل مین میر عبد الجلیل نے کچھ بڑا سرمایہ نہین چھوڑا۔ اس کے وجود بھی بقینًا وہی تھے جو فرزندان مجازی کے تذکرہ مین بیان ہو چکے ہین۔ تاہم یہ عنوان بھی خالی نہین رہا بلکہ اسکی بحث و تمحیص و تبصرہ نے اس ناچیز تالیف کے چند اوراق سے زیادہ حصہ لے لیا ہے۔ اس ہیچمدان نے ہر صنف کلام کو جدا جدا رکھنا اور ان پر نظر ڈالنا چاہا ہے۔ میر صاحب کے نتائج طبع سے چند مختصر مثنویان چند قصائد چند رباعیان۔ چند معمے۔ اور چند قطعات تاریخ یادگار ہین۔

مثنویات مین سے صرف مثنوی شادی فرخ سیر بادشاہ ایک مستقل کتاب ہے جو طبع ہو چکی ہے جس پر جداگانہ تبصرہ کیا جاویگا۔ اسیطرح مثنوی کتخدائی ارشاد خان اور مثنوی امواج الخیال۔

اور یہی چند چیزین ہین جو آزاد کے زندہ جاوید قلم کے طفیل مین کم و بیش ہم تشنہ کامان علم و ادب تک پہونچی ہین۔

باوجودیکہ میر عبد الجلیل اپنی خدمات شاعرانہ و ثنا گستری کا صلہ نہین لیتے تھے تاہم بوجہ تعلقات دربار و ملازمت سرکار آپ کو امرا کی قصیدہ خوانی بارہا کرنی پڑتی تھی۔ ان کے بعض قصائد اپنے اپنے موقع پر حسب ضرورت نقل کئے جائینگے۔ ان کے قصیدے متوسط درجہ اور حیثیت کے ہوتے تھے جنمین کوئی زور یا خاص شان سخنوری یا لطافت ادا نہین پائی جاتی۔

باقی چیزین (تاریخین، رباعیان قطعات اور معمیات) نہایت مختصر اور متفرق ہین جن کو اس خاندان کے علمی متروکات سے ڈھونڈھ کر نکالنا پڑا ہے۔

ذوالفقار خان بن اسد خان وزیر اعظم اورنگزیب و شاہ عادل پسر شریف خان صدر کل و غضنفر خان کی قدر شناسی و زر پاشی سے برفاہ و آسایش گذاری۔ بالآخر ایک فقیر مجذوب شاہ حمید کے کہنے سے دکن سے پھر ہندوستان چلے آئے شاہجہان آباد مین قیام اختیار کیا قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ۲۰ رمضان ۱۱۰۸ھ (۵ اپریل ۱۶۹۷ء) کو ساٹھ سال کی عمر مین رحلت فرمائی۔ مرقد حضرت سلطان المشائخ کے حوالی مین دفن ہوے۔ ان کی مثنویون کو اہل سخن بڑی قدر اور لطف سے دیکھتے اور پڑھتے ہین بعض حضرات نے انکی تقلید پیروی بھی کی مگر ناکام رہے۔

میر غلام علی آزاد سبحۃ المرجان مین میر عبد الجلیل کے تفردات سے ایک دلیل ہندسی کا بھی حوالہ دیتے ہین جو مسئلہ جزء لا یتجزا کے ابطال کے بارہ مین ہے۔ اس رسالہ پر جو میر زکو دسترس نہ ہوسکا ورنہ کچھ اُس سے بھی التقاط و استنباط کیا جاتا۔ آزاد نے جس قدر نقل کیا ہے۔ وہ عام فہم نہ ہونے کی وجہ سے قطعاً دلچسپ نہین۔

بیل صاحب کی انگریزی تاریخ مطبوعہ ایشیاٹیک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۱ء مین دو کتابون کا نام اور لیا گیا ہے (۱) آداب المرسلین (۲) تبصرۃ الناظرین۔ (حالانکہ تبصرۃ الناظرین میر سید محمد کی تحریر ہے)

میر غلام علی آزاد اور دیگر تذکرہ نویسون نے میر عبد الجلیل کی تصنیفات مین ان دونون کتابون کا ذکر نہین کیا اور اس لئے ان کو میر عبد الجلیل سے منسوب ماننے مین تامل ہوتا ہے۔

ایک اور چیز بھی مستقل تذکرہ اور تبصرہ کی محتاج و مستحق ہے اور جس کی نسبت آزاد نے مآثر الکرام مین مژدہ دیا تھا کہ "میر سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ خلف الصدق الیشان پارہ از منشآت والا جمع کردہ اند" یہ خطوط وہی ہین جو میر صاحب نے اپنے صاحبزادہ کو سفر پیش تر پایہ تخت دہلی سے لکھے تھے اور جن سے زیادہ تر ذاتی معاملات اور تعلیمات اور خاندانی احوال پر روشنی پڑتی ہے اور کاتب اور اُسکی ناجمعیت خاطر اور دربار کے پُر آشوب حالات کا پتہ چلتا ہے۔ لکھنے والے کو قلم اٹھاتے وقت یہ وہم و گمان بھی نہوگا کہ یہ تحریرات خانگی عوام کے ہاتھون مین کسی وقت پہونچین گی۔ اور دو ڈھائی سو برس بعد اُن حالات و کیفیات کو طشت از بام کرین گی جنکی بروقت خبر و شہرت ہوجاتی تو ہنگامہ برپا ہوجاتا اور سیل خون روان ہوجاتے۔ ان کے علاوہ کچھ اور منتشر و متفرق رقعات تلاش سے ایسے بھی ملتے ہین جو اپنی عالمانہ انشا پردازی اور عارفانہ نکتہ طرازی مین بے مثل ہین اور جنکا نقل کرنا ناچیز جامع اوراق نے ناگزیر سمجھا ہے۔

---

۵۱۷ مآثر الکرام مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) صفحہ ۲۶۷

انشائے جلیل

میر عبدالجلیل کی جملہ تصانیف معلومہ مین غالباً یہ ہی پہلی ہے اس لئے اس نقش اوّل کا ذکر بھی سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔

نام کی وضع و اسلوب کا اقتضا تو یہ تھا کہ یہ انشا میر کے رقعات و خطوط کی متضمن ہوتی لیکن اسکے علی الرغم مصنف فاضل نے اسمین شہنشاہ اورنگ زیب کی بعض لڑائیون اور فتوحات دکن کو تحریر کیا ہی عبارت کا طرز وقائع نعمت خان عالی سے ملتا ہے فرق یہ ہی کہ وقائع کی طرح اسمین تلازمہ کی صنعت ملحوظ نہین رکھی گئی ہے۔ وہ کمی کثرت آیات قرآنی، احادیث نبوی اور اقوال عرب سے پوری کی گئی ہے۔ اپنے اور دوسرون کے طبع زاد اشعار بھی حسب ضرورت درج کئے ہین۔

واقعات تمام تر وہی ہین جو اس ناچیز تذکرہ مین محل مناسب پر مذکور ہو چکے ہین۔ میر محمد رضا کی رفاقت مین ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ع) مین میر عبدالجلیل وطن سے نکل کر بمقام "پُر سرور اسلام پور" پہونچے میرزا محمد علی کی وساطت سے نواب بخشی الملک مخلص خان کی ملازمت، بعد ازان، بادشاہ دین پناہ، کی حضوری کی عزت حاصل کی۔ میر نے اپنے مربیون اور محسنون کے سلسلہ مین ملتفت خان خواص، جملۃ الملک اسد خان، بخشی الملک بہرہ مند خان، روح اللہ خان میر سامان۔ تربیت خان میر آتش، خدا بندہ خان افسر جوپات، مرزا یار علی بیگ داروغہ ڈاک، شیخ نور الحق محتسب، وغیرہم کے نام لئے ہین اور ان کا اور انکی عنایات و توجہات کا ذکر اپنے اپنے مقام پر کیا ہے۔ مضامین مین سے چند کے عنوان یہ ہین۔

عرض مطالب سلطنت۔ ہنگامہ مزاحمت چوبداران و احوال خود و دیگر مردم (مین زیادہ تر شکایت مسلمان چوبدارون کی ہی جنکا شمار کعبہ کی راہ بند کر دینے والے فرنگیون، سے کسی طرح کم نہ تھا! میر کی عمر اب تک جہد عیش و فراغت مین گذری تھی، اُن کے لئے سفر دور و دراز، نیاز کیشی و زحمت کوشی کا یہ دوسرا موقع تھا یہی پریشانی و سرگردانی ۱۱۱۱ھ مین ان کو ناکام و نامراد واپس لائی تھی

ناز پرورد تنعم نہ برد راہ بدوست + عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد) لطیفہ استادہ شدن وتقدیم وتاخیر مین اپنی سرگذشت لکھتے ہین صف دوم مین ان کو جگہ دینا قرار پایا تھا مگر اس ہنگامہ رستخیز مین ، یا سوء اتفاق سے درجۂ چہارم مین کھڑے کئے گئے اس کے بعد کوچ از بنگاہ اور فتح بسنت گڈہ کا بیان ہے میر صاحب نے فتح کی پانچ تاریخین کہی تھین جنمین سے چار اس انشا مین درج کی ہین (اور جامع احوال نے ان کو اس تذکرہ مین تحت عنوان مناسب نقل کر دیا ہے) ۱۶ جمادی الآخرہ کو حضرت کی سواری "سیر بسنت گڈہ" کے لئے جاتی ہے نواب صاحب میر عبد الجلیل کے بارہ مین گذارش کرتے ہین میر نیاز عقیدت یعنی اپنی تاریخین پیش کرتے ہین پڑھنے کیلئے ارشاد ہوتا ہے صلہ ایک لطیفہ بن کر سامنے آتا ہے بخشی الملک مخلص خان "چاپیتی" عرض کرتے ہین قدر شناس بادشاہ منصب صدی مرحمت فرماتا ہے۔

مزید واقعات ان عنوانات سے واضح ہوں گے۔

محاصرۂ قلعۂ ستارہ ہوختن باری قلعہ ناندگیر شاہی مورچال غنیم کا مقابلہ لڑائی کی تفصیل ۱۳ ذیقعدہ کی شام کا معرکہ تسخیر یورش قلعہ فتح قلعہ پرلی۔

امتداد مہمات سے اسی دوران مین برسات کا موسم آجاتا ہے جو فوج کشی، زور آزمائی اور صف آرائی کے منافی و مناقض ہے۔ فوج کی مراجعت کا فرمان صادر ہونے سے "ہنگامہ بار بردار" بلند ہو جاتا ہے۔ دریائی گشنا کا عبور اور تعدی جماعہ ازبکیہ کی روداد بھوشان گڈہ پہنچ کر بند ہو جاتی ہے مگر خود اس قلعہ (بھوشان گڈہ) کی تفصیل، اس کے استحکام و استواری کی تشریح کچھ دور تک ختم نہین ہوتی۔

باین ہمہ تفصیلات و تعدد مضامین و عنوانات کتاب محض مختصر ہے ضخامت سنتیس صفحات سے متجاوز نہین۔ مولوی سبح الزمان لکھنوی نے اپنے مطبع سبحانی (لکھنؤ) مین ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۲-۱۸۵۳ء) مین طبع کرائی تھی حاشیہ پر نشا کی شرح موسوم بکلمات البلبل مطبوع ہے جو مولوی سید امیر حیدر بلگرامی متخلص بہ اسیر (میر غلام علی آزاد کے پوتے، میر عبد الجلیل کے سرتاتی، نے ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء)

مین قلمبند کی تھی۔ مطبع کے خطاط، لالہ رنگین لال شاداب نے کتاب نہایت پاکیزہ، واضح، خوش خط اور حتی الوسع صحیح لکھی ہے تحشیہ حافظ سید محمد عبداللہ کے قلم سے ہوا۔ اشیای عتیقہ اور کمیاب کتابون کے دلدادہ مولوی سید مسعود حسن رضوی ادیب پروفیسر لکھنو یونیورسٹی کے نفیس ذخیرہ مین اس کا ایک سال خورد نسخہ کمال احتیاط و عرق ریزی کے ساتھ تجلید کیا ہوا موجود ہے۔

آخر کتاب مین میر غلام علی آزاد کے چار قصیدے شامل کر دیئے گئے ہین۔ چارون مطلعے ملا کر ایک انسو ایک شعر ہین جن سے تاریخ وفات ۱۱۳۸ھ نکلتی ہے۔ میر سید محمد کو بھی اسمین یاد کیا اور اُن کا نام نامی لیا ہے۔ تاریخ کی پابندی اور اہتمام کے باعث سے آزاد کے اکثر شعر بے لطف بلکہ بعض مطالب و معانی کی رفاقت و رقابت سے بے نیاز و آزاد نظر آتے ہین، یا ایسے پیچیدہ، دقیق اور عسیر الفہم ہو گئے ہین جن پر المعنی فی بطن الشاعر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

مُنشآت جلیل

انشائے جلیل کو چھوڑ کر نثر کی دوسری یادگار یہی ہے۔ وہ توقعات جو انشائے جلیل کے نام سے پیدا ہوئی تھین کچھ نہ کچھ اس مجموعہ سے پوری ہو جاتی ہین گویا کہ اُس بلند اکی یہ خبر ہے۔ میرے نزدیک یہ مکاتیب انشائے جلیل سے زیادہ کارآمد اور قابل قدر اس اعتبار سے ہین کہ ذی فہم پڑھنے والے کو یہ یک وقت یہ ادب و انشا کا بھی سبق دیتے ہین اپند و اندرز کا بھی علم و عمل کا بھی اسی کے ساتھ ان سے اُس گئے گذرے زمانہ کی بہت سی غیر معروف باتون اور معاملون کا پتہ چلتا ہے ان سے نہ صرف ایک متنفس (کاتب خطوط) کی زندگی کے ہر پہلو اسکی عزیمت و استقلال جرأت و استقامت کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دنیا مین افراد انسانی کو کیونکر رہنا اور بسر کرنا چاہیئے جس کا ماحصل حافظ کی زبان مین یہ ہے ؎

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف ست　　با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

مین تو اس نایاب مجموعہ کو بارھوین صدی ہجری کے ممتاز علمی و ادبی کارنامون مین شمار کرتا ہون
میر غلام علی آزاد نے مآثر الکرام مین بذیل ترجمہ میر عبد الجلیل لکھا تھا کہ "میر سید محمد سلمہ اللہ تعالی
خلف الصدق ایشان پارۂ از منشآت والا جمع کردہ اند"، افسوس ہے کہ وہ سب خطوط جنکی ترتیب و
تہذیب میر سید محمد کے ہاتھون ہوئی تھی، دستیاب نہین ہوتے۔ زیر نظر مجموعہ صرف بائیس خطوط مختصر
و مطول کا ہے جو میر عبد الجلیل نے اپنی بیکاری و امیدواری کے ایام مین اپنے فرزند دلبند میر سید محمد
کو سفر سے بھیجے تھے جن کا حوالہ اس تذکرہ مین بیشتر بھی دیچکا ہون۔

محب فرزانہ مولوی حافظ محمد عثمان صدیقی (استاد معاون، گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج الہ آباد)
کے کتب خانہ مین ایک نادر الوجود چیز اورنٹیل سلیکٹنی نام The Oriental Miscellany. I
یعنی نخبۃ الشرق حصۂ اول ہے جس کا آج کوئی دوسرا نسخہ ہندوستان کی مشہور لائبریریون مین پایا نہین
جاتا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس مین بعض کتب و مکتوبات شرقیہ سے التقاط و اقتباس کیا گیا ہے
اور اصل فارسی عبارت کے ساتھ ترجمہ انگریزی کو بھی صفحات مقابل پر جگہ دی ہے۔ یہ کتاب
دار الامارۃ کلکتہ مین ۱۷۹۸ع مین طبع اور غالباً زیر اہتمام افسران سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی شائع ہوئی
تھی پیش نظر جلد ۱۸۰۱ع مین فورٹ ولیم کالج کے طلبہ کے مصرف کیواسطے حوالہ کی گئی تھی۔ اس
مین بعض منتخبات تاریخی و علمی و ادبی و سیاسی کے سوا شہنشاہ اکبر اور سلطان اورنگ زیب
عالمگیر کے چند کمیاب فرامین بھی ہین نیز ایک مکمل و مبسوط تحریر کا انگریزی ترجمہ ہے جو سید امیر حیدر
بلگرامی نے جب وہ صدر نظامت عدالت کے مفتی کے منصب پر مامور تھے دربارہ حقوق مالی
سرکار و محاصل کاشت اراضی وغیرہ بحوالہ کتب فقہیہ و احکام شریعت اسلام علی صاحبہا الصلوۃ
والسلام فارسی مین قلمبند فرمائی تھی۔ میرے نزدیک جس حصہ پر فی الواقع جامع کتاب کو نازش
و مباہات ہونا چاہیے وہ (میر عبد الجلیل کے) یہی منشآت اصلی ہین جو مع ترجمہ ۱۴۰ صفحات پر
چھپے ہین اور مختلف مضامین و مباحث پر مشتمل ہین۔ ان خطوط سے ان ایام کے اکثر تاریخی و ملکی واقعات
کے علاوہ میر کے خاندان کی اندرونی حالت، سادہ و بے تکلف طرز معاشرت، اور قصباتی شرفاء

کے ماند و بود کی کیفیت اور سچے اخلاص و مودت کا اظہار ہوتا ہے بطور دیباچہ یا تعارف انگریزی مین تین صفحہ پر میر کے مختصر حالات بھی درج کر دیئے ہین۔ اُن کی بے نیازی اور شان استغنا کی بالخصوص تحسین و مدحت کی ہے۔ جامع متفرقات لکھتا ہے کہ "میر عبد الجلیل نے یہ خطوط میر سید محمد کو لکھے تھے میر سید محمد نے ان کو سلسلۂ تاریخ سے یکجا کر لیا تھا پھر اپنے بھانجے[۱۸] کے حوالہ کیا تاکہ اس کے منشیانہ انداز پر نظر ڈالین اصل فارسی کا طرز تحریر سلیس و صحیح ہے۔ انداز کلام نہایت شاندار اور پُر اثر واقع ہوا ہے۔ دربار دہلی کے بعض واقعات و حالات جو انشائے مکاتبت مین سپرد قلم ہو گئے ہین بغایت دلچسپ ہین۔ نظر بر جمیع حالات یہ مجموعہ فارسی زبان کے نوجوان شائقین کو بجد مفید و کارآمد ثابت ہوگا اور انگریزی خوانون کو بھی پوری دلچسپی و تفنن کا ذخیرہ اس مین فراہم ملے گا۔"

قرینۂ غالب ہے کہ اس کتاب داورنٹیل سلینی، کی تجویز و ترتیب مین مفتی میر امیر حیدر کی شرکت و اعانت ضرور رہی ہوگی اور یہ خطوط انھین کے ذریعہ سے انگریز مؤلفین کو دستیاب ہوئے ہون گے۔ مگر ان خطوط کی ترتیب ٹھیک نہین پائی جاتی نہ ان کے آخر مین تاریخ تحریر، تحریر ہے اس لئے ان کے سلسلہ و ترتیب کے متعلق تیقن کے ساتھ کچھ نہین کہا جا سکتا۔ یہ بھی پتہ نہین چلتا کہ میر سید محمد، میر غلام علی یا میر امیر حیدر نے اس مجموعہ خطوط کا نام کیا رکھا تھا۔ انگریزی مؤلف نے "مختلف معاملات پر باپ کے اصلی خطوط بیٹے کے نام" سے ان کا تعارف کرایا ہے منشآت جلیل، کا عنوان جامع تذکرہ دفقیر مقبول، کا مجوزہ ہے۔ سہولت و دلچسپی کے لئے بعض خطوط یا اُن کے مضامین کا اقتباس پیش کیا جائے گا۔ کچھ شک نہین کہ بہت سی باتین چھوٹی چھوٹی اور معمولی ہین مگر انھین کے پڑھنے اور جاننے سے روشن ہوتا ہے کہ دُنیا کی رفتار اور ہمارے ملک کے متوسط طبقہ کے زندگی بسر کرنے کا رنگ ڈھنگ ڈھائی سو برس پہلے بھی کم و بیش ایسا ہی تھا جیسا کہ آج ہے۔

---

[۱۸] غالباً میر غلام علی آزاد سے مراد ہے

اگرچہ خطوط تمامتر خانہ داری کے تردّدات، اور دنیوی معاملات کی خبرگیری و خبرداری کے حامل ہین اور ظاہر ہے کہ انھین ضرورتون سے معرض ترقیم مین آئے ہونگے تاہم کوئی رُقعہ اخلاقی تربیت، دینی تعلیم، علمی نصائح اور آداب و تہذیب آموز ہدایات سے خالی نہین پایا جاتا فرزند سعادت منش کی کوئی ضرورت یا فرمایش پوری کرتے ہین تو اُسی کے ساتھ پند و موعظت بھی کرتے جاتے ہین اور ہر حال مین تحصیل علوم پر کمال سعی مبذول رکھنے کی تاکید کرتے ہین ایک طرف میر سید محمد کے لئے سُرمہ چشم تلاش کرکے یا امین الدین خان صاحب فوجدار سرکار بھگر سے لے کر بھیجتے ہین تو دوسری طرف کتابون کو دھوپ دینے اور بیش قیمت و کمیاب نسخون پر لحاظ خاص اور توجہ کامل رکھنے کے لیئے قدغن فرماتے ہین۔ حفاظت و نگہداشت کے لئے محض تاکید ہی نہین ہوتی بلکہ اس کی تفصیل و تشریح کا کوئی جزئیہ ترک نہین ہونے پاتا۔ جیسا کہ روضۃ الناظر اور رسالہ کلمہ طیبہ کے بارہ مین نقل ہو چکا ہے۔

تشویق تحصیل علم باوجودیکہ میر سید محمد پختہ عمر پر پہونچ چکے ہین خود بھی ذی فہم و ذی علم ہین لیکن پدر شفیق کا بزرگانہ ارشاد یہی ہے۔

در شغل تحصیل علم سعی بر کمال نمایند و محط نظر علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول باشد و اضراب از علوم دیگر بالکلیہ نباید نمود۔ اقل مرتبہ این است کہ مصطلحات ضروری علوم دیگر البتہ آشنائی تام حاصل باید۔ اگرچہ خمیر مایہ تحصیل علوم دینی قرار باید داد اما از نمک گیری منطق و حکمت بقدر کفایت و دیگر علوم متعارف روزگار غافل نباید بود بالجملہ مضمون این شعر رنگین را مدنظر باید داشت

احرص علی کل علم تبلغ الاملا ولا تؤانس بعلم واحد کسلا

یعنی حریص باش بر ہر نوع علم تا برسی امید خود را و اُلفت مگیر بر علم واحد از روئے کاہلی

النحل لما رعت من کل فاکھۃ ابدت لنا الجوھرین الشمع والعسلا

مگس شہد ہر گاہ می چرد از ہر میوہ، ظاہری گرداند از برای ما دو قسم جوہر را یکے موم و دیگر شہد

الشمع باللیل نور یستضاء بہ والشھد یجری باذن الباری العللا

جوہر موم در شب نورے است کہ طلب روشنی کردہ می شود انان نور او جوہر شہد صحت می بخشد بحکم خدائے آفریدگار ہمیار ہمارا۔

ترہیب و ترغیب: ایک دوسرے والا نامہ مین نصیحت فرماتے ہین۔

در باب خواندن خود کہ رسالۂ اعلام الہدی میخوانند نوشتہ بودند معلوم شد۔ برخوردار! خواندن رسالہائے غیر متعارف فائدہ ندارد۔ باید کہ کتب درسی متعارف را تحصیل نمائید کہ ہمین کتب درسی خواندہ شد رسالہائے غیر متعارف خود بخود آسان می شوند مثلاً شرح عقائد را کہ خواندند دیگر رسالہ اعلام الہدی حل می شود۔ سعی نمائید کہ تحصیل علم بترتیب شود کہ این معنی ضروری ست و ہمین ایام تحصیل کمالات است باز این وقت بدست نخواہد آمد۔

ایک تیسرے موقع پر ایک سچی اور سادہ زبان ترجمانی دل یون کر رہی ہے "عربی پڑھنے مین جو اپنی تقصیر کا حال لکھا تھا موجب انشراح خاطر ہوا۔ حق تعالیٰ میری زندگی مین تمکو کمال انسانی پر پہنچا دیوے تاکہ ہماری آنکھون کو روشنی حاصل ہو۔"

صلاح نیک: میر سید محمد کو عینک کی ضرورت ہے یا محض شوقیہ فرمائش۔ میر عبد الجلیل بھکر مین تلاش کرتے ہین نہین ملتی ہے۔ معذرت کرتے ہین اور لکھتے ہین "باین ہم تلاش باقی ہے جسوقت میسر ہوگی بھیجدون گا مگر خیال رہے کہ جس وقت آنکھ خیرگی کرنے لگے تو رات کو مطالعہ موقوف رکھئے گا۔ آنکھ کی محافظت بھی ضرور ضرور چاہیئے۔"

خیر اندیشی و شفقت: میر عبد الجلیل از خود جتنے تحائف و ہدایا بھیجتے تھے اُن مین ضروریات ذاتی یا مصنوعات مقامی یا دیگر اشیائے کارآمد کے سوا کوئی نہ کوئی سلاح یا سپاہیانہ ہتھیار ضرور ہوتا تھا چنانچہ بھکر سے سُرمہ اور ایک جلد شرح مُلّا کے علاوہ ایک حلقہ کمان بھی فرید ملازم کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ یہ چیز فوجدار صاحب نے میر سید محمد کے لئے خاص کر بہم پہنچائی تھی۔

مالی مشکلات و وصول نقد بھکر سے اکثر ہنڈوی آٹھ نو سو روپیہ کی آیا کرتی تھی معمول یہ تھا کہ جب کوئی معقول رقم جمع ہو جاتی تھی تو شیخ محمد رضا نائب خدمات خرچ کے لئے میر صاحب کے پاس بھیجدیا کرتے تھے لیکن ہنڈوی کا بھنانا اور مہاجنوں سے روپیہ کا منگانا ایک کار اہم ہوتا تھا جس کے منگانے اور لانے کیلئے خاص آدمی بھیجنا پڑتا تھا اور جس مین بعض اوقات صرف بھی زائد ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک ہنڈی آٹھ سو روپیہ کی آئی تھی جس مین سے ۱۰ صرف ہنڈیاون کے بابت بھکر مین خرچ ہو گیا تھا باقی روپیہ شاہجہان آباد سے اکبر آباد میر صاحب کے پاس پہونچا اور ان کے کام آیا۔

ایک دشواری و طوالت اور بھی تھی کہ بھکر مین کوئی مہاجن ایسا نہ تھا کہ اکبر آباد یا فتوح کو براہ راست ہنڈوی لکھ دیتا بھکر سے ملتان، اور ملتان سے لاہور، اور لاہور سے اکبر آباد، اور وہان سے فتوح چلتی، ہنڈوی لکھانا ہوتی تھی اور اس صورت سے چار جگہ ہنڈوی کو باحتیاط بالقید جنس سکہ و سنہ لکھانا پڑتا تھا

سید محمد نوح جب تک سیوستان مین رہے خطوط اور ہنڈوی شاہجہان آباد بھیجتے تھے۔ یہان بھی وہی مرحلہ پیش آتا تھا کہ ایک معتبر آدمی بھیجکر روپیہ وصول کیا جاتا اور پھر ہنڈوی فتوح بھیجی جاتی تھی۔ میر عبد الجلیل کے بعض رقعات مین سید محمد نوح اور ان کے خطوط کا حوالہ ہے۔ ان کے خطوط ایسے مفصل ہوتے تھے کہ بلگرام کو ان کا باصلہ بھیجدینا ضروری سمجھ لیا گیا تھا

ایک بار سید نوح نے سیوستان سے کچھ روپیہ بھیجا تھا۔ ہنڈوی شاہجہان آباد کے مہاجن کے نام تھی وہان تک قاصد کے بھیجنے اور روپیہ منگانے مین دیر ہوتی تھی۔ ضرورت شدید تھی۔ سابق میر عبد الجلیل نے وہین اکبر آباد مین کسی مہاجن کے ہاتھ کچھ نقصان اٹھا کر فروخت کر دی۔ ایک ہزار ۱۰۰۰ انتیس روپیہ وصول ہوئے۔ آٹھ سو ستائیس ۸۲۷ روپیہ کی ہنڈوی فتوح کو میر سید محمد کے نام روانہ کی گئی۔ مبلغ فرق میری سکہ اٹاوہ لکھائے گئے تین سو چھ ۳۰۶ روپیہ اکبر آباد مین تقاضا دار لوگون کو ادا کیا گیا۔ اس قرض و تقاضا کی وجہ میر عبد الجلیل یہ لکھتے ہین کہ نواب اخلاص خان کی سرکار سے جو دو روپیہ روز ملتا ہے اس مین

کیسے پورا پڑ سکتا ہے ایک روپیہ روز اور پر خرچ ہو جاتا ہے۔ نوکرون کی تنخواہ (طلب نقران) خرچ دربار اور دیگر ابواب اسکے علاوہ ۔ آٹھ سو ستائیس ۸۲۷ روپیہ جو گھر بھیجے ہین اُس کے خرچ کی تفصیل و مدات بتاتے ہین کہ پانچ روپیہ میر صاحب و قبلہ شاہ لطف اللہ کو، اور تین سو ساٹھ ۳۶۰ روپیہ برخوردار سید محمد نوح کے گھر مین اسیر عبد الجلیل کی منجھلی بیٹی کو، اور بیس ۲۰ روپیہ اپنی بڑی بہن اور بیس روپیہ چھوٹی ہمشیرہ اور چار سو بائیس ۴۲۲ روپیہ اپنی والدہ کو گھر کے خرچ کے واسطے دیدینا۔ اس روپیہ مین جو ضروری اور ناگزیر اخراجات ہون اُن کو مقدم رکھا جاے اور جو رقوم دس بیس روز کے توقف سے ادا ہو سکتی ہون ان مین توقف کر دینا مین چند روز کی رخصت لے کر وطن آرہا ہون اُس وقت جیسا مناسب ہوگا انجام دیا جائے گا"

نئی چیز:۔ سید کی تیلیون کی چھتریان ہماری یاد کی بات ہین اور خال خال اب بھی نظر آجاتی ہین۔ مگر دو ڈھائی سو برس پہلے کے عجائبات مین ۔ یورپ کی عینک لکڑی کے فریم کی ہوتی تھی اور بڑی قدر و احتیاط کی چیز تھی۔ میر عبد الجلیل دہلی مین عینک کے محتاج ہین فرزند رشید کو بشیر بھی لکھ چکے ہین اور اب پھر لکھتے ہین کہ "یون تو دہلی مین عینکین بہت ہین بہت ملتی ہین لیکن نگاہ کی موافقت معدوم۔ ایک نہایت عمدہ عینک بھکر مین دستیاب ہوگئی تھی اُس کو نوکرون نے گم کر دیا۔ ہر چند اسباب مین ڈھونڈھا نہین ملتی ہے"۔ "فرنگی عینک حلقہ چوبی" کی گھر پر چھوڑ آیا تھا اس نظر سے کہ بڑی نفیس شے تھی اور اُسوقت مین چندان محتاج بھی نہ تھا سمجھتا تھا کہ گھر پر باحتیاط رکھی رہے گی۔ ممکن ہے کہ تم نے کسی اور کو دیدی ہو اگر اُس سے واپس لینا ممکن ہو تو مسترد کر لو وہ میری آنکھون کے بہت موافق تھی۔ ادھیم اسمار تک نظر آتا تھا۔ مین یہان سے دو عینکین خرید کر کے تمھارے لئے بھیجتا ہون۔ یا بت معلوم ہے صرف موافقت چشم کی وجہ سے اِس درجہ مبالغہ کر رہا ہون۔ حسین خدمتگار سے پوچھیے گا کہ آخر بھکر والی عینک کیا ہوگئی فلدان مین طاق پر رہا کرتی تھی۔ کس نے اٹھائی۔ کہان رکھدی؟"

دُور کی خدمت مقبول کرنیسے گریز:۔ تیرھوین عنایت نامہ مین تحریر فرماتے ہین "جب نواب میر جملہ روانہ بنگالہ ہو گئے تو رفعت پناہ عوالی دستگاہ شیخ لالن نے جنکو حال مین محمدی خان کا خطاب ملا ہے منزل (کیمپ) فرید آباد سے خدمت سوانح نگاری سرکار امتیاز گڈھ عرف اودنی اور سرکار قمر نگر عرف

کرنول مضافات بیجاپور کی سند بندہ کے نام تیار کرکے بھیجدی اور معذرت فرمائی کہ اگر ہم شاہجہان آباد رہجاتے تو آپ کے لئے ضرور کوئی خدمت ہندوستان کی حاصل کرتے اب کہ نواب بنگالہ جا رہے ہین ناچار یہی بھیجی جاتی ہے ہر چند دور ہے مگر خدمت اچھی ہے۔ بندہ وہان کے جانے نہ جانے مین متردد تھا۔ مکنون خاطر یہ تھا کہ اگر سرکار نواب امیر الامرا سے کوئی خدمت کم و بیش ہندوستان کی تیسرے جاتی تو قناعت کر لیتا۔"

طریق سفر قنوج[۵۹] کے شارع اعظم پر واقع ہونے کی وجہ سے بلگرام سے آنے جانے والون کی پہلی منزل وہین ہوتی تھی۔ میر عبد الجلیل اور ان کے سب اہل خاندان کا بھی معمول یہی تھا جب دہلی مین کچھ عرصہ رہکر اور کوشش کرکے سید محمد کو اپنی جگہ کرا دیا ہے تو ان کو دہلی بلا رہے ہین۔ ضرورت شدید ہے

۵۹۔ قنوج کسی وقت شمالی ہند کا دار الملک، اور سب سے بڑا اور پرانا شہر تھا۔ اب ضلع فرخ آباد مین ایک چھوٹا شہر یا بڑا قصبہ رہ گیا ہے۔ پرگنہ و تحصیل و تھانہ کا صدر مقام ہے۔ دریائے گنگ کے داہنے کنارے پر ایک پرانی بلند پہاڑی پر آباد تھا۔ مگر اب دریا چار میل پورب کو ہٹ گیا ہے۔ شارع اعظم شاہی اور ریل اسٹیشن سے پختہ سڑک شہر تک گئی ہے۔ تقریباً دو میل کا فاصلہ ہے۔

گذشتہ صدی کے اندر اسکی آبادی مین تغیر نمایان ہوتا رہا ہے ۱۸۴۰ء مین ساڑھے سولہ ہزار نفوس کی تھی ۱۸۵۳ء مین بائیس ہزار پائی گئی ۱۹۰۱ء مین ۱۰۵۵۲ اور ۱۹۲۱ء مین ۱۸۲۵۸ تھی۔ باشندگان قریب دو ثلث کے ہندو اور ایک ثلث مسلمان ہین۔ رقبہ مسکونہ دو سو اٹھانوے ۲۹۸ ایکڑ پانچ مواضع، قنوج و کندرولی و تاج پور نو کاشت و علاء الدین پور و عمر پور کی اراضی مین پھیلا ہوا ہے۔ آبادی کی شکل مثلث نما واقع ہوئی ہے پرانے شہر کے کھنڈرون، ویرانون، منارون و محلات کے ٹیکرون پر، کوسون تک ہر طرف جدھر نظر پڑتی ہے خشت پارے اور سنگ ریزے ہر جگہ سنگ راہ ہوتے ہین۔ پرانے کھپرے۔ پرانے سکے۔ مورتون کے ٹوٹے ہوئے حصے اطراف کے کھیتون اور خالی زمینون مین دور تک ملتے ہین۔ کرنیل ٹاڈ Colonel Tod لکھتے ہین کہ کبھی اس شہر کا حصار تیس میل سے زاید تھا۔ مگر دیگر اہل فرنگ مورخین اس کو مبالغہ پر محمول کرکے باور نہین کرتے یعنی سیاح ہیون تھسانگ کی مفصل تحریر اور زمانہ موجودہ کے کھنڈرون سے ثابت ہوتا ہے کہ پرانا قنوج گنگا کی پرانی پہاڑی پر تین میل سے زیادہ طول مین آباد رہا ہوگا۔ آبادی تمام سر نشیب و فراز اور پست و بلند واقع ہوئی ہے۔ بہت سے نالے کھانے زمین کو کاٹتے ہوئے دریا مین جا کر مل گئے ہین بہت سے مکانات جو اس وقت نیم ویران غیر آباد و شکستہ حال نظر آرہے ہین کسی وقت نہایت شاندار امر تفع اور مستحکم عمارات رہی ہونگی۔

تغیرات محدثہ مین نالے پر ایک پل ہے جس کو سمبت ۱۷۵۸ (۱۷۰۱ء) مین چند اگروالہ دولتمندون نے

تاکید کرتے ہین اور لکھتے ہین کہ "پرانا گھوڑا اب سواری کے قابل نہین رہا ایک منزل بہل وطن سے قنوج تک کے لئے کرایہ کرلو اور محض ضروری (لابدی) اسباب لے کر چلے آو" آگے چل کر تسلی دیتے ہین کہ "جب انشاء اللہ منصب وخدمت تمھارے نام ہوجائیگی تو مہاجنان بھکر سے تمھاری ضروریات سفر کا سرانجام کرا کے پالکی کی سواری پر روانہ بھکر کرادینگے۔ وطن سے صرف ضروری سامان لے کر چلنا ہے چند کمتر وسبکتر آسودگی بیشتر، انشاء اللہ جب اپنے تعلقہ خدمت مین یا ملتان تک پہونچ جاوگے تو جو کچھ چاہوگے سب میسر وہیا ہوجائے گا۔ بالفعل یہان خود جریدہ پہونچ جاو" پھر خیال آتا ہے کہ دہلی جلد تر پہونچنے کی ضرورت ہے تاکید بھی کر رہا ہون بہل آہستہ آہستہ چلیگی۔ دہلی مین پہونچین گے تو تاکید وہدایت فرماتے ہین کہ "چار کہار جوان زود رو کرایہ کرکے چوپالہ مین تنہا ہمارے پاس چلے آو۔ دو دست رخت پوشاکی دربار سوائے پارچہ پوشاکی خانہ مطلوب ہین۔ اگر موجود ہون تو بہتر۔ ورنہ زر جام کے ہمراہ جو سامان

بنوایا تھا۔ ڈائمنڈ جوبلی ہائی اسکول۔ اُس کا زراعتی فارم، بورڈنگ ہوس، کلب گھر، شفاخانہ، اور کوتوالی نصب عام عمارات ہین۔

قنوج جتنا قدیم اور عظیم شہر رہا ہے اُس کی مناسبت سے یہان کے آثار وصنادید نہ تو عنقا ہین نہ کثیر التعداد بے شبہ اسکی کہن سالی اور تاریخی عظمت کے اعتبار سے اس سے زیادہ کی توقع کی جاتی تھی۔ انگریزون کی رائے ہے کہ ہندوؤن کے زمانہ کی یادگارون اور مذہبی عمارات کو نویں صدی مین محمود غزنوی کے غیظ وغضب اور بے پناہ تیغ وتبر نے غارت وتاراج کردیا تھا۔ اسلئے جو کچھ آثار قدیمہ باقی ہین وہ صرف مسلمانون کے عہد کی ہین۔ بلحاظ اہمیت بادست جو قابل لحاظ ہین حسب ذیل ہین۔

(۱) نواب بہادر خان، شاہجہانی امیر کی تعمیر کردہ سرائے کا مغربی پھاٹک اور چند کوٹھریان

(۲) رنگ محل یا موتیا محل جس کو سید محمد قنوجی استاد اورنگ زیب وبانی سرائے میران نے ۱۰۹۶ھ (۱۶۸۵ء) مین تعمیر کرایا تھا۔ عمارت تقریباً نابود ہوچکی۔ بنیادین اور کچھ کچھ دیوارین قائم ہین

(۳) مقبرہ سید محمد قنوجی مذکور۔

(۴) جامع مسجد جسکی نسبت ہندو دستا کی رسوئی ہونے کا دعوی کرتے اور پانڈو نسل کے رابطگان کی تعمیر بتاتے ہین۔ ایک بلند پہاڑی پر پرانے قلعہ کی ناف مین واقع ہے ملک الشرق ابراہیم شاہ والی جون پور نے

بھیجا گیا ہے اس مین سے جو پسند ہو لے کر جامہ اور دوتہی تیار کرا کے لیتے آؤ۔ اگر پہلے سے تیار ہون تو نئے کپڑے بنوانے کی احتیاج نہین ہے خواہ مخواہ دیر ہوگی جب تعلقہ خدمت پر پہونچ جاؤ گے تو وہان بہت سے کپڑے اور دوتہی میسر آجائے گی" ہر چند سبک سبار تر آسودگی بیشتر و از وسواس راہ فراغت کامل تر۔"

مودت و محبت: اولاد و عیال کی الفت جو فطرت انسانی کا خاصہ ہے میر عبد الجلیل پر بھی بدرجہ غایت غالب تھی۔ ہر چند کہ سادہ بیانی اور احتیاط سے کام لیتے تھے لیکن جذبات دل کی جھلک ہر ہر قدم پر نمودار ہو جاتی تھی۔ یہ وہ انداز تحریر نہین ہے جو کہ اکثر انشا پردازون مین نظر آجاتا ہے بلکہ حقیقت حال کا اظہار کرتا ہے۔ میر عبد الجلیل نے ان تمام رقعات مین میر سید محمد کو ایک ہی

اس کی ترمیم و اصلاح ۸۰۹ھ (۱۴۰۶ع) مین کرائی تھی۔ جنرل کننگھم نے اس کو پہلے ۱۸۳۸ع مین، اور بعد مرمت مزید ۱۶۶۲ع مین دیکھا تھا۔ اپنے سیاحت نامہ مین دونون حالتون کا فرق دکھایا ہے۔

(۵) روضہ شیخ کبیر بالا پیر (متوفی ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ع) سنگ در سے سال تعمیر ۱۰۸۰ھ (۱۶۶۹ع) پایا جاتا ہے

(۶) روضہ شیخ محمد مہدی (فرزند شیخ کبیر) بعہد اورنگ زیب ۱۰۸۰ھ (۱۶۶۹ع) مین تعمیر ہوا تھا۔ شیخ مہدی نے ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۷ع) مین انتقال کیا۔

(۷) عالمگیری مسجد جو ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ع) مین شیخ مہدی نے رنگین پتھرون سے تعمیر کرائی تھی۔ مسجد مذکور کا بیرونی دروازہ ۱۰۸۱ھ (۱۶۷۰ع) مین تیار ہوا تھا۔

(۸) درگاہ شیخ ناگاہ ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۸ع)

(۹) مسجد مخدوم جہانیان جہان گشت، بخاری۔ و مقبرہ سید جلال وغیرہ۔

(۱۰) روضہ اولاد مخدوم۔ صدر دروازہ کے کتبہ سے واضح ہے کہ اس کو سید رجبو نے ۸۸۱ھ (۱۴۷۶ع) مین بعہد سلطان حسین شرقی تعمیر کرایا تھا۔ مع مقبرہ دیگر۔ ان عمارات کو زلزلہ سے نقصان پہونچا تھا ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) مین کامل مرمت ہوگئی۔

(۱۱) روضہ مخدوم اخی جمنید۔ واقع رہگیر ۸۴۳ھ (۱۴۳۸ع) کی تعمیر ہے۔ اورنگ زیب نے درستی کرادی تھی۔

(۱۲) روضہ چندن شہید واقع اسمٰعیل پور نور الدین جس کی تعمیر بابر بادشاہ نے کرائی تھی۔ مابین ۹۳۲ھ و ۹۳۷ھ (۱۵۲۶-۳۱ع)۔

(۱۳) سید محمد قنوجی کی تعمیر کردہ پختہ سرائے جو سید آباد کبیر معروف بہ سرایمران میں برلب شارع اعظم قنوج سے

مختصر طرز سے برابر مخاطب کیا ہے" برخوردار سعادت اطوار میر سید محمد سلمہ اللہ تعالی "، مگر تیسرے خط مین قلم کی متانت وسنجیدگی پر دل کی بیچینی وبیقراری غالب آگئی ہے۔ میر صاحب ضبط نہین کرسکے ہین۔ فرماتے ہین :۔

"برخوردار سعادت اطوار کامگار میر سید محمد مدعمرہ سلامت۔ بعد دعوات مزید حیات وترقی درجات شوق ملاقات کہ بیرون از احاطۂ عبارت است مشہود خاطر عزیز آنکہ خطوط آن برخوردار مصحوب فرجام وحسین متواتر رسیدند۔ از خبر خیریت آن برخوردار خاطر را مسرور گردانیدند۔ الحمد للہ علی ذالک شوق ملاقات

کوس بھرپور واقع ہے سنہ ۱۰۹۴ھ (۱۶۸۳ع) مین تیار ہوئی تھی۔

(۱۴) سرائے مذکور کے قریب ایک باغ اور احاطہ کے اندر سید موصوف کے لڑکے کا عالی شان مقبرہ۔

(۱۵) میر بنگالی کی عظیم الشان حویلی جو ایک نالے مین کمال رفعت واستحکام کے ساتھ بنائی گئی تھی اب صرف چار دیواری، بروج اور پھاٹک باقی ہے۔

عہد ہنود کے آثار مین "پرانا قلعہ" ہے جو عام طور راجہ جے چند راٹھور کا قلعہ کہلاتا ہے۔ ایک انجینیر اور سیاحی جنرل کننگھم کا قول ہے کہ "اسکا موقع نہایت مستحکم اور مضبوط ہے۔ توپ کی ایجاد اور استعمال سے پہلے جس نے قنوج کو ایک زبردست اور اہم مقام بنا رکھا ہوگا"۔ اب اس مین صرف گھشم کلی برج کے کچھ نشانات باقی رہگئے ہین۔ راجہ پال کا سند قلعہ کے اندر سب سے پرانی یادگار ہے۔ اسکی جگہ ضرور پرانی ہے مگر تعمیر جدید ومختصر ہے۔

مسلمانون مین سب سے پہلے محمد بن قاسم ثقفی نے سنہ ۹۲ھ (۷۱۰ع) مین قنوج پر حملہ کیا اور بعہد خلیفہ ولید اسلامی جھنڈا نصب کیا تھا۔ مسلم مورخین وسیاحین مین سے ابن وہاب جسکا مفرنامہ اب نایاب ہے مگر ابوزید نیری بصری تیسری صدی اسلامی کا مورخ اُس کا حوالہ دیتا ہے چوتھی صدی کے سیاح وناجر وجغرافی ابن حوقل موصلی اُسی عصر کے مورخ مسعودی بغدادی۔ آٹھوین صدی کے لغوی ومحدث فیروز آبادی نے اپنی تالیفات مین قنوج کا ذکر کیا ہے۔ اُسی صدی کا نامور سیاح ابن بطوطہ طنجی مغربی بھی یہان آیا تھا اپنے رحلہ وسفرنامہ مین اسکی ویرانی وبربادی پر آنسو بہاتا ہے۔ تاریخ فرشتہ نے قنوج کی سرسبزی وزراعت اور آبادی کے بہت سے حالات لکھے ہین جن کے ماننے مین صاحبان نظر اور اہل تحقیق کو کلام ہے۔ آئین اکبری مین لکھا ہے "قنوج با حویلی قلعہ از خشت پختہ دارد از امصار بزرگ ہندوستان"۔

ممالک غیر کے مورخین مین سے ٹالمی Ptolemy نے اس کو کنیا جیرا Canogiza کے نام سے یاد کیا ہے۔ چینی بودھ زائر فاہیان Fa Hian یہان پانچوین صدی عیسوی کے آغاز مین آیا تھا

آن برخوردار در عرصۂ تحریر گنجایش پذیر نیست **شعر**

کتبت وکدت من شوق ونوق الیک اکون سطراً فی الکتاب

یعنی نوشتم من خط را و قریب بودم از شوق و آرزومندی کہ بسوی تست، انکہ باشم من سطر در خط خود۔ **بیت**

دل جدا، دیدہ جدا، سوی تو پرواز کند گرچہ من در قفسم، بال و پرم بسیار است

حق سبحانہ این آرزو را کہ منتہی اہم ست بخیر و خوبی زود میسر آرد۔

تیسرے خط مین تعلق خاطر اور اشتیاق دیدار یون ظاہر فرماتے ہین :-

برخوردارا! در خط ہمراہی حسین خدمتگار از کسل جسمانی خود نوشتہ بودند کہ اکثر علیل می باشند بنابر آن ارادہ سفر این طرف دارند۔ برخوردارا! خود می دانید کہ در بساط ما ہمین شما اید کسے کہ یک پسر داشتہ باشد باختیار خود جدائی پسر را قبول نہ دارد۔ تمام آرزوے ما ہمین ست کہ شما را سیر ببینیم اما اسباب مختلفہ و دواعی متفرقہ لمنی گزارند کہ شما را بطلبم۔

ہیون تھسانگ Hewen Thsong ساتوین صدی مسیحی مین بعہد ہرش وردھن آیا تھا اُسوقت قنوج منتہائے عروج و ترقی پر تھا۔ اُس نے پوری تفصیل کے ساتھ یہان کے حالات ماضیہ و عصریہ لکھے ہین۔ انگریز مورخین و سیاحین مین سے پادری ٹینانٹ Rev. Mr. Tennant اٹھارہوین صدی کے ختم کے قریب اور مسٹر ولیم ہنٹر William Hunter اُن کے بعد ہی آئے تھے مشہور صناع دانیال Daniell نے قنوج کا نقشہ کندہ کر کے ۱۸۰۱ء مین شائع کیا تھا میجر تھارن Major Thorn نے ۱۸۰۵ء مین جنگ مرہٹہ کے زمانہ مین قنوج کو دیکھا تھا عصر موجودہ مین قنوج فی الجملہ ترقی کر رہا ہے۔ تجارت عطر و عطر سازی، روغن خوشبو، تیاری عطر دان چوبی صندوقچہ منقش و گلکار و پارچہ دیسی الحراف و پلنگ پوش وغیرہ کی چھپائی کے لئے بہت شہرت رکھتا ہے۔ سواد و مضافات شہر مین دور دور تک بیلا، چمیلی اور گلاب کے باغات و قطعات چلے گئے ہین۔

انگریزی کالجی اسکول اور سنسکرت و عربی کے متعدد مدارس شائقین علم اور طلبہ کو فیض عام پہونچا رہے ہین۔

میر عبد الجلیل کو اپنے نواسہ کے ساتھ بھی بڑی محبت والفت تھی باوجود پریشانی خاطر اسکا جلوہ اکثر مواقع پر نظر آتا ہے۔ میر سید محمد کو لکھتے ہین

برائے علاج درد گوش برخوردار سید غلام علی قلمی بود۔ الحق بسبب سواری دو وقتہ وسفر تمراہی نواب امیر الامرا، کہ بیست و دو روز بہمراہ ایشان ماندیم وازشش منزل شاہجہان آباد رخصت فرمودند از خاطر رفتہ بود۔ الحال نثار اللہ از حکیم جیو حقیقت ظاہر نمودہ نسخہ گرفتہ دوا تیار کردہ می فرستد۔

اعتراف منت یہ حکیم جیو (حکیم صاحب مہربان حکیم محمد جعفر) تھے جنکی سعی وتوجہ سے ذی قعدہ ۳ جلوس (غالباً ۱۱۳۰ھ) مین شدید علالت اور تپ محرقہ سے میر عبد الجلیل کو نجات ملی تھی۔ میر صاحب دہلی پہونچتے ہی سخت بیمار ہو گئے تھے۔ نو وارد تھے نہ کوئی یار نہ مددگار۔ ناآشنا لوگون سے واسطہ و سابقہ تھا۔ کئی خطون مین اس بیماری، اپنی تکلیف بخار کی شدت، تیمم سے نماز ادا کرنے، تیل کا استعمال چھوڑ دینے سخت پرہیز کرنے اور بعد صحت ایک ضیافت و دعوت کی تقریب مین پرہیز توڑنے کی تفصیل لکھی ہے ہر موقع پر اس معالج مہربان کا بار بار شکر ادا کرتے اور سعی ابرائے آزار کی ستایش وتحسین فرماتے ہین۔

---

۲۰ ہند وستان بلکہ تمام ممالک عرب وعجم مین اس شریف پیشہ کی بڑی عزت وتوقیر تھی۔ اس وقت تک اطبا کا یہ فیض رسان وکریم النسب طبقہ طمع وآز سے پاک وبے نیاز تھا۔ حکما کی مدد معاش اور بہ اطمینان گزران کے لئے سلطنت کی طرف سے سیر حاصل جاگیرین، اور معافیان عطا کی جاتی تھین۔ امرا اور اہل دول وظائف وسالیانے مقرر کر دیتے تھے۔ اطبا خواہ کسی درجہ وشان کے ہون اس کار خیر کی انجام دہی کے لئے کوئی مزد یا اجر لینا اپنے مرتبہ سے فروتر اور باعث ننگ وعار سمجھتے تھے۔ سلاطین عہد ان کو بڑے بڑے خطاب حکیم الملک، حاذق الملک، شفاء الملک وغیرہ دیتے تھے۔ ان کا رتبہ وزرائے سلطنت سے بالاتر مانا جاتا تھا۔ حکیم الملوک، بہادر شاہ اور عظیم الشان کا طبیب خصوصی تھا اور شیخ محمد حسین شیرازی متخلص بہ شہرت، اعظم شاہ اور شاہ عالم بہادر شاہ کا۔ فرخ سیر کے اسکو حکیم الممالک خطاب دیا تھا۔ مرزا محمد ہاشم شیرازی مخاطب بہ سید علوی خان معتمد الملوک، عالمگیر و محمد اعظم و شاہ عالم کا حکیم تھا۔ محمد شاہ نے اسکو سونے مین تلوایا تھا شش ہزاری منصب رکھتا تھا تین ہزار درماہہ نقد پاتا تھا۔ اسکے کمال اور حذاقت کی وجہ سے نادر شاہ فرمان ایران اسکو بڑی کوشش سے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

حکیم جعفر غالباً میر کے ہموطن تھے۔ تیسرے رقعہ مین لکھتے ہین کہ "اب ستاید حکیم صاحب بھی شاہجہان آباد

شکر صحت نوین والا نامہ مین دو کلمہ خیریت بامژدہ صحت اپنے قلم سے (یا اُس زمانہ کی محاورہ کے موافق "بخط خود") لکھ کر اہل خاندان کو بھیجتے ہین تاکہ خاطر جمع ہو ہر خط مین از سر نو زندگی پانے اور موہبت الٰہی کا دل و زبان سے شکر بجالانے کے لئے اپنے تمام متعلقین کو تاکید کرتے اور لکھتے ہین کہ "ایک من آرد کی روٹی پکوا کر فقرائے بلگرام کو بانٹ دینا۔

فحمداً لہ ثم حمداً لہ علی ما حبانا من الاعتلا"

خدا کا شکر ہے پھر خدا کا شکر ہے کہ ہمکو بیماری سے صحت بخشی۔

عنایت نامہ (ذیل) بیست و دوم اس سلک گوہرین کا واسطۃ العقد ہے یہ مجموعہ منشآت اس خط پر ختم ہو جاتا ہے میر عبد الجلیل ایک مدت مدید تک وطن سے دور اور اہل وطن سے مہجور رہکر اب بلگرام پہونچنا چاہتے ہین جہان شاہی دربار کے مخصوصون، امرائے دولت کی سازشون اور نفاق اور پرشور بنسر حوالی سے مامون و محفوظ رہنے کی توقع ہے خود تو گھر پہنچنے اور گھر والون اور متوسلون کو دیکھنے کی عجلت و بیقراری ہے مگر اُن پر اصرار و تاکید ہے کہ اپنے جذبات و شوق کو روکین، اُن کے استقبال کے لئے دور تک نہ آئین گھر کے قریب مل لین۔

برخوردار کامگار میر سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد دعوات مزید حیات مشہود آنکہ روز پنجشنبہ دوم جمادی الآخرہ ۱۱۳۲ھ از جناب عالی معالی مرخص شدہ روانہ وطن گردیدہ چہارشنبہ ہشتم ماہ مزبور بخیر و عافیت بقنوج رسیدیم شنبہ ۲۴ جمادی الاولی قاصد اجورہ وارباد و پروانہ جاگیر خود و شما روانہ وطن کردہ از آمدن خود اطلاع دادہ بودم و الفاء وعدہ کہ پیش از رسیدن خود بوطن بہ پنج شش روز خبر خواہم داد بجا آوردم۔ صاحبی میر کرم اللہ و میر اشرف بسواری دو بیل کرایہ تا قنوج رسیدند۔ آدم پیش آن برخوردار فرستادہ شد امروز کہ پنجشنبہ است انشاء اللہ بوطن می آرم دو سواری اسپ از برادران بعاریت بدست آوردہ برائے ہر دو کس تا آب گنگ بفرستند

آگئے ہون گے اُن سے مُداوا اور تدبیر ازالۂ مرض کرنا چاہیئے۔"

کہ از آنروے آب بر اسپان سوار شدہ بوطن برسند شتر برخوردار میر محمد اعظم برائے باربرداری بار
کہ بر بہل بود باشتابیہ در سن نیز بفرستند یک پہر روز برآمدہ بندہ از قنوج روانہ بلگرام خواہد شد
شاید تا ظہر آن روے آب برسم آن برخوردار و ہر کس کہ ہمراہی شما کند ہرگز ارادہ آمدن تا
لب آب گنگ نخواہید کرد کہ ہوا بسیار گرم است من خود آنجا میرسم آخر روز اگر بر بجد در
آمدن باشید تا کرالی بیایند والا این ہم دستکار است بخدا کہ ہرگز راضی نیستم ہمان جا ملاقات خواہید
کرد کہ خوش وقتی ما در ین است زیادہ بحد شوق چہ نویسد والسلام

شاعری

میر عبد الجلیل کو شاعری مین چندان شغف نہ تھا نہ اسمین کوئی دلچسپی و شیفتگی تھی آپ کا شعر کہنا
محض "تقریبی" ہوتا تھا مہینون مین گذر جاتین اور ایک مصرع موزون کرنے کی نوبت بھی نہین
پہونچتی تھی لیکن جب کوئی تقریب پیش آجاتی تو اندک توجہ سے معانی و مضامین سخن خود حاضر نظر آتے
تھے۔ آپ کی طبیعت قدرۃً معنی آفرین واقع ہوئی تھی شعر گوئی محض تفنن خاطر کے لئے ہوتی تھی
یا اس خیال سے کہ کوئی صنف کمال ان سے باقی نہ رہجائے۔ وہ شاعری کو اپنے مرتبہ سے
پست و حقیر سمجھتے تھے جیسا کہ اپنے "قصیدۂ نسبی" مین فرماتے ہین ؎

مقصود من تفنن طبع است از سخن ورنہ سزائے رتبۂ من نیست شاعری

اصل یہ ہے کہ یہ قصیدہ اُن کے تمام قصائد مین ممتاز اور خوبیون سے مالامال ہے اسمین متانت
و استواری و پختگی کلام کے ساتھ خیال آفرینی، نزاکت ادا اور حسن ترکیب نمایان ہے۔ بندشین
دلآویز ہین۔ باقی قصائد مین کوئی مابہ الامتیاز شے نظر نہین آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُن مین آورد
کا حصہ آمد سے غالب رہتا تھا۔ جو کثیر الشاغل اور مختلف المقاصد شخص دور از کار باتون
سے زبان کو آلودہ نہ کرتا ہو وہ ترہات شاعرانہ پر کب توجہ کرے گا لیکن خواہشمند اور ارباب

احتیاج مانتے نہ تھے مجبورانہ اُن کی تشنگی وضرورت رفع کردیجاتی تھی۔ چنانچہ قصیدہ فتح آگرہ مین لکھتے ہین ؎

شعر گر فضل من نہ پوشیدے — می شدم در فن سخن اقدم
گر بپرسی زجامعیت من — میر خسرو دہد جواب نعم

میر صاحب نے ضرورتاً قصائد زیادہ کہے ہین اُن کے کلام مین، کہین کہین ابوطالب کلیم ملک الشعرائے شاہجہانی اور حاجی محمد جان قدسی کے رنگ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ معاصر نہ سہی یہ دونون قریب العہد ضرور تھے۔ اگر ان کے کلام وکمال کا گہرا رنگ میر عبدالجلیل پر چڑھ گیا ہو تو تعجب کی بات نہین۔ البتہ تشبیہات کی ندرت اور استعارات کی شوخی یہان کمیاب ہے کم مشقی اور کم توجہی ان تقصیرات کی ذمہ دار ہے۔ ورنہ جودت طبع، ذہانت اور وسعت نظر ومعلومات مین میر صاحب کس سے کم تھے؟

میر عبدالجلیل مفوات شاعرانہ سے نہایت احتراز کرتے اور اپنے فرزندان وتلامذہ پر اس قسم کے لوث وآلودگی سے محفوظ رہنے کے لئے سخت تاکید رکھتے تھے بالخصوص انبیا علیہم السلام کی شان مین حضرت یوسف پر معشوق مجازی کو ترجیح دینے اور صبر ایوب پر عاشق کے طعن کرنے پر نہایت سرزنش کرتے (علیہما السلام) اگر کسی جگہ اس قسم کے ترہات واباطیل نظر سے گذرتین تو سورۂ شعرا کی آیۃ خاتمہ زبان پر آجاتی تھی۔ یعنی وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (اور جنھون نے لوگون پر ظلم کئے ہین اُن کو عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ کسی جگہ اُن کو لوٹ کر جانا ہے۔ جزو ۱۹۔ سورۃ الشعرا ع ۱۱-۱۵)

میر صاحب کا کلام عربی وفارسی وترکی وہندی چار زبانون مین پایا جاتا ہے اور انصاف یہ ہے کہ باوجود عدم اعتنا وفقدان توجہ کے انھون نے اپنا کمال کمال دکھادیا ہے۔ بیشک وہ غزل کم کہتے تھے لیکن باقی تمام اقسام سخن مین بے مثل جواہر بکھیرے ہین اور ثابت کیا ہے کہ شخص واحد کو تمام انواع شاعری پر اس درجہ دسترس وعبور رسم پہونچنا دشوار ہے وہ منفی زاہد تھے

بلکہ زاہد خشک، لیکن آغاز شباب مین رنگین مزاجی وظرافت مین بھی کامل تھے۔ ع

ہم آج پیر ہوئے کیا کبھی شباب نہ تھا؟

تخلّص۔ میر عبد الجلیل ابتدا مین "طرازی" تخلّص کرتے تھے پھر اس مناسبت سے کہ سیّد واسطی الاصل تھے "واسطی"، قرار دیا لیکن زیادہ تر دیکھا بھی گیا ہے کہ وہ اپنا پورا نام "عبد الجلیل" اور کبھی کبھی "میر جلیل" داخل کلام کرتے تھے۔ وہ دونون تخلص ان کی جوانی اور انکی شاعری کی جوانی کے یادگار تھے اور نام کا لینا یا نظم کردینا انحطاط عمر یا زمانہ پختگی کلام وکمال مین اختیار کیا تھا۔ صاحب حیات الشعرا نے ان کا نام میر جلیل لکھا اور ان کو حرف میم مین ذکر کیا ہے خود میر نے ایک موقع پر فرمایا ہے ؎

خدنگ غمزۂ شوخ مُغ صنوبر قد　　زکند شست سرِ خستہ جانِ میر جلیل

عَرُوض

میر عبد الجلیل کی مہارت فن عَروض عربی وفارسی مین بدرجہ نہایت تھی شیخ سعدی کا شعر ہے

وَاِنْ سَلِمَ الْاِنْسَانُ مِنْ سُوْءِ نَفْسِہٖ　　فَمَنْ سُوْءِ ظَنِّ الْمُدَّعِیْ لَیْسَ یَسْلَمُ

میر نور اللہ احراری نے اس قول کی شرح مین لکھا ہے کہ لَیْسَ یَسْلَمُ سے لَا یَسْلَمُ زیادہ فصیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بحالت لَیْسَ ہونے کے مصرع بڑھ جاتا ہے۔

میر عبد الجلیل نے اس قول پر معارضہ کیا اور یہ حاشیہ لکھا ہے۔

"مخفی نماند کہ این بیت بر وزن دوم از اوزان ثلثہ بحر طویل است کہ عروض وضرب آن مقبوض می آید و تقطیع مصراع ثانی کہ مناط گفتگو ست ذو زون بہ وزن فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلن باشد چنین است فَمَنْ سُوْ فعولن عزظن نلمد مفاعیلن دعی لی فعولن سس یسلمو مفاعلن۔ وچون تقطیع مذکور معلوم گردید ظاہر شد کہ واجب ومتعین است کہ نسخہ لیس یسلم باشد نہ لا یسلم چنانچہ میر گمان بردہ۔ چہ حرف لام دیا از حرف لیس در تقطیع بالفظ دعی مرکب شدہ

فعولن خواہد شد و سلیم بر وزن فاعلن خواہد ماند و فاعلن در ضرب بحر طویل نمی آید چنانچہ بر متبع عروض پیدا است چہ ضرب بحر طویل تام می باشد یا مقبوض یا محذوف۔ و فاعلن ازین ہر سہ قسم خارج ست پس آنچہ میر نوشتہ کہ از نسخہ لیس مصرع زیادہ می شود موافق میزان طبع میر است نہ موافق میزان عروض طرفہ آنکہ مصراع در صورتیکہ لا یسلم باشد کم می شود۔

و چہ مناسب این مقام است بیتے کہ خلیل بن احمد واضع فن عروض در مثال وزن دوم بحر طویل آوردہ ؎

سَتُبْدِی لَکَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاهِلًا ۔۔۔ وَ یَاْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ[۲۱]

و عبارت میر کہ لا یسلم فصیح تر از لیس یسلم می نماید چہ در نسخہ لیس مصراع زیادہ میشود و منتہی محل تامل ست۔ زیرا کہ منطوق عبارت دلالت دارد برین کہ زیادت مصراع منافی فصاحت ست و وزن عروضی را جود و عدم در فصاحت و عدم آن دخلی ست و حال آنکہ ہیچ یکے از علماء معانی این معنی را در فصاحت کلمہ و کلام و عدم آن اعتبار نہ کردہ۔ بہ فرض منزل مقتضائے عبارت میر آنست کہ بر تقدیر زیادت فصاحت مرتفع می گردد و حال آنکہ لفظ فصیح ترکہ برائی تفضیل است دال است برین کہ نسخہ لیس یسلم ہم فصیح ست پس فصاحت این نسخہ با زیادت وزن باعتقاد میر چہ قسم جمع می تواند شد اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ هَفَوَاتِیْ وَاعْفُ عَنْ زَلَّاتِیْ "

حُسنِ طلب

میر عبد الجلیل کو امیکبار زمخشری[۲۲] کی کتاب ربیع الابرار کی ضرورت ہوئی خواجہ عبد الباسط دہلوی سے منگائی اور یہ قطعہ لکھ کر بھیجا ؎

---

[۲۱] عنقریب زمانہ تجھ پر بہت سی نامعلوم باتیں ظاہر کرے گا اور تجھے وہ شخص خبریں دیگا جس کو تو نے اس غرض سے بھیجا نہیں "سبعہ معلقہ" قصیدہ ثانیہ طرفہ بن عبد البکری۔

[۲۲] زمخشری، ابو القاسم جار اللہ محمود بن محمد بن عمر خوارزمی طریقتاً حنفی عقیدتاً معتزلی تھے۔ ائمہ نحو میں

یا باسط الایدی ایا غیث الندی — صیرت مزرعۃ العطا مریعا

لا تغزوان ارجو الربیع بفضلکم — فالغیث یعطی العالمین ربیعا

خواجہ صاحب نے کتاب مذکور فوراً سیر صاحب کی خدمت مین بھیجدی جو اُن کے کتبخانہ مین مدت تک موجود رہی۔

لہ سبحۃ المرجان مین یہ مصرعہ یون لکھا ہے۔ لا غروان اطلب ربیعا منکم

مریع بروزن ربیع سرسبز۔ ظاہرا مربعہ کہنا چاہیے تھا بہ رعایت مزرعۃ ارض مربعہ مخصبۃ کو کہتے ہین

داخل ہین۔ ان کا دعوی تھا کہ اُن کی تصانیف نحویہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے سیبویہ کی کتابون سے کسی طرح کم مرتبہ نہین رکھتی ہین۔ اسی کے ساتھ وہ بڑے بلند پایہ لغوی، ادیب و مفسر بھی تھے۔ ابو عمرو عامر بن حسن سمسار کہتے ہین کہ زمخشری روز چہارشنبہ ۲۷ رجب ۵۳۸ھ (۲۲ مارچ ۱۱۴۳ع) کو بمقام دیہہ زمخشر ملک خوارزم پیدا ہوے شب عرفہ ۵۳۸ھ (۱۰ دسمبر ۱۱۴۴ع) مین قصبہ جرجانیہ (خوارزم) مین وفات پائی (جرجانیہ معرب ہے اصل نام فارسی کاگر گانج تھا۔ دریای جیحون کے کنارے واقع ہے) فاضل ابو مضر کے شاگرد تھے اُستاد شفیق کی رحلت پر مرثیہ رثانہ لکھا تھا ؎

وقائلۃ ما ھذہ الدرر التی — تساقطھا عیناک سمطین سمطین

فقلت لھا الدر الذی کان قد ملا — ابو مضر اذنی تساقط من عینی

حج بیت اللہ کی غرض سے جب زمخشری بغداد ہوکر گذرے تو اُن کی آمد پر شیخ شریف ابو السعادات ابن شجری سبا کیا دکھنے آئے اور چند اشعار پڑھے زمخشری کی مدح و ثنا کی۔ زمخشری خاموش بیٹھے سنتے رہے حتی کہ شیخ نے اپنی تقریر ختم فرمائی۔ تو زمخشری نے اُن کا شکریہ ادا کیا تعظیم دی اور اپنی جانب سے تواضع و انکسار کا اظہار کیا۔ اسکے بعد ایک روایت بیان کی کہ جب زید الخیل بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے اور جمال مبارک دیکھا تو بے اختیار بہ آواز بلند تشہد پڑھنے لگے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے زید الخیل ہر مرد کہ جسکی مجھسے توصیف کی گئی ہو، مین نے اُس کو اُن صفات سے دون و فروتر پایا مگر تم کو کہ تم ہنوز اُن اوصاف سے جو سنتے تھے فوق و بالاتر ہو پھر زمخشری نے کہا کہ یہی کیفیت ہمارے شیخ شریف کی بھی ہے اور اُن کو دعائین دین اور ثنا و صفت کی۔ شیخ شریف اپنی مجلس مین وقور و حلم صاحب ہمت حسن تھے۔ ادب نفس اور آداب درس سے خالی کوئی کلمہ زبان سے نہین نکالتے تھے۔ اس لئے حاضرین متعجب تھے کہ سلار نبوت کا ایک وجیہہ معمر معزز شخص نو بیان شعرین پڑھ رہا ہے اور اُسکے روبرو ایک ادیب و شاعر مناسب حال حدیث بیان کرتا ہے

زمخشری اور ابن عطیہ کے ساتھ جو مباحثے اثیر الدین ابو حیان اندلسی نے کئے تھے ان کو ابو حیان کے شاگرد

لیکن فعیل مذکر و مونث دونون کے لئے آتا ہے جیسے اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (خدا کی رحمت خلوص رکھنے والون سے قریب ہے جزو سورہ الاعراف ع ۱۴۰) صاحب قاموس نے رسل کے مادہ مین اس قاعدہ کی تصریح کی ہے۔ لاغرو بمعنی لاعجب۔ رشید وطواط نے حدائق السحر مین تاکید المدح بمایشبہ الذم کی مثالون مین بدیع ہمدانی سے یہ مثال نقل کی ہے ؎

هُوَ الْبَدْرُ اِلَّا اَنَّهُ الْبَحْرُ زَاخِرًا سوی انّه الضّرغام لکنّه الوبل

اور لکھا ہے کہ مین نے یہ شعر بلخ مین ابراہیم غزنوی شاعر کے روبرو پڑھا اُس نے یاد کرلیا اور ایک ہفتہ سے زیادہ اس کے مثل کہنے کی فکر کرتا رہا مگر ناکام رہا اور اپنے عجز کا اعتراف کیا اور اقرار کیا کہ بدیع سے پیشتر نہ تو کسی نے ایسا کہا اور نہ اب کہہ سکے گا۔ میر عبدالجلیل فرماتے ہین کہ اس نفی تابیدی سے تعجب ہے جو رشید وطواط نے غزنوی سے نقل کی ہے چنانچہ اسی طرز پر ایک شعر خود نظم کیا اور اسمین مراعات نظیر کا حق ادا کردیا ہے ؎

هُوَ الْقُطْبُ اِلَّا اَنَّهُ الْبَدْرُ طَالِعًا سوی انّه المرّیخ لکنّه السّعد

شیخ تاج الدین احمد بن عبدالقادر بن مکتوم نے قلمبند کرلیا تھا۔ در اللقیط نام رکھا تھا۔ زمخشری و وطواط سے بھی مناظرہ ہوا تھا۔ اُس کی روئیداد کا ایک ورق مدینہ منورہ مین عارف حکمت بے کے کتبخانہ مین محفوظ ہے۔ ابن وہاس سلیمانی فقیہ مکی کا قصیدہ زمخشری کی مدح مین مشہور ہے۔

زمخشری کی بہت سی تصانیف موجود ہین۔ ربیع الابرار و نصوص الاخبار و متشابہ اسامی الرواۃ و النصائح الکبار و النصائح الصغار، ضالۃ الناشد و الرائض فی علم الفرائض، شقائق النعمان فی حقائق الغمان، شافی العی من کلام الشافعی، اقسطاس فی العروض، معجم الحدود و منہاج فی الاصول، مقدمۃ الادب، کتاب الکشاف عن حقائق التنزیل (تفسیر مین) کتاب المفصل فی النحو، کتاب المفرد والمولف (نحو مین) اور اطواق الذہب غایت شہرت سے محتاج تعارف نہین۔ ان کے سوا کتاب الفائق (تفسیر حدیث مین) اساس البلاغۃ (لغت مین) اور کتاب اسماء الادویۃ و الجبال، مقامات الزمخشری اور اعجب العجب شرح لامیۃ العرب (للشنفری) بھی قابل ذکر ہین

ف حضرت زید الخیل الطائی کا نام نامی حضور اقدس صلعم نے "زید الخیر" رکھا تھا۔ آپ کے حالات استیعاب اور اصابہ وغیرہ مین ملتے ہین۔ عرب کے نامور شاعرون مین سے تھے۔ الشعر والشعراء مطبوعہ لیڈن مین (صفحات ۵۶ الفائتہ ۱۵۸ پر) آپ کے اخبار و احوال بالتفصیل مرقوم ہین۔

اشعارِ متفرق

(فارسی)

ورد خود نام خدا با نام احمد کردہ ام　　دانۂ تسبیح از میم محمد کردہ ام

(۲)

بجز مژگان ندارد چشم بیمار تو غمخوارے　　بلا گردانی برگشتہ مژگانت تماشا کن

(۳)

سرت گردم ادا فہمی سواد نامۂ گلگون　　چو دود آہ در لخت جگر پیچیدہ می آید

(۴)

شام غم را در سواد نامہ پنہان کردہ ام　　صبح محشر می شود از صفحۂ مکتوب ما

(۵)

خزان بہار ندارد، ولے حنائے نگار　　خزان چو کرد، نماید بہار نیلوفر

(۶)

بانتظار قدوم تو، لالہ در گلشن　　ستادہ قہوہ بکف در پیالۂ یاقوت

---

۵۲۳ ربیع الابرار، اب تک حلیۂ طبع سے معرّیٰ ہے البتہ تلاش سے کہیں کہیں اسکے خطیہ نسخے مل جاتے ہیں پانچ چھ سو صفحات کی ضخامت ہوگی عربی سے فارسی میں بھی ترجمہ ہوا ہے محمد بن یعقوب نے ۹۲۱ھ (۱۵۱۵ع) میں اصل عربی کا اختصار کرکے روض الاخیار المنتخب من ربیع الابرار کے نام سے موسوم اور سلطان سلیم خان بن بایزید خان عثمانی سے منسوب کیا تھا۔ یہ مختصر ۱۲۸۰ھ میں مصر میں طبع ہوا تھا۔ بعض لکھتے ہیں کہ ابوالحسن الواحدی نے متنبی کی شرح لکھی تھی زمخشری نے اس سے التقاط کیا۔ قاضی نور اللہ نے مجالس میں ربیع الابرار کا حوالہ دیا اور ذکر کیا ہے مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی نے بھی فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ میں ربیع الابرار کا نام لیا ہے۔

مُستزاد

یہ رُباعی چارون زبانون مین محض اپنی تفریح طبع کے لئے بصنعت مُستزاد کہی تھی ؎

جاءَ النَّیْرُوزُ بِلَنْشَاطِ الاَوْفی فِی خَیْرِ قُدُوْمٍ[۱] سال نو کا دن بڑی خوشی کیساتھ آیا نیک آنیکے ساتھ

پھولین دُرم پیل کہلہی بن اولہا تَرْوَرْ رہی جھوم شاخین نو نسے لد گئین جنگل لہلہانے لگا درخت اپنا سر ہلانے لگے

نیکی کند و زکلدی نیزی بولدی لیش قبلغ نوسوم نئے سال کا دن آیا بیابان سرسبز ہو گیا مبارک ثابت ہو

چون شہپر طاؤس گل اندر صحرا آورد ہجوم مور کی پھیلی ہوئی دم کیطرح جیسے جنگلمین پھول اکٹھے ہو گئے ہین

---

[۱] نوروز ماہ کا پہلا دن ہے۔ اس روز آفتاب بُرج حمل مین آتا ہے۔

مولوی محمد حسین آزاد دہلوی دربار اکبری مین لکھتے ہین کہ "نوروز کو ایشیا کی ہر قوم و ملت اور ہر ملک کے لوگ ہمیشہ عید مانتے اور مناتے ہے ہین۔ موسم بہار مین طبایع انسانی مین ایک ولولہ و جوش پیدا ہو جاتا ہے خواہ نر کا ن جنگیزی ہون یا زرتشتیان ایرانی ۔۔۔ اسی لئے بادشاہان تیموری بھی نوروز کے دن شاہانہ فروسطوت و تمکنت سے جشن کیا کرتے تھے۔ اکبر نے اس کے اہتمام و احتشام کو زیادہ چمکا دیا تھا۔ نوروز سے لے کر اٹھارہ دن تک اُمرا اُسکے تکلفات و ضیافت مین مشغول و مصروف رہتے تھے۔ رقص و طرب کی محفلین گرم ہوتین، اور وہ سب رُسوم ادا کیجاتین جو اکبر کے نزدیک ہندوستان کی دلدہی اور استمالت کے لئے ضروری تھین۔ راجہ مہاراجہ ایک طرف، ایرانی تورانی سردار دوسری طرف اپنی شان و شوکت اور بہادری و شجاعت کی نمایش کرتے تھے۔ پہلے شاہزادون کی پھر امرا کی، درجہ بدرجہ اندرین گزرتی تھین تخت گاہ تک پہونچکر آداب زمین بوس بجالاتے شعر اقصائد پیش کرتے صلہ و خلعت پاتے۔ بادشاہ کا تُلا دان سونے کی ترازو مین سونا چاندی سے کیا جاتا۔"

شاہجہان نے اس رسم کو بالکل اُٹھا دیا تھا۔ شاہزادہ ولی عہد محمد معظم بہادر شاہ نے ایک مرتبہ یہ جشن منایا تھا۔ عالمگیر کو خبر ملی تو فرزند سعادت توام کو ان الفاظ مین سرزنش فرمائی۔

"از عرض بے غرضے ظاہر شد کہ امسال نوروزے بطور اہل ایران بتکلف کردہ اند بفضل الٰہی عقائد خود درست دارند۔ این بدعت تازہ از کہ آموختہ اند۔ ظاہر آن عرب کہ خود را سیدی گویند تعلیم کردہ باشند۔ بہر حال چون این روز از اعیاد مجوس ست و باعتقاد ہنود روز جلوس بکرماجیت و بمدار تاریخ، من بعد بعمل نیاید و چنین جہالت بفعل نہ گراید۔"

اشعارِ عربی

میر عبد الجلیل کا کلام عربی کبھی مدوّن نہین ہوا متفرق اشعار جابجا تذکرون مین ملتے ہین بعض منتخب نقل کئے جاتے ہین ؎

یا صاح لا تلم المتیّم فی الهوی — هو عاشق لا ینثنی عن خله
بابی الدواء سقامه کعیونه — فعلی الطبیعة یا معالج خله

جبینی قوس حاجبه کنون — وصار ید ابن مقلة شکل عینه
لعمری انه نصّ جلیّ — علی ان الرمایة حق عینه

کسی شاعر کے دو شعر مشہور ہین اُس رنگ مین فرماتے ہین

جبینی ثغره کالیس شکلا — وکالمیم الم ورشکل فیه
هما سم، ویا عجبا حیاتی — اذا ما ذقته لا شك فیه

میر غلام علی آزاد لکھتے ہین کہ اسمین ضمیر مذکر حیوۃ کیطرف راجع کردی گئی ہے اسمین اصلاح اس طرح پر ہوسکتی ہے

ه رفع بدعت نوروز و تبدیل آن بجشن نشاط افروز جلوس مبارک کے عنوان سے منشی محمد کاظم بن محمد امین نے عالمگیر نامہ (مطبوعہ کلکتہ کالج پریس ۱۸۶۸ع صفحہ ۳۶۹) مین ان احکام کو ہدایات شاہی کا ذکر کیا ہے۔

شاہ دین پناہ کی رحلت کے ساتھ جب مہمات مملکت مین تخلل اور اساس سلطنت مین تزلزل آیا تو یہ بدعات و رسوم پھر تازہ ہوگئین

دولت و حشمت کے ایسے کرشمے دورِ زمانہ نے بہت دیکھے ہین ؎

این چنین بسیار کرد است و کند — سجده را تکرار کرد است و کند

ہندوستان مین سال شمسی کے آغاز پر نوروز ۲۲ یا ۲۳ مارچ کو ہوتا تھا اور مغلون کے آخر عہد تک بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا۔

فتاة ثغرها کالسیر شکلا　　وکالمیم المدور شکل فیها
هما سمٌّ ویا عجبا حیاتی　　اذا ما ذقته لا شك فیها

معمّے

بدیعیہ میں لکھا ہے کہ میر عبد الجلیل کے معمیات چار دن زبانوں میں ہیں اور بکثرت ہیں منجملہ اُن کے یہ دو معمّے نقل بھی کئے ہیں جن کا آیات قرآنی سے استخراج کیا تھا۔

(۱) علی کے نام کا وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ یَقُولُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ [اور سورج اور چاند یک جا کر دیے جائیں۔ اُس دن آدمی بول اُٹھے گا کہ اب کدھر کو بھاگ جائیں جزء ۲۹۔ سورۃ القیمۃ ع ۱۔۱۷] شمس سے مراد عین ہے اور قمر سے ماہ۔ اور ماہ سے تنیس۔ اور تنیس سے لام اور یقول کی تحلیل سے دو چیزیں پیدا ہوئیں۔ ایک ی، دیا، اور دوسرا قول بمعنی قیل دکھا گیا، کہ جب نام علی نکل آیا تو اس کے یہ معنی یہ ہوئے "جب وہ لایا جائے جو انسان کامل ہے۔ آج اُس سے گریز کہاں ممکن ہے"۔

(۲) بَصِیر کے نام کا۔ اِذْهَبُوا بِقَمِیصِی هٰذَا فَاَلْقُوهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِی یَاْتِ بَصِیرًا [میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اس کو والد صاحب کے منھ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں گے جزء ۱۳۔ سورۂ یوسف۔ ع ۱۰۔۴] "ابی" سے مراد اُس کا مرادف "والدی" ہے۔ عدد "قمیصی" اور "والدی" کے "بصیر" کے اعداد کے برابر ہیں تو معمّا کے معنی یہ ہوں گے "پس اس کو میرے والد (باپ) کے اوپر ڈال دو۔ جو "ابی" کا مرادف ہے"۔ اور آیۃ کی عبارت سے بھی لفظ بصیر کا خروج ظاہر ہے۔

آج یہ تکلفات بارگران، اور نازک خیالیاں روح فرسا ثابت ہو رہی ہیں لیکن ڈھائی سو برس پہلے یہی غزل کا دلنشیں صنعت کاریاں معیار کمال اور حسن کلام سمجھی جاتی تھیں۔

مُلا محمد قاسم کاہی نے ایک پورا رسالہ فن معمّا میں لکھا ہے۔ اسمین نبی کے نام کا یہ معمّا تحریر کیا ہے

برہ شعر تا شتافتہ ام　　از محمد نبی شگافتہ ام

میر عبد الجلیل نے بھی اسی طرز پر معمّا امام کے نام کا نکالا ہے ؎

در معمّا چو کام یافتہ ام　　من علی را امام یافتہ ام

علی کے نام کا یہ معمّا ناصر علی سے منسوب ہے جس میں اعراب کی بھی تصریح ہے ۔ ؎

چشم بکشا، زلف بشکن، جان من　　بہر تسکین دل بریان من

بہ عمل ترادف چشم عین ۔ و بکشا بمعنی افتح ۔ یعنی عین کو فتحہ دیجئے ۔ زلف، عمل تشبیہ سے لام ہو جاتی ہے ۔ بشکن عمل ترادف سے بمعنی اکسر یعنی لام کو کسرہ دیجئے ۔ دل بریان، یا ہی تسکین، سکون دینا ۔ حاصل کُل عَلِیٌ ہوا ۔

آزاد نے بھی ایک معمّا باسم ممنون لکھا تھا جس پر میر عبد الجلیل نے صاد کیا تھا ؎

غم من بے نتیجہ بود اوّل　　شکر ایزد نتیجہ داد آخر

غم من، اول شکل منطقی ہے یعنی غم صغریٰ و من کبریٰ ۔ اوّل بے نتیجہ ہو گیا یعنی غین کا نون جاتا رہا، میم، کہ حد اوسط ہے باقی رہا ۔ آخر نتیجہ غین، نون ہوا ۔ نون رہا ۔ ممنون حاصل ہوا ۔

متصوّفانہ مکاتبت

سید اسمٰعیل[۲۵] بلگرامی خلیفہ شاہ عبد الرزاق بانسوی نے ایک رقعہ میر عبد الجلیل کو لکھا تھا ۔ سوال یہ تھا کہ بلفظہ (بیداری) افضل ہے یا نوم (خواب) ؟

میر صاحب مشفق مہربان فیض رسان سلامت ۔ حقیقت نوم و یقظہ بر ارباب معانی منکشف

---

۲۵ میر سید اسماعیل، سادات حسینی واسطی کے عشیرہ پنج بھیہ سے ۔ بلگرام محلہ میدان پورہ کے باشندے تھے ۔ ابتدائے حال میں کتب درسی پر عبور حاصل کیا اور فضائل رسمی کو اکتساب فرمایا تھا ۔ میر طفیل محمد بلگرامی کے علاوہ دیگر اساتذہ سے مختلف مقامات میں بھی تحصیل علوم کی تھی ۔ خدا طلبی کی شورش جب سر میں بڑھی تو شیخ عبد الرزاق بانسوی کی خدمت میں پہونچے ۔ شرف بیعت حاصل کیا اور مورد عنایات خاص ہوئے ۔ بارہ سال کے قریب شیخ کے زیر سایۂ تربیت رہ کر ریاضت ہائے شاقہ فرمائیں اور فائز بہ فیوض ہو کر منتہا معانی فقیر

وہویدا است بعضی نوم را بر لفظہ ترجیح دادہ اند و بعضے لفظہ را بر نوم ۔ این معنی را مشروحاً تحریر فرمایند
والسّلام علیکم وعلیٰ من لدیکم ۔

میر صاحب نے اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا ۔

بیدار دل، خوابیدہ ہوا، ثابت مقام تسلیم و رضا، سلامت ۔ از معارضۂ قوم و تفضیل لفظہ و نوم نگارش رفتہ رمز آگاہا ! اگرچہ منطوق کلام اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوا اِنْتَبَہُوْا و حدیث شریف اختصام ملاء اعلیٰ و تصعید عمل متیقظ بہ بالا روی بانحطاط درجۂ جواب دارد ع چشم تو نہ بخت ماست پر خواب چرا است ؟

پہونچ گئے شیخ کے انتقال کے بعد سجادۂ خلافت کو زینت دی حضرت شیخ کے تمام خلفا اور مریدان کو اپنا مقتدا سمجھتے اور مانتے تھے ۔ اعتقاد کامل رکھتے اور ادب و احترام کرتے تھے حسب روایت مآثر الکرام علامۃ العصر مولوی نظام الدین خلف الصدق مولانا قطب الدین شہید سہالوی نور اللہ ضریحہما نے بھی شیخ کی وفات کے بعد میر کی خدمت مین رجوع کیا تھا ۔ میر نے مسولی، تابع لکھنو، مین قیام اختیار فرمایا تھا لیکن ملازم بھی اکثر تشریف لاتے اور ارشاد و ہدایت مین مشغول رہتے تھے ۔ ارادتمندان عقیدت کیش کی تعداد کثیر تھی ۔ ۴ ذیحجہ ۱۱۶۴ھ (۲۵ نومبر ۱۷۵۱ء) کو مسولی مین استراحت دائمی پسند فرمائی ۔

۵۲۶ شاہ عبدالرزاق، در اصل قصبہ محمود آباد (جوار بانسہ) کے رہنے والے تھے، بانسہ، تابع لکھنو (حال واقع ضلع بارہ بنکی) کے شیوخ قدوائی مین آپ کا ننھیال تھا ۔ اسی ارث مادری کے علاقہ سے بانسہ مین توطن فرمایا تھا ۔ شروع زمانہ مین پیشہ نوکری اختیار کیا تھا کسب معاش فرماتے رہے ۔ پھر ترک ملازمت فرما کر ایک عمر سیر و سیاحت مین گذار دی ۔ سواد احمد آباد گجرات مین شاہ عبدالصمد خدانما کی خدمت سے مشرف ہوئے ۔ مرید ہو کر مقاصد اعلیٰ پر پہونچے ۔ وہان سے وطن مالوف واپس آئے ۔ لباس ہمیشہ اہل دنیا کی طرح پہنتے اور شغل کاشتکاری سے قوت حلال بہم پہونچاتے تھے حضرت کی حالت دیکھ کر ہر وضع و شریف مطیع و منقاد ہو جاتا تھا ۔ علمای متبحر اور فضلائے عصر آپ کے حلقہ بگوش اور ارادت مند تھے ۔ باین کہ امی محض تھے آیات قرآنی کو از بر پڑھتے اور نہایت خوب تفسیر فرماتے تھے ایسے حقائق و معارف و اسرار بیان کرتے تھے کہ جنکو سن کر عقلاء و دانشمند متحیر رہ جاتے تھے ۔ بروایت میر غلام علی آزاد ۵ شوال ۱۱۳۶ھ (۱۰ جون ۱۷۲۴ء) کو اور حسب تحریر بزرگان فرنگی محل ۶ شوال روز چہارشنبہ کو رحلت فرمائی ۔ مدفن شریف بانسہ مین ہے مزار و متبرک ہے

۵۲۷ اختصام ملاء اعلیٰ حدیث شریف مین آیا ہے کہ تین اعمال کے ایجانے مین ملائکہ باہم خصومت اور جھگڑا کرتے ہین اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِیْنُ الْکَلَامِ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ (۱) کھانا کھلانا (۲) کلام کی نرمی

اما مضمون کریمہ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ باعتبار کفالۂ تقلیب کہ مشتمل است بر اسرار عجیب، دلالت بر رفعت شان از خود خوابیدگان دارد ع

زہے مراتب خوابے کہ بہ ز بیداری است۔

واگرچہ بظاہر خطاب قم یا نومان ناظر بہ تہیم است اما تقطیعہ بفضل عبا مشعر بہ غایت تعظیم وہم چنین مضمون این منظومۂ ہندی ع یار آیو تب گانون سوے کیسین بھگت پراپت ہوئے، اگرچہ ایمائے بہ تنقیص نوم دارد اما فحوائے دوہرہ ؎

سُپنین دیکھیون پیہ مین کھل گئی آنکھ ابھاگ اور گنواوت سوئی سب سُون تو گنوا لو جاگ

از غایت نزاکت کاری مبنی است بہ تفضیل نوم بر بیداری ؎

خوشا خجالت آن عاشقے کہ در شب ہجر بہ خوابش آئی و او شرمسار برخیزد

تحقیق مقام آنکہ تاسرے بہ خیال او داری اگر بیداری است بہ از نوم، واگر نوم است بہ از بیداری، نمک ریزی شبلی در چشم و مژہ برای رفع خواب و خوابیدن عبود ہفت سال و اول در آمدن او بہ بہشت، ہر دو صواب است۔ این ست ما حضر فکر مستقیم وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝

---

(۳) نماز نوافل شب جس وقت کہ لوگ سو رہے ہون۔ یہ حدیث تمامہ مشکوۃ کی تیسری فصل باب المساجد و مواضع الصلوۃ مین موجود ہے۔

۲۸ اور تو ان کو سمجھے کہ جاگتے ہین حالانکہ وہ سوتے ہین اور ہم داہنی طرف کو اور بائین طرف کو اُن کی کروٹین بدلواتے ہین۔ (جزء ۱۵، سورۃ الکہف ع ۳-۱۵)

۲۹ قم یا نومان۔ غزوۂ خندق مین کفار کے فرار کی شب مین ابر و سردی سخت اور ہوا نہایت تند تھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفۃ الیمان کو کفار کے لشکر کی خبر لگانے اور پتہ چلانے کو بھیجا اور دعا فرمائی حتی کہ سردی اور بھوکھ اُنکی دور ہوگئی۔ پھر وہ جیسے ہی لوٹ کر آئے جاڑے کا اثر تیز ہوگیا حضرت صلعم نے فضل عبا یعنی اُس لباس گلیم کا جو دوش مبارک پر تھا گوشہ زائد اُنکو اُڑھا دیا اور پائے مبارک اُنکے سینہ پر رکھ دیا تسکین ہوگئی اور سو گئے جب نماز صبح کا وقت قریب آیا تو آپنے فرمایا "قم یا نومان"، یعنی اے بہت سونے والے اُٹھ"

۳۰ عَبُّود بفتح عین و تشدید بار مضموم۔ ایک حبشی غلام تھا جو سات سال تک سوتا رہا اور سب سے پہلے بہشت مین داخل ہوا۔ سبب یہ ہے کہ اُس زمانہ کے پیغمبر کو اُنکی اُمت نے ایک کنوئین مین بند کر دیا تھا۔ عبود

بعض تاریخین

میر عبد الجلیل کو تاریخ گوئی مین بڑا ملکہ تھا۔ ان سے سُنکر اس فن کی ابتدائی تاریخ آزاد نے سبحۃ المرجان مین درج کی ہے۔ ان کے دائرہ تاریخی کا ذکر اور اُسکے متعلق شیخ غلام نقشبند کی ستایش پیشتر حوالہ قلم کر چکا ہون۔ یہان صرف چند تاریخین جو خوبی فن اور لطافت محاضرات کے لحاظ سے قابل لحاظ ہین نقل کی جاتی ہین۔

تہنیت فتح یا جلوس مین بارگاہ شاہانہ مین پیش کی گئین۔

سُلطان اورنگ زیب عالمگیر نے جب ۱۳ ذی قعدہ ۱۱۱۱ھ (۲۲ اپریل ۱۷۰۰ء) کو مرہٹون کو شکست دیکر قلعہ ستارہ گڈہ (واقع دکن)[۵۳۲] فتح کیا تو اُسی شب مین میر عبد الجلیل نے عربی و فارسی و ہندی مین یہ تاریخین

اُن پر ایمان لایا اور تمام قوم سے چھپا کر اُن کی خبر گیری و خدمت کرتا۔ ہا صاحب قاموس نے اس کا پورا قصہ مادہ عبد مین ذکر کر دیا ہے۔

۵۳۱ اور ہر ایک دانا سے بڑھ کر دوسرا دانا ہے (جز ۱۳ سورۂ یوسف ع ۹-۱۳)

۵۳۲ ستارہ (یا شہر ستارہ) اُسی ضلع کا صدر مقام صوبہ بمبئی مین) دریای کرشنا اور دینا کے اتصال پر واقع ہے۔

ستارہ کا مضبوط قلعہ ایک چھوٹے سے ڈھالو گر سنگلاخ کوہچہ کی چوٹی پر نصب کیا ہوا نظر آتا ہے

ہندو مورخین لکھتے ہین کہ اسکا نام ستارہ اسکی سترہ (۱۷) دیوارون، برجون اور پھاٹکون کے شمار و مناسبت سے پڑا تھا جو اُن کی تحریر کے مطابق اس قلعہ مین تھے۔

مُسلمانون کا پہلا حملہ دکن پر ۱۲۹۴ء (۶۹۳ھ) مین ہوا تھا۔ دیوگری کا یادو خاندان ۱۳۱۸ء (۷۱۸ھ) مین برباد ہوا تو مسلمانون کا تسلط بخوبی ہو گیا۔ ۱۳۴۷ء (۷۴۸ھ) مین بہمنی خاندان نے عروج پایا۔ پندرھوین صدی کے آخر مین بہمنیون پر زوال آیا اور سرسردار بجائے خود ذی اختیار بن بیٹھا حتی کہ سلطنت بیجاپور قائم ہوئی جسکے تحت مین مرہٹون نے بڑھنا شروع کیا۔ ستارہ مع اضلاع ملحقہ پونا اور شولاپور کے مرہٹون کی قوت کا مرکز بنگیا۔ ستارہ اور اُس کے متصل کے قطعات کوکن مین مرہٹون کی تاریخ کے بہت سے اجزا اور اُن کے اعمال و افعال وقوع پذیر ہوے ہین۔ سیواجی کو پہلے پہل اس طرح شہرت نصیب ہوئی کہ اُس نے جاولی (متصل مہابلیشر) کے راجہ کو قتل کر ڈالا اور وہان کا زبردست قلعہ اور جاولی کو فتح کر لیا۔ ۱۶۵۷ء (۱۰۶۷ھ) مین

لکھین اور رسالہ ترتیب دے کر بادشاہ کے حضور مین پیش کین اور خسروانہ تحسین کے مورد و مستحق ہوئے۔ رسالہ کا نام گلزار فتح شاہ ہند، طوی نامہ فیروزی شاہ عالمگیر، رکھا تھا۔ خوبی یہ ہے کہ ان دونون ناموں سے بھی تاریخ ۱۱۱۱ھ برآمد ہوتی ہے۔ پہلی تاریخ عربی کی اور دوسری فارسی کی تقریباً ایک ہین۔ ان کا اختراع صنعت تعمیہ کے عجائبات مین شمار ہوتا ہے۔

فی العربیۃ ؎

لَمَّا تَوَجَّهَ سُلْطَانُ الْاَنَامِ اِلٰی ۔۔۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ فِیْ تَاْیِیْدِ اِسْلَامِ
اَقْرَاِبْهَامَهٗ فِیْ اَصْلِ خِنْصَرِهٖ ۔۔۔ یُوْرِدُ یَا قَادِرُ اَفْتَاحَ اَکْمَامِ
فَصَارَ حِیْنَ اِفْتِتَاحِ الْاِسْمِ مُفْتَتَحًا ۔۔۔ حِصْنٌ لِمَنْ عَبَدَ وَاَحْجَارَ اَصْنَامِ

سیواجی نے پرتاپ گڈھ کا مشہور و مضبوط حصار تعمیر کیا جس پر بادشاہ بیجاپور نے بسرکردگی افضل خان مرہٹون کے استیصال اور اس قلعہ کے فتح کرنے کیلئے فوج بھیجی۔ سیواجی مشاورۃ و مصالحت کے حیلہ سے قلعہ کی دیوار کے نیچے افضل خان سے ملاقی ہوا اور اُس کو اپنے مشہور خنجر، داگھ نک، (نام) سے ہلاک کردیا فوج منتشر و پریشان ہوگئی سنہ ۱۶۷۳ء (سنہ ۱۰۸۴ھ) مین اُس نے ستارہ فتح کیا۔ راے گڈھ مین اپنی آزاد بادشاہی کی راج دھانی قائم کی سنہ ۱۶۷۴ء (سنہ ۱۰۸۵ھ) مین تاج پوشی کی رسم ادا کی سنہ ۱۶۸۰ء (سنہ ۱۰۹۲ھ) مین اُس نے وفات پائی سمبھاجی جانشین ہوا سنہ ۱۶۸۹ء (سنہ ۱۱۰۱ھ) مین اورنگ زیب نے حملہ کرکے اُسکو گرفتار کرکے قتل کرادیا۔ عالمگیر کی سیل روان طاقت کو کون روک سکتا تھا۔ اُس نے سنہ ۱۷۰۰ء (سنہ ۱۱۱۱ھ) مین قلعہ ستارہ بھی فتح کرلیا اور مرہٹون کو شکست فاش دی سنہ ۱۷۰۷ء (سنہ ۱۱۱۹ھ) مین اورنگ زیب نے وفات پائی

پیشوا کی لڑائی کے اختتام کے قریب خفیف مزاحمت کے بعد ستارہ انگریزون کے قبضہ مین آگیا مگر فاتحین نے اسکو مع قطعات متصلہ کے پھر سیواجی کے خاندان کے قائمقام کے حوالہ کردیا سنہ ۱۸۴۸ء مین اخیر راجہ کی وفات اور اولاد نرینہ نہ چھوڑنے پر یہ ریاست بحق سرکار برطانیہ ضبط ہوگئی

شہر ستارہ کی آبادی بھی روبہ زوال ہے سنہ ۱۹۰۱ء مین چھبیس ہزار کے قریب تھی سنہ ۱۹۲۱ء مین ۲۲۴۵۴ رہ گئی۔ یہ قلعہ والی پہاڑی کے دامن مین آباد ہے سنہ ۱۸۲۰ء مین محض ایک کوچہ سفالہ پوش مکانات کا تھا جس مین کچھ سنگین تھے اور کچھ خشت پختہ کے۔ راج کی شکست کے بعد قدرتاً آبادی مین زوال شروع ہوگیا۔

نَظَرْتُ فِی اَلْفَاتٍ وَهِیَ اَرْبَعَةٌ ۔۔۔ مِنْ فَوْقِ اِبْهَامِهٖ مِنْ غَیْرِ اِبْهَامِ
وَجَدْتُهُنَّ بِعَامِ الْفَتْحِ حَیْنَئِذٍ ۔۔۔ رَقْمًا عَلٰی سَنَةٍ مِّنْ مَدِّ اِبْهَامِ
لِلّٰهِ تِلْكَ یَدٌ بَیْضَاءُ قَدْ تُرِعَتْ ۔۔۔ لِلنَّاظِرِیْنَ فَیَا لِلْمُعْجِزِ السَّامِیْ
هٰذَا الْبَدِیْعُ مِنَ التَّارِیْخِ اِنْشَاءُ ۔۔۔ عَبْدُ الْجَلِیْلِ بِتَائِیْدَاتِ اِلْهَامِ

اہل اوراد کا داب و دستور یہ ہے کہ جب انامل پر ورد کا شمار کرنے لگتے ہین تو خنصر (انگشت شہادت) کی جڑ سے ابتدا کرتے ہین۔ میر صاحب نے ابہام (انگوٹھا) کا خنصر کی جڑ مین ٹھہرانے کا ارادہ کیا ہے جس سے تاریخ کی خوبی اور بھی بڑھ گئی ہے یعنی اس سے سنہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے پھر رقم کے الف اُس پر درج کر لیجیے جیسا کہ اکثر نسخ نویسان کا معمول ہے۔ رقما علی سنة من مد ابهام مین اسی طرف اشارہ ہے۔ اس مین شک نہین کہ یہ تاریخ بہترین قسم کی ہے جو بڑی عرق ریزی و خوض سے کسی کو مل سکتی تھی اگر اسکے حُسن کو اشعار مین بھی ظاہر نہ کر دیا ہوتا تاہم اس کی خوبی و شان وحدت اختراع روشن تھی۔

اسی کے ہم مضمون اور ہم شکل ذیل کی فارسی تاریخ مین جو انگلیون کی شکل سے نکالی ہے ایک جدت آفرینی کی ہے اور کمال طباعی و ذہانت دکھائی ہے ؎

چو شہ ابہام زیر خنصر آورد ۔۔۔ بورد اسم اعظم در شمارہ
قلاع کفر شد مفتوح فی الحال ۔۔۔ ز تیغ او عدو شد پارہ پارہ
ز انگشتان شہ بر مد ابہام ۔۔۔ برابر چار الف کردم نظارہ
بعینہ بود شکل سال ہجری ۔۔۔ پے تاریخ تسخیر ستارہ
چنین تاریخ گفتن اختراع است ۔۔۔ شد از عبد الجلیل این آشکارہ

اس نوع کی تاریخ کو استنباط[۵۳۳] کہتے ہین۔ اعداد کی صورت مین سال تاریخ بیان کر دی ہے یعنی بادشاہ کی چارون انگلیون کو چار الف تصور کیا کہ جن سے اعداد سال ہجری یعنی گیارہ سو گیارہ

آثار گذشتہ مین صرف راجہ کا محل باقی ہے جس مین اب جج صاحب کی کچہری ہوتی ہے۔

۵۳۳ میر حمزہ نائکندی نے بھی خواجہ محمد کی وفات کی تاریخ (صوری و معنوی) اسی پرداز پر کہی تھی یعنی مرتبہ احاد و عشرات و مآت کے ذوق پر صرع نہ ہا بہ رقم مسہ پایہ۔ نویس جب نو کے ہندسے کو تین بار لکھا جائے تو نو سو ناد سے ہوتا ہے یعنی نہ صد و نود و نہ۔ دوسرا مطلب یہ کہ صرع کے اعداد میں کے حساب سے بھی وہی ہوتی ہیں۔ ہندی کی کسی شاعر نے ہندسہ نو کے مضمون کو ہندی زبان مین کس قدر خوبی سے ادا کیا ہے۔ واہ کیا نو سر پیٹے جاکت ایرمیہ پرنا بیسے کہ نو نو کی نادہی ناد بچار

کی صورت پیدا ہوئی اور ابہام (زانگشت) کو سنہ کی شکل مانا کہ جس پر وہ چاروں الف مرقوم تھے۔ اس تاریخ فارسی نے عربی تاریخ سے بھی زیادہ شہرت و قبولیت پائی۔

ایک اور تاریخ تعمیہ کے ساتھ یہ ہے ؎

چو شاہ عالمگیر آفتاب عالم تاب — کہ تیغ اوست بگیتی کلید فتح الباب
ستارہ قلعۂ کفار را محاصرہ کرد — بعزم آنکہ نماید بنائے کفر خراب
چنان بزلزلہ آمد زمین زہیبت او — کہ کوہ گشت چو دریا و قلعہ شد گرداب
چو فتح شد پی تاریخ فکر می کردم — برآمد از تہ دریائے فکر دُرِّ خوش آب
چو از درون ستارہ جنود شرک برفت — طلوع کرد درو آفتاب عالم تاب

یعنی لفظ "ستارہ" کے اعداد سے "جنود شرک" کے اعداد خارج کر دیجئے اور "آفتاب عالمتاب" کے اعداد شامل کر دیجئے تو تاریخ فتح بے تکلف برآمد ہوگی۔

یہ ایک اور قطعہ ہے جس سے چار مرتبہ تاریخ نکلتی ہے ؎

چو محی الدین محمد شاہ غازی — ستارہ فتح فرمود از اشارہ
رقم کردم ز کلک فکر بیتے — کزو شد چار تاریخ آشکارہ
بود ہر مصرعہ اش تاریخ و منقوط — ہمان عاطل ہمان شد در شمارہ
محمد شہ اساس سطح را کند — برآمد باطل از حصن ستارہ

آخر کے دونوں مصرعوں سے از روئے حساب جمل جداگانہ تاریخ برآمد ہوتی ہے اور اگر اس شعر کے حروف منقوطہ یا غیر منقوطہ کو لیجئے تو بھی وہی تاریخ نکلے گی۔

بہ طریق تعمیہ یہ تاریخ بھی ہے ؎

جشن سہ بارہ گیر بہ فتح سہ تارہ گڈھ — نظارہ کن جوانب و اطراف بوستان
این بیت را بہ تعمیہ گیرد اگر کسے — تاریخ بالفظ شود از لفظ او عیان

یعنی لفظ جشن کو اگر تین بار حساب کیا جائے تو ایک ہزار انسٹھ (۱۰۵۹) حاصل ہوتا ہے بوستان کے اطراف

بے، دو نون، ہین کہ جن کے اعداد دو اور پچاس، باون ہوتے ہین مجموعہ ایکہزار اکیسو گیارہ ہوا جو تاریخ کا عدد ہے اور مادۂ تاریخ الفاظ حسن، ب و ن ہے کہ ان مین سے ہر ایک منقوط ہے

تاریخ مندرجۂ ذیل بھی بطور تعمیہ ہے ؎

چو سیوا و سنبھا و رانا بہ گیتی — ز تیغ شہنشاہ گشتند پارہ

الف ہای این راجہ ہا را بیک جا — نوشتیم تاریخ فتح ستارہ

یعنی ایک الف اسم سیوا اور ایک الف اسم سنبھا و دو الف اسم رانا کہ جن کا مجموعہ چار الف ہوتا ہے جب یکجا لکھے جائین تو سال ہجری کے اعداد یعنی ۱۱۱۱ کی شکل پیدا ہوگی۔

فتح بسنت گڈھ کی پانچ تاریخین لکھی تھین۔ انشائے جلیل مین چار نقل کی ہین۔

نثر عربی مین — صَارَ دِیَارُ الْکُفْرِ مَکَانَ الْاِسْلَامِ

نظم عربی ؎ — جَاهَدَ السُّلْطَانُ بِالْوَجْهِ الْاَتَمِّ — صَارَ دَارُ الْکُفْرِ طَمْسًا بِالْیَقِیْنِ

قُلْتُ فِیْ تَارِیْخِ هٰذَا الْاِفْتِتَاحِ — مَجْدُ نَصْرِ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ الْمُبِیْنِ

نثر فارسی — فتح بسنت گڈھ بمدد ایزدی

نظم فارسی ؎ — شاہ اورنگ زیب عالمگیر — چون کمر از پئے جہاد بہ بست

کرد فتح بسنت گڈھ بغزا — سال تاریخ کوہ کفر شکست

میر عبد الجلیل نے فرخ سیر بادشاہ کی تخت نشینی کی تاریخین بھی چارون زبانون مین لکھی تھین۔ آیۂ کریمہ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ[۳۴] سے اس کا استخراج کیا ہے ؎

قَدْ تَوَلّٰی فَرُّخْ سِیَرْ مُلْکَ هُنَا — وَلِمَنْ عَوْنُ اللّٰهِ یَرَاعْتِلَاءْ

فَاقْتَبَسْنَا تَارِیْخَهٗ مِنْ کَلَامٍ — صَمَدِیْ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَاءْ

ہمزہ بیشمار داخل حساب ہے سال جلوس ۱۱۲۴ ہجری تھا

مفتاح التواریخ اور بلیس اور نٹیل بیاگرفی کل ڈکشنری مین زمانہ جلوس جنوری ۱۷۱۳ع

---

[۳۴] جس کو چاہتا ہے اُس کا وارث بنا دیتا ہے (جزو ۹ سورۃ الاعراف ع ۱۵-۱۵)

مطابق ۱۱۲۵ھ لکھا ہے یہ صریحاً غلط ہے فرخ سیر کی تخت نشینی قلعۂ دہلی مین جمعہ ۲۳ ذیحجہ ۱۱۲۴ھ کو ہوئی تھی جو ۲۸ جنوری ۱۷۱۳ء کے مطابق ہوتا ہے۔ غالباً مسٹر بیل نے انگریزی سے سال ہجری بنانے مین غلطی کی ہے۔

خطاب

نواب غازی الدین خان نظام الملک آصف جاہ کو جب شاہ عالم نے صوبہ داری اودھ اور فوجداری لکھنؤ پر متعین کیا اور "خان دوران بہادر"[۳۵] خطاب دیا تو میر عبد الجلیل نے تاریخ عطائے خطاب "خان دوران بہادر" سے نکالی ۱۱۲۴ھ

ولادت

میر سید نور الحق خلف الصدق سید العارفین شاہ لدھا بلگرامی کی ولادت از لفظ "بخت مند" ۱۰۹۶ھ

میر غلام نبی میر صاحب کے خواہر زادے[۳۶] بلگرام مین ۲ محرم ۱۱۱۱ھ (۲۰ جون ۱۶۹۹ء) کو تولد ہوے میر صاحب اُسوقت اُردوے عالمگیری کے ساتھ نواحی قلعہ ستارہ مین تشریف رکھتے تھے خبر پہونچی تو تاریخ نکالنے کی فکر ہوئی۔ اُسی خیال مین سو گئے عالم رویا مین بچہ کی صورت نظر آئی زبان سے کہہ رہا تھا ع نور چشم باقر عبد الحمید م۔ بیدار ہونے پر اعداد کا شمار کیا۔ پوری تاریخ تھی تین مصرعے اور لگا کر بحر رمل مسدس سالم مین (جو تین بار فاعلاتن ہوتی ہے) قطعہ نظم کر دیا ؎

---

[۳۵] دولت تیموریہ کے تیسرے امیر تھے جنکو یہ خطاب عطا ہوا تھا مفصل تذکرہ اپنے موقع پر آئیگا۔ "خان دوران بہادر" صمصام الدولہ عبد الصمد خان، بہادر جنگ تھا۔

[۳۶] میر غلام نبی۔ علاوہ قرابت کے میر عبد الجلیل کے تلمذ سے بھی شرفیاب تھے میر سید محمد کے بعض خطوط مین بھی انکا تذکرہ ہے اور بڑی محبت و اشتیاق کیساتھ یاد کیا ہے۔ پایان عمر مین نواب صفدر جنگ کے رفقاء و متوسلین مین ہو گئے تھے افاغنہ کے معرکہ مین ۲۲ شوال ۱۱۶۳ھ (۱۷۵۰ء) کو اس خاکدان ہستی کو چھوڑا نقش کا پتہ بھی نہ چلا۔ ہندی مین تخلص رسین کرتے تھے یعنی "رس مین محو" متعدد تصانیف چھوڑی تھین "انگ درپن" بالخصوص قابل ذکر ہے۔ ہندی شعرا کے تذکرون مین انکا نام ممتاز اور چوٹی کے لوگون مین ہے Heritage of India Series مین بھی انکو عزت و اختصاص کی جگہ دیگئی ہے

نور چشم میر باقر گفت با من — چون گل خورشید در عالم دمیدم
سال تاریخ تولد خود بگفتم — نور چشم باقر عبد الحمیدم

۱۱۱۱ھ

باقر باپ کا نام اور عبد الحمید دادا کا تھا۔ اہل وطن کو لکھا کہ یہ مولود مسعود شاعر ہوگا۔ جیسا آپنے فرمایا تھا آخر ویسا ہی ہوا۔ میر غلام نبی شاعر غزا ہوے۔ نبی تخلص تھا۔ سوسبقی اور ساز ہندی مین ماہر کامل تھے۔ میرزا جان جانان مظہر دہلوی فن شعر ہندی مین اُن کے شاگرد تھے۔ میرزا محمد امین ان کا بڑا معتقد تھا۔ غلام نبی کے ہندی اشعار اور غلام علی کے عربی قصائد سنکر نہایت محظوظ ہوتا تھا اور یہ قطعہ نظم کیا تھا ؎

درین زمانہ کہ ارباب فضل کمیاب ست — ز بلگرام دو شخص اند در سخن استاد
یکے امام زمان سید غلام علی — کسے بہ شعر عرب مثل او ندارد یاد
دگر جہان ہنر سید غلام نبی — رساند فطرت او شعر ہند را بمراد
نگاہدار الٰہی ہمیشہ ایشان را — بمرسل عربی و آلہ الامجاد

میر عبد الجلیل کو اعزّہ کی فرمائشات کی تعمیل مین کبھی دریغ نہ ہوتا تھا۔ سید محمد روشن ساکن سانڈی کے یہان لڑکا پیدا ہوا جس کی میر سید محمد سانڈوی نے اطلاع دی اور تحریر قطعہ تاریخ کے لئے استدعا کی۔ چنانچہ یہ تاریخ تولد اُن کو لکھ کر بھیجدی گئی ؎

حق تعالی بہ محمد روشن — پسرے داد سعادت میلاد
سال تاریخ چو جستم ز خرد — گفت از دو چشم پدر روشن باد

سنہ ۱۱۲۶ھ

متعلق وفات

میر سید مبارک محدث بلگرامی ؎

مقدس گہر میر سید مبارک — چو فرمود در بحر رحلت شناہ
پے رحلت آن مظہر سرشت — خرد گفت تاریخ رضوان پناہ

سنہ ۱۱۱۵ھ

سید مرتضی بلگرامی اور میر سید احمد (بن سید بدہ) بلگرامی نے ایک سال مین رحلت فرمائی دونو نکی

تاریخ بھی ایک ہے ؎

میر سید احمد آن بحر سخا، مولوی سید مرتبی دین پناہ،
ہر دو زین گلخن سرائے بی بقا جانب فردوس سر کردند راہ
عالم اندر دیدہا تاریک شد مردمک پوشید زین ماتم سیاہ
تا قیامت از دل پر سوز خلق بر مزار ہر دو سوزد شمع آہ
خواستم از بہر شان تاریخ سال گفت ہاتف ہر دو خلد آرامگاہ ۱۱۱۷ھ

سید محمدی بلگرامی اور قاضی محمد حافظ بلگرامی کی مشترک تاریخ ؎

چون میر محمدی و قاضی حافظ بردند بیک سال سوی جنت راہ
گفتند برضوان الٰہی واصل ہاتف تاریخ گفت رضوان اللہ ۱۱۲۳ھ

بندگی، سید محمد حسن بلگرامی ۔ ایا تخلص ۔ جوان نازک و نازنین تھے ۔ دھول پور کی لڑائی میں جو عالمگیر کی رحلت پر شاہ عالم اور اعظم شاہ کے مابین ۲۰ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ (۱۰ جون ۱۷۰۷ء) کو ہوئی یہ شاہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم کے ساتھ تھے اور ان کے باپ سید محمد اشرف درگاہی شاہزادہ محمد اعظم کے نوکر ۔ شاہ عالم فتحیاب ہوا ۔ لڑائی سے فارغ ہو کر ۲۱ تاریخ کو سید محمد حسن قیامگاہ پر پہونچے ۔ ہتھیار سب بدن پر سجے ہوئے تھے ۔ گرمی اور تابش آفتاب اور حرارت موسم کی تاب نہ لا سکے خیمہ پر آتے ہی رفقاء سے کہا کہ میرے سلاح اتار لو ۔ اب تاب و طاقت نہیں رہی ہے سیدھے سیدھے لیٹ گئے اور چراغ حیات گل ہو گیا ۔ تجہیز و تکفین کر کے دھول پور کے دروازہ پر دفن کر دیا جب آمد و رفت کے لئے راہ کھلی تو سید درگاہی لڑکے سے ملنے گئے ۔ وہ جوان مرگ زیر خاک تھا ۔ رنج و الم کیا ۔ بے سود تھا ۔ میر عبد الجلیل نے تاریخ رحلت آیہ کریمہ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ میں پائی (جو پریشانی اور رنج مجکو ہے اسکی فریاد خدا ہی سے کرتا ہوں جزء ۱۳ سورۂ یوسف ع ۱۰-۴) اور بدنصیب باپ کو لکھ کر بھیجدی ۔

اورنگ زیب بادشاہ کے تولد کی تاریخ کلیم کاشانی نے آفتاب عالم تاب (بتعمیہ یک) نکالی تھی

جب بادشاہ تخت سلطنت پر چالیس سال کی عمر میں بیٹھا تو تاریخ جلوس خود آفتاب عالمتاب نکالی اور جب نوے سال کے سن میں رہگرائے عالم بقا ہوا تو میر عبدالجلیل نے تاریخ رحلت دی "آفتاب عالمتاب نکالی" بفتح قاف بمعنی سایہ زوال آفتاب ہے

انتباہ۔ اشتباہ

ریزہائے نبات والی بارش کی رباعی

فرخ سیر آن شہنشہ بابرکات — چرخ از ادب او شدہ شیرین حرکات
در سند زمین عہد عشرت مہدش — بارید سحاب ریزہ قند و نبات

کی نسبت نواب حاجی سید جعفر علی خان، خلاصۃ المفتاح میں لکھتے ہیں "تعجب نیست کہ درین مصرع تاریخ ہم باشد چراکہ اعداد مصرع ۱۱۲۳ھ می شوند" نواب صاحب ایک کہنہ مشق تاریخ گو تھے اس لئے اُن کی نگاہ زود رس اس مصرع کی معنوی خوبی اور تاریخی احتمال پر پہونچ گئی لیکن کوتاہ بین سیرت نویس اس امر سے قطع نظر نہیں کرسکتا کہ واقعہ عہد فرخ سیر کا ہے جو خود ذیقعدہ ۱۱۲۴ھ میں تخت نشین ہوا تھا اس لئے اس کا زمانہ ۱۱۲۵ھ یا ۱۱۲۶ھ ہونا چاہیئے۔

قصیدہ فتح آگرہ

نیکو سیر بن محمد اکبر بن خلد مکان قلعۂ آگرہ میں محبوس تھا۔ ۱۱۳۱ھ (۱۷۲۰ء) میں صفی خان قلعہ دار اور ہزاری سترسین و دیگر واقعہ طلبان نے اُسکو قلعہ سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا تھا۔ امیر الامرا حسین علی خان دہلی سے لشکر جرار لے کر آگرہ پہونچا اور تین ماہ سے زائد محاصرہ کرکے رمضان میں قلعہ کو فتح کیا۔ میر عبدالجلیل نے اسپر یہ قصیدہ[۳۷] لکھا۔ نواب پانچ ہزار روپیہ اور خلعت و اسپ اس کے صلہ میں باصرار دیتا رہا۔ لیکن میر عبدالجلیل نے صلہ لینا کسی طرح گوارا نہ کیا۔ ؎

مژدہ اے دوستان کہ در عالم — نقد شد نسیۂ بہار ارم

---

۳۷ نواب سید صدیق حسن خان نے بھی اس قصیدہ کا ذکر اپنے تذکرہ شمع انجمن مطبوعہ ۱۲۹۳ھ میں کیا ہے۔

نونهال طرب ببار آمد — گل فشان گشت خاطر خرم
دل خوشی نشهٔ رسا بخشید — به گل و سبزه و بهار قسم
باغ از بس شگفتگی پر کرده — ساغر گل ز بادهٔ شبنم
ابر دامن کشان خرامان ست — برق رقصان در عهد گرم نغم
نوبهار از برای رسم نثار — هر طرف از شگوفه ریخت درم
که امیر سر آمد امرا — کرد تسخیر قلعهٔ اعظم
این ظفر از مواهب عظمی است — بر زبان واجب ست ذکر نعم
پسر اکبر آنکه در افواه — یافت نیکو سیر بلکس علم
بود در حصن آگره محبوس — همچو مفهوم ممتنع بعدم
داشت حیثی و گنج عافیتی — خاطر آسوده تر ز صید حرم
ناگهان نفس شوم رهش زد — خفیه آمیخت در طعامش سم
دید اسباب بغی آماده — اشتهاصاف و لقمه پر ز دسم
زر بسیار و زمرهٔ اوباش — اکبر آباد قلعهٔ محکم
ابروی فتنه زه نمود کمان — زلف آشوب گشت خم در خم
از پدر داشت ارث بغی از آن — فتنه انگیخت در کمال عظم
کرد پرویزنی ز چتر به سر — بیخت بر فرق خود غبار الم
چون برید این خبر به دهلی برد — شعله زد خشم داور عالم
خسرو دین پناه شاه جهان — آب و رنگ بهار فضل و کرم
آن ابو المجد والعلا ذو الجود — مسند آرای چار بالش جم
بنده اش کیقباد و کیکاوس — نوکرش گیو و بیژن و رستم
بخشی الملک را اجازت داد — تا کشد لشکر ظفر پرچم

آن امیر جماعۂ اُمرا — چون حسین علی نہر برسیم
قرۃ العین حیدر کرار — نخبۂ نسخۂ بنی آدم
خلف الصدق موتم الاشبال[۵۳۸] — پیش او شیر شرزہ کم ز غنم
جود او شہرۂ دیار عرب — تیغ او ضابطِ بلاد عجم
ناز دارد نسبتش سمو نسب — بالد از ہمتش علو ہمم
می کند با جماعۂ دل ریش — لطف او انچہ می کند مرہم
غوطہ در جود او زند دریا — لطمہ از دست او خورد ضیغم
ہست مقیاس جود او بہ سحاب — مثل مقیاس فربہی بہ ورم
در فن صرف ہمتش نہ بود — ذکرے از لا و از لن و از لم
در صف جنگ با سر اعدا — چون الف گشتہ تیغ او الزم
دشنہ و نیزہ اش بجان عدو — می کند کار عقرب و ارقم
تیغ او شد بہ فرق اعدا غرق — ہمچو حرفے کہ می شود مدغم
در دل خصم او در آید رمح — چون در آید بہ اہل خود محرم
با کمندش سر سماندِ او — مثل دلوے است بارسن منضم
ظفر از فوج او شود پیدا — فتح با تیغ او بود توأم
کردِ نہضت بدولت از دہلی — فضل حق ہم عنان ظفر ہمدم
لشکرے در حساب بیش از حصر — دیو از نعرۂ یلان در رم
ہمہ زور آوران فیل شکوہ — کہ بہ شیر ژیان زنند دمے بم

---

۵۳۸ موتم الاشبال عیسیٰ پسر زید شہید کا لقب ہے جو امیر الامرا حسین علیخان (ممدوح) اور میر عبد الجلیل (مادح) دونوں کے جد اعلیٰ تھے۔ موتم، یتیم کرنے والا۔ اشبال جمع شبل بچہ شیر یعنی شیر کے بچوں کو یتیم کرنیوالا آپ شیر کا شکار اکثر کیا کرتے تھے اسلئے اس لقب سے مشہور تھے۔

گرد اسپان فوج نصرت موج — دامن افشان برین بلند خیم
آمد و قلعه را محاصره کرد — همچو انگشت و حلقهٔ خاتم
شرح اسباب قلعه گیری ریخت — سرمهٔ عجز در گلوی قلم
چون نهنگان به دور گرد لبی — توپ ها گرد قلعه، جمع بهم
خصم را سوخت توپ شیر دهان — کس ندیده است بشیر آتش دم
از دهانی ست توپ غازی خان — کز سر هند دان نمود لقم
چه نویسد ز توپ قلعه کشا — اسم او بر تلاش او دست علم
تا برآید به قلعهٔ نصرت — سینه گردید فوج را سلم
هر طرف شد مرتب از ساباط[۵۳] — خیمه بهر دشمنان دژم
زان طرف هم مخالف سرکش — کوششی داشت در ثبات قدم
دست و پا زد درون قلعه بسی — چون جنینی که واجهد به شکم
کرد اسقاط این جنین آخر — صدمهٔ توپ های مستحکم
کار بر اهل حصن شد دشوار — مرگ مقطوع، زندگی مبهم
قلعه شد بر جماعهٔ اعدا — از مصیبت چو حلقهٔ ماتم
شد برون آمدن چنان دشوار — که سخن از زبان اهل بکم
از برون هم ره رسد شد بند — چون نفوذ صدا بگوش اصم
از سر عجز خواستند امان — با لب خشک و دیدهٔ پرنم
از ترحم به جان امان بخشید — وقت قدرت خوش ست ترک نقم
فتح قلعه بزور تیغ نمود — این چنین می کنند اهل همم
شد سیه طالعی ز قلعه برون — همچو از لفظ دائره آذهم[۵۴]

۵۳ ساباط وه سقف جو دو دیوارون کے اوپر ہو اور جسمین ہو کر راہ چلتی ہو۔ اسی کا پورا مرادف کلمہ انگریزی مین 'کاری ڈور' ہے۔

۵۴ اس شعر مین اہم، اوہم کے مشہور معمے کی تلمیح ہے ؎ کشید ننگ چنان نقش آن دہن پرکار ؛ کہ دور

این معمّی کشود فطرت او — ورنہ این عقدہ بود جذرِ اصم[۴۱]

شاد گشتند دوستان یکسر — عام شد عیش در صنوف امم

شرح حال منافقان گویم — کہ بہ آن چو حذف[۴۲] لفہ ام اعلم[۴۳]

سرخی انفعال روئے سیاہ — خوش خضابے است از حنا و کتم

نحمد اللہ واہب الآلاء — حمد مستظہر بما انعم

گن کتھن کی سکت کہان پاوے — رسنان سے جو اینک جسم

دائرہ در مرکز ش گرفت قرار ۔ دائرہ کا دور دال اور ھا ہین اور اُس کا مرکز یا مرادف ام ۔ جب دال اور ہا ام کے اندر قرار پا جائین تو ادہم موجا ئے گا ۔ ادہم لغت مین سیاہ کو کہتے ہین ۔ قلعہ سے سیاہ طالع کا نکلنا گویا ادہم کا دائرہ سے نکلجانا ہے ۔ تنگ ہونے کی رعایت سے قلعہ اور دائرہ مین تشبیہ لطیف پیدا ہوگئی ہے ۔

۴۱ لغت مین جذر ۔ اصل کو کہتے ہین ۔ اہل حساب کی اصطلاح مین وہ عدد ہوتا ہے جس کو اپنے دل مین مان کر ضرب دیا جائے ۔ ایسے عدد کو جذر کہتے ہین اور اُسکے حاصلضرب کو مجذور ۔ اصم لغۃً نہایت جرا ، بالکل پتھر ۔ سخت مصمت ۔ جس عدد کا جذر عدد صحیح نہو وہ فن حساب کی اصطلاح مین اصم کہلاتا ہے ۔ مثلاً گیارہ اسکے مقابل کو منطق کہتے ہین مثلاً نو عدد منطق کا جذر بہ سہولت حاصل ہو جاتا ہے ، جیسے نو کا جذر تین ۔ عدد اصم کا جذر نہایت دشوار ہے ۔ عدد صحیح نہین ہوسکتا ۔ مگر تقریباً بنا لیا جاتا ہے ۔ اسی لئے حکما نے اپنی مناجات مین کہا ہے

سُبْحٰنَ مَنْ لَا یَعْرِفُ جَذْرَ الْاَصَمِّ اِلَّا ھُوَ

علم معقول مین جذر الاصم ، ایک مشہور مغالطہ ہے جس کا واضع ابن کمونہ بغدادی تھا ۔ علامہ تفتازانی شرح مقاصد مین فرماتے ہین ۔ وَھٰذِہٖ مُغَالَطَۃٌ تَحَیَّرَ فِیْھَا عُقُوْلُ الْعُقَلَاءِ وَتَھُوْلُ الْاَذْکِیَاءِ وَلِھٰذَا سَمَّیْنَاھَا بِمُغَالَطَۃِ جَذْرِ الْاَصَمِّ ۔ علامہ ممدوح شرح مقاصد مین بعد تحریر جواب کے لکھتے ہین لٰکِنَّ الصَّوَابَ عِنْدِیْ فِیْ ھٰذِہِ الْقَضِیَّۃِ تَرْکُ الْجَوَابِ وَالْاِعْتِرَافُ بِالْعَجْزِ عَنِ الْاِشْکَالِ ۔

میر باقر استرآبادی نے بھی اس بحث کو افق المبین مین لکھا ہے اُنکا اختصار یہ ہے کَمْ زَلَّتْ فِیْہِ اَقْدَامُ الْاَوَائِلِ وَاَقْرَبُھُمْ اِلَی الصَّوَابِ وَاِصَابَۃِ الْحَقِّ مَنِ اعْتَرَفَ مِنْھُمْ بِالْعَجْزِ بظاہر معترف سے میر باقر کی مراد علامہ تفتازانی معلوم ہوتے ہین ۔

پس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اشکال و عدم انحلال مین یہ عقدہ (جذر اصم) کے مثل ہو رہا ہے خواہ علم حساب کا ہو خواہ علم معقول کا ۔ قلعہ کے مستحکم اور سنگین ہونے کے اعتبار سے لفظ اصم (جسکے معنی سنگ سخت مصمت کے ہین)

رمضان ایچدی بولدی بخشی فتح — کلدی بوی آی نینک ایکی پرم
از پے ہم دو عید گشت پدید — معنی فطر جلوہ کرد اعم[۵۴۴]
ہر طرف مجلس طرب چیدند — آن یک از شعر دیگرے زحکم
وان دگر از ترانۂ رنگین — چنگ و طنبور کردہ باہم ضم
نغمہ گویان فارسی زنشاط — گوک کردند زیر را با بم
نغمہ سنجان ہند سر کردند — سبت[۵۴۵] سُر، در مراتب سرگم
نغمہ ناچاک دل رفو سازد — زہرہ از چنگ دارد ابریشم
زین ترنم جہان طراوت یافت — زانکہ در جوہرش بود ترنم
شعرا ہم قصیدہا گفتند — انوری گشت پیش شان اکم
ہر یکے سفت دُرِّ تاریخے — کہ از و آب شد گہر دریم
من ہم از باغ معنیٔ رنگین — گلِ چندے زدم بفرق قلم
ورق ہا بیاض سینۂ حور — سطر ہا سلک گوہر نیلم

نہایت مناسب واقع ہوا ہے (سرو آزاد)

۵۴۲ حضرت حذیفہ بن الیمان مشہور صحابی اور محدث اور رسول اللہ صلعم کے صاحب راز تھے حضرت صلی اللہ صلعم نے اُن کو منافقون کے حال سے پوشیدہ آگاہ کر دیا تھا حضرت عثمان کی شہادت کے چالیس دن بعد ۲۰ محرم ۳۶ھ (۲۶ جولائی ۶۵۶ع) کو مدائن میں وفات پائی۔ اس شعر میں ممدوح کے ساتھ اپنی محرمیت اور کمال تقرب کا اشارہ ہے

۵۴۳ کم ایک قسم کی گھانس جس کا خضاب بنایا جاتا ہے یعنی نیل۔

۵۴۴ قلعہ ماہ مبارک رمضان میں فتح ہوا تھا اس لئے دو عید بہم پیش آئیں پہلی عید فتح، جس کو عید مجازی کہنا چاہیئے۔ دوسری عید رمضان، جو عید حقیقی ہے۔ اسی طرح لفظ فطر بھی معنی حقیقی میں جلوہ گر نظر آتا ہے یعنی روزہ کا کھولنا اور معنی مجازی میں بھی یعنی فتح۔ یہ بھی دروازہ کا کھولنا ہے۔

۵۴۵ ہندوستان کے اہل موسیقی نے آواز کے سات مرتبے قرار دیئے ہیں جو سبت سُر کہلاتے ہیں سبت یعنی سات دُر یعنی آواز ہر مرتبہ کیلئے ایک نام مقرر کر رکھا ہے اور ہر نام کے سر سے ایک حرف لیکر اوس سے سرگم بنایا ہے اس شعر میں سرگم سے مراد انھیں مراتب سبعہ سے ہے۔

شعر گر فضل من نہ پوشیدے — می شدم در فن سخن اقدم
گر بہ پرسی ز جامعیت من — میر خسرو دہد جواب نعم
کرد عبد الجلیل در تاریخ — "قلعۂ آگرہ گرفت" رقم
بر دعا بہتر است ختم سخن — کہ بہ آمین کند ملائک معلم
چار چیزش نشاط افزا باد — تا بود سبزہ در چمن خرم
دست زر پاش و تیغ اعدا کش — عمر ممدود و دولت ادوم

امواج الخیال

یہ مثنوی آپ نے اپنے وطن بلگرام کی تعریف مین عنفوان جوانی مین لکھی تھی یہی وجہ ہے کہ اسمین میر صاحب کے کلام مؤخر کے مقابلہ مین بڑا زور ہے۔ اس مین ایک طولانی باب موسیقی ہندی کے نام سے ہے جسمین تمام قواعد و اصول و فروع اس فن لطیف کے بیان کر دیئے ہین یہ مثنوی طبع نہین ہوئی اور کمیاب ہے ؎

آب و گل من کہ فیض عام است — از خطۂ پاک بلگرام است
سبحان اللہ چہ بلگرامے! — کوثر مئے و آفتاب جامے
خاکش گل نوبہار عشق است — آبش مئے بے خمار عشق ست
از عشق سرشتہ ایزد پاک — از روز ازل خمیر این خاک
ہر لالہ کزین دیار روید — تخم دل داغدار روید
ہر گل کہ دمیدہ است زین خاک — خونین جگرے است پیرہن چاک
نرگس نہ بود بصحن گلزار — منصور برآمدہ است بر دار
گل با سنبل ہم دران خاک — آویختہ بسلسلے بہ فتراک

معلم بالضم جس پر نشان کر دیا گیا ہو

خورشید ازان بهار نیرنگ — پژمرده گلے است باخته رنگ
سنبل به چمن بود بصد ناز — زنگی بچهٔ کمند انداز
از فیض هوائے آن گلستان — سرسبز شود نفس چون ریحان
زآتشکده سبزه می زند جوش — همچون خط یار از بنا گوش
تا شد چمنش به دیده محسوس — شد پردهٔ چشم بال طاوس
تابستانش که عیش بارست — چون گرمی عشق سازگارست
گرمی آنجاست مایهٔ زیست — گوئی که حرارت غریزیست
سرما چو در آن مقام آید — عنقائے هوا بدام آید
هر دود که از جگر کند گل — افسرده شود چو شاخ سنبل
چون موسم برشگال آید — حسنش بحد کمال آید
جولان سحاب شوخ و طناز — چون خیل پری بود به پرواز
درویش هوا بسے نفس سوخت — تا خرقهٔ رقعه رقعه دوخت
در نشهٔ ذکر جهر شد مست — تسبیح هزار دانه در دست
شاهنشهٔ یکه تاز برسات — ساغرکش نشهٔ مباهات
نقاره نواز حشمت خویش — مشکین علم سحاب در پیش
از برق نموده تیغ خون ریز — وز ابر سیه سپر دلآویز
ترکش ز نقاط بهارین — وز قوس قزح کمان رنگین
تا رد ے زمین به دست آرد — بر فوج خزان شکست آرد
باریدن ریزه ریزه باران — کرده ورق نشاط افشان
نقشے است ازین بهار مرغوب — ظل ممدود مار مسکوب
هر سو صنمے کرشمه پرداز — از نوک نگه جگر فوساز

تا پائے کشان کمند کاکل — سر مست نگاہ پُر تغافل
تا در تتق حیا نشستہ — حق از مژہ بر نگاہ بستہ
صفہائے مژہ بہ ترکتازی — مشغول نبرد نیزہ بازی
قدے و نہال جلوہ نوخیز — حُسنے و بہار غمزہ گل ریز
از چین جبین نازِ نخچیر — در پائے نگاہ بستہ زنجیر
از وا شدن گل تبسم — در خون شفق طپیدہ انجم
از سینۂ شان کہ خوش بہارست — پیشانی صبح داغدارست

فقرائے دار السلام بلگرام کی مدح مین لکھتے ہین ؎

از فرقۂ طالبان مولے — رنگینیٔ بزم وصف اولے
وحدت نگہان کثرت آثار — از بادۂ نفی غیر سرشار
اطوار وجود دیدہ یکرنگ — حیرت بنگاہ کردہ ہم سنگ
مینا شکنان بزم ہستی — مدہوش شراب حق پرستی
دل کردہ بہ بہر یار خود فرش — الرحمٰن علی العرش استوی[۴۷]
طے ساختہ وادی شریعت — جا کردہ بہ منزل حقیقت
وا کردہ نظر بہ حسن جاوید — از دیدۂ سرمہ سائے توحید
سرگرم طواف کعبۂ دل — قربانی نفس کردہ بسمل
تا یافتہ گنج کنت کنزا — دادہ دل و دین زکوٰۃ از کے

فضلائے شہر کی توصیف مین فرماتے ہین ؎

دقت منشان نکتہ پرداز — در ہر سر کوچہ اش سخن ساز
بشگافتہ ہر یکے بہ تحقیق — از دقت نغز مغز تدقیق

۴۷ الرحمٰن علی العرش استوی ۔ رحمن عرش پر براجمان ہے (جز ۱۶ سورۂ طٰہٰ ع ۱-۱۰) استواء اللہ علی العرش کا مسئلہ

برابروے خود نمودہ واجب — تنقیح اصول ابن حاجب
برچشم شمردہ فرض چون دین — تلویح رموز حکمۃ العین
ابروے بیان شان رفیع است — مفتاح معانی بدیع است
ہر بحث کہ دل کند بصد غور — در حیز حل کشند فی الفور
از منطق شان خطا نفور است — تصدیق بہ حکم شان ضرور است
ہر فرد یگانۂ اماثل — شیرازۂ نسخۂ فضائل
دانائے حقیقت کیانی — اشراقی حکمت یمانی

مثنوی کدخدائی ارشاد خان

ارشاد خان نواب امین الدولہ سنبھلی وقایع خوان حضور فردوس آرامگاہ محمد شاہ کا بیٹا تھا۔ امین الدولہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے میر صاحب کو جو اختصاص نواب سے بلحاظ تعلقات و خدمت ہونا چاہیے تھا ظاہر ہے حق یہ ہے کہ میر صاحب نے حق محبت اور حق شاعری دونوں اسمین ادا کر دیے ہین۔ مثنوی کمیاب ہے اسکے بعض اجزا میر غلام علی آزاد کے پاس تھے جو خزانۂ عامرہ سے نقل کیے جاتے ہین۔

پان کی صفت مین بر سبیل ابہام ؎

بسر سبزی ست برگ پان نکو فال — زبان من بود در وصف آن لال

حمام کی تعریف مین ؎

عطا بخشیٔ این حمام کن گوش — کند مرد برہنہ را گہر پوش
بہ بین در بیت رنگینش بہ انصاف — کہ دارد معنیٔ بس شستہ و صاف

واعتقاد مسلمانون کے مختلف فرقون مین ہمیشہ سے مختلف فیہ چلا آتا ہے بعض اسکی تاویل کرتے اور استیلا یا قہر سے مراد لیتے ہین بعض اسکو بلفظہا مانتے اور تسلیم کرتے ہین پیروان مذاہب ائمہ کا عمل یہی ہے حضرت امام مالکؒ کا قول ملخصاً اس بارہ مین یاد رکھنے کے قابل ہے "الاستواء معقول والکیف مجہول، والایمان بہ واجب، والسؤال عنہ بدعۃ"

دل سنگین پر سوراخ اعدا — بجائے سنگ پا مستعمل آنجا
بہم فوارہ و حوض اندشادان — برقص دانہ مروارید قصان

[دانہ مروارید ایک نوع کا ناچ ہی جو ولایت کی لولیان ناچتی تھین] یہ اشعار بھی ملاحظہ ہون ؎

بدولت پیش آوردند فیلے — چہ فیلے در تجمل بے بدیلے
لباس زر بر آن از بس رسا بود — سراپا در نظر کوہ طلا بود
عماری را بہ پشت او شکوہے — طلائی گنبدے بالائے کوہے
سوار فیل آن والا مکان شد — بہر جانب دو دستش زرفشان شد
کف نواب زر میریخت پائین — دعا میرفت بالا با صد آمین
بگرد فیل جمعیت بہ انبوہ — چو شیران یلہ در دامن کوہ
ز فیلان علم پیش سواری — خرامان پے بہ پے ابر بہاری
بہ پشت فیل مرد نیزہ بردار — سماک رامح از گردون نمودار
صف پیلان پس لشکر بہ انبوہ — کہ پشت فوج زانہا بود بر کوہ

آتشبازی کی توصیف مین ؎

ہوائی بسکہ زد از ہر طرف جوش — ہوا شد در عروسی بادلہ پوش
دمد تا چشم شب را روشنائی — ہوائی شد عجب میل طلائی
بیان چنبر و چرخی کنم چند — درین گرداب زرین شد نگہ بند
ز جنگ آتشین فیلان بہ تحریر — رقم بر یکدگر پیچد چو زنجیر
چنان گردید یک دیگر ستیزہ — کہ اجزائے بدن شد ریزہ ریزہ
بیکسو طرفہ دیوان ترش رو — مہیا بہر ہیجا چین بہ ابرو
نگاہ خشم از چشم آفت زہر — نہان در دیدہ شان گردش دہر
درین دیوان سرکش چون نظر کرد — رخ دیو سفید از سہم شد زرد

چنان دجّال زین دیوان رمیده | که در پس کوچهٔ محشر خزیده
بهم افروخت هر یک نرآتش کین | تعجب بین بهم رجم شیاطین

دُلہن کی صفت مین ؎

تُنُق از جُملهٔ زیبا کُشادند | عروس شرمگین را جلوه دادند
چو صبح پاک دامن پاک تخمیر | حیا چون سُرمه در چشمش وطن گیر
خموشی گوهر دُرج دهن بود | چو غنچه مجتمع هر عضو تن بود
چو داماد آن عروس شرمگین دید | بهندُستان نگارستان چین دید
دُرِ گنجینهٔ اعزاز بگشاد | ز والا گوهری دل رونما داد
چو وقت آمد که آسایش نماید | درے از خوّرمی بر خود کشاید
بخلوت خانهٔ باهم درون شد | مپرس از حالت آنجا که چون شد
بعید است از بلاغت در نکوئی | که حرف پرده را بے پرده گوئی
خدا گفته است در قرآن نظر کن | بجائے جامعوهن باشروهن
همین باشد سخن از حسن تمهید | میان هر دو صحبت کوک گردید

[کُوک بضم کاف۔ کپڑے کے دو ٹکڑون کو باہم بخیہ سے سرسری پیوند کر دینا تاکہ سینے مین کم و زیادہ نہ ہوے یا سے اور سازون کو ہم آہنگ اور آوازون کو موافق بنا دینا۔ "صحبت کوک گردید" یعنی موافق ہوئی چونکہ بخیہ بھی سوئی کے ڈالنے سے ہوتا ہے۔ اسلئے لفظ کوک یہان نہایت مناسب و برمحل واقع ہوا ہے۔]

مثنوی طوے محمد فرخ سیر بادشاہ

میر عبد الجلیل کی تمام مثنویات بلکہ تصنیفات مین یہ مثنوی سب سے بڑی اور ایک پوری کتاب ہے۔ منشی نولکشور کے مطبع لکھنؤ مین رجب ۱۲۹۹ھ یعنی جون ۱۸۸۲ء مین اکہتر صفحات پر مثنوی

میر عبدالجلیل بلگرامی" کے نام سے چھپی ہو اور بہ آسانی دستیاب ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اُسکی کتابت و تصحیح کما ینبغی نہین ہوئی تاہم اس مین اتنے اغلاط نظر نہین آتے جتنے اُس وقت کی اور مطبوعہ کتابون مین پائے جاتے ہین۔ حاشیہ پر حل لغات و مشکلات بخوبی بلکہ بافراط کر دیا گیا ہے جو کہین کہین غیر متعلق و بے محل معلوم ہوتا ہے خط معمولی بلکہ اچھا ہے۔ کاغذ بادامی منشی دیبی پرشاد معائن مدارس بدایون اس کی طبع و اشاعت کے محرک تھے

فرخ سیر[۴۸] بادشاہ کی شادی راجہ جیت سنگھ راٹھور (پسر مہاراجہ جسونت سنگھ) مرزبان جودھپور مارواڑ کی بیٹی کے ساتھ ۲۲ ذیحجہ ۱۱۲۰ھ (۸ دسمبر ۱۷۰۹ء) روز پنجشنبہ کو ہوئی تھی یہی آخری راجپوتنی تھی جو مغلی حرم سرا مین آئی۔ یہ قرابت جیسی عظیم الشان تھی ویسی ہی تزک و احتشام سے تقریب بھی انجام دی گئی۔ صاحب سیر المتاخرین[۴۹] لکھتا ہے کہ "وزیر حسن علیخان نے اسباب شادی دختر کا حسب رسوم ہنود انجام کیا۔ اس شان و شوکت سے شادی ہوئی کہ ہند اور دکن مین کسی راجہ اور بادشاہ کے عہد مین نہوئی تھی

[۴۸] فرخ سیر کے ازواج و اعقاب کے متعلق تفصیل کے ساتھ لکھنا تو اُسکے تاریخ نویس کا کام ہے لیکن سلسلہ تحریر مین اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہون کہ فرخ سیر کی پہلی بیگم "فخر النساء" صبیہ سعادت خان تھی جس کے بطن سے تین بچے ہوئے تھے (۱) محمد فرخندہ سیر جہانگیر شاہ (۲) جہان مراد شاہ اصغر سن مین والدین کو داغ مفارقت دے گئے (۳) بادشاہ بیگم جس کا عقد محمد شاہ سے ۹ صفر ۱۱۳۲ھ سہ شنبہ کی رات مین ہوا اور ملکۃ الزمانی کے لقب سے شہرت پائی فرخ سیر کے محل مین ایک پہاڑی راجہ کی لڑکی بھی تھی اُس سے نکاح ہونا [illegible] جاتا وہ ۱۱۳۱ھ [illegible] مین محل سرای شاہی مین داخل ہوئی تھی۔ اُسکی نودہ پودہ بھی نہین بڑھی

ایک اور بات بھی میری نظر سے گذری ہے جس کو سپرد قلم کرتا ہون "شکار پور ضلع بلند شہر مین قصبہ کے شمال ایک نہایت قابل لحاظ عمارت "بارہ کھمبا" (دوازدہ ستون) کے نام سے مشہور ہے ستون سنگ سرخ کے ہین اور بیحد ضخیم اور بھاری ہین حتی کہ عامۃ الناس مین یہ خبر شائع و ذائع ہے کہ اسکی تعمیر غیر انسانی ذرائع سے ہوئی تھی۔ انگریز محققین لکھتے ہین کہ "فی الواقع یہ ایک نامکمل مقبرہ ہے جس کو ۱۷۱۸ء (۱۱۳۲ھ) کے قریب شہنشاہ فرخ سیر کے داماد سید فضل اللہ نے تعمیر کرانا شروع کیا تھا"

سرکاری گزیٹیر کے لکھنے والے اسکی صحت و تحقیق کے ذمہ دار ہین۔ مجھے اسکے باور کرنے مین تامل ہے فرخ سیر نے اپریل ۱۷۱۹ء (۱۱۳۱ھ) مین تینتیس ۳۳ سال کی عمر مین جان بحق تسلیم کی ۱۷۱۸ء مین اسکی عمر تقریباً ۳۲ سال کی رہی ہوگی فضل اللہ کی شادی کب ہوئی؟ شاہزادی کا نام کیا تھا۔؟ کس کے بطن سے تھی تلبس متلبس

شب پنجشنبہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۱۲۷ھ کو بادشاہ حسن علی خان کے محل پر نواب شایستہ خان کی حویلی یا بارہ دری مین) مع اُمرا و ارکان سلطنت کے آیا عقد نکاح پڑھایا"

تواریخ نادر واڑ مصنفہ منشی مرلی داس سے پایا جاتا ہے کہ "امیر الامرا سید حسین علی خان ابتدائی معاملات و منہ الطہ مصالحت طے کر کے دکن کی جانب روانہ ہوگیا اور حسب قرار داد شہنشاہ کا مامون شایستہ خان ۱۲ جمادی الاول ۱۱۲۷ھ (۶ مئی ۱۷۱۵ء) کو دہلی سے جودھپور اس لڑکی کے لانے کیلئے بھیجا گیا وہ ۲۵ رمضان ۱۱۲۷ھ (۵ ستمبر ۱۷۱۵ء) کو دار السلطنت واپس پہونچا اور ۲۹ رمضان کو شادی ہوئی"

مجھے اس تاریخ کے صحیح ماننے مین تامل ہے۔ یہ مہینہ اور تاریخ ایسی مہتم بالشان تقریب کے لئے مناسب نہین ہوتا ہے یہ ممکن ہے کہ نکاح (اگر ہوا ہو تو) آنے کے ساتھ ہی اس تاریخ پر ہوگیا ہو اور رسم شادی اور احتشام شاہانہ ذی الحجہ مین انجام دیے گئے ہون (جیسا کہ رایان مترجم سیر المتاخرین لکھتا ہے) لیکن مثنوی سال و ماہ و یوم یا کسی واقعہ کا تعین کرنیسے قاصر ہے۔ وہ الفاظ و لغات اور اصطلاحات کا ایک گورکھ دھندا ہے جس سے کوئی بات نکالنا دشوار ہے سخن شناس دقیقہ رس لطف سخن پا سکتے ہین ساچق و جشن طرب کی رنگین بیانی کے سوا مثنوی نکاح یا کسی اور رسم شرعی و رواجی کا پتہ نہین دیتی۔ میر عبد الجلیل نے اس لڑکی کو رانی کہکر یاد کیا ہے سیر المتاخرین مین بھی رانی لکھا ہے مورخین اسکا نام

برس کی عمر حسر بننے کیلئے کہانتک مناسب تھی فضل اللہ کس کا مقرہ بنوا رہا تھا۔ یہ سب باتین محتاج جواب اور قابل تحقیق ہین،

۵۹ سیر المتاخرین بارہوین صدی ہجری کی ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ، میر غلام حسین خان ولد ولد میر ہدایت حسین خان طباطبائی حسنی کی تالیف ہے ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء) سے لیکر ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) تک کے حالات تحقیق و صحت کے ساتھ اس مین قلمبند کئے ہین۔

اسکا ترجمہ اردو مرآۃ السلاطین کے نام سے طبع ہوچکا ہے۔ انگریزی ترجمہ ایک ہندی نژاد فرانسیسی ایم۔ رایان M. Raymond نے ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) مین کیا تھا جس نے مشرف بہ اسلام ہوکر حاجی مصطفےٰ نام اختیار کیا اور اسی نام سے شہرت پائی۔ دوسرا ترجمہ ۱۸۰۳ء مین لندن مین کرنیل جان بگس نے Colonel John Biggs شائع کیا۔

میر غلام حسین خان میر غلام علی آزاد کا معاصر تھا۔ واقعات کے لکھنے مین ایجاز و اختصار سے کام لیتا ہے اور اپنی تحقیق و تلاش کے سامنے دوسرے کو نہین مانتا۔

۶۰ صاحب مفتاح التواریخ شروع سال ۱۰۲۸ھ (بجز ازبست و ہشت) لکھتا ہے اگر اس کو کتابت کی غلطی اور سال کو ۱۱۲۸ مان لیا جائے تو بھی خلاف قرینہ ہے کہ محرم کے مہینہ مین یہ جشن ازدواج منایا گیا ہو سیر غلام علی بیضا اور سیرہ کا دوسرا جشن طوے کا زمانہ ۱۱۲۸ھ لکھتے ہین۔ اسکی تائید میر احسن، ایجاز تخلص، معالی خان خطاب مؤلف فن سیر نامہ سے واقعہ تاریخ سے ہوتی ہے

بائی اندر کنور بتاتے ہین۔ بدنصیب بائی کی مدت عیش و اطمینان نہایت تنگ تھی۔ خود فرخ سیر کو فراغ و عافیت نصیب نہ رہی۔ شادی کے ساڑھے تین سال بعد کچھ دن سخت اذیت کیساتھ اسیری مین کاٹکر اُس نے جان دی۔ فرخ سیر کی اس رانی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ راٹھور راجہ جسکی آمد و رفت بلکہ ایک حد تک بود و باش دہلی مین رہتی تھی اور جو آخر کار بعض مجبوریون یا مصالح سے داماد کے خلاف سازشون اور منشورون مین سادات بارھہ کے شریک ہوگیا تھا لڑکی کو واپس لے گیا اور مراسم ضروری انجام دیکر اُسکو اپنے دھرم اور خاندان مین ملالیا۔ جودھپور چلے جانیکے بعد پتہ نہین ہے کہ رانی کا انجام کیا ہوا دوسری شادی ہوئی تھی یا نہین؟ اُسنے کب اور کہان اور کس عمر مین وفات پائی؟ یہ سب امور معرض خفا مین ہین۔ صاحب تواریخ مارواڑ نے بھی اس بارہ مین کچھ نہین لکھا۔ صاحب سیر نے بھی اسی قدر لکھا کہ فرخ سیر کی وفات کے بعد اُسکے تمام اہالی و موالی کی جاگیرین ضبط کرلی گئین صرف رانی کی جاگیر اجیت سنگھ کی دلجوئی کے خیال سے بحال رہی۔

زباغ مہاراجہ جسونت سنگھ ۱۱۲۷ھ بمشکوئے دولت بیامد گلے ۱۱۳۰ھ

۵۱ رانی سنسکرت کا لفظ ہے اسکے معنی ملکہ کے ہین یعنی جو کسی راجہ یا بادشاہ کی زوجہ ہو۔ اس کا اطلاق شاہزادی پر بھی ہوتا ہے یہ امر قابل تحریر ہے کہ راجپوت شاہزادے جو مسلمان ہوجاتے تھے اپنے پرانے ہندوانہ رسم و رواج پر قائم رہتے تھے۔ حتی کہ اپنے ہی خاندان والون کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ اپنے ہی خاندان مین شادی بیاہ کرتے اور اپنی بیویون کو خطاب بھی ہندوؤن کے طریقہ پر دیتے تھے۔ بہرحال رانی خالص ہندوانہ خطاب ہے

۵۲ موسیو رائے مان ترجمہ سیر المتاخرین کے ذیل مین لکھتا ہے کہ راجہ اجیت سنگھ نے جو عوام الناس کے لئے طعن و ملامت و تشنیع سے بہت بھاگتا تھا بارہا کوشش کی کہ اپنی خدمت صوبہ داری گجرات پر چلا جائے مگر اجازت نہین ملی اور چار و ناچار شہر مین رہنا پڑا۔ اس جاہ طلب غیرت مند راجپوت نے اپنے داماد کے خلاف معاملات مین جو حصہ لیا تھا۔ اُس سے لوگ نہایت متنفر تھے اور آوازے کستے تھے۔

رائے مان قسطنطنیہ کی پیدائش تھا۔ دو سال مکہ معظمہ مین رہا تھا۔ ہندوستان مین تربیت پائی تھی۔ سیر المتاخرین کے سوا تاریخ کشمیر وغیرہ متعدد کتابون کا ترجمہ کیا تھا۔ اس کو ایشیائی خصائل کا اقتضا کیئے یا فطرت انسانی کا جذبہ کہ اُسنے راجہ کے ان اعمال کو نہایت کراہت و قباحت سے دیکھا اور تلخی سے یاد کیا ہے

اصل مثنوی مین بارہ سو چار شعر ہین اور خاتمہ مین بیاسی اتفاقات سے مثنوی فرخ سیر کے روبرو پیش نہ ہو سکی تھی اس لئے اس خاتمہ مین ناظم نے اس واقعہ اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کر دیا ہے اور جو غیر واقع و ناواجب شاعرانہ ستایش لوگون کی مثنوی مین کیگئی تھی اُس سے گریز و استبرا کیا ہے اور بارگاہ الٰہی مین آمرزش و مغفرت کی دعا کی ہے۔ فرخ سیر کی رحلت پر میر عبد الجلیل نے بددل ہو کر اس مثنوی کو الگ ڈال دیا تھا۔ وہ کہتے ہین کہ ؎

چہ گویم دل ازین بیداد چون شد　　برنگ غنچہ نشگفتہ خون شد

بہ دل دارم قرار عہد پرور　　کہ این اوراق را سوزم سراسر

جلانے کی نوبت نہین آئی تھی کہ میر صاحب نے کچھ سوچ سمجھ کر رہنے دیا اور ؎

بساط عزم خود را در نوردید　　بقائے خود در البقائے سخن دید

وہ اس کو صاف نہین کرنا چاہتے تھے حتی کہ وفات پائی۔ انکے انتقال کے بعد میر غلام علی آزاد نے اس مسودہ کو صاف اور بیاض کیا اور حتی الوسع مشکل ابیات کو حل کر کے حواشی لکھے۔

یہ مثنوی بڑی ہے اور اس سے انتخاب کرنا مشکل۔ اس مین بہت سے لطائف و ظرائف مندرج ہین خصوصاً اُس مقام پر جہان ہندی راگون کے نام اور اُن کی کیفیت فارسی کے قالب مین ڈھالی گئی ہے۔ شاعر کے تصرف اور قدرت کلام و کمال کو دیکھ کر عقل سرگشتہ و حیران ہو جاتی ہے نہ صرف نغمہ اور سنگیت بلکہ اکثر علوم متعارفہ و فنون متداولہ اس شناور بحر سخن کے سامنے سیل دریا کی طرح بہتے نظر آتے ہین۔ مگر بدنصیب و بدمذاق نگارندہ اوراق جواہر عجائب و غرائب سے خود افادہ نہین کر سکتا اُن کو نقل کر کے قارئین تذکرہ کو بھی بے لطف و بدحظ کرنا نہین چاہتا جہانتک کہ آمد کا تعلق ہے اکثر اشعار سلیس اور پُرکیف ہین تمکنت و احتشام شاہانہ کے ساتھ ساتھ اپنی شوکت و شان کو بھی ہاتھ سے جانے نہین دیتے۔ لیکن اسکے بعد صرف آورد اور عالمانہ و مغلق ترکیبات و محاورات و اصطلاحات کی نمائش ہے۔ ایسی مخیل بندیون اور ادا شناسیون سے لطف اُٹھانیوالے اس صدی مین ناپید ہین ؎

مجکو جو اشعار پسند آئے ہین اُن مین سے بعض کو پیش کرتا ہون۔

تمہید مین فرماتے ہین ؎

نوید طوئے شاہ ہفت کشور — جہان را نوبہارے رنجیت در بر
شہنشاہ سربرسر فرازی — خدیو عصر فرخ شاہ غازی
معین الدین محمد شاہ جہاں — شہ گیتی ستان فرخ سیر شاہ
طراز نوبہار بادشاہی — وجودش مظہر ظل الٰہی
شہنشاہ کرم گستر گہر بخش — بعاجز پرور بیہا بحر و بر بخش
جبلی خصلت این شاہ غازی — عدالت پروری عاجز نوازی
رئیس راجہائے عمدۂ ہند — کہ ملکش می کشد تا کشور سند
رشید دودمان نسل راٹھور — کہ ممتاز است از اقران درین دور
مہاراجا اجیت الفاظ نامش — بہ لفظ سنگہ می گردد تمامش
گیتی مرزبان مارواڑ است — کہ نوک نیزۂ او مارواڑ است
بجلوس الٰہی در آغاز جلوس شاہ والا — تمرد گونہ سر زد ز راجا
پئے تادیب او فوجی روان شد — سم اسپان زمین انجم نشان شد
چو راجا لشکر نصرت اثر دید — بساط ملک خود را بے سپر دید
بارسال جگر پرکالہ خویش — توسل جست با شاہ ظفر کیش
پری پیکر بتے عصمت نقابے — سپہر مقنعہ را آفتابے
ز عصمت در حیا پیچید خود را — چو بو در برگ گل دزدید خود را
بدرگاہ جہانبانی روان کرد — بصد عجز و ادب عرض امان کرد
شہنشہ خواند مضمون مبارک — اجر للمشرک ان ہو استجارک
تقبل کرد و راجہ را امان داد — تو گوئی مردہ را باز جہان داد

ازان پس از پے تشریف راجا | بہ مہمان خانہ داد آن شمع راجا
بہ ایمان آن صنم را آشنا کرد | گرہ از رشتۂ زنار وا کرد
قرین شد از شہ نصرت موطن | بہ حسن ظاہر او نور باطن
پس آنگہ شد پئی شان عروسی | بہ حکم شاہ سامان عروسی

اس کے بعد آرایش ساچق۔ وصف حنابندی۔ نور پاشی چراغان۔ پوشاک وجواہر تخت روان، نقارخانہ۔ آتش بازی اور بہت سے مختلف عنوانون کے تحت مین میرنے داد سخن دی ہے۔ مگر ان تکلفات کا بیان کرنا تکلف سے خالی نہین۔

ناچ شروع ہوکر ختم ہوگیا۔ بزم افروزی رقص کنچنیان، کی تصویر کھینچنے اور اُن کے کمال کی داد دینے، اُن کی دلربائیون کا انداز دکھانے کیلئے زاہد خشک شاعر کا قلم عالم تصور اور عالم تخیل کی ایک محفل عیش وطرب مین گام زن رہا اُسنے بہت کچھ لکھا اور خوب لکھا ہے۔ گلگون قا رنگین ادا، شاہدان دہلی وجودہ پور کے تقوی شکن انداز اور حیا سوز کرشمہ وناز دکھائے ہین۔ مگر خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا۔ پوری داد سخن نہ دینے کا الزام مین اپنے سر لیتا ہون میر کی روح پاک اور یاد نیک سے مجھے شرم آتی ہے لیکن اظہار حقیقت سے مجبور ہون کہ مین اُنکی تو صفحے کی تحریر وتصویر کشی مین اصلی رنگ وروغن کی جھلک نہین پاتا۔ بحالیکہ ظہوری ترشیزی کے وصف رقاصان کے ان پانچ سادہ شعرون مین مستی اور نشاط کا ایک پورا عالم محسوس کر رہا ہون

بیا مطرب با پردہ ساز کن | طرب می رود نیک آواز کن
غم وغصہ چون تارک بدسگال | ز رقص سہی قامتان پائمال
ز ہر سو دلے مبتلا می کنند | بخاطر فریبی چہا می کنند
کمرہا چو در پیچ وتاب آورند | چہ دلہا کہ در اضطراب آورند
بافشاندن دست مالند گوش | بہ برچیدن پائے دزدند ہوش

ظہوری مختصر سی بزم طرب مین اپنی جادو نوائی سے سُننے والون کو مسحور کر جاتا اور اُنکے خرمن صبر و

وقرار پر بجلیاں گرادیتا ہے۔ میر اپنے اظہار کمال خیال بندی اور صورت کشی یا فلم کے ترکتاز کے لئے پانی پت کا میدان بھی تنگ پاتے: رعد کی طرح گرجتے اور صواعق برق کی طرح چمکتے ہین۔ بالآخر قوس قزح بنکر رہجاتے ہین۔

ظہوری کی بحر بھی جدا ہے۔ ہین دونون کا مقابلہ اور اُن کے انداز کلام کا موازنہ نہین کرنا چاہتا تھا شعر یاد آگئے تو لکھ دیئے ہین میر کے اسی رنگ کے چند مزہ دار شعر جن مین انھین خیالات کو موزون کیا ہے اب نقل کرتا ہون ؎

بہر عضوی طرب مستانہ رقصد — چو جوش مے کہ در میخانہ رقصد
زجستن جستن شان می جہد دل — غم از پا کوب شان در رقص بسمل
بپا برچیدن ہر ناز پرور — گزارد بے قراری پا بر اخگر
کمر در پیچ و تاب رقص بے تاب — چو موئے کو فتد در جوش گرداب
خرام عشوہ ہای شوخ و طناز — چو موج مے بصید دل سبکناز
چو ہر شوخ جبین آئینہ رقصد — نگہ در چشم و دل در سینہ رقصد
ادای گردش چشم فسون ساز — بچرخ آوردہ دلہای نظر باز

شرکائے صحبت گشت و گشت بزم عشرت سے سیر ہو گئے ہونگے اسلیئے اب میر کی سنجیدہ ظرافت یا "ہنگامہ سازی ہزالان" سے اُن کی ضیافت طبع کردینا ناگزیر ہے ؎

زہزالان گرد ہے گرم بازی — برقص طرفہ در دستان طرازی
عمامہ کردہ کج بر نوک ابرو — زدہ پس خم چو ماہ نو بزانو
زرقص شان کہ دارد از طرب بہر — بہر سو ولولہ افتادہ در شہر
بجد از بسکہ در ہزل اند ہر یک — نماید صورت شان ہزل بیشک
برنگ کبک گہ قہقہہ بخندند — زقلقلہائے مینا شیشہ بندند
زبزم افروزی شان گشت بیتاب — بہار فرفرہ[۵۳] بستان قلاب

۵۳ فرفرہ۔ چمڑے کی پھرکی۔

مُقلد مشتگان محفل طوے | بانواع ظرافت قافیہ گوے
بہم کردند کوک از نغمہ و ساز | یکے نازد بکے قاز و یکے باز
عمامہ بر سرین شلوار بر سر | بیا بنگر مقدم شد موخر

بادشاہ کے مشکوے عروسی مین پہونچنے اور وہان کی رُوداد سے یون پردہ اُٹھایا جاتا ہے ؎

شہنشہ در حرم تشریف فرمود | حرم از مقدمش شد عشرت آمود
پرستاران بگرد شاہ جمجاہ | زدہ حلقہ چو دور ہالہ بر ماہ
ز عصمت ہر یکے را غازہ بر رو | ز عفت مشک آگین چین گیسو
سخن چون در گلستان حرم شد | ادب اینجا عنان گیر قلم شد
کہ تفصیل سخن اینجا محال ہست | قلم نامحرم روداد حال ست
خموشی ادب بہتر ز گفتن | کہ این جا غنچگی بہ از شگفتن
کہ بشنید و ندید آئین مجلس | بجز گوش گل و چشم نرگس
رسوم مصحف و آئینہ بینی | بود معمول در محفل نشینی
رخ شہ مصحف آیات نور ست | دلش آئینہ روئے سرور ست
دگر ہم ہر چہ رسم کدخدائیست | کہ آن شایان شان بادشائیست
بجا آورد شاہ ہفت کشور | بہار تہنیت شد جلوہ گستر

عروس، دولت خانہ شاہی مین اس شان سے لائی جاتی ہے ؎

شہنشہ شد روان با شوکت و شان | گہر بارید ہمچون ابر نیسان
عقیب تخت شہ چندول رانی | نگارین محمل بلقیس ثانی

چندول۔ ہندی لفظ ہے حرف اوّل کے زیر و زبر دونون طرح سے مستعمل ہے۔ آجکل زیادہ تر چودول کہلاتا ہے۔ چوپایہ بھی عربی فارسی مین محفہ یا ہودج رائج ہے۔ یہ ایک بڑی ڈولی ہوتی ہے جس کے دونون طرف چوبین یا بانس لگائے جاتے ہین

نہان در بروج عالی سپہرے — بُرج اعتلا رخشندہ مہرے
چو شد دولت سرائے شاہ پیدا — کہ دولت بر جمال اوست شیدا
فرود آمد بشان و شوکت و جاہ — برنگ آیۂ رحمت شہنشاہ

ولیمہ کا انتظام و اہتمام مطبخ ہمایون سے کیا جاتا ہے ؎

چو در زیر سپہر آبنوسی — ولیمہ سنت آمد در عروسی
بہ حکم شاہ شیلانی کشیدند — چہ شیلانے فراوانے کشیدند
چو لذت داد دل را شولہ داش — بقا دل! مرحبا، طباخ! شاباش

میر صاحب مثنوی کو اس دعا پر ختم کرتے ہین ؎

بیا عبد الجلیل گلرامی — سخن را بر دعا بہتر تمامی
دعائی شاہ دین پرور ادا کن — اجابت می شود ممنون او عاکن
ہمیشہ تا بود در ہفت کشور — عروس آمادۂ آغوش شوہر
عروس سلطنت با رونق و جاہ — بود دائم در آغوش شہنشاہ
کنند از عیش و عشرت شاہ درانی — چو بلقیس و سلیمان کامرانی
بہ شاہنشاہ جمجاہ گہر ریز — مبارکباد این طوئے دلاویز
شہنشہ با عدالت کامران باد — جہان تا ہست دائم در جہان باد
بود تاریخ طوئے شادمانی — نشاط اندوز وصل شاہ درانی

زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ دعا تا مقبول ہوتی ہے۔ مدّاح و ممدوح ازدواج و عروس، دونون ناکام اور مطرود رہجاتے ہین۔ میر کی مبارکباد اور مثنوی جب مسامع شہنشاہی تک نہین پہونچنے پائی تو کارکہان اور کنڈھون پر لے کر کہار چلتے ہین۔ کسی وقت اُمرا اور اعلیٰ طبقہ کے لئے سواری کی سب سے عمدہ اور شاندار چیز بھی جاتی تھی

میر حسن دہلوی مثنوی "بدر منیر" مین فرماتے ہین ؎

چلے لے کے چنڈول جس دم کہار — کیا دو طرف سے زر اُس پر نثار

عالم بالا کی بارگاہ تک اُن کی دُعا کے پہونچنے اور اُنکے التفات و توجہ کی توقع کون کر سکتا تھا؟
اس مین شبہ نہین کہ "فخریہ" کے زیر عنوان اور "خاتمہ" مین میر نے بے مثل لکھا ہے۔ اپنے واقعات و مکنونات خاطر کو نہایت سادگی اور سچائی اور درد دلی کے ساتھ ادا کر دیا ہے۔ فخریہ مین اپنی نسبت جو کچھ وہ لکھتے ہین اُس کے وہ ضرور مستحق اور شایان ہین۔

پروفیسر سید مسعود حسن صاحب کی مملوکات جمیلہ مین اس مثنوی کا بھی ایک نفیس قلمی نسخہ موجود ہے، بروز چہار شنبہ ۱۱۷۱ھ مین بتاریخ ۱۶ رمضان المبارک (۲۴ مئی ۱۷۵۸ء) مولوی طالب حق نے اِس کو بمقام لکھنؤ، لالہ رام نراین کے دروازہ پر ختم کیا تھا۔ یہ بزرگ بیوندی (ضلع کان پور) کے باشندے، زمینداری پیشہ، اصحاب علم و ارباب ادب خاندان سے تھے۔ خود مولوی صاحب اور ان کے والد مولوی محمد جان نثار نے متعدد تالیفات یادگار چھوڑی ہین اور بہت سی مفید کتابین نقل و کتابت فرمائی تھیں۔

بذلہ سنجی و ہزل سرائی

آغاز شباب (اور غالباً قیام اکبرآباد کے زمانہ) مین ہزل گوئی بھی کی تھی۔ ایسے اشعار کا کہنا خواہ اقتضائے عمر و ولولۂ ذوق سے رہا ہو خواہ استجلاع فنون کی نظر سے، بہر کیف اس رنگ مین بھی میر صاحب نے اُس دور کے مذاق طبائع کے اعتبار سے بعض نہایت لطیف اشعار کہہ ڈالے ہین۔ اُن کا ترجیع بند مشہور ہے۔ مطلع یہ ہے ؎

مَنم آن بانکۂ دلیر و اجل　　کز من اُفتاد در جہان کھل بل

ترجیع بند کے آخر مین تخلص "اٹل"[۵۵] لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ تحسین و توزین شعر کی ضرورت یا قوافی کی کمیابی و ندرت کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہو۔ یہ شعر بھی اُسی ترجیع بند کا ہے ؎

---

۵۵ میر جعفر زٹلی کے چھوٹے بھائی میر صفدر کا تخلص بھی "اٹل" تھا۔ عمدہ اور نگ زیب مین تھے۔ اٹل کی نظم و نثر کا نمونہ سوانح میر جعفر زٹلی (موسوم بہ زر جعفری) مطبوعہ وکٹوریا پریس لاہور ۱۸۹۱ء مین ملے گا۔

شعر بارہ[۵۶] بزاریان دیدی — نشستہ ملگرام را عشق است

بروایت آزاد یاران حرفت پیشہ نے اس شعر کو بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیا تھا۔

یہ اشعار بھی آپ ہی کے نتائج طبع سے ہین ؎

عدو گر ہمہ تن ز فولاد جگر د — ز سر تا قدم ہمچو زنجیر اگر د
بکف کشتی برق بے دھڑکہ پکڑد — بجز حکم اللہ شبے نہ اگر د

بعض تذکرہ نویسون نے ہزل و ظرافت کو صبر صاحب کے علو شان و زاہد مزاجی سے بعید سمجھ کر اس ترجیع بند اور اسی جنس کے دیگر اشعار کو اور شاعرون سے منسوب کیا ہے۔ چنانچہ نواب محمد مصطفے خان شیفتہ بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہوئے اور اپنے مشہور تذکرۃ الشعراء موسوم بہ گلشن بیخار[۵۷] مین لکھتے ہین

"اہل تخلص، میر عبد الجلیل نام، از سادات گرامی قدر شاہجہان آباد دہلی بودہ است۔ شاگرد معنوی جعفر زٹلی، و استاد ر الظاہر ندیدہ۔ از وست ؎

زلف ہے چہرہ پہ یا جنجال ہے — جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے"

نیز منشی گوکل پرشاد، تخلص بہ رسا، اپنے انتخاب اشعار سراپا، موسوم بہ ارمغان گوکل پرشاد[۵۸] کی فہرست شعرا مین ایک صاحب کا تذکرہ کرتے ہین۔

"اہل" میر عبد الجلیل دہلوی تخلص سے ظاہر ہے کہ کس مذاق کے انسان تھے۔ اس پر تماشا یہ کہ حضرت جعفر زٹل کے شاگرد تھے۔ ان کے کلام مین یہی ایک شعر تین چار تذکرون مین درج پایا جاتا ہے وہ شعر بہ ذیل "شانہ کشتی عروس مضامین زلف" صفحہ ۱۱ پر نقل کیا ہے ؎

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے — جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

---

۵۶ بار ہزار ملگرام کا ایک محلہ ہے۔ ۵۷ مطبوعہ مطبع منشی نول کشور صفحہ ۱۶

۵۸ ارمغان گوکل پرشاد ۱۲۹۵ھ مطبوعہ مطبع مطلع نور منشی بہاری لال واقع کانپور ۱۸۸۷ء (۱۲۹۹ھ) صفحہ ۷

میر عبد الجلیل بلگرامی کے اس قسم کے کلام کی نسبت میر غلام علی سرورؔ آزاد مین یقین دلاتے ہین کہ "بلا ریب زادۂ فکر ایشان ست"

شیفتہ اور اُن کے بعض متقدمین معاصرین یا متبعین نے میر عبد الجلیل کو دہلوی لکھا ہے اور سا وغیرہ دیگر تذکرہ نویسان متاخر نے انھین سے نقل کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ میر عبد الجلیل بلگرامی کے سوا اور کوئی صاحب شعرائے ظریف مزاج سے دہلی مین اس نام کے نہین گذرے ہین۔ اِن کا قیام بہ سلسلہ ملازمت و رسائی دربار شاہی و رسوخ و قدر افزائی اُمرائے عالی جاہ ایک مدت تک دار السلطنت مین رہا تھا اس لیے ممکن ہے کہ وہ بھی دہلوی کہلائے یا مان لئے گئے ہون لیکن اس مین بھی شک نہین کہ پرانے تذکرہ نگار اپنی تحریرات مین اتنی احتیاط نہین برتتے تھے جتنی کسی ذمہ دار لکھنے والے کو لازم تھی۔ وہ الفاظی و انشا پردازی، مبالغہ و ثنا خوانی مین اس درجہ محو و مستغرق ہو جاتے تھے کہ صحت روایت اور تحقیق و تنقید سے دُور پڑ جاتے تھے۔

میرے خیال مین میر صاحب کے معتقدین و ذلّہ ربایان کو اس بارہ مین کسی گریز یا معذرت کی ضرورت نہین ہے بعض مشاہیر شعرا و اہل علم مین بھی ہاجی و ہرزہ سرا گزرے ہین۔ اس مین ہندوستان[۵۹]

---

[۵۹] میر عبد الجلیل کے حقیقی خالہ زاد بھائی سید فرزند بلگرامی، عجیب تخلص کرتے تھے منقبت اہل بیت مین ان کا کلام مشہور ہے۔ اس سے کبھی فرصت پاتے یا کوئی صحبت سازگار ملجاتی، تو دل بہلانے کیلئے کچھ ہزل بھی کہہ ڈالتے تھے فارسی و ہندی آمیز اشعار زیادہ لکھتے۔ اُن کا ایک شعر یادگار رہیگا ؎ اندکے ابر گرز نہ بسمند ؛ شبلہ ہفت آسمان تپ جائے اتفاق وقت یہ کہ یہی مضمون صادق بھی آیا قضائے الٰہی نے کار فرمائی کی۔ احمد آباد گجرات مین ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۷ء) مین گھوڑے پر ایسے سوار ہوئے کہ گر دبھی نہ اُٹھی۔ پلٹ کر آنا و کنار بہتے بھی نہ چلا وعاقد قضی الزمن لابد واقع ایک اور صاحب، صاحب قران تخلص، میر امام علی نام، سادات رضویہ بلگرام سے نہایت فحش اور ہزل کہنے والے تھے ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۳ء) مین وفات پائی۔ ان کو ماندر صاحب نے اپنی تاریخ مین ہجو گو اور مسخرہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

Maunder's Biographical Treasury.

یا ابران[۵۹] کی تخصیص و قید نہین۔ اگر میر نے اپنی قوت سخن سنجی اور بذلہ گوئی کو خواہ عنفوان جوانی (جوانی کیا کہنا) کہ یادت بخیر!!) خواہ کہولت و پیرانہ سالی مین نمایان کیا ہو تو بھی اس سے اُن کی شان کمال پر حرف نہین آسکتا، وہ بالغ قلم جو اواخر عمر اور کہن سالگی مین "گاہ سازی ہزالان" کے عنوان سے اُن کے کارنامے بیان کرنے اور اُن کی گرم بازاری دکھانے کی قدرت رکھتا ہو، جو اُنکے ادائے کمال اور جوہر فن کی نسبت یہ کہہ رہا ہو کہ ؎

بہ نظم آرند در ہر صنع مہمل — بمفتاح طرب فصل مطول
مدار الدہر ترویج المباہی — مشار الشہر تشریح الملاہی

اُسکے لئے چند سادہ و عامیانہ اشعار کا موزون کر دینا کیا دشوار ہوگا۔ عرب کے مشہور شاعر و فلسفی جاحظ کا قول ہے کہ "مضمون بازاریون تک کو سوجھتے ہین جو کچھ فرق اور امتیاز ہے لطف ادا و بندش کا ہے"

میر صاحب کی تمام تصانیف اور تحریرات مین ایک فقرہ یا شعر بھی ہجو یہ نہین ملے گا۔ وہ اس سے نہایت احتیاط و اجتناب کرتے تھے۔ کسی کی بدگوئی یا کلمات رکیک و اہانت سے زبان قلم کو آشنا نہ کرتے۔

---

۵۹ ملا نور الدین محمد ترخان بلوری۔ قاسم کاہی۔ عبید زاکانی۔ خاقانی شروانی۔ ابو العلی گنجوی۔ رشید وطواط۔ شفائی اصفہانی۔ کس پایہ کے نامور حکیم و عالم، ناثر و ناظم گذرے ہیں۔ ان کے دیوانوں کا جائزہ لیا جائے تو جدت سے زیادہ ہزل کا پلہ بھاری ملے گا۔

ہندی شاعری

پورب خصوصاً اودھ کی رسیلی سرزمین کو اہلِ روایت طلسم زارِ الفت بتاتے اور اس کے سینہ پر عشق و محبت کے بڑے بڑے کارنامے منقوش پاتے ہیں اسی موسیقی نواز و جنوں آفریں مٹی سے میر عبدالجلیل کا خمیر تھا۔ حسن اتفاق سے جس دور اور جس طبقہ میں انھوں نے آنکھیں کھولی تھیں اُسکے روح رواں (۱) سید نظام الدین المتخلص بہ مدھنایک[۵۶۱] (۲) دیوان سید رحمت اللہ[۵۶۲] بزرگان بلگرام (۳) بلبھدر[۵۶۳] برہمن عمدۂ بلگرام (۴) چنتامن[۵۶۴] (۵) ہت رام[۵۶۵] (۶) بھوکن[۵۶۶] باشندگان کوڑا جہان آباد[۵۶۷] تھے جنکی ہندی شاعری اور بھاشا میں کمال کا شہرہ اطراف و نواحی میں پھیلا ہوا تھا اور جنکی صحبت سے میر نے فیض اُٹھایا تھا (۷) مُلا محمود جونپوری[۵۶۸] اور (۸) شیخ شاہ محمد فرملی[۵۶۹] بلگرامی کی ہندی میں نکتہ سنجی اور جنوں نوازی کی یاد تازہ و باقی تھی۔

---

۵۶۱ سنہ ۱۰۹۶ھ (سنہ ۱۶۸۵ء) میں وفات پائی۔ مدھنا چند کا نور مدھنا یک سنگار، دو کتابوں کے مصنف تھے سنسکرت و بھاشا بنارس میں پڑھی تھی۔ ہندی موسیقی کے علم نادو تال اور سنگیت میں یکتا تھے۔ مہارت عظیم حاصل تھی۔ اس فن کے محققین بھی ان کے شاگرد ہونے پر فخر اور ان کے کمال کے معترف ہیں۔ سندر نام ایک عورت پر عاشق ہوئے اور اُسی کے ہو رہے۔ نواب کمال الدین خاں رئیس شاہ آباد ان کا معتقد اور قدر شناس و خدمتگزار تھا۔ راگ میگھ میں ان کی کرامت زبان زد عوام و چشمدید خواص تھی۔

۵۶۲ جارج مُور بیسواڑہ کے حاکم تھے۔ خیر اندیش خاں عالمگیری اور عبدالصمد خاں اور دیگر اُمرا کے یہاں انکی بڑی عزت تھی۔ جاگیر و انعام رکھتے تھے۔ اہل فن و کمال کو بہت دیتے تھے۔ چنتامن صاحب کبت بچار سے انکا مناظرہ اور بالآخر اُس کا دیوان کے کمالات کا اعتراف کرنا صفحات تاریخ پر یادگار رہیگا۔ پورن رس انکا دیوان موجود ہے سنہ ۱۱۱۰ھ (سنہ ۱۷۰۶ء) میں رحلت فرمائی۔

۵۶۳ بلگرام کے رئیس اور صاحب کمال تھے۔ نورس سنگار، ایک کتاب شیخ الاسلام شیخ اڈھن بلگرامی کے نام پر لکھی اور اُس کا نام صوفی ست رکھا۔

۵۶۴ چنتامن یا چنتامنی، ایک قنوجی برہمن رتنا کر ترپاٹھی کا بیٹا، سنسکرت کا بڑا عالم اور ہندی

اسی خاک بلگرام سے شیخ عنایت اللہ کا پتلا بنا تھا جو اعجوبۂ زمانہ اور نادرۂ یگانہ تھے جملہ فنون السنۂ عربی و فارسی و ہندی میں انکو قدرتِ عظیم حاصل تھی۔ ایک شیخ ابوالوقت کے مرید و خلیفہ تھے تصفیۂ قلب و تزکیۂ باطن و تہذیب اخلاق انتہا تک پہونچا دی تھی۔ سنسکرت اور بھاشا اور موسیقی ہندی میں کمال رکھتے تھے باایں ہمہ زندگی کا کچھ عجیب و غریب طرز تھا۔ نہایت تڑکے صبح کو اُٹھتے اور کچھ دیر تک نغمات ہندی سے شغل کرتے۔ اُسکے بعد تہیۂ نماز فجر فرماتے تھے۔ لباس فاخرہ پہنکر اور اسلحہ بدن پر سجا کر متوجہ نماز ہو جاتے اور ارکان نماز بخضوع و خشوع تمام ادا کرتے

مبارک علی جن کے دوہے چھوٹی چھوٹی بحروں کے اب تک مشہور و زبان زد ہیں اسی بلگرام کے باشندے تھے۔ ۱۵۸۳ء میں اسی جگہ پیدا ہوئے تھے۔

میر عبدالجلیل کی فطری موزونی طبع جو عربی و فارسی میں کوس لمن الملکی بجا رہی تھی ہندی میں بھی جھنکنی

کا بڑا گوی (شاعر) تھا۔ شاہ شجاع بن شاہجہاں بادشاہ کی سرکار میں عزت و وقار سے بسر کرتا تھا۔ خود جہاں پناہ تک بھی رسائی تھی۔ اسکی متعدد تصانیف ہیں۔ ایک کبیت بچار ہے۔ فن عروض میں چھند بچار خوب لکھی ہے۔

سال ولادت ۱۶۱۳ء (۱۶۷۲ء بسبت) اور وفات ۱۷۱۵ء ہے۔

یہ ان چاروں بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ (جو حقیقی نہ تھے)

۵۶۵ مت رام اور بھوشن کی نسبت ماہرین فن لکھتے ہیں کہ اپنے بڑے بھائی چنتامنی اور چھوٹے بھائی نیل کنٹھ (جٹاشنکر) سے بھی زیادہ باکمال اور قادر الکلام تھے۔ مت رام ۱۶۸۲ء میں فوت ہوا۔

متی رام ابتداءً راجہ راؤ بھاؤ سنگھ (والی بوندی) کا درباری شاعر اور حاشیہ بوس بساط امارت تھا اس نے علم بدائع و معانی میں ایک کتاب لَلِت لَلام لکھکر راجہ کو پیش کی تھی۔ اس میں متی الوسع مثالیہ اشعار اپنے ہی طبعزاد درج کئے تھے اور زیادہ تر ایسے ہی اشعار تھے جن سے راجہ کی مدح و ثنا نکلتی تھی۔ اس کے تتبع و تقلید میں دیودت نے ۱۷۰۰ء میں لَلِت لَتا تحریر کی۔

بوندی سے تعلق قطع ہوا تو متی رام نے راجہ شمبھو ناتھ سلطانی سے توسل پیدا کیا۔ اس کی فرمائش سے کتاب چھند سار پنگل تصنیف کی جو فن عروض میں بڑی عزت و استناد کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ رس راج خالص عاشقانہ شاعری ہے اور اسکی بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ متی رام کی ست سئی بھی کافی شہرت رکھتی ہے۔

۵۶۶ بھوشن کو سنسار رزم و بزم دونوں کے بیان کرنے میں یکساں قدرت حاصل تھی۔ ہندوستان کے مختلف راجگان و رؤسا کے یہاں رہا تھا اسکی قدردانی خصوصیت کے ساتھ شیواجی مرہٹہ اور چھترسال راجہ (بوندیل کھنڈ) نے کی اُسنے

اور اپنا علم بلند کرنے لگی۔ دکھانے لگی کہ آہنگِ حجازی اور ترانۂ عراقی سے انکا نغمۂ ہندی دبکر نہیں رہ سکتا یعنی آفرینی و نازک خیالی میں سحر طرازان حجاز اور افسوں خوانان پارس سے جادو نوایان ہند کسی طرح کم نہیں ہوتے ان کا فن "نایکا بھید" انہیں کی ایجاد اور تنہا انہیں کا حصہ اور انکی زندہ کرامت ہے۔ میر عبدالجلیل سے جب فرمایش کی جاتی تھی یا خود انکا دل چاہتا تھا تو بھاشا میں بھی کہہ دیتے تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

شعر گر فضل من نہ پوشیدے — می شدم در فنِ سخن اقدم
گر بہ پرسی ز جامعیتِ من — میرِ خسرو دہد جواب نعم

بھی انکو اپنے فیض کلام سے غیر فانی بنا دیا اور بے مثل قصائد و محامد لکھے ہیں۔ شیو اجی کے کارنامے شیو راج بھوشن میں نظم کئے ہیں۔ شیو اباونی، چھتر سال و شک بھی بڑے پایہ کی نظمیں ہیں بھوشن کی زبان بھاشا ہے مگر عربی فارسی کے الفاظ بھی موقع محل سے آجاتے ہیں

مصنف ہندی نورتن کا بیان ہے کہ بھوشن کی پیدایش ۱۶۳۸ء میں ہوئی تھی۔ انتقال ۱۷۱۵ء (سمبت ۱۷۷۲) میں ہوا۔ بعض تذکرہ نویس سال ولادت ۱۶۱۳ء (سمبت ۱۶۷۰) لکھتے ہیں۔

۵۶۷ میر غلام علی بلگرامی، سرو آزاد (تذکرۂ دیوان سید رحمت اللہ) میں ان بھائیوں کا مسکن کوڑا جہان آباد لکھتے ہیں جو ضلع فتحپور میں ایک مشہور اور قدیم قصبہ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ باکمال تکمان پور یا تکوان پور کے رہنے والے تھے جو ضلع کانپور میں گھاٹم پور کے جنوب جمنا کنارے واقع ہے اور جو اس وقت شری دکرم پور کہلاتا تھا۔ ان دونوں مقامات کا فاصلہ چنداں زیادہ نہیں۔ ممکن ہے کہ اس وقت تکوان پور متعلق کوڑا جہان آباد کے رہا ہو یا باعتبار قرب و شہرت ایسا لکھا گیا ہو کیونکہ عہد اورنگ زیب میں گھاٹم پور متعلق حویلی و سرکار کوڑہ کے تھا۔

۵۶۸ ملا محمود۔ فاروقی شیخ تھے۔ علمائے اشراقیین اور حکمائے مشائین کی بہترین یادگار اور یگانۂ روزگار تھے۔ سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر تصنیفات شروع کر دیں۔ حکمت میں شمس بازغہ اور فن بلاغت میں فرائد تحریر کی تھی۔ مدۃ العمر کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے رجوع یا انکار کرنا پڑا ہو۔ جب کوئی سائل مسئلہ پوچھتا اگر دل حاضر ہوتا تو جواب دیدیتے تھے ورنہ کہدیتے کہ اس وقت خاطر متوجہ جواب نہیں۔ شاہجہاں کو رصد ہندی کی جانب راغب کیا تھا لیکن وزرا نے مہم بلخ کے درپیش ہونیکی وجہ سے اس تجویز کو مترک کرا دیا

اُس دَور کے بعض امرا کو بھی ہندی بھاکھا کی شاعری کے ساتھ التزام خاص تھا۔ میرزا فقیر اللہ مخاطب بہ سیف خاں بدخشی، صوبہ دار الہ آباد تھا۔ عہد عالمگیری میں صوبہ دار کشمیر بھی رہا تھا سہرند سے ایک منزل پر سیف آباد اُسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ سیف خاں جوہر قابل لکھتا تھا اور قابل دوست تھا فنِ موسیقی و رقص ہندی میں راگ درپن، فارسی زبان میں اُسکی تالیف ہے۔

امیر الامرا حسین علی خاں کے دربار میں میر عبد الجلیل جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عالم شاعر کے کبتوں کا تذکرہ ہونے لگا تو نواب صاحب سُنکر نہایت محظوظ ہوئے اور میر سے فرمایا کہ عالم کے کبت ہمارے لئے فراہم کرا دیجئے۔ ان کے زمانہ کے شعرا میں شعر و شاعری کا عموماً چرچا رہتا تھا خواہ کسی زبان کی ہو۔ ہر

کچھ روز بعد ظاہر ہوا کہ جس زمین پر ملا محمود نے رصد لگانا تجویز کیا تھا اسی جگہ کو حکمائے متقدمین میں سے کسی نے رصد کے لئے پسند و اختیار کیا تھا۔ امیر الامرا رشائستہ خاں اور شاہ شجاع انکے شاگرد تھے۔ فن نایکا بھید میں بھی انکا ایک مختصر رسالہ فارسی زبان میں ہے اور بہت مستند ہے۔ اس فن میں اہل ہند نے باعتبار ادا، و انداز، و درجات عمر، و مراتب الفت و بے الفتی وغیر ذالک معشوقہ کو کئی قسم میں تقسیم اور ہر ایک کے لئے ایک نام معین کیا ہے اور اُسی مناسبت سے ہر قسم کے اشعار آبدار نظم کئے ہیں۔ ملا کا رسالہ فارسی میں ہے اُنکو مثال کے لئے فارسی اشعار (جو کہ عموماً امارد کے حلیہ و شان میں ہوتے ہیں) عورتوں کے متعلق نہیں ملے اس لئے رسالہ مثالیہ اشعار سے خالی و معرّٰی رہ گیا۔ ملا نے ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۲ء) میں انتقال کیا۔

۵۶۹ شیخ شاہ محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں صاحب ثروت و اقتدار تھے۔ حصار و رپری چندوار کی حکومت سپرد تھی (رپری ایک محال یا پرگنہ صوبہ و سرکار رنتھنبور میں تھا۔ محال چندوار سرکار جانیانیر صوبہ گجرات میں تھا) شکار کو گئے تھے کہ کسی گانوں میں ایک صاحب جمال لڑکی کے تیر نگاہ کے شکار ہو گئے۔ وہ بھی بڑی شوخ اور حاضر جواب تھی۔ اُسکی ذہانت اور فی البدیہہ جوابات پر شیخ صاحب مفتوں ہو گئے اور اپنے گھوڑے پر سوار کر کے لے کر چلدیئے، گھر لاکر تربیت کی۔ نظم ہندی میں وہ شیخ سے بھی فائق اور سابق اور لطافت و ظرافت اور بدیہہ گوئی میں یکتائے دونوں کی نکتہ سنجی اور پر لطف گفتگو (بدیہیہ میں) دیکھکر ان کے قدرت کلام سے حیرت ہو جاتی ہے۔

۵۷۰ کبت یا سیکہ نظم کی ایک خاص صنعت ہے جسمیں دو مصرعے ہوتے ہیں زبان برج بھاکھا ہوتی ہے جو متھرا اور بندرابن اور گوالیار اور قرب و جوار میں بولی جاتی ہے۔

۵۷۱ عالم، اصل میں برہمن تھا جو کسی مسلمان رنگریزن پر جو خود بھی شاعرہ تھی عاشق ہو کر مسلمان ہو گیا تھا

ہر لکھے پڑھے خاندان میں کچھ نہ کچھ اس کا ذخیرہ ملجاتا تھا۔ میر عبدالجلیل اور ان کے قرابت داروں کے گھر بھی اس سے خالی نہ تھے۔ نواب صاحب کے لئے میر کو یہ سوغات اپنے وطن سے منگانا پڑتی ایک موقع پر میر سید محمد کو لکھتے ہیں کہ "ہر قدر کبت عالم و سکھ کہ ہر دو یکے اند بیش ہر بنس مصر و دواکر د پسران گھسیٹے و دیگر مردم بہم رسد بخط ہندی نویسانده یک جزء، دو جزء ہر چہ میسر آید زرد بفر ستند و در خط ہندی تحریف کم است و ہندی را کہ بفارسی نویسند در خواندن تحریف بسیار واقع می شود اما ہندی خوشخط باشد خطا رکیک نبود۔ دریں باب تاکید دانند"۔

یہ مصر و دا کر، ہر بنس برہمن کے بیٹے اور بلگرام کے معزز اور خوشحال لوگوں میں سے تھے۔ سنسکرت و بھاشا میں ان کی قابلیت و جامعیت مسلم اور مشہور تھی۔ میر عبدالجلیل نے ان کو بار بار لکھکر دہلی بلایا اور سید حسین علی خاں امیر الامرا کے یہاں ملازم کرا دیا تھا۔ یہ نواب کے ندیم و مصاحب خاص تھے۔ میر کے مرثیہ میں ایک دوہہ انھوں نے لکھا اور بیان واقعہ عالم پر آشکار کر دیا تھا ؎

نہ ہوا تھے اَو ہوئے گا ایسو کینن سوشیل　　جیسو احمد نند جگ ہوے گیو میر جلیل

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ جب اس دوہہ کے اعداد کا شمار کیا گیا تو بلا تخرجہ و تتمیہ تاریخ نکل آئی، خیال رہے کہ ۲۳۔ ربیع الآخر ۱۱۳۰ھ کو میر عبدالجلیل نے وفات پائی تھی۔

اور اس سے عقد کر لیا تھا۔ ایک لڑکا جان نامی اس دور مسرت و عیش کا یادگار تھا۔ عالم نے اپنی محبوبہ جنکو م کی وفات میں دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ اس کی نسبت ہندی شعرا لکھتے ہیں کہ "برہ میں ڈکسالی چھند" ہے۔ شاہزادہ عظیم شاہ کا ملتزم خدمت تھا اس کا کلام نہایت دلکش ہے۔

مسٹر بیل اور سر نیٹل بیاگرفی کل ڈکشنری میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے فن موسیقی میں فتح عالم نے مادھو اٹل، یا، ناہو نایک نام ایک کتاب لکھی تھی۔ یہ نام اس ماہر فن موسیقی سے منسوب ہے جس نے اس کو سب سے پہلے ہندی میں لکھا تھا۔

۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ء) میں انتقال کیا۔

۷۲ سرو آزاد میں "سکھ نکھ" ہر جگہ لکھا ہے۔ جو قوام فطرت انسانی اور ترکیب جسمانی کے لحاظ سے بالکل درست معلوم ہوتا ہے ممکن ہے کہ اس وقت سفر فا میں اسی طرح مستعمل ہو۔ مگر آج کل عموماً ترتیب الفاظ بالعکس "نکھ سکھ" بتائی جاتی ہے۔ جس سے ہندوستان کے عامۃ الناس "نکھ سے سکھ تک" اور خواص "نکھ سے سکھ تک" یعنی ناخن پا سے لیکر موئے سر تک مراد لیتے ہیں۔ "نکھ" لغۃً و عرفاً ناخن اور "سکھ" سر کی چوٹی کے بال کہلاتے ہیں۔

حال میں رسالہ زمانہ (کانپور) کے کسی مضمون نویس نے جہاں پدمادت کے تمام تراجم واشاعات کا ذکر کیا تھا، وہاں یہ بھی لکھا تھا کہ "حسین الدین غزنوی نے فارسی میں ۱۶۶۱ء (۱۰۷۲ھ) میں اورنگ زیب عالمگیر کے نام پر "حسن وعشق" لکھکر اپنا زور قلم دکھایا تھا۔ بعد ازاں ضیاء الدین عبرت دہلوی اور اُن کے استاد عشرت نے فارسی سے اُردو میں نقل کیا۔ پھر میر عبدالجلیل نے اسی پر طبع آزمائی کی اور اخیر میں کسی شخص ابراہیم نامی نے پشتو میں نقل کیا۔" میر عبدالجلیل کی طبع آزمائی کی نوعیت اُس مقالہ نگار نے نہیں لکھی ہے۔ میر فارسی اور ہندی دونوں میں قدرت تام رکھتے تھے۔ نظم ونثر دونوں اُن کے قلم کے سامنے سر جھکائے ہوئی تھیں۔ لیکن اس سوال سے قطع نظر کرکے یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ میر عبدالجلیل کے تمام علمی کارناموں کا بیان میر غلام علی آزاد وغیرہ اُن کے خاص اعزہ نے جہاں کیا ہے وہاں اُنکی پدمادت کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ تذکرۂ یدبیضا میر کی رحلت کے بعد قریب تر زمانہ میں لکھا گیا تھا اُسکی تالیف کا مقصد اصلی محض میر کے نام کا احیاء اور اُنکی علمی وادبی خدمات کا ابقاء تھا۔ قرین قیاس نہیں ہے کہ آزاد کو ترجمہ پدمادت کا علم نہو۔ صاحب ابیست آوری بمافیہ۔ اور اگر تھا تو تذکرہ سے کیوں متروک ہوگیا۔ معہذا کسی اور معاصر یا قریب العہد مورخ نے بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ دو سو برس کے بعد اگر کوئی اہل قلم اس واقعہ کو لکھتا ہے تو اُس کو اپنے ذرائع علم اور اُن کے اسناد کا حوالہ دینا چاہیے۔

میر کی منظومات میں سے "سکھ نکھ" بھیر دیں کے وزن میں ہے۔ اس گلدستہ کے چند پھول پیش کئے جاتے ہیں۔

अलह नाम पोथी पर लिख एहिं भाय ।	الہ نام پوتھی پر لکھ اینھ بھائی
ज्यों जड़ाय को टीको भाल सुहाय ॥	جیوں جڑائی کو ٹیکو بھال سُھائی

مجاز اً حلیہ یا وہ کلام جس میں محبوب کے جملہ اعضا وجوارح کی ناخن پا سے لیکر موئے سر تک مختلف تشبیہات وتلمیحات کے ساتھ تعریف کی جائے۔

اسی کو فارسی زبان میں "سراپا" کہتے ہیں یعنی تکلم وکمال کیونکہ اس میں تمام اندامہائے معشوق کا اول سے آخر تک وصف بیان کیا جاتا ہے۔

اللہ کا نام کتاب پر اس غرض سے لکھا جاتا ہے جیسے خوبصورت عورت کی جبین پر جڑاؤ ٹیکا زیب دیتا ہے۔

केस पास की फाँसी फाँसो लोग । कیس پاس کی پھانسی پھانسو لوگ
एक स्याम तुम ऊपर अलक सँजोग ॥ ایک شیام تم اوپر الک سنجوگ

زلف کے دام میں لوگ پھنستے ہیں۔ ایک تم سانولے ہو، اوپر سے زلفیں کالی ہیں۔

कुञ्जारी घूँघट के पातें जात । کنجواری گھونگھٹ کی باتیں جات
सुमन बास बिन छाहीं नहीं सुहात ॥ سُمن باس بن چھائیں نہیں سُہات

نقاب ڈال کر باغ میں اس لئے جاتے ہیں کہ بغیر سایہ کے خوشبو کا لطف نہیں ہوتا۔

बाकपोल निर्मल तें दर्पन हार । واکپول نرمل تین درپن ہار
परत अंत कुठेहु के मुख पर छार ॥ پرت انت جھوٹھے کے مکھ پر چار

اس کے عارضِ شفاف سے آئینہ ہار مان گیا۔ جھوٹے کے منہ پر آخر خاک ڈال جاتی ہے۔

तातिल देखि तरैयन बाढ़त जोत । واتل دیکھ ترین باڈھت جوت
दंत चीकनो देखे कुलसत कोत ॥ دنت چکنوں دیکھ کُلست کوت

اس کے خال کے دیکھنے سے تیروں کی روشنی افزوں ہوتی ہے (ہندوؤں میں رواج ہے کہ بزرگوں کی روح کو آرام دینے کی غرض سے تل اور پانی دیتے ہیں) اور دانتوں کی چمک سے کوت یعنی ستیں کھل جاتی ہیں۔

नखन झलक मेंहदी संगयो छत दीन । نکھن جھلک مہندی سنگ یوں چھت دین
चुनीलाल तर जैसे ढाक नवीन ॥ چُنین لال تر جیسین ڈاک نوین

ناخنوں پر مہندی کا رنگ یوں کھل رہا ہے۔ گویا سرخ یاقوت کے نیچے ڈاک لگی ہے۔

भाव नाभि के तल को कहो न जात । بھاو نابھ کے تل کو کھو نجات
कँवल कली लौं मुदी भली यह बात ॥ کنول کلی لو موندی بھلی یہ بات

ناف کے مقام کا حال بیان میں نہیں ہو سکتا گویا کملوں (نیلوفر) کی کلی بند ہو گئی ہے

बेनी पीठ दोऊ मिल गती जो कीन । بینی پیٹھ دوؤ مل متوجہ کین
लांबी चकली बातन मन हरि लीन ॥ لانبی چکلی باتن من ہر لین

معشوق کی چوٹی اور اسکی پشت نے متفق ہو کر لمبی چوڑی باتوں سے دل لے لیا (پیٹھ چوڑی اور چوٹی لمبی)

जुगुल जंघ सों यो मन अटको जाय । جگل جنگھ سو یو من اٹکو جائے
अंत बाँधियत गहने कहीं न छाय ॥ انت باندھیت گہنے کہیں نہ لائے

دونوں ساقوں میں میرا دل اٹک گیا (مصرعۂ ثانی کو بعض سخن فہم مہمل بتاتے ہیں۔ کم از کم صحیح پڑھا نہیں جاتا اور نہ کوئی معنی سمجھ میں آتے ہیں)

कँवल साँझ मूँदत नहि कोख सिकोर । کنول سانجھ موندت نہیں کوش سکور
वाचरनन को वन्दत अञ्जलि जोर ॥ واچرنن کو بندت انجلی جور

کنول شام کو اپنا جسم سکوڑ کر بند نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر اسکے قدموں کی پرستش کرتا ہے

फुलवारी जग में सबै साँवत लै लै बास । پھلواری جگ میں سبے سیمت لی لی باس
सूखे रूख पलास को रितु बसंत की आस ॥ سوکھے رکھ پلاس کو رت بسنت کی آس

لوگ خوشبو لیکر باغ کی آبپاشی کرتے ہیں خشک ڈھاک کو صرف موسم بہار کی امید رہتی ہے

रजनी सजनी पीय सँग पावन रूप बिहात । رجنی سجنی پیہ سنگ پاون روپ بہات
अब मीतम बिछुरे भई पाँव पके की भाँत ॥ اب پریتم بچھڑے بھی پاون پکے کی بھانت

یار کے ساتھ رات جلد گذر جاتی ہے ہجر میں وہی رات کاٹے نہیں کٹتی

तो नासा की डाह की कीर लगी जिय काँच । تو ناسا کی ڈاہ کی کیر لگی جیہ کانچ
माहुर खूँटो नित करै कहे देत है जाँच ॥ ماہر کھونٹو نت کرے کہے دیت ہے جانچ

تیری ناک کے حسد سے طوطا زخمی ہو گیا ہے اسکی چونچ صاف ظاہر کر رہی ہے کہ وہ ہمیشہ زہر گھونٹا کرتا ہے

प्यारी तेरे चरन के कहू कहाँ लौ भेद । पیاری تیرے چرن کے کہوں کہاں لو بھید
छिन बिछुरत जाके परे झावाँ छाती छेद ॥ چھین بچھرت جاکے پرے جھاواں چھاتی چھید

تمہارے پاؤں کا کیا بیان کروں جس کی ایک لمحہ کی جدائی سے جھانواں کے سینہ میں چھید ہو جاتے ہیں (جھانواں جس سے پاؤں صاف کیا جاتا ہے)

یہ اشعار سر و آزاد سے لئے گئے ہیں۔ اِن کے فارسی جامہ کو ہٹا کر بھاشا کے اصلی قالب میں دکھانیکے لئے مجھے دشواری اُٹھانا پڑی ہے جن ماہرین نے مدد فرمائی اُنکا منت گزار ہوں میر غلام علی نے کچھ ایسے شعر بھی نقل کئے ہیں جو نستعلیق خط میں ہونیکی وجہ سے صحیح نہیں پڑھے جاتے اور وزن و معنی سے بیگانہ نظر آتے ہیں مثلاً

لکھو کپوت واکریواں اٹھ ابھرام ہوئی اتیت کرڈاری سیری سیام
سنگھ ناتھ جبو موری دہوں کیا کھوئی کری لاک جہاں بچھر یوہت تہاں ہوئی

کم نصیب محرر سطور سے جو ایسے لطیف فن سے بھی بے بہرہ ہے قدیم بھاشا کے متعدد قدر شناس حضرات نے میر جلیل کی ہندی شاعری کی تحسین و ستایش کی ہے۔ اہل ذوق کی زبان پر انکا کلام ابتک باقی ہے اسکی قبولیت عام کی شہادت یہ کیا کم ہے کہ صوبہ متوسط میں جسکو ہندی بھاشا کے ادب و شعر کا گہوارہ کہنا چاہئے کسی وقت اسکے بعض اجزاء مدارس سرکاری کی نصاب میں داخل تھے (پاٹھ پستک چوتھی مؤلفہ مسٹر ہری گوپال پادھیا بی۔ اے۔ جو ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۰ء تک جاری رہی) شیو سنگھ سروے وغیرہ بعض مطبوعہ کتابوں میں بھی اسکے منتخبات موجود ہیں اُس دور کے لحاظ سے انکا معیار بہت بلند پایا جاتا اور انہیں حق شناسی و خدا پرستی کا حقیقی جلوہ دکھایا جاتا

میر جلیل کی کویتا - بروے چھند

मीर जलील की कविता—बरवै छन्द

सुरति आय गई तुम्हरी अस जिय जान ।
स्वामि मोर बड़ समरथ जिय हरखान ॥
सबहिं अलँगतें मन हठि तुमरी ओर ।
अरज करहिं सुन लीजहि तनि करि कोर ॥ १ ॥
तनिक दया के चितये मोर बचाउ ।
जल ऊपर चींटी को तिनुकइ नाउ ॥
बिलगराम कर बासी मीर जलील ।
तुम्हरी सरण गहि गाढ़े से निबिसील ॥ २ ॥

صورت آئے گئی تمھری اس جے جان
سوامی مور بڑ سمرت جیے ہر کہان
سبھینہ النگ تیں من ہٹ تمھری اور
ارج کری سُن لیجئے تن کر کور ۱
تنک دیا کے چیتیے مور بچاؤ
جل اوپر چیٹی کو تنکئی ناؤ
بلگرام کر باسی میر جلیل
تمھری شرن گہ گاڑھے سے نہ شیل ۲

ظرافت و حاضر جوابی

میر عبدالجلیل سے کسی بے تکلف ہندو دوست نے کہا "آپ صاحبوں کا قول ہے کہ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۝ (تر و خشک کتاب واضح میں لکھے ہوئے ہیں۔ جزء ۷ سورۃ الانعام ع ۷ ۔ ۱۳) بھلا یہ تو فرمائیے کہ اس میں کَانَ کا بھی کچھ ذکر ہے؟" [کَانَ بفتح آخر۔ ہنود کے ایک بڑے اوتار اور معظم مقتدا کا نام ہے] میر صاحب نے فرمایا کہ "ہاں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ۝ [اور نافرمان بن بیٹھا۔ جزء اول سورۂ بقرہ۔ ع ۴ ۔ ۷]

سبحۃ المرجان میں میر غلام علی آزاد نے اس واقعہ کو صنعت ابو قلمون کے ذیل میں تحریر کیا ہے

بندۂ راقم کو اندیشہ ہے کہ اس زمانہ (بیسویں صدی مسیحی) کی رفتار اور انسانی طبائع کی افتاد دیکھ کر یہ سوال و جواب ناشایستہ اور قابل اعتراض نہ سمجھا جائے۔ اس لیے یہ نظر انداز نہ کیجیے گا کہ آج سے ڈھائی سو برس پہلے اہل ہند کا سچا اخلاق، باہمی ارتباط و اختلاط اس ڈھنگ کا نہ تھا۔ اُس وقت کے ہندو اور مسلمان کسی متعصبانہ رنگ میں رنگے ہوئے نہ تھے۔ نہ ایک دوسرے پر مذہبی طعن یا چوٹیں کرتے تھے۔ یہ اُن کے غایت خلوص اور بے تکلفی کا تقاضا تھا کہ جو کچھ زبان پر آجاتا تھا اُسکو سادگی سے کہڈالتے تھے۔ دونوں میں سے کوئی برا نہیں مانتا تھا اور نہ بدنیتی و بدمذاقی پر محمول کرتا تھا۔

مجھے اپنے بارے میں کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔ میری حیثیت محض جامع احوال و اقوال کی ہے مستند کتابوں میں میر عبدالجلیل بلگرامی کی زندگی کے کسی پہلو کے متعلق کوئی بھی واقعہ اچھا یا برا جو کچھ نظر پڑجاتا ہے اُسکو نقل کردیتا ہوں۔ میں اپنی خدمت کی بجا آوری پر مامور اور اسلئے مجبور ہوں۔ قارئین معظم مجاز ہیں کہ میر عبدالجلیل اور اُن کے ہندو دوست کی نسبت جو رائے چاہیں قائم فرمائیں۔

معاصرین اُنکی رائیں اور دلچسپ صحبتیں

نامی گرامی کی علمی مجلسوں کی روید ادبیان کرنے کی اس مختصر تذکرہ میں گنجائش نہیں۔ وہاں علم بھی تھا فضل بھی، فقر بھی، اہل علم بھی تھے، صاحبان عمل بھی۔ میر عبدالجلیل کی بے تکلفانہ نشست و برخاست اور ہر وقت کا ساتھ انھیں ارباب مکرمت و شفقت سے تھا۔ وہاں کی بزم سخن میں شمع کمال پر ہر طرف سے پروانے تصدق و نثار ہوتے رہتے تھے۔ جہت و صنعت کی کوئی قید نہ تھی فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (ہم نے اُن میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی۔ جزء ۳۔ سورۃ البقرۃ ع۔ ۱۔ ۳۴) میرا ایمان ہے لیکن میر سید مبارک محدث، میر طفیل محمد، سید اولیس، میر نعمت اللہ سجادہ نشین شاہ طیب، اُن کے صاحبزادے شاہ یٰسین (حفید مخدوم محمد رکن الدین خیرآبادی)، سید عبدالنبی (خلیفہ میر سید محمد کالپوی)، مولوی سید مرتضیٰ، میر سید لطف اللہ المعروف بہ شاہ لدھا، میر عظمت اللہ بیخبر، سید نور اللہ، سید محمدی (معتقد علیہ شاہ عالم بادشاہ) اولیائے کامل میں سے کس کو ایک دوسرے پر ترجیح دی جائے۔ اس لئے ان عزیزان یگانہ کو چھوڑ کر ع بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن، کے مقولہ پر اعتماد کر کے دوسرے رخ یعنی اغیار و بیگانہ کی طرف توجہ کروں گا ع

وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ أَعْدَاءُ

(۱) سراج الدین علی خاں آرزو[۵۳] اکبرآبادی۔ جب ۱۱۳۲ھ (۱۷۲۰ء) میں گوالیار سے دہلی آئے تو اُنکے اخراجات کے لئے سرکار بادشاہی اور دیگر امرا کے یہاں سے ماہوار مقرر ہو گئے۔ اُس وقت

---

[۵۳] بڑے نامور شاعر اور صاحب کمال اُس صدی میں گذرے ہیں۔ ایک تذکرہ شعرائے فارسی و ہندوستانی و دکنی کا مجمع النفائس نام نہایت مکمل و مستند اور عمدہ انتخابات کلام کے ساتھ ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ء) میں لکھا تھا۔ اس میں آزاد کو نہایت خلوص و خوبی سے دو جگہ یاد کیا ہے۔ خان آرزو اکبرآباد میں ۱۱۰۱ھ (۱۶۸۹ء) میں متولد ہوئے تھے۔ ۲۳۔ ربیع الثانی ۱۱۶۹ھ (۲۶۔ جنوری ۱۷۵۶ء) کو لکھنؤ میں وفات پائی۔ خان آرزو کی ملاقات شیخ

سے لیکر میر عبدالجلیل کی وفات ۱۱۳۸ھ (۱۷۲۵ء) تک دونوں کی بڑی پر لطف صحبت رہی دونوں ایک دوسرے کے کمال و کلام کی داد دیتے تھے۔ پھر آرزو اودھ چلے گئے۔ وہاں میر عبدالجلیل کے نواسے میر محمد یوسف بلگرامی سے تین بار ملاقات ہوئی۔ میر صاحب کے علاوہ شناسائی سے وہ دہلی میں بھی دربار آرزو سے مل چکے تھے۔ آرزو فیض آباد میں اُن سے بڑی محبت و تکریم سے پیش آئے اور اپنے یہاں مہمان رکھا۔ میر غلام علی آزاد لکھتے ہیں کہ "سرو آزاد لکھتے وقت آرزو سے میں نے اُنکا تذکرہ منگایا تو اُنھوں نے کمال اخلاق سے وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا پر عمل فرماکر اپنے احوال و اشعار لکھ بھیجے۔ اور یہ بھی اضافہ کیا کہ "فقیر بخدمت میر عبدالجلیل مرحوم بلگرامی مکرر مستفید شدہ و صحبت شعر اتفاق افتاد۔ حالا بادۂ ارتباط دو آتشہ شد و گل دوستی رعنا گشت"

(۲) خواجہ عبدالباسط دہلوی سے "کتاب ربیع الابرار" منگانے اور خواجہ صاحب کی مکرمت کا ذکر "حسن طلب" کے عنوان سے ہو چکا ہے۔

(۳) سید علی معصوم مدنی مصنف "انوار الربیع فی انواع البدیع" سے اورنگ آباد دکن میں ملاقات کا اتفاق ہوا تھا۔ اُن کا قول تھا واللہ ما رأیت ھذا السید بالھند نظیرا لما لقاہ

علی خریں سے دہلی میں ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۵ء) میں ہوئی تھی۔ شیخ تازہ دار تھے۔ خان نے اُنکی غلطیاں پکڑیں اور "تنبیہ الغافلین" لکھ ڈالی۔ اسکے سوا بہت غلطی۔ عطیہ کبریٰ۔ سراج اللغات۔ چراغ ہدایت۔ غرائب اللغات وغیرہ بہت سی مستند و محققانہ کتابیں لکھی ہیں۔

۵۲ جزء خامس۔ سورۃ النساء ع ۱۱۔ "اور جب دعا دے جاؤ تم دعا کے ساتھ تو دعا دو اُس سے بہتر کے ساتھ" اس آیت کے ذیل میں افادہ و افاضہ عام کے لئے ایک بات قابل تحریر ہے کہ امام بخاری ادب المفرد میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد ہے کہ ہر شخص کے سلام کا جواب اسی طرح دینا چاہیے جس طرح وہ تم کو سلام کرتا ہے خواہ وہ شخص یہودی ہو یا عیسائی یا آتش پرست۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْ رُدُّوْھَا یعنی جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو اُس سے زیادہ اچھے طور پر جواب دو اور نہ برابر کے طور پر تو فرض دینا چاہیے حضرت عبداللہ کا دوسرا قول اسی ذریعہ سے منقول ہے لو قال لی فرعون بارک اللہ فیک۔ قلت وفیک اگر مجھکو فرعون بھی کہے کہ خدا تجھکو برکت دے تو میں بھی یہی کہوں گا کہ تجھکو بھی (خدا برکت دے)

فی خمائل الادب غصنا نضیرا۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا تھا کہ "من در تمام عمر خود جامع غرائب علوم مثل میر عبدالجلیل نہ دیدم"۔

(۴) مرزا محمد علی خاں متین کشمیری نے بھی اپنے تذکرہ حیات الشعرا[۵۷۵] میں میر عبدالجلیل کا ذکر کیا ہے۔ اسوقت ان کا تخلص "میر جلیل" تھا۔

متین نے ایک روایت میر عبدالجلیل کی طرف منسوب کرکے لکھی ہے جسکی میر غلام علی آزاد خزانہ عامرہ میں تغلیط کرتے اور لکھتے ہیں کہ میر محمد زماں راسخ (پدر میر معصوم وحیدان تخلص مخاطب بہ عالی نسب خاں) نے یہ شعر کہا تھا ؎

دلبرے یافتم و گوشۂ خلوت رفتم ۔۔۔ ریختم شمع بہ اندازۂ کاشانۂ خویش

اسپر بعض طباع شعرا نے ایراد کیا۔ میر راسخ آزردہ ہوکر محمد اعظم شاہ کے لشکر سے چلے آئے اور بالآخر بھی شعر انکی نوکری اور ہفت صدی منصب چھوڑنے کا باعث ہوا۔ آزاد نے یہ واقعہ شاہ عبدالحکیم حاکم لاہوری سے سنا تھا اور شاہ صاحب نے آقا رضائی المتخلص بہ مشہور لاہوری کی زبان سے

(۵) میر محمد مراد متخلص بہ لائق جونپوری عنفوان جوانی میں مرزا صائب[۵۷۶] کی ملاقات کے شوق میں

---

۵۷۵ اس تذکرہ میں خلد منزل بہادر شاہ کے عہد سے لیکر فردوس آرامگاہ محمد شاہ کے زمانہ تک کے شعرا کے حالات ہیں۔

۵۷۶ مرزا محمد علی صائب تبریزی کے باپ عباس آباد اصفہان کے راہ اکرو سلتے۔ مرزا نے اصفہان میں نشو و نما پائی تھی۔ حرمین محترمین و دیگر مقامات متبرکہ کی زیارت کرکے وطن واپس چلے آئے تھے۔ بڑے درویش اور عالی منش انسان کامل تھے۔ باوجود سنی مذہب ہونے کے اہل ایران میں مقبول و عزیز رہے۔ کمال احترام و وقار سے بسر کی۔

جہانگیر کے آخر عہد مگر اپنے شباب میں تاجرانہ ہندوستان آئے۔ ظفر خاں ناظم کابل سے بڑے مراسم ہوگئے۔ جو خود ایسے کبیر تھا۔ شاہجہاں کے زمانہ میں وہ ہندوستان آیا تو مرزا کو ساتھ لایا۔ مرزا کے پدر گرامی قدر بھی ان کو وطن ایسے لے چلنے کے لئے ہندوستان آئے۔ یہاں پوہیں ہجراں کیش یعقوب کی آنکھوں نے دور افتادہ یوسف کے دیدار سے روشنی پائی۔ تاہم کچھ تو ظفر خاں کے خلوص دار تباط اور کچھ شوق گلگشت کشمیر نے مجبور کیا۔ کشمیر سے مرزا کو اصفہان جانے کی اجازت ملی۔ بادشاہ ایران شاہ عباس صفوی نے قدر دانی کی ملک الشعرا بنایا۔ ہندوستان کی یاد وطن میں بھی باقی رہی جن امرا سے یہاں رسم و راہ ہوگئی تھی ان سے سلسلۂ رسل و رسائل قائم رکھا اور جو کچھ مقدور تھا

ہندوستان سے اصفہان کو پیادہ گئے۔ ایک زمانہ تک اُنکی خدمت میں رہے اور خوب مستفید ہو کر آئے تھے۔ اس خیال سے کہ لائق نے محض اُن سے ملنے کے لئے اسقدر تکلیف و تعب سفر برداشت کیا تھا مرزا صاحب بھی بڑی مدارات و دلجوئی سے پیش آئے۔ اپنی مجلس میں جگہ دی تھی۔ اُن کے اشعار کو بھی بہت پسند کرتے اور تحسین فرماتے۔ میر مراد اورنگ زیب عالمگیر کی پیشگاہ سے مدت تک دارالسلطنت لاہور کی سوانح نگاری پر سرفراز رہے تھے۔ میر عبدالجلیل سے بیحد ربط و رسم رکھتے تھے۔ انہیں کے اشارہ سے اپنا خمسہ نظم کیا تھا۔ مخزن اسرار کے مقابلہ میں جو مثنوی لکھی ہے اُسکے خاتمہ میں میر صاحب کا اور اُنکی تکلیف دہی کا ذکر کرتے اور ان الفاظ و اشعار میں اُنکی ستایش فرماتے ہیں ؎

راقم این نامۂ معنی سواد — محو سخن بندہ محمد مراد
بود شبے انجمن آرائے فکر — داشت سرے گرم ز سودائے فکر
یافتہ از قید تعلق خلاص — خامہ بکف منتظر فیض خاص
چہرہ طراز گل افسانۂ — دام نہ معنیٔ بیگانۂ
پنجۂ اندیشۂ اعجاز فن — شانہ کش زلف بتان سخن
قطرۂ از ابر سخن ریختے — موج گہر از دلم انگیختے
خستہ دلم در ہوس مرہمے — جان گرو آرزوئے ہمدمے
از درم القصہ در آمد در مل — اہل سخن را بہ سخن رہنمول
نشۂ سرجوش خمستان ہوش — از پئے تحقیق سخن چشم و گوش

نقد و جنس نذر و نیاز ہو نجتی رہی۔

غزلیں بالکل نئے طرز کی لکھتے تھے۔ کلام میں اخلاقی رنگ غالب تھا۔ تشبیہات کے بادشاہ تھے۔ مرزا شاعری کے ایک جداگانہ طریقہ کے موجد مانے اور بتائے جاتے ہیں۔ اساتذۂ فن سخن میں انکا شمار (نمبر) چوتھا ہے۔

ان کا دیوان اسی ہزار شعر کا ہے اور ہر صنف کلام پر مشتمل ہے۔

سنہ ۱۰۸۰ھ (سنہ ۱۶۶۹ء) میں وفات پائی اصفہان مدفن ہے۔

صورت از گشتہ بمعنی دلیل — سید علامۂ عبد الجلیل

کردہ بموزونیٔ طبع سلیم — طالب خویشم چو کلام کلیم

می دہد از لفظ بمعنی پیام — زود تر از نکہتِ گل با مشام

می برد از طرز بمطلب سراغ — گرم تر از نشۂ مے با دماغ

دیدہ کہ فکرِ سخنم پیشہ است — دل گرد صورت اندیشہ است

گفت سخن سادہ و پُر کار بہ — ناب کش سبحۂ و زنّار بہ

پس بود از بہر سخنور گوا — معنیِ بیگانۂ لفظ آشنا

گفتن او فکر مرا تازہ کرد — روے سخن را بہ نفس غازہ کرد

شد ز پری خانۂ دل جلوہ گر — خیل معانی ز پے یک دگر

جرعہ کش بزم اُویسی شدم — پنجۂ در خمسہ نویسی شدم

خامہ بہ تحریر گرد ساختم — نقش دلآویز بہ پرداختم

از مددِ باطنیٔ گنجوی — طرز سخن یافت ز فکرم نوی

لالہ ایک موقع پر میر عبد الجلیل سے فرماتے تھے کہ ایک روز مرزا صائب کی خدمت میں حاضر تھا فرمانے لگے کہ "اب میری عمر شصت سال کی ہوئی تو قدرے چاشنیٔ سخن پیدا ہوئی ہے لیکن بے سود۔ کوچ کا وقت آچکا۔" مرزا کے علو حوصلہ اور مراتب کمال کے بارہ میں لائق بہت سی باتیں نقل کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ میں نے مرزا صائب کو شعر کہتے وقت کبھی تامل و غور کرتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ ایک روز مرزا اپنے چمن کی روشوں پر متفکرانہ ٹہل رہے تھے۔ میں نے التماس کیا کہ آج تو چہرۂ انور سے کچھ تفکر ظاہر ہو رہا ہے۔ مرزا نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اسوقت فردوسی کا یہ شعر یاد آگیا تھا ؎

بفرمود تا رخش را زیں کنند — دم اندر دم نائے زریں کنند

شفائی نے اس کے جواب میں کہا ہے ؎

بفرمود تا زیں برابرش نہند — چہ زیں، ہیمہ بالائے آتش نہند

دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس پر طبع آزمائی کروں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اسکی فکر میرے ذمہ چھوڑ دیں۔ مرزا نے براہ مہربانی منظور کیا۔ میں نے تمام شب غور کیا۔ ایک شعر موزوں ہو گیا۔ صبح کو حاضر ہو کر عرض کیا۔ مرزا صاحب نے بہت تحسین و آفریں فرمائی ؎

بفرمود تا زیں برادہم نہند　　بہ پشتِ صبا مسندِ جم نہند

(۶) ناظم خاں فارغانی تمی نے میر کی مدح میں کہا ہے ؎

چو توئے کجاست شاہے بہ قلم و معانی　　بہ تو ہیچ کس نہ ماند تو بہ ہیچ کس نہ مانی

(۷) شیخ ناصر علی سرہندی سے میر صاحب کی ملاقات اورنگ آباد دکن میں ہوئی تھی۔ میر صاحب خود آزاد سے کہتے تھے کہ "خوب پر لطف صحبت رہی۔ اور لوگوں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔ اول وقت سے آدھی رات تک برابر جلسہ قائم رہا۔ ناصر علی نے اُس زمانہ میں ایک قصیدہ لامیہ تازہ تازہ کہا تھا تشبیب موسم گرما کی توصیف میں تھی اور گریز نعت سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا پر۔ مطلع یہ تھا ؎

گداخت بسکہ ہوائے تموز مغز خیال　　شرر ز سنگ بر آید بصورت تمثال

سارا قصیدہ پڑھکر سنایا اور پوچھا "کوئی شعر پسند آیا؟" میں نے کہا کہ "تمام قصیدہ خوب ہے" پھر کہا اور بہ جد کہا کہ "اگر کوئی شعر پسند آگیا ہو تو نشان دیجیے" میں نے کہا کہ "ایک شعر!" اس کلمہ کو سنکر شیخ کے چہرے پر تغیر ظاہر ہونے لگا مینے دیکھ لیا۔ کہا کہ "سب جواہر ریزے ہیں اور جنسیت و جوہریت کی مرتبہ میں سب مساوی۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کسی ایک کی آبداری دوسروں سے ممتاز ہو جاتی ہے" یہ بات سنکر اُنکا رنگ اصلی حال پر آگیا اور پوچھا کہ آخر کون سا شعر اچھا معلوم ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ ؎

ز بسکہ نم بہ زمیں نارسیدہ می سوزد　　چو شمع بر سر شاخ است ریشہائے نہال

ناصر علی نے تحسین کی اور تسلیم کیا کہ "فی الواقع میں بھی اسی شعر کو اور سب شعروں سے ممتاز سمجھتا ہوں" میر عبد الجلیل یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے ناصر علی کے دو شعروں میں "دخل" دیا تھا ایک شعر آزاد کو یاد نہیں رہا۔ دوسرا یہ شعر ہے، جو عالمگیر کی مدحیہ مثنوی میں کہا تھا ؎

محی الدین محمد زیب اورنگ　　فضائے شش جہت بر شوخیش تنگ

میر عبدالجلیل کا اعتراض تھا کہ بادشاہ کا لقب محی الدین ہے۔ باب افعال سے یا پر تشدید نہیں ہے۔ ناصر علی نے اعتراف کیا۔

اسی مثنوی میں ایک جگہ گھوڑے کی تعریف میں لکھا تھا ؎

بفکر لامکان سیرش ہم آہنگ　　فضائے نہ فلک بر شوخیش تنگ

میر صاحب نے فرمایا کہ بادشاہ کی اور اُسکے گھوڑے کی تعریف ایک پرواز پر واقع ہوئی ہے اور بادشاہ کی نسبت شوخی ملائمت نہیں رکھتی۔ ناصر علی نے اس شعر کو نکال ڈالا۔ اکثر نسخوں میں یہ شعر پایا نہیں جاتا ہے۔ ایک قدیم نسخہ میں البتہ بعینہ باقی رہ گیا ہے۔ بعض نسخوں میں مصرع یوں بدلدیا ہے ؎

شہنشاہِ جہان ہوش و فرہنگ　　محیِ الدین محمد زیب اورنگ

خیال رہے کہ ناصر علی بڑی شہرت و شان اور قدرت و کمال کا شاعر گذرا ہے جو اپنے خیال میں صائب کو بھی کچھ نہ سمجھتا اور اکثر اشعار میں اُسکے ساتھ معارضہ کا داعیہ رکھتا تھا اُسکے ہمعصر بھی اُسکے کمال کو مانتے اور قدر کرتے تھے۔ محمد افضل سرخوش اس کی نسبت کلمات الشعرا میں لکھتا ہے ؎

در ملکِ سخن بود جہانگیر علی　　در مشربِ دل ولی علی، پیر علی
با شعر علی نمی رسد شعر کسے　　زانساں کہ خطِ کس بہ خطِ میر علی

(۸) مرزا[۵۷۷] خاضع، جو مرزا صائب کی صحبت سے مستفیض ہو چکے تھے، میر عبدالجلیل سے بڑی قدر و عزت سے ملتے تھے۔ دونوں کی صحبتیں شاعرانہ نکات اور روایات کی بہترین یادگار تھیں۔ خاضع کہتے ہیں کہ یہ دو مصرعے مدت سے میرے گوش زد ہو رہے تھے (۱) از شیشۂ بے مے، می بے شیشہ طلب کن،

[۵۷۷] اہل لغت کی تحقیق یہ ہے کہ میرزا ایسے حروف کے ساتھ پیشتر شاہزادوں کے القاب کے لئے مخصوص تھا۔ کچھ زمانہ سے عام طور پر سردار زادگان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ایران میں اس کا اطلاق سادات پر ہوتا ہے۔ غالباً اصل میں امیرزا بمعنی امیرزادہ تھا۔ کثرت استعمال سے الف اول حذف ہو گیا۔ حذف تحتانی کے ساتھ مرزا بھی بولا جاتا ہے۔ حاجی مصطفےٰ معروف بہ رائے مان (۱۷۸۳ء میں) لکھتا ہے۔ مرزا کے معنی شریف نژاد کے ہیں مگر ہندوستان اور ایران دونوں ملکوں میں اُس سے مراد ایسے شریف آدمی سے لیجاتی ہے جو لکھ پڑھ سکتا ہو۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جو مسلمانوں میں کم مگر ہندوؤں میں زیادہ پایا جاتا تھا۔ نام سے پہلے اگر یہ لفظ لگایا جائے تو چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ البتہ نام کے بعد آئے تو ہمیشہ اُس سے مقصود شاہی خاندان کا کوئی رکن یا شاہزادہ ہوگا۔

(۲) دویدن، رفتن، استادن، نشستن، خفتن وموون۔ ایک روز میں نے مرزا صائب کے روبرو عرض کیا۔ مرزا نے پہلے مصرعہ کے لئے فی البدیہہ فرمایا ع حق راز دل خالی از اندیشہ طلب کن۔ دوسرے کے ساتھ یہ مصرعہ لگایا۔ بقدر ہر سکوں راحت بود بنگر مراتب ہا[۵۷۸]۔ خاضع نے یہ واقعہ میر عبدالجلیل سے نقل کیا تھا اور میر صاحب سے سنکر میر عظمت اللہ نے اپنے "سفینۂ بے خبر" میں درج کیا ہے۔

(۹) میر محمد ہاشم متخلص بہ جرأت مخاطب بہ موسوی خاں پہلے دہار دار[۵۷۹] کے قلعہ دار تھے۔ پھر امیر الامرا سید حسین علی خاں کے ہمرکاب ہندوستان چلے آئے تھے اور یہاں کے اکثر صاحبان کمال مثل مرزا بیدل[۵۸۰]

---

۵۷۸ بقدر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را مشہور و زبانزد عام ہے۔ مگر میر غلام علی نے سرو آزاد میں "مراتب ہا" نقل کیا ہے۔

۵۷۹ دہار دار، صوبہ بمبئی میں ایک قصبہ کا نام ہے۔ ضلع اور تعلقہ دہار ولد اسی پرگنے مقام سے موسوم ہے بتفصیل و تاریخ چنداں دلچسپ نہیں۔

۵۸۰ مرزا عبدالقادر برلاس بیدل متخلص عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان کے فارسی گو شعرا میں ممتاز اور عدیم النظیر مانے گئے ہیں۔ بہت سے اہل سخن نے انکے اتباع و تقلید کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ زیادہ عمر بنگالہ میں بسر ہوئی۔ آغاز شباب میں شاہزادہ محمد اعظم خلف عالمگیر کی نوکری کی منصب عالی پایا۔ کسی واقف الحال نے مرزا کی سخن سنجی کی تعریف شاہزادہ سے کی۔ فرمایا "ہماری شان میں قصیدہ لکھیں ہم بقدر استعداد قدردانی کرینگے" مرزا نے سنا تو قطعاً انکار کیا۔ اسی وقت نوکری چھوڑ کر شاہجہاں آباد چلے آئے۔ بقیہ عمر یہیں ختم کردی۔ با ایں ہمہ استغنا و بے نیازی شان کمال یہ تھی کہ اواخر عہد عالمگیر سے لیکر اوائل جلوس محمد شاہ تک تمام ارکان سلطنت ان کی خدمتگزاری و آستان بوسی کو اپنا افتخار سمجھتے۔ اور مراتب نیازمندی بجا لاتے تھے۔ قلیچ خاں آصف جاہ کو انکی شاگردی پر ناز تھا۔ دکن گئے تو بڑی محبت و اعزاز سے لکھکر مرزا کو بلایا۔ جواب ملا ؎

دنیا اگر دہند نہ خیزم ز جائے خویش من بستہ ام جناے قناعت بہ پائے خویش

نواب شکر اللہ خاں مع تمام خاندان کے انکا بڑا معتقد اور قدر شناس تھا۔ امیر الامرا حسین علی خاں سے ربط و رسم خاص تھا۔ لیکن فرخ سیر کے قتل پر جو برہمی و بے لطفی پیدا ہوئی اسکا اظہار مرزا نے اپنی تاریخ سیادات پر دی گمراہی کردینے میں کر دیا۔ مرزا بڑے بلند پایہ سخن سنج تھے۔ تمامی اصناف سخن، غزل، مثنوی، رباعی، قصیدہ، ہر صنف میں انکا کلام موجود ہے۔ نثر بھی ایک طرز خاص سے نہایت لطیف لکھتے تھے۔ مزاج اور کلام دونوں پر فقر و تصوف کا رنگ غالب تھا

(۱۵) اہل فقر و فضل میں سے سید قاسم اسرار بلگرامی سے میر عبدالجلیل کو بہت عقیدت تھی۔ اُن کے دیوان کو بہت عزیز رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "سید قاسم اسرار، صاحب سخن بود۔ گویا پرتو سید قاسم انوار بر ساحت احوالش تافتہ" قاسم اسرار گردیدہ"۔ اسی طرح ان کی نسبت اِن کے پیرو مرشد سید تاج الدین حجرہ نشین فرماتے تھے کہ "قاسم اسرار مرآۃ این ملک است"۔ مرشد کی رحلت کے بعد اُن کے ایما کے موافق سید قاسم شمس آباد (ضلع فرخ آباد) چلے آئے جس جائے بلند کا پتہ دیا تھا وہاں اقامت گزیں ہوئے۔ دو تین مہینے بھی نہ گزرے ہونگے کہ کسی دولت مند کا اُدھر سے گزر ہوا۔ اُس نے عالی ہمتی سے مسجد و خانقاہ و چاہ و روضہ و باغ وہاں بنوا دیا اور رقم خرچ مقرر کر دی۔

(۱۶) سید محمد اشرف، معروف بہ سید اشرف درگاہی، مشہور عالم و صوفی تھے۔ ان کا طریقہ بالکل سلف

---

۵۸۲ قاسم انوار، سید معین الدین علی کا لقب تھا۔ شیخ صدر الدین موسیٰ اردبیلی کے سلسلہ میں تھے۔ تبریز میں پیدا ہوئے۔ آمد و رفت اپنے وطن اصلی سے جیلان، وہاں سے ہرات چلے آئے۔ علوم ظاہری و مدارج معنوی کی تکمیل یہیں فرمائی۔ رؤسا و اشراف کی ایک بڑی جماعت مرید و معتقد تھی۔ لوگوں کی سعادت و بدگوئی سے ۷۷۱ھ (۱۳۶۹ء) میں شاہرخ مرزا نے ان کے اخراج کا حکم دیا۔ تعمیل بدکنار، یہ بھی کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ حکم آپ تک پہونچا دے۔ شاہزادہ بالیستغر بجیلۂ زیارت حاضر ہوا۔ اثنائے گفتگو میں آپ کا یہ مطلع پڑھا ؎

اے عاشقاں! اے عاشقاں!! ہنگام آنشد کز جہاں — مرغ دلم طیراں کند بالائے ہفتم آسماں

پھر اُسی سلسلۂ کلام میں محل مناسب سے آپ کو آپ کا ارشاد یاد دلایا ؎

قاسم سخن کوتاہ کن، برخیز و عزم راہ کن — شکر بر طوطی فگن، مُردار پیش کرگساں

سید صاحب دعاؤ تحسین فرماتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلے سمرقند گئے پھر شہر جام، جو مقبل ہرات ہے، چلے آئے۔ بقیہ عمر یہیں طے کی۔ اسی شہر کے محلہ خرجرد میں ۸۳۵ھ (۱۴۳۱ء) میں رحلت فرمائی۔ بعض مورخین مثل صاحب تاریخ حبیب السیر آپ کا ۸۳۷ھ (۱۴۳۳ء) میں خراسان میں وفات پانا لکھتے ہیں۔ مثنوی انیس العاشقین آپ کی تصنیف ہے۔

۵۸۳ شمس آباد (اب ضلع فرخ آباد میں) ایک قدیم و مشہور قصبہ، دریائے گنگ کی پرانی اور بلند جھاڑیوں پر واقع ہے۔ طول البلد ۲۷ درجہ ۳۲ دقیقہ شمالاً اور عرض البلد ۷۹ درجہ ۲۸ دقیقہ شرقاً ہوگا۔ فتح گڈھ (ضلع کے صدر مقام) سے اس کا فاصلہ اٹھارہ میل سمت شمال و مغرب ہے۔ ۲۲ محلے ہیں۔ مردم شماری سنہ ۱۹۰۱ء میں ۸۳۷۵ تھی لیکن بیس برس کے زمانہ (۱۹۲۱ء) میں ۶۹۹۵ رہ گئی۔ قصبہ روز بروز شکستہ حال و تباہ ہوتا جاتا ہے۔ پختہ مکانات اور شاندار عمارات اسکی گزشتہ عظمت و عروج کی دلیل ہیں۔ غیر آباد حصوں میں کاشت

صالحین کا تھا مآثر الکرام میں ان کا مفصل تذکرہ ہے۔ سید میر عبد الجلیل کے یاران خاص میں سے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میری تحصیل علم کا باعث میر عبد الجلیل ہوئے تھے میں پابند و متاہل ہو چکا تھا کہ کسب علم کی ترغیب دی میں نے عذر کیا کہ اب مرحلہ شباب میں قدم رکھ چکا ہوں اس کا حاصل کچھ نظر نہیں آتا ہے۔ اصرار کیا اور فرمایا کہ ضرور بالضرور نفع ہوگا مختصرات کو خود پڑھایا۔ باقی کتابیں اور علوم دیگر علماء و اساتذہ سے پڑھیں۔

(۱۷) سید محمد باقر بلگرامی نے ابتداءً علوم متداولہ مقامی علماء و مشاہیر فضلاء سے حاصل کئے تھے۔ خود بڑے جید فاضل اور طباع تھے۔ فن لغت عربی میں لانہایت خوض فرماتے آخر میں میر عبد الجلیل کی صحبت میں پہونچے اور خوب استفادہ کیا اور ہر فن میں دستگاہ کامل بہم پہونچائی۔ خط نہایت شیریں اور دل پسند ہو گیا تھا۔ بالکل میر کے خط کی روش اور شان تھی۔

ہونے لگی ہے۔ بلندی پر سے دیکھنے سے زراعت کے دلفریب قطعات اور لہلہاتے ہوئے کھیت اور سبزہ زار ہر طرف نظر آتے ہیں۔

پرانا شہر کھورسا ڑ ہے تین میل کے فاصلہ پر گنگا کی پہاڑی پر آباد تھا۔ تیرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک راٹھور راجہ نے جسکا نام زیادہ تر پرتھی پال بتایا جاتا ہے اور کبھی کبھی جے سنگھ دیو، اور جو مشہور و معروف جے چند راٹھور کی نسل سے تھا اسکی بنیاد ڈالی تھی۔ اُسوقت سے لیکر اکبر بادشاہ کے عہد تک دریا اسی پہاڑی کے نیچے بہتا رہا ہے۔ ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) کے قریب شمس الدین التمش جہازوں کا بیڑہ لیکر یہاں آیا اور بحری حملہ کر کے راٹھوروں کو مغلوب کیا۔ موجودہ قصبہ سے دو میل پورب کو شمس آباد کی بنیاد ڈالی۔ ۷۴۶ھ (۱۳۴۵ء) میں شہنشاہ محمد تغلق بھی یہاں ہو کر گزرا تھا۔ ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) میں راٹھوروں کی تنبیہ و تادیب کے لئے شہنشاہ سید خضر خاں کو بھی آنا پڑا تھا۔ سلطنت شرقیہ جونپور کی تواریخ و واقعات میں بھی شمس آباد کا نام بارہا آیا ہے۔ ملک بہلول لودی بادشاہ دہلی کے ہاتھ سے جب اُس سلطنت کا قلع و قمع ہوا تو ۸۸۴ھ (۱۴۷۹ء) میں کھور کے خاندان کا بھی قطعی فیصلہ ہو گیا۔ ۹۰۱ و ۹۰۲ھ (۱۴۹۴ و ۱۴۹۵ء) میں سکندر لودی نے بھی کچھ زمانہ یہاں بسر کیا تھا۔ موضع سکندر پور اُسی قیام کی یادگار ہے۔ ۹۰۶ھ (۱۵۰۰ء) میں یہ قصبہ اور پرگنہ اُس نے عماد خاں و سلیمان خاں، افاغنہ فرمولی کو دیا تھا۔ بابر نے اولاً بہ نظر التیام ۹۳۵ھ (۱۵۲۸ء) میں اسکو راجہ چندیری کو دینا چاہا تھا مگر بعد ازاں (اُسی سال) بکرماجیت سسودیہ کے حوالہ کر دیا، جس نے رن تھم بھور ساحصن حصین دے کر (اُس کے عوض میں) شمس آباد لیا تھا اس سے پکھر ذرہ پیشتر پٹھانوں نے

(۱۸) حاجی عفت اللہ خیرآبادی جو اجلہ مشائخ وصنادید فضلا سے تھے، ۱۱۳۲ھ (۱۷۲۰ء) میں وارد بلگرام ہوئے تو اپنے مرتبہ اور علو شان اور جماعت معتقدین و مسترشدین کی تعظیم و تکریم کا کچھ خیال نہ فرمایا بلکہ میر عبدالجلیل سے ملنے کے لئے خود اُنکے دیوان خانہ پر تشریف لائے۔ اور بہت سے خواہشمندوں کو اپنے جمال باکمال اور مقال فیض اشتمال سے مشرف فرما گئے۔

(۱۹) ارباب دولت وحشمت میں سے حاجی سید حسین صفاہانی متخلص بہ خالص و مخاطب بہ امتیاز خاں، دیوان صوبۂ عظیم آباد پٹنہ خاصکر قابل ذکر و اعتنا ہے۔ جیساکہ ایک موقع پر تحریر ہو چکا ہے شاہ عالم کے عہد میں اُس نے اپنے وطن (ایران) کا عزم کیا۔ شہر بھکر میں پہونچا۔ میر عبدالجلیل سے ملاقات ہوئی خود بڑا سخن سنج و سخن فہم امیر تھا۔ میر سے بڑی پُر لطف صحبتیں رہیں۔ امتیاز خاں اپنے ساتھ کثیر مال و متاع اور لاکھوں روپیہ نقد اور جواہر بیش بہا و پارچہ لیکر جا رہا تھا۔

شاہی گورنر ابوالحمد نیزہ باز سے شمس آباد چھین لیا تھا اور ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) میں ایک اور صوبہ دار حسین خاں ٹکریہ کو رخصت کر چکے تھے

کھور اور اُسکے راجگان کے رفیع و منیع وزر کا نام و نشان صرف ایک بلند ٹیلہ سے قائم ہے جو کوٹ کہلاتا ہے اراضی نشیبی کی سطح سے اسکا ارتفاع تیس فٹ ہوگا۔ پُرانے شہر کے نام سے انتساب کرنیوالی، قنوجیہ برہمنوں کی ایک جماعت باقی ہے جو اپنے کو کھور کا پانڈے کہتے اور اُس پر فخر کرتے ہیں۔

موجودہ قصبہ کی بنیاد ۹۹۷ھ (۱۵۸۹ء) میں مرزا طاہر نے ڈالی تھی۔ آئین اکبری میں اسکا تذکرہ بہ ذیل سرکار قنوج ان الفاظ میں ہے "شمس آباد۔ قلعہ وار در کنار آب گنگ"۔ اپنی پریشانی و سرگردانی کے ایام میں مشہور مورخ شیخ عبدالقادر بدایونی بھی کچھ روز یہاں پناہ گیر اقامت گزیں رہا ہے بدایوں کا عام راستہ اُسوقت شمس آباد ہو کر تھا۔

آثار قدیمہ میں، قلعہ کے کھیڑے یعنی کوٹ پر، سب سے پُرانی تعمیر جامع مسجد ہے۔ بالائے محراب ایک پتھر پر اُبھرے ہوئے حروف میں یہ قطعۂ تاریخ کندہ ہے ؎

دیں پرورِ محمد خانِ بلند رتبت ، بُرد است گوئے دولت با صولجانِ احساں
وارد چو ذوق طاعت آں محسن زمانہ ترتیب داد مسجد از عون و لطف یزداں
تاریخ آں رضائی جُست از خرد۔ بگفتا شد خانۂ الٰہی تاریخ مسجد خاں
۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ء)

اسی کے قریب سید سالم کا مزار ہے، جو یہاں کے اکثر سادات قبائی کے مورث اعلیٰ ہیں۔ میر عزیز اللہ مکی کی درگاہ پورب کو ہے نزاد و تبرک یہ بڑے مرتاض اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ کھور کی شکست اور

میر صاحب کو اطلاع تھی کہ خدایار خاں والی سندھ اس دولت و سامان کو بڑے حسد و حرص سے دیکھ رہا ہے۔ میر نے امتیاز خاں کو آگے بڑھنے سے روکا اور وہیں سے واپس جانیکا مشورہ دیا اور اصرار کیا لیکن وہ کب سننے والا تھا۔ جو لانگاہِ قاتل کی طرف سر بکف روانہ ہوا۔ سیوستان پہونچا تو میر محمد اشرف (میر عبد الجلیل کے داماد) وہاں نائب خدمت تھے انہوں نے کمال گرم جوشی سے استقبال کیا اور اپنی حویلی میں فروکش رکھا۔ خدایار خاں نے کسی تقریب یا حیلہ سے محمد اشرف کو خدا آباد بلا بھیجا اور اپنے آدمیوں کو بھیجکر امتیاز خاں کا کام تمام کرا دیا۔ میر نے آہ آہ۔ امتیاز خاں" ۱۱۲۲ھ (۱۷۱۰ء) تاریخ نکالی۔ امتیاز خاں میر کے کمالات اور تبحر کا نہایت دلدادہ تھا اور سجدہ توصیف کرتا اور معتقدانہ

شمس الدین کی فتح آپ ہی کی برکت و دعا سے منسوب کیجاتی ہے۔ جانب غرب جھونا کھار نالے پر نواب جعفری بیگم رئیسہ مرحومہ کا تعمیر کردہ پختہ پل ہے، جسکے قریب ایک ولی اللہ حسین شاہ زندہ دوست کا مقبرہ ہے جو ایک صاحب کمال درویش تھے۔

شمس آباد کی شہرت و ناموری حقیقتاً پون صدی سے یہاں کے نواب صاحبان کے دامن دولت سے وابستہ ہے۔ اپنے باپ اعتماد الدولہ ضیاء الملک نواب سید فضل علی خاں سہراب جنگ وزیر اودھ کی وفات کے بعد نواب جعفری بیگم صاحبہ اور انکے شوہر نامدار سید محمد علی خاں عرف نواب دولہ صاحب نے ۱۸۳۵ء میں یہاں قیام اختیار فرمایا تھا۔ بیگم صاحبہ کے اجداد سادات بارہ سے تھے۔ باپ کی طرف سے یہ عشیرۂ عالیہ موسوی سید (امام ہفتم سید نا موسی کاظم علیہ السلام کی نسل محترم)، شاہ صفی اردبیلی کی اولاد سے ہے جو ایران کے ملوک صفوی کے دادا تھے "ایں خانہ تمام آفتاب است" کا مصداق یہی دودمان محتشم ہے، جسکے ممتاز ارکان باہمہ ایالت و حکومت، امارت و دولت کریم الاخلاق، پیکر خلوص و وفا، زیور علم و کمال سے آراستہ، نہایت روشن خیال سراپا تہذیب و شائستہ اولوالعزم ہیں قصبہ اور اسکے اطراف میں عظیم الشان مساجد اور امام باڑے، محلات، کوٹھیاں تعمیر کرائی ہیں اور ہر طرح کی ترقی و رونق دی ہے ؎

لله قوم اذا حلوا بمنزلة حل الرضا ولسير الجود ان ساروا

۵۵۴ ولادت ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۲ء)۔ وفات صفر ۱۱۶۵ھ (دسمبر ۱۷۵۱ء)

۵۵۵ ساٹھ برس کی عمر میں ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) میں رحلت فرمائی

۵۵۶ ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ء) میں انتقال کیا۔ سن مبارک اسی سال تھا۔

۵۵۷ خدا آباد۔ یہ ویران قصبہ تعلقہ دادو ضلع لاڑکانہ ملک سندھ صوبہ بمبئی میں سیوان سے سولہ میل بشمال و مشرق کے سمت ریل کی سڑک پر واقع ہے تھارٹن صاحب نے اسکی نسبت ۱۸۴۰ء میں لکھا ہے

ملتا تھا۔ اپنے دیوان کا ایک انتخاب بھی پیش کیا تھا۔

(۲۰) مرزا احمد یار خاں برلاس متخلص بہ یکتا عالمگیر کے عہد میں صوبہ دار ٹھٹہ[۵۸۰] تھا اور بہت سے کمالات و فضائل کا جامع خط نہایت پاکیزہ و پختہ لکھتا۔ تصویر کمال نفیس و تحفہ بناتا۔ ہر قسم کے شعر نہایت خوب کہتا محمد عاقل خاں یکتا لاہوری کے ساتھ اُسکا مقابلہ اور اہل فن کا احمد یار کے حق میں فیصلہ مشہور ہے۔ ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) میں وارد بہکر ہوا تو میر عبد الجلیل کی صحبت میں معتقدانہ حاضر رہا۔ اپنے قلم کا خط نسخ میں لکھا ہوا کلام اللہ کا ایک نسخہ بطریق یادگار حوالہ کیا تھا۔ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۷ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۷۳۴ء کو قصبہ خوشاب اعمال لاہور میں وفات پائی۔

(۲۱) سید قریش بلگرامی متخلص بہ عجیب میر عبد الجلیل کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ خوش خلق و

تیس سال سے کچھ زائد گزرا کہ وسعت اور آبادی میں حیدر آباد سندہ کا مقابلہ کرتا تھا۔ نہایت سرسبز و بارونق تھا مگر آج اس قصبہ میں ایک گھر بھی ایسا باقی نہیں ہے جو آباد ہو۔ یہ سندھ کے تالپوری امیروں کا نہایت دلپسند مسکن تھا۔ اُن سرداروں میں سے اکثر اب اُن مقبروں میں راحت گزیں ہیں جنکی سادہ اور ستھری تعمیر بنوانے والوں کے حسن انتخاب اور سلامت ذوق کی یادگار ہے۔ یہاں کے مخصوص اور دلچسپ مقامات میں سے فی الحال ایک پرانی مسجد باقی ہے جو ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء) میں تعمیر ہوئی تھی اور جسپر نہایت خوشنما چینی کا کام ہے۔ دوسرا یار محمد کلہورہ کا مقبرہ ہے جو ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ اسکی تزئین بھی ویسی ہی رنگین کھپریوں سے کی گئی ہے۔ مقبرہ تو ابھی اچھی خاصی حالت میں ہے لیکن مسجد کو بہت نقصان پہونچ چکا ہے اور ویران و شکستہ حال ہے۔ یہاں کی زبان سندھی ہے۔

شیخ حزیں اپنی روداد سفر میں لکھتے ہیں کہ نواحی تتہ (ٹھٹہ) سے حیدر آباد تک ایک رود خانہ (نہر سا) بہتا ہوا ہے اور مسافت بھی چند روز کی ہے۔ یہ بھی کشتی پر آئے تھے۔ سارا راستہ نہایت لطف و تفریح کیساتھ طے ہوا تھا لیکن حیدر آباد پہونچکر سات مہینے پڑے رہے۔ گرمی کی شدت اور ہوا کی خرابی سے مختلف امراض صعب میں گرفتار ہو گئے تھے۔

واضح ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جماعت ڈائرکٹران کے حکم سے کپتان تھارنٹن نے یہ گزیٹیر مرتب کیا تھا جو لندن میں ۱۸۴۳ء میں دو جلدوں میں شائع کیا گیا A Gazetteer by Cap. E. Thornton R.N.

[۵۸۰] ٹھٹہ (یا ٹھاٹو جسکو باشندگان زیادہ تر نگر ٹھاٹو کہتے ہیں) ضلع کراچی ملک سندھ میں ایک قصبہ اور ایک تعلقہ کا صدر مقام رہ گیا ہے۔ دریائے سندھ یہاں سے سات میل پر ہوگا۔ عہد عالمگیر میں ٹھٹہ ایک زرخیز صوبہ تھا جسکے متعلق چار سرکاریں ستاون محال اور پانچ بندرگاہ تھے۔ اور ٹھٹہ یا دیبل شہر عظیم مانا گیا تھا۔ نمک و آہن کی معادن یہاں تھیں۔

یہ قصبہ مکلی Makli پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے کسیوقت دریائے سندھ کا پانی اسکی ہر طرف موجزن تھا اب بھی جب طغیانی فرو ہو کر پانی نکل جاتا ہے تو جا بجا تالاب اور گڈھے بھرے رہ جاتے ہیں۔ آب و ہوا سخت تکلیف دہ اور سردی ناسازگار ہے۔ بخار شدید پھیلا رہتا ہے۔ ریل اسٹیشن سے تیرہ میل کا فاصلہ ہے بیشمار

ظریف تھے۔ سلیقۂ نظم خوب حاصل تھا میر صاحب کی مدح میں کہتے ہیں ؎

گل ہماں بہ کہ ز گلزار پیمبر باشد — مُل ہماں بہ کہ ز میخانۂ کوثر باشد
گوہر آں نیست کہ از نطفۂ نیساں زاید — گوہر آں است کہ از معدنِ حیدر باشد
اے خوشا تازہ نہالے کہ بہ بستان شرف — دست پروردۂ زہرا و مطہر باشد
آنکہ از جبہۂ او نور سیادت پیداست — عالم افروز تر از نیر اکبر باشد
ور زمینے کہ بخند و گلِ خلقِ حسنش — بر کف خاک بخاصیت عنبر باشد
چشم بد دور ز سیمائے حسینی نسبی — چمن آرائے جہاں ایں گل احمر باشد
مدح او را نتواں در قلم آورد عجیب — زانکہ از حوصلۂ خامہ فزوں تر باشد

پختہ کردی گئی ہیں۔

ٹھٹہ کی تاریخ نہایت دلچسپ و قدیم ہے۔ حالات زیادہ تر تاریخ حاجی محمد قندھاری و خلاصۂ احکام و محبت نامہ میں ملتے ہیں۔ اوٹرم صاحب لکھتے ہیں کہ اسکی بنیاد ۱۴۴۵ء (۸۴۹ھ) میں پڑی تھی۔ دیگر مورخین ۱۵۲۲ء (۹۲۸ھ) بتاتے ہیں۔ اجماع روایات اسی قدر ہے کہ جام نظام الدین عرف جام نندا جو تماچی کے شاہی خاندان سے تھا اسکا بانی تھا۔ ٹھٹہ جب سما سلاطین کا دار السلطنۃ تھا تو یہاں کا فرمانروا جام کہلاتا تھا۔ پوسٹنس Postans راوی ہے کہ ۱۵۵۵ء (۹۶۲ھ) میں رہ و دست پرتگالی اجورہ داروں نے ٹھٹہ پر حملہ کیا اور غارت کر ڈالا تھا۔ ۱۵۹۲ء (۱۰۰۱ھ) میں جب اکبر نے سندھ کو اپنے قلمرو میں داخل کیا تو اُسوقت یہاں کا والی مرزا جانی بیگ تھا (آزاد دہلوی در بار اکبری میں لکھتے ہیں کہ تیموری خاندان کے باغی شاہزادے مرزا کہلاتے تھے) بادشاہ نے ٹھٹہ بطور جاگیر اُسکو واگذار کر دیا۔ ۱۷۳۹ء (۱۱۵۲ھ) میں نادر شاہ بادشاہ ایران کے حوالہ ہوا۔ پھر کلھوڑہ خاندان میں آیا وہاں سے تالپور کے میر صاحبان کے یہاں پہونچا۔

الیگزینڈر ہملٹن ۱۶۹۹ء (۱۱۱۱ھ) میں یہاں سے گزرا تھا وہ اسکو ایک عظیم اور دولتمند شہر بتاتا ہے۔ لکھتا ہے کہ اُسکے پہونچنے سے کچھ پہلے ٹھٹہ میں اسّی ہزار نفوس طاعون سے ہلاک ہو چکے تھے۔ ایک دوسرا یورپین سیاح پاٹنجر Pottinger لکھتا ہے کہ جب نادر شاہ اپنی فوج لیکر ۱۷۴۳ء (۱۱۵۵ھ) میں یہاں داخل ہوا تھا تو چالیس ہزار پارچہ باف بیس ہزار صناع اور دستکار اور ساٹھ ہزار دیگر تاجر اور اہل حرفہ یہاں بستے تھے

ٹھٹہ کی آبادی اٹھارہویں صدی مسیحی میں بہت گھٹ گئی کپتان جے وڈ J. wood نے جب ۱۸۳۰ء میں دیکھا ہے تو اُنکے تخمینہ میں دس ہزار سے زائد تھی۔

بحالت موجودہ ٹھٹہ کی مردم شماری ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۵۵ء (۱۱۶۸ھ) میں یہاں ایک کوٹھی کھولی تھی جو ۱۷۷۵ء (۱۱۸۹ھ) میں بند کردی۔ ریشم اور روئی کے منسوجات اور بعض دیگر مصنوعات اور غلہ کی تجارت اب بھی کسیقدر باقی ہے۔

اُمراو سلاطین

عہد اورنگ زیب عالمگیر سے لے کر عصر محمد شاہ بادشاہ تک تمام اُمرائے عظام میر عبدالجلیل کا بڑا اعزاز و احترام فرماتے اور صحبت والا کے تشنہ و متمنی رہتے۔ حسین علی امیرالامرا کو بالخصوص کمال اُلفت تھی۔ اپنی مجلس میں برملا کہا کرتے تھے کہ "میر عبدالجلیل دریں عصر نظیر ندارند" اور لوازم احترام فوق الحد بجالاتے تھے۔ میر صاحب نے بھی دل کھول کر اُنکی مدحت سرائی فرمائی ہے اور اُنکا نام دنیائے علم میں زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔ میر صاحب کے قصائد و مراثی جو امیرالامرا کی شان میں ہیں، دونوں کے مراسم وارتباط اور مخلصانہ تعلقات کے شاہد ہیں۔

ایک موقع پر میر عبدالجلیل، امیر خسرو سے اپنا تشابہ (مثنوی طوے فرخ سیر بادشاہ کے فخریہ میں)

عہد اسلامی کی یادگار قلعہ کے اندر ایک مسجد جامع ہے جو شاہجہاں کے حکم سے ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ء) میں تعمیر ہوئی تھی شاہجہاں جب اپنے باپ جہانگیر کے پاس سے بھاگ کر یہاں آیا تھا تو ٹھٹہ والوں نے اُسکی شایان شان عزت و توقیر کی تھی وہ بے ہراس یہاں کی قدیم جامع مسجد میں نماز ادا کرنے جاتا تھا۔ اسی حسن سلوک کی یادگار میں تاج و تخت پانے کے بعد شاہجہاں نے یہ خوشنما اور نفیس مسجد تیار کرادی تھی۔ مسجد بہت مرمت طلب ہوگئی تھی مگر کچھ عرصہ ہوا کہ عوام کے چندے اور سرکاری امداد سے کافی درستی کرادی گئی ہے۔ شہر کے جنوب میں دیگر مسجد Dabyar Mosque بہت پرانی ۹۱۵ھ (۱۵۰۹ء) کی تعمیر ہے اس پر نہایت عمدہ چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ ٹھٹہ کا قلعہ بعہد اورنگ زیب ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ء) میں زیر نگرانی نواب حفیظ اللہ خاں تعمیر ہونا شروع ہوا تھا۔ تکمیل کی نوبت نہیں پہونچی۔ اب تو لوگوں نے بنیادیں تک کھود لیں اور اینٹ اور مصالح دوسری عمارات میں لگا دیا ہے۔

مسلمانوں کے زمانہ میں ٹھٹہ کا نام برہمن آباد تھا۔

کپتان ہملٹن (جسکا نام ابھی لے چکا ہوں) ایک نامور عالم، سیاح اور تاجر تھا۔ وہ ہندوستان میں عہد اورنگ زیب میں آیا تھا۔ اس نے پچیس ۲۵ سال کے قریب اس ملک میں گزارے تھے۔ اپنا مکمل سفرنامہ تحریر کیا تھا۔ اُس میں شہر ٹھٹہ اور سورت کے حالات، مسلمانوں کی حکومت اور انکی مذہبی رواداری اور مختلف اقوام کے مراسم و دستورات کو بخوبی و بہ تفصیل لکھا ہے۔ وہ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ سندھ کا شہر ٹٹہ (ٹھٹہ) دریائے انڈس سے دو میل کے فاصلہ پر ہے نہروں اور موریوں کے ذریعہ سے دریا سے شہر و باغات میں آب رسانی کا انتظام کیا گیا ہے۔

شیخ علی حزیں بھی ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ء) میں ٹھٹہ آئے تھے۔ دو ماہ قیام کیا تھا۔ اپنے سوانح حیات میں شہر کی بڑی تعریف کی ہے اور یہاں کے تاجروں کی کمال تحسین۔

ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں ؎

چناں کردم سخن در نغمہ انشاد — کہ روح میر خسرو گشت زد شاد

... ...

اگرچہ میر خسرو بود اوستاد — ندارد چرخ چوں او دیگرے یاد

بفکر دور دو پرواز دارد — نبی نبود ولے اعجاز دارد

در انواع سخن کاندر جہان است — بقدرت خسرو صاحب قران است

ولے من ہم ازیں گلدستۂ نو — دریں عصرم بجائے میر خسرو

کمال از ہر نمط دل خواہ دارم — امید تربیت از شاہ دارم

... ...

صلہ گر داد خسرو را خضر خاں — بہ نظم مثنوی گنج فراواں

شہ ما چشمۂ آب حیات است — کہ صد چوں خضر خاں راز و برات است

واقعہ بھی یہی ہے کہ امیر کے ساتھ میر کا تشابہ جامعیت علم و عمل کی راہ سے تھا اور ارباب دول کی مصاحبت سے بھی۔ آغاز سے انجام تک امیر نے بادشاہان دہلی کے ساتھ بسر کی اور بقول اُن کے سات بادشاہوں کی خدمت کی تھی۔ طرفہ یہ ہے کہ میر بھی سلاطین تیموریہ (دہلی) میں سے سات[۵۹] بادشاہوں

[۵۹] موجودہ نصاب تعلیم کی بدولت، ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے حالات، واقعات اور کارنامے کسی تفصیل کے محتاج نہیں بالخصوص خاندان تیمور کے آخر زمانہ کی تاریخ تو کافی دوافی شہرت رکھتی ہے اس لئے زمانہ کا تعین کرنے اور اُس کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

نمبر	نام	از بطن	ولادت	تخت نشینی	وفات و مدفن	لقب بعد وفات
۱	ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ بن شاہجہاں بادشاہ	ارجمند بانو بیگم ملقب بہ ممتاز محل	۱۱۔ ذیقعدہ ۱۰۲۸ھ شب یکشنبہ مطابق ۱۰۔ اکتوبر ۱۶۱۹ء قدیم	۹ رمضان ۱۰۶۸ھ کو عنانگیر سلطنت ہوا۔ جلوس فرجیہ غرہ ذیقعدہ سال مذکور مطابق ۲ اگست ۱۶۵۸ء جلد	جمعہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۷۰۷ء قدیم ۹۰ تاریخ عمر جدید مقام احمد نگر مدفن روضہ شاہ زین الدین واقع خلد آباد اورنگ آباد	خلد مکان

کے لوازم خدمت بجالائے تھے یعنی (۱) عالمگیر اورنگ زیب (۲) شاہ عالم بہادر شاہ (۳) محمد معز الدین جہاندار

نمبر	نام	از بطن	ولادت	تخت نشینی	وفات و مدفن	لقب بعد وفات
۲	قطب الدین محمد شاہ عالم بہادر شاہ (شاہزادہ محمد معظم خلف دوم عالمگیر بادشاہ	نواب بائی (ہندورانی)	۳۰ رجب ۱۰۵۳ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۶۴۳ء برہان پور دکن	دوشنبہ ۱۹ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ مطابق ۷ جون ۱۷۰۷ء آگرہ۔ شمار جلوس از ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ آخر صفر یا ۱۴ ربیع الاول ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۷۱۲ء سہ شنبہ لاہور شمار از ۱۸ محرم ۱۱۲۴ھ	دوشنبہ ۱۴ محرم ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۷۱۲ء دہلی قطب صاحب	خلد منزل
۳	محمد معز الدین جہاندار شاہ فرزند بہادر شاہ (محمد معظم)	نظام بائی	۱۰ رمضان ۱۰۷۳ھ چہارشنبہ مطابق ۱۸ اپریل ۱۶۶۳ء دکن میں	۱۷ ذیقعدہ ۱۱۲۴ھ اکبر آباد جلوس جمعہ ۲۳ ذیحجہ ۱۱۲۴ھ مطابق ۹ جنوری ۱۷۱۳ء قلعہ دہلی	۲۳ ذیحجہ ۱۱۲۴ھ کو یعنی آخر دسمبر ۱۷۱۲ء یا شروع جنوری ۱۷۱۳ء میں قتل ہوا	+
۴	معین الدین محمد فرخ سیر پسر عظیم الشان ابن شاہ عالم	صاحبہ تسواں	۱۸ رمضان ۱۰۹۸ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۶۸۷ء	۱۸ جمادی الثانی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۷۱۹ء یا ۹ رجب ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۶ مئی ۱۷۱۹ء کو قتل کیا گیا دہلی مقبرہ ہمایوں	۸ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷/۱۸ فروری ۱۷۱۹ء کو گرفتار و محبوس ہوا اسکے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو فرمان آزادی تجارت ملا تھا	شاہ شہید
۵	شمس الدین محمد ابو البرکات بادشاہ رفیع الدرجات پسر شاہزادہ رفیع الشان بن شاہ عالم	نور النسا	.....	۱۸ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۷۱۹ء دہلی	۱۹ رجب ۱۱۳۱ھ مطابق ۲۸ مئی ۱۷۱۹ء دہلی، قطب صاحب	راجہ جیت سنگھ و رتن چند کے کہنے سے اور شورش کی استمالت کے لیے جزیہ اٹھا دیا تھا
۶	خمس الدین رفیع الدولہ محمد شاہ جہاں ثانی برادر کلاں رفیع الدرجات	ایضاً	.....	۱۹/۲۰ رجب المرجب ۱۱۳۱ھ مطابق ۲۸ مئی ۱۷۱۹ء	۷ ذیقعدہ ۱۱۳۱ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۷۱۹ء دہلی قطب صاحب	x

شاہ۔ (۴) محمد فرخ سیر (۵) رفیع الدرجات (۶) شاہجہاں ثانی (۷) محمد شاہ۔ رفیع الدرجات اور شاہجہاں ثانی برائے چندے سریر آرائے فرمانروائی رہے تھے، غارتگر اجل نے اُنکو زیادہ فرصت و مہلت نہیں دی تھی۔ تاہم میر نے شاہجہاں ثانی کی شان میں اپنا زبردست قصیدۂ میمیہ لکھا تھا۔

جب میر عبدالجلیل محض طالب علم تھے اور اُن کو سید طفیل محمد کے ساتھ اکبر آباد جانیکا اتفاق ہوا تو نواب فضائل خاں کے یہاں بڑے بڑے علمی جلسے دیکھے۔ جماعت فضلاء کی اکثر نشست ہوتی تفسیر و حدیث و کلام اللہ کا مذاکرہ ہوتا ہر قسم کی چھیڑ چھاڑ رہتی میر صاحب کو یہاں بھی بلند جگہ ملتی۔ وہ اپنی استعداد و قابلیت، یادداشت و جودت و ذہانت کی بدولت اکثر فائق و برتر رہتے۔

نواب آصف جاہ

نواب نظام الملک آصف جاہ طاب ثراہ کی نسبت میر غلام علی بلگرامی سرو آزاد میں لکھتے ہیں کہ

"بر واقفان اسرار سلف ہویدا ست کہ در طبقۂ سلاطین تیموریہ و طبقات پیشیں امیرے بہ ایں اقتدار چشم روزگار کم مشاہدہ کرد۔ قریب سی سال بایالت ممالک دکن پرداخت و قلمروے کہ زیر فرمان چندیں سلاطین ذوی الاقتدار بود تنہا در تصرف داشت و فتوحاتے کہ کارنامۂ روزگار باشد بحلوہ آورد و مستحقین را بہ خیرات و مبرات فراواں نواخت۔ از دفتر صدارت تحقیق نمودہ شد کہ سہ لکھ روپیہ بدستخط او سوائے انعامات بادشاہی در صوبجات دکن بطریق یومیہ و در ماہہ بہ ارباب استحقاق می رسید و سوائے این قریب یک لکھ روپیہ بمردم حج رد و غیرہم رعایت می فرمود"

۷۔ ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ معروف بہ سلطان روشن اختر پسر جہاں شاہ خمسہ اختر فرزند بہادر شاہ	نواب قدسیہ بیگم	۲۳/۲۴ ربیع الاول ۱۱۳۱ھ شب جمعہ مطابق ۱۰ راست ۱۷۱۹ء نواحی غزنیں	۱۰ ذیقعدہ ۱۱۳۱ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۷۱۹ء اکبر آباد	۱۲ ربیع الثانی ۱۱۴۸ھ شب چہارشنبہ مطابق ۱۶ اپریل ۱۷۳۵ء حویلی نظام الدین اولیاء	فردوس آرام گاہ

سادات و علماء و مشائخ دیار عرب و ماوراء النہر و خراسان و عراق عجم و ہندوستان آوازۂ قدردانی استماع یافتہ رو بہ دکن آوردند۔ و در خور قسمت حظے از احسان عام اندوختند۔"

نواب کے احوال ذاتی کے بیان سے پہلے اُن کے خاندان عالی اور آباء عظام اور بزرگان فخام کی نسبت گزارش کرنا ضروری ہے۔

صاحبقران ثانی (شاہ جہاں) کا وزیر اعظم سعد اللہ خاں ان کا نانا (جد مادری) تھا۔ دادا کا نام عابد خاں تھا۔ پردادا شیخ عالم، اکابر رؤسا سمرقند اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد سے تھے۔

عابد خاں عہد شاہجہاں میں ہندوستان چلے آئے۔ یہاں پہونچکر بادشاہ کی روشناسی اور شاہزادہ اورنگ زیب کی خدمت و ملازمت سے شرف و افتخار حاصل کیا۔ جب اورنگ زیب اور اُسکے بھائیوں سے محاربہ ہو رہا تھا یہ ملتزم رکاب تھے۔ اورنگ زیب، زیب دہِ اورنگ ہوا تو ان کو چار ہزاری منصب عطا کیا۔ جلوس کے چوتھے سال میں صدارت کل کی خدمت پر ممتاز ہوئے۔ بعد ازاں پنج ہزاری منصب اور قلیچ خاں خطاب پایا۔ اعزاز و افتخار بڑھا۔ صدارت سے ایکبار علیحدہ ہوکر وہی عزت دوبارہ پائی۔ رعایا برایا کو دفور عدل و احسان سے شادکام و خوشدل بنادیا اور مہاد امن و امان بچھادیا۔ ؎

آرام یافت در کنف عدل وحش و طیر وآسودہ گشت در حرم امن انس و جان

قلعۂ گلکنڈہ (حیدرآباد) کے محاصرہ میں ۲۴ ربیع الاول ۱۰۹۰ھ (۲۸ جنوری ۱۶۸۰ء) کو توپ کا گولہ لگا۔ زخم کھایا اور جان عزیز اپنے شہریار اور اُسکی شہریاری پر نثار کردی۔

الولد سر لابیہ۔ عابد خاں کے فرزند میر شہاب الدین نے بڑے بڑے مرتبے پائے۔ سات ہزاری منصب سات ہزار سوار، اور "غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ" خطاب مرحمت ہوا۔ بیجاپور کی فتح میں اس شیر دل نے بڑی شجاعت اور مردانہ ہمت سے کام لیا تو "فرزند ارجمند" کا طرہ القاب سابق پر اضافہ ہوا۔ شاہ عالم کے عہد میں صوبہ داری گجرات پر مامور ہوئے اور اسی زمانۂ حکمرانی گجرات ۱۱۲۲ھ (۱۷۱۰ء) میں عالم آب و گل کو خیرباد کہا۔

نواب نظام الملک آصف جاہ نواب غازی الدین خاں کے خلف الرشید تھے۔ اصلی نام میر قمر الدین

اور سال ولادت ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ء) تھا۔ آغاز شباب میں اس جوہر قابل پر خلد مکاں کی نظر پڑی تو چار ہزاری منصب اور حسین قلیچ خاں خطاب سے سرفراز فرمایا۔ والکنگرہ کے قلعہ کی تسخیر میں کمال استقامت وجوانمردی اور خوش نظمی دکھائی تو ہزاری اضافہ ہو کر پنج ہزاری منصب پر عروج پایا۔ خلد مکاں کی رحلت پر شاہزادوں کے باہم تنازع دیکھا تو کمال حزم و احتیاط سے کام لیا اور کسی فریق کی جانب داری و حمایت پسند نہ کی۔

شاہ عالم تخت نشین ہوا تو "خان دوراں بہادر" خطاب دیا اور صوبہ داری اودھ بر مع فوجداری اودھ کے ممتاز کیا۔ اسوقت تک لکھنؤ کا فوجدار حضور عالی سے مقرر ہو کر آتا تھا۔ میر عبدالجلیل بلگرامی نے اسی خطاب "خان دوراں بہادر" میں خطاب کی تاریخ پائی۔

نواب نظام الملک نے جب تھوڑے ہی دنوں میں امرائے جدید کا بازار گرم اور امرائے قدیم کا کاسد دیکھا تو نوکری سے مستعفی ہو کر دارالخلافہ شاہجہاں آباد کو چلے آئے۔ درویشانہ لباس پہن لیا اور خانہ نشین ہو گئے ؎

از بال و پر غبار تمنا فشانده ایم　　بر شاخ گل گراں بنود آشیان ما

شاہ عالم کی رحلت پر جب محمد معز الدین نے چند روز کے لئے تاج تیموری پہنا تو عروس سلطنت کے جید بلند یا کمند شکیں نے آصف جاہ کو گوشۂ عافیت سے باہر کھینچ لیا۔ اصل منصب و خطاب سابق پھر عنایت ہوا۔ ہندوستان کے فقرائے بے قید نواب پر طعنہ زن ہونے لگے کہ خرقۂ درویشی اتار کر لباس دنیا اختیار کیا۔ اس جماعت کا طریقہ اگرچہ دریوزہ گری ہے لیکن ان حضرات کی وضع و غیرت بھی قابل ستائش ہے کہ پھر اُس وقت سے کبھی نواب نظام الملک کے روبرو دست سوال نہیں بڑھایا۔

جب محمد فرخ سیر تخت نشین ہوا تو نظام الملک بہادر فتح جنگ" خطاب دیا۔ ہفت ہزاری منصب پر ترقی دیکر انتظام دکن پر مامور کیا۔ فرخ سیر کے معزول ہونے پر اولاً حکومت مراد آباد بعد ازاں حکومت مالوہ سپرد کی گئی۔ ۱۱۳۲ھ (۱۷۲۰ء) میں آصف جاہ دکن چلے آئے۔

دکن کے انتظام و تسلط میں سید دلاور خاں و سید عالم علی خاں وغیرہ سے سخت مقابلہ و مقاتلہ ہوا

نواب نے فتح پائی۔ اورنگ آباد میں داخل ہوگئے۔ امیر الامرا حسین علی خاں اپنے ایک عزیز اور ایک بھتیجے کے واقعات سنکر بیقرار ہوگئے۔ محمد شاہ کو ساتھ لیکر دکن جانے کا عزم کیا۔ لیکن تقدیر کا قلم سادات بارہ کی دولت کے زوال کے لئے چل چکا تھا۔ اعتماد الدولہ محمد امین خان کی تحریک سے میر حیدر کاشغری نے امیر الامرا کو خنجر سے ہلاک کر دیا۔ قطب الملک فوج لیکر مقابلہ کو بڑھا۔ لڑا اور گرفتار ہوگیا۔

محمد امین خاں (برادر زادہ نواب عابد خاں) کے انتقال پر نواب نظام الملک دکن سے دہلی چلے آئے اور خلعت وزارت پہنا۔ نواب نے عالمگیر کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ انکی آن بان اور شان حکومت پر فریفتہ تھے چاہا کہ اسکے آئین و قواعد کو جو ترک ہوگئے تھے تازہ کریں اور از سر نو رواج دیں۔ خود غرض امرا نے اس کو اپنے مقاصد و اغراض کے منافی و مغائر سمجھا۔ بادشاہ کے مزاج کو نواب کی طرف سے گونہ منحرف کر دیا۔ اسی زمانہ (۱۱۳۵ھ یعنی ۱۷۲۳ء) میں حیدر قلی خاں ناظم گجرات نے بغاوت کی تو نواب اسکی تادیب کے لئے مامور ہوگئے۔ خود کام امیروں کو حضوری سے نواب کے ہٹانے کا موقع ملا۔ نواب اُدھر بڑھے تو حیدر قلی دیوانہ بن گیا۔ بات جہاں تھی وہیں رہی۔ نواب دہلی واپس چلے آئے۔ جلد وہی خدمت میں حکومت دکن و وزارت کے علاوہ صوبہ داری مالوہ و گجرات بھی مرحمت ہوئی۔ امرا کی سازش اور نفاق سے یہ بہت برداشتہ خاطر ہو رہے تھے۔ ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۴ء) میں جب نواب مبارز خاں جو سالہا سال سے ناظم حیدرآباد تھے معزول ہوئے تو نواب نظام الملک انکی جگہ تمام ممالک دکن کے حاکم مقرر ہوئے۔ نواب علی سبیل الاستعجال دکن کی سمت روانہ ہوئے۔ مبارز خان نے مزاحمت کی مارا گیا اور ممالک[۵۹] مجموعہ نواب کے قبض و تصرف

---

۵۹ حیدرآباد کی ریاست یا سلطنت انگریزی میں The Nizam's Dominions کہلاتی ہے۔ اس کا رقبہ بیاسی ہزار چھ سو اٹھانوے میل مربع ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے اس کا قلمرو آئرلینڈ کے رقبہ سے ڈھائی گنا (بمعہ زائد) اور انگلستان اور ویلس (دونوں) کے مجموعی رقبہ کے ڈیوڑھے سے زیادہ ہے۔

مسلمانوں میں سب سے پہلے علاء الدین خلجی نے ۶۹۳ھ (۱۲۹۴ء) میں دکن پر حملہ کیا۔ اس وقت دیوگیری میں رائے دوسنل کا راجہ حکمران تھا۔ علاؤ الدین نے اسکو منتج و مغلوب کیا۔ پھر دولت آباد پر بھی بعد ازاں وارنگل پر محمد بن تغلق نے ان فتوحات کو اور بھی وسعت دیدی حتی کہ شمال سے جنوب تک کل دکن اسلام کے زیر نگیں ہوگیا۔ اس مردم خیز خطہ میں مسلمانوں کی متعدد سلطنتیں کسیوقت قائم تھیں۔

میں آگئے۔ اب محمد شاہ بادشاہ، نواب کی استمالت و دلداری اور بھی کرنے لگا۔ ہمیشہ فرامین بھیجکر اظہار عنایات و نوازش کرتا۔ انعامات مخصوص مبذول ہوتے۔ اسی زمانے میں نواب نے آصف جاہ کے خطاب سے شہرت پائی۔ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں بادشاہ نے بمبالغہ تمام نواب کو حضور میں

---

(۱) بہمنی۔ جس کی بنیاد علاء الدین بہمن شاہ نے ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں ڈالی تھی ۹۳۴ھ (۱۵۲۷ء) تک اس خاندان کے اٹھارہ بادشاہوں نے ایک سو چھیاسی سال (قمری یا ایک سو اسی سال شمسی سے زائد) فرمانروائی کی۔ دارالسلطنت پہلے گلبرگہ تھا پھر بیدر ہوا۔ احمد آباد اسی خاندان کا آباد کیا ہوا ہے۔

(۲) عماد شاہی۔ ایلچ پور واقع برار دارالملک تھا۔ چار بادشاہوں نے ۸۸۶ھ (۱۴۸۴ء) سے ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) تک سلطنت کی۔

(۳) عادل شاہی۔ دارالسلطنت بیجاپور۔ دس بادشاہ۔ مدت دو سو دو سال۔ ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) سے ۱۰۹۶ھ (۱۶۸۶ء) تک۔ اسکندر شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے ۱۰۹۷ھ میں قید کر لیا گیا تھا۔

(۴) نظام شاہی۔ احمد نگر۔ ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) سے ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) تک، مدت اکیسو سات سال۔ دس بادشاہ اس تخت پر بیٹھے۔ دولت آباد یا دیوگیر بھی مستقر سلطنت رہا تھا۔ اخیر فرمانروا بہادر بن ابراہیم، شہنشاہ اکبر کے عہد میں گرفتار ہوا۔

(۵) بریدشاہی بیدر۔ ۸۹۷ھ (۱۴۹۲ء) سے ۱۰۱۸ھ (۱۶۰۹ء) تک

(۶) قطب شاہی۔ دارالسلطنت گلکنڈہ تھا۔ دور حکومت ۹۱۸ھ (۱۵۱۲ء) سے ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۷ء) تک رہا۔ سب سے اخیر بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ نے ۱۰۱۸ھ میں بمقابلہ اورنگ زیب شکست پائی۔ اور گرفتار ہوا۔ حالت اسر میں ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ء) میں فوت ہوا۔

دکن میں جب نواب آصف جاہ نے اپنی خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی تو اولاً زیادہ وقت مرہٹوں کے استیصال میں صرف ہوا۔ پھر امرائے دربار نے حسد و رقابت کی وجہ سے سازش کر کے ایک نیا فتنہ برپا کیا۔ مبارز خاں صوبہ دار خاندیس کو مقابلہ و مجادلہ کی خفیہ تحریک کی۔ وہ شامت زدہ میدان میں آگیا۔ شکر کھیلدہ (فتح کھیلدہ) واقع ضلع بلدانہ ملک برار میں ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۴ء) میں معرکہ عظیم ہوا۔ مبارز خاں نے داد مبارزت دی مگر ملک اور جان دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسی لڑائی سے نواب کی آزادی و خود مختاری قائم و مسلم ہوگئی۔ اب نواب کے دائرۂ حکومت میں برار بھی شامل اور سلطنت میں داخل ہوگیا۔ حیدرآباد دارالحکومت قرار پایا۔ انگریز مورخین لکھتے ہیں کہ انتقال کے وقت یعنی ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں وہ ایک سلطنت کے خود مختار و آزاد بادشاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن کی بادشاہی موجودہ ریاست بہ شمول صوبہ برار کے برابر وسعت و دور میں تھی۔

۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ء) میں جب ٹیپو سلطان نے اپنی نصف جاگیر انگریزوں وغیرہ کے حوالہ کر دی تو اسمیں

طلب کیا۔ اپنے خلف الصدق نواب نظام الدولہ ناصر جنگ بہادر کو نیابت دکن پر مقرر کر کے خود بہ عجلت تمام دہلی کو روانہ ہوئے۔ بادشاہ کی ملازمت کا شرف حاصل کیا۔ نواب کی تشریف آوری کی تاریخ فضل علیخاں نے نظم کی ؎

صد شکر کہ ذات دیں پناہی آمد — رونق دہ ملک بادشاہی آمد
تاریخ رسیدنش بگوشم ہاتف — گفت آیت رحمت الٰہی آمد

نواب نے کمال قدردانی اور اپنی سخاوت جبلی سے ایک ہزار روپیہ نقد اور گھوڑا مع ساز نقرئی کے صلہ مرحمت فرمایا۔

دہلی میں دو ماہ قیام کرنے کے بعد بادشاہ نے نواب کو دکن کے مرہٹوں کی تنبیہ کے لئے رخصت کیا

بھی نظام کو رسدی حصہ ملا، بعد ازاں ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) میں سرینگاپٹم فتح ہوا اور ٹیپو سلطان نے شہادت پائی تو بروئے معاہدہ میسور نظام کو علاقہ مفتوحہ میں معتد بہ حصہ ملا۔ چونکہ پیشوا اس عہد و قرار سے منکر و دست بردار ہو گیا اسلئے نظام کا حصہ اور بھی بڑھ گیا۔

ایک باقاعدہ اور منتظم سلطنت میں جتنے محکمے اور صیغے ہوتے اور ہو سکتے ہیں حیدرآباد میں سب موجود ہیں۔ عدالت مال، پولیس، متفرقہ، فوج، منصب، خزانہ، ڈاک خانہ، ٹکسال، کرنسی، ریاست کی ریلوے، تعلیم، بندوبست، سروے (مساحت) صفائی (میونسپلٹی) تعمیرات و کارہائے رفاہ عامہ و صحت خلائق، رجسٹری و ثائق وغیرہ۔ اور اعلیحضرت شہریار دکن ادام اللہ سلطنتہ ہر صیغہ و محکمہ پر بہ نفس نفیس توجہ اور التفات فرماتے ہیں۔

آثار قدیمہ و تاریخی سے کل ریاست مالا مال ہے۔ متفرق یادگاریں ہر طرف اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی موجود ہیں۔ انہیں سے بہت زیادہ قابل لحاظ و نمود غارہائے ایلورہ، اجنٹا، اورنگ آباد و عثمان آباد (دھراسیو) ہیں۔ جو بودھوں اور جینیوں اور برہمنوں کے طرز تعمیر کے عمدہ نمونے ہیں۔ کثیر التعداد قلعوں میں سے گولکنڈہ، گلبرگہ، وارنگل، ریچور، مدگل، پرینڈا اور نلدرگ بہت مشہور ہیں۔ ہندوؤں کے مناور اور معابد مختلف حیثیت، حالت اور قدامت کے، ریاست کے ہر ایک حصہ و سمت میں موجود اور بالکل محفوظ ہیں۔ مثلاً ہنم کنڈہ کا ہزار ستون والا مندر اور تلجاپور اور امبا جوگئی کے مندر۔ ایک مندر مع اپنے ویران صحن کے قلعہ وارنگل کے اندر ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے عمدہ اور نادر نمونے ہندوؤں کے مذہبی طرز تعمیر کے بھی ہیں۔

عہد اسلام کی قدیم اور بہترین عمارات یہ ہیں۔ گلبرگہ کے پرانے قلعہ کی مسجد اور مکہ مسجد، جامع مسجد، چار مینار، چار کمان، دارالشفا (بیمارستان) موسیٰ ندی کا پرانا پل (یہ سب حیدرآباد میں ہیں) قطب شاہی خاندان کے بادشاہوں

نواب جلد جلد منزلیں طے کرتے ہوئے بھوپال پہونچے۔ دوسری طرف سے مرہٹوں کی فوج آئی، مقابلے پیہم اور سخت ہوئے۔ نادر شاہ کے آنے کی خبر گرم تھی اسلئے نواب نے مصالحت منظور کرلی اور دہلی واپس چلے آئے نادر شاہ آیا اور جو کچھ کرنیوالا تھا کر ڈالا لیکن بایں ہمہ تمام اُمرا کی بہ نسبت نواب کے ساتھ بڑی رعایت و مدارا کرتا تھا ؎

پاس آداب بزرگاں ہے ایں وضع جنوں　　جب ملے ناصح، جھکے ہم بندگی کے واسطے

اب امیر الامرا کا منصب بھی نواب کے دیگر مراتب کے ساتھ شامل کردیا گیا۔

۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) سے لیکر ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) تک نواب مبرور انتظامات ملک دکن و استیصال باغیان میں مصروف رہے۔ احمد خاں ابدالی کا کابل سے آنا سنا تو برہان پور آئے وہاں معلوم ہوا کہ احمد شاہ

کے مقبرے، جو گلکنڈہ کے پاس ہیں۔ بہمنی اور بریدشاہی سلاطین کے مقابر جو شہر بیدر کے متصل ہیں۔ اورنگ آباد میں اورنگ زیب کی ملکہ رابعہ دورانی کا مقبرہ۔ ان کے سوا ہندوانہ اور اسلامی ساخت کی عمارات کے بہت سے نمونے ہیں جو اب شکستہ حالت میں ہیں۔ مثلاً محلات گل کنڈہ و بیدر و گلبرگہ و دولت آباد۔

زبانوں میں سے زیادہ تر اردو، مرہٹی، کناری، تیلگو اس ملک میں بولی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے ۱۸۳۵ء میں انگریزی کی تعلیم حیدرآباد میں شروع ہوئی اور اب تو کثیر تعداد میں کالج اور مدرسے اور انگریزی خانقاہیں ریاست کے مختلف جوانب میں قائم و جاری ہیں۔ جامعۂ عثمانیہ کل ہندوستان بلکہ اقلیم ایشیائی میں اپنے طرز اور جامعیت کی ایک ہی یونیورسٹی ہے۔

زراعت، فلاحت اور نصب درختان نے اعلیٰ حضرت دام دولہ کے عہد دولت مہد میں بہت ترقی کی اور عروج پایا ہے۔ امدادی بنکیں کھلی ہوئی ہیں۔ مزارعین کی اعانت و فلاح اور عطائے تقاویات کا مکمل انتظام ہے، حیدرآباد کے حکمرانوں اور اُنکے امرا و وزرا نے بڑے بڑے تالاب اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ جیسے حسین ساگر، ابراہیم پٹن، میر عالم، افضل ساگر، جل پلی وغیرہ۔

دکن کے بابو اپنی بدکشی اور قوت برداشت و تیز روی کے لئے مشہور ہیں۔ عرب اور آسٹریلین نسل کے گھوڑے باہر سے آتے ہیں اُنکی نسل کی افزائش یہاں بھی ہوتی ہے۔ گھوڑوں اور مواشی کی تجارت نہ صرف شہر و قصبات بلکہ دیہات میں بھی روبہ ترقی ہے۔

معدنیات کے لحاظ سے یہ ریاست نہایت زرخیز ہے۔ کوئلے کے معادن ورنگل میں اور سونے کی کان لنگسوگور میں بہت وسیع ہیں۔ سنگارینی میں بھی کوئلہ کی کان ہے۔ لوہے اور تانبے کی کانیں بھی اس ریاست میں ہیں مہاتی

نے فتح پائی۔ احمد خاں ابدالی شکست کھاکر کابل واپس چلا گیا۔ اسی حالت میں نواب یہاں ایک مرض میں مبتلا ہوئے۔ ۴ جمادی الآخرہ ۱۱۶۱ھ (۲۲ مئی ۱۷۴۸ء) کو وقت عصر راہگرائے ملک جاوداں ہوئے۔

آزاد لکھتے ہیں کہ نعش اٹھانے کے وقت خلق سے اس قدر شور و غریو برپا ہوا کہ زمین و زمان لرزہ میں آگئے بڑے بڑے اولیاء کرام و صلحاء عظام اور امرائے با احتشام جنازۂ مبارک کو ایک میدان وسیع تک دوش بدوش لے گئے۔ وہاں نماز ادا کی، پھر شاہ برہان الدین غریب قدس سرہٗ کے روضۂ مطہرہ میں لائے اور پایان مرقد شیخ، مائل بہ قبلہ راحت کدۂ ابدی میں پیکر عالی کو پہونچا دیا۔ "متوجہ بہشت" (۱۱۶۱ھ) تاریخ رحلت ہے۔

مسلمان اور ہندو تذکرہ نگاران کو چھوڑ دیجئے انگریز مورخین بھی نواب کو بڑی عظمت و احترام سے یاد کرتے اور اُن کی شجاعت و بسالت اور حسن تدبیر و دانائی و فرزانگی کی نہایت تحسین و ستائش کرتے ہیں۔ ہندوستان کا امپیریل گزیٹیر

(a) A Distinguished general of Aurangzeb

(b) Distinguished alike in war and political sagacity

لکھکر ان چند منتخب و ممتاز الفاظ میں آپ کا نام نامی لیتا اور اپنا فرض مردم شناسی ادا کرتا ہے۔

نواب کی طبیعت نہایت موزوں واقع ہوئی تھی۔ آپ کے نتائج طبع سے ایک دیوان ضخیم یادگار ہے ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۴ء) میں جبکہ نواب بہ تقریب وزارت دکن سے شاہجہاں آباد تشریف لائے

پیداوار معدنی میں بالخصوص ہیرا، سونا اور کوئلہ داخل ہیں۔

تجارت اور مصنوعات میں لٹھ، گوٹہ، لیس، اور بدری کی اشیاء ہیں۔ نہایت بیش قیمت چیزیں ہر قسم کی اور اعلیٰ درجہ کے قالین اور غالیچے یہاں تیار ہوتے ہیں۔

ڈاک کا محکمہ اور طریقہ اس ریاست میں اپنے قلمرو کے لئے خود اپنا قائم ہے اور ڈاک کے ٹکٹ بھی اپنے ہی جاری ہیں۔

اس سرکار ابد قرار کی فیاضیاں، عطیات، وظائف اور مدد معاش۔ اوقاف۔ جاگیر و سمستھان پوری تفصیل اور مکمل بیان کی مستحق ہیں۔ مگر ان معدود صفحات میں گنجائش کہاں۔

ریاست کا سکہ جو حالی سکہ کہلاتا ہے ۱۸۵۷ء سے جاری ہے، وقتاً فوقتاً اُسکی شان اور وضع میں اصلاح و ترمیم ہوکر مجموعہ روپیہ اور عثمانی سکے مفرد و رائج ہوئے ہیں سکہ سمی کے چہرہ پر چار مینار کی شکل منقوش ہے۔

ہوئے تھے اور میر عبد الجلیل بھی مع اپنے دونوں نواسوں کے وہاں وارد تھے نواب نے اپنا ایک شعر مجمع شعرا میں پیش کیا اور غزل پوری کرنے کی خواہش کی ؎

کے سوے چمن می رَوَد آن دست حنائی　　امروز کہ آئینۂ گلزار بدست است

اور اپنا یہ مصرع بھی پڑھا تاکہ کوئی صاحب پیش مصرع لگا سکیں تو لگا دیں ع

گُل آئینہ از آبِ رخ او تازگی دارد

اس مصرع کا قافیہ صعوبت و دشواری سے خالی نہ تھا۔ نواب امین الدولہ وقائع نگار حضور معلے نے میر عبد الجلیل سے تحریک کی اور اسکی انجام دہی کے لئے تکلیف دی۔ میر نے اُسی زمین میں پورا قصیدہ لکھ ڈالا۔ مطلع یہ ہے ؎

تا حسن ترا مشعل انوار بدست است　　مہ را ہمہ شب کاسہ گدا وار بدست است

اور جس مصرع کو پیش کیا تھا اُس پر پیش مصرع بھی لگا دیا اور کچھ شعر اور لاحق کر کے غزل تمام کر دی یہ تین شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

رُخِ او از بہارِ حسنِ زیبا ماندگی دارد　　گل آئینہ از آبِ رخِ او تازگی دارد

زہم پاشید اوراق دل صد لخت نادیدم　　کتاب حسنت از چینِ جبیں شیرازگی دارد

بفکرِ صاف نوابِ نظام الملک می نازم　　کہ فطرت از خیالِ او بلند آوازگی دارد

نواب امین الدولہ نے وہ قصیدہ اور غزل نواب نظام الملک آصف جاہ کے روبرو پیش کی۔ بغایت محظوظ ہوئے اور ملاقات کے لئے تکلیف دی اور اصرار فرمایا۔ مجبورانہ میر صاحب نے ایک دوسرا قصیدہ مدحیہ تیار کیا اور ایک شب کو امین الدولہ کے ساتھ نواب کی مجلس میں پہونچے۔ نواب نے واذا اتاکم کریما فاکرموہ پر عمل فرمایا اور اندازہ اور توقع سے زیادہ اعزاز و احترام کیا اور اپنے برابر بے فاصلہ جگہ دی۔ جب قصیدہ کی کیفیت معلوم ہوئی اور کاغذ نگاہ پڑی تو شمع قریب منگا کر پڑھنے کے لئے اشارہ کیا۔ ہر ایک شعر کو کمال اطمینان و جمعیت خاطر کے ساتھ آہستہ آہستہ سنتے اور تعجب رہے مضامین رنگین اور ترکیبات دلکش کی تحسین و آفرین کی۔ قصیدہ سننے کے بعد پانچ ہزار روپیہ اور خلعت و اسپ

وجہ صلہ میں دینا چاہا۔ میر صاحب نے اپنے ضابطہ قدیم کے مطابق اُسکو بھی قبول نہیں کیا۔
یہ قصیدہ بھی بڑے زور کا ہے اور محاسن و تکلفات شاعری سے مملو۔ اس میں عربی و فارسی و ترکی و ہندی چاروں زبانوں میں کہن سال و کہنہ مشق سخنور کی قوت تخیل و توصیف جلوہ افروز ہے اس لئے نقل کیا جاتا ہے ؎

بہار آمد و داد گرد غنچہ بند قبا — گرہ ز خاطر بلبل کشود فیض صبا
ز بسکہ سبزہ و گل در چمن ہجوم آورد — نسیم کرد بصد حیلہ جاے خود را وا
گرفت قہوہ بکف در پیالۂ یاقوت — برائے شاہد نوروز لالۂ حمرا
بہ بیں بہ لالۂ و تحریک غنچہ در ہر برگ — چو طوطے کہ ز منقار وا کند پرہا
شکنج طرۂ سنبل کمند صید نظر — نگاہ دیدۂ نرگس فسون ہوش ربا
دمید نغمہ ز منقار بلبل خوشگو — چو گلبنے کہ از و بشگفد گل رعنا
فزود حسن چمن از سحاب گوہر بار — چنانچہ شان وزارت ز عمدۃ الوزرا
نظام ملت و ملک افتخار اہل کرم — قوام دین و دول آفتاب مجد و علا
بود بحسن وزارت بہ از نظام الملک — کہ نقش ثانی بہتر کشد نگار آرا
مشابہ کف او بحر چوں تواند شد — کہ نقص خرد بود مدبحر را بقفا
حباب نیست کہ بحر از تشبہ کف او — کلاہ فخر بینداخت از خوشی بہ ہوا
رسن ز موج زدہ بر میان بکف کشتی — کز و سوال کند چوں قلندر دریا
ز بیم کثرت جودش محیط نالہ کند — گواہ اوست بریں بیم رعشۂ اعضا
گرفت خضر یمنی خرد ز دانش او — چنانکہ خلق ز جودش اصابع یسریٰ
رسیدہ است بجائے تقدس ذاتش — کہ چوں ملک بود از جنس انس مستغنا
چو او ندیدہ امیرے مہذب الاخلاق — بعینک مہ و مہر ایں سپہر پشت دوتا
مثال روح مصور بود بپاکی ذات — نشان عقل مجسم بود بہ فہم و ذکا

چکد ز سنبل و گل شیشه شیشه عنبر و عطر — چو گرم جوشی خلقش شود چمن پیرا
صفای آئینه رای او بود چندان — که می نماید از و آنچه رود هر فردا
کرم ز دست گهربار او بود ممنون — ظفر به تیغ چمن کار او بود شیدا
تعجب است ز شمشیر آتش افروزی — که جای تیغ کف است و کف است بحر عطا
گره گره نبود نیزهٔ عدو شکنش — که بند گشته در دجا بجا دل اعدا
گه نبرد بود همچو ابر صاعقه بار — کمان چو قوس قزح تیر چون شهاب رسا
هزار شکر کز و مسند وزارت یافت — همان که یافت تن عاذرا ز دم عیسی
برسم جشن طرب چید بزم رنگینی — که از تصور آن خامه گشت شاخ حنا
ترانه سنج ز مرغوله ساخت چوگانی — ربود گوی دل سامعان بحسن ادا
سپهر شد همه تن دیدهٔ تماشائی — پی نظارهٔ این محفل نشاط افزا
بو قولتا و تو توک دن چوچوک قوشوق چقدی — تو توکی تولو د تو توک بولدی نیشکر موندا
قوشوق نسیم دن آچیلدی کوپ کل بندک — قیتور بقشلغ بولسون بلند قلدی نوا
محیط مدحت او را کرانه پیدا نیست — بزورق قلمی چون توان نمود شنا
شعار من نبود شعر لیک کنم زین حرف — که اهل فضل و خرد است زاهل فضل دعا
اَقُولُ وَفَّقَكَ اللّٰهُ دَائِمًا بِالْخَيْرِ — لِانْتِظَامِ اُمُوْرِ الْاَنَامِ فِي الدُّنْيَا
اَدَامَ قَدْرَكَ فِي الْجَاهِ مَا سَمَا الْاَفْلَاكُ — وَشَدَّ اَزْرَكَ بِالْعِزِّ مَا دَسَتْ رِضْوٰى
فَاَنْتَ خَيْرُ ظَهِيْرٍ لِمَنْ رَمَاهُ الدَّهْرُ — وَاَنْتَ خَيْرُ نَصِيْرٍ لِزُمْرَةِ الضُّعَفَا
قَدْ اِسْتَجَابَ دُعَائِي اِلٰهُنَا الْمُتَعَالُ — بِمُرْسَلٍ عَرَبِيٍّ وَّآلِهِ النُّجَبَا
ز فضل گر گزرم تیغ و نیزه می گیرم — که بر جلادت من شاهد اند این دو گوا
ز ذوالفقار چو برهان قاطعی دارم — بروز معرکه فیصل نمایم این دعوی

[۹] انتظام (افتعال) کا ہمزہ وصلی ہے۔ گرنا چاہیے تھا یہاں باقی رکھا گیا ہے۔ ضرورت شعری سے مجبوری ہے۔

قلم نوشت برائے وزارتش تاریخ — "وزیر کشورِ ہند آصف دوام البقا" ۱۱۳۴ھ

"ہزار و یکصد و سی و چہار نصّ نشاط" — دو گونہ جوہر تاریخ از و شود پیدا ۱۱۳۴ھ

نظمت فی العربی الفصیح تاریخاً — جَلی وِزارَتَہٗ سَالِکُ الرَّبیعِ لَنا ۱۱۳۴ھ

اسیں دے کے کہی ہندوی موں یوں سنبت[۹۲] — "ہے جگت موں اچل باس یہہ وزیر سدا"

خرد بخامۂ عبدالجلیل کرد ارشاد — کہ ختم کن بدعا ایں قصیدۂ غرا

ملائک از پئے آمین ایں دعا شدہ اند — برنگ نرگس و گل چشم و گوش فوق سما

ہمیشہ ہر دو زہم شاد و کامران باشند — دے از وزارت و از دے وزارتِ اعلیٰ

نواب آصف جاہ جیسے خود سخن سنج اور سخن فہم امیر تھے ویسے ہی قدر شناس اہل کمال بھی تھے۔ مرزا بیدل سے تلمذ تھا شاکر تخلص فرماتے۔ مرزا صاحب جب ان کے یہاں جاتے تھے تو نواب اُن کی بڑی تعظیم و تکریم فرماتے۔ استقبال و مشایعت کرتے اور اپنی مسند پر بٹھاتے تھے۔ مرزا کے منشآت میں کئی رقعے چین قلیچ خاں کے نام ہیں جو نواب کا پرانا خطاب تھا۔

---

۹۲ سمبت، ہندی میں سال کو کہتے ہیں۔ راجہ وکرماجیت کا سمبت تقریباً اپنے ستاون (۵۶ ق م) برس قبل حضرت مسیح سے شمار شروع ہوتا ہے۔ میرے حساب سے اُس وقت ہندی سمبت ۱۷۷۸ رہا ہوگا۔

سادات بارہہ

خلد مکاں عالمگیر نے اپنی وصایا میں شاہزادۂ عالیجاہ محمد معظم (بہادر شاہ) کو تحریر کیا تھا:-

"نہم آنکہ باسادات لازم کہ آں سعادت نشان بموجب آیۂ کریمہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی محبت ایں جامہ کہ اجر نبوت است ہرگز مقصر نباید بود کہ ثمر خیر دنیا و عاقبت است لیکن باسادات بارہہ کمال احتیاط باید نمود و در محبت ظاہری و باطنی قصور نباید کرد و بحسب ظاہر مرتبہ اینہا را نباید افزود کہ شریک غالب بلکہ شریک ظالم۔ بلکہ اگر اندک استرخاے عنان شود ندامت فائدہ ندارد۔ مصرع۔ دریغ سود ندارد چو رفت کار از دست"

"نویں یہ کہ اُس سعادت مند فرزند کے لئے لازم ہے کہ سادات کے ساتھ محبت رکھنے میں ہرگز کوتاہی نہ کریں جو آیۂ قرآنی کے بموجب رسالت کا اجر قرار پائی ہے [(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے اِس (تبلیغ رسالت) پر کوئی مزدوری تو مانگتا نہیں مگر رشتے ناطے کی محبت (تو قائم رکھو) (جزء ۲۵۔ سورۃ الشوریٰ۔ ع۔ ۳۔ ۴)] کیونکہ اس سے دنیا اور آخرت کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن سادات بارہہ کے ساتھ نہایت احتیاط رکھنا چاہیئے، اور ظاہری و باطنی محبت میں کمی نہ کرنا چاہیئے البتہ اُن کا ظاہری مرتبہ نہ بڑھانا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ شریک غالب بلکہ شریک ظالم ہوتے ہیں اور اگر ان کی باگ ذرا بھی ڈھیلی کردی تو پھر پشیمانی سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔"

سادات صحیح النسب کے بارہ گاؤں دریائے گنگ و جمن کے مابین ضلع مظفر نگر میں مدتہائے دراز سے مشہور و معروف ہیں۔ اکبر کے عہد میں یہ قطعہ سرکار سہارنپور میں داخل تھا۔ یہاں کے سادات شجاعت و بہادری میں ہمیشہ ممتاز و نامور رہے ہیں۔ ان کے اسلاف کی نسبت کہا گیا ہے کہ ۷۵۱ھ (۱۳۵۰ء) کے قریب یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ اُس وقت دہلی میں سادات کا خاندان فرمانروا تھا۔ اُس خاندان نے سرپرستی فرمائی تو ان غریب الدیار سیدوں نے اپنے جوہر دکھائے اور اعزاز و عروج

خوب بڑھا۔ ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) میں سلطان خضر خاں نے سہارنپور کی حکومت و نگرانی سید سلیم کے سپرد کی۔ وہی اُس وقت اس خاندان کے مقدم و پیشوا تھے۔ اُس کے بعد ان سادات کا اثر دربار اور اہل دربار پر برابر بڑھتا رہا۔

اس دلاور طبقہ نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ چنانچہ سید محمود بارہ جو سکندر شاہ سوری کے ساتھ قلعہ مان کوٹ میں محصور تھا مجبور ہو کر اکبر کی فوج سے آکر ملا اور اُس کی ملازمت اختیار کی۔ چار ہزاری منصب تک پہونچا۔ سید ہاشم اس کے بیٹے نے بھی باپ کے برابر رتبہ پایا۔ اور سرکاری خدمت میں جان دی۔ سید احمد، سید راجو، سید عبدالمطلب اور سید عبداللہ خاں (اول) کے کارنامے عہد اکبری کے ہمیشہ بہار چمن سمجھے جاتے ہیں۔ عبداللہ خاں کو بادشاہ نے داؤد خاں باغی بنگالہ کے استیصال کے لئے بھیجا تھا۔ سید محمود کو مع افواج شاہی کے پٹن میں مرزایان و شیر خاں فولادی نے گھیر لیا۔ عبدالمطلب خاں عین وقت پر مدد کو پہونچا اور بادشاہی شان و شوکت کو قائم و برقرار رکھا۔ رانائے میواڑ کے مقابلہ میں (اُسی اکبری عہد میں) سادات بارہہ نے بڑی مردانگی و بہادری سے کام لیا تھا اور کمال ثابت قدمی سے لڑے تھے۔ سادات بارہہ کے بہت سے نام آئین اکبری میں بزرگان جاوید دولت کے ذیل میں ملتے ہیں۔ ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) میں جہانگیر نے سید سیف خاں بارہہ کو شاہزادہ پرویز کا اتالیق مقرر کر کے لشکر جرار کے ساتھ خانخاناں کی مدد کے لئے دکن کی مہم پر بھیجا تھا۔ مرزا عزیز کوکلتاش کا یہ قول بالکل سچا تھا کہ "سادات بارہہ دولت اکبری پر فدا ہیں۔"

اکبر اور اُس کے عالی حوصلہ اخلاف کے زمانہ میں اس خاندان نے بڑے بڑے عہدے اور منصب اور وسیع جایدادیں اور جاگیریں پائی تھیں۔ اگر ایک طرف منتظمین و مدبرین سلطنت کی حیثیت سے سارے شاہی قلمرو میں ان کی شہرت و نیکنامی کا سکہ چل رہا تھا تو دوسری طرف فوجی بہادر اور دلیر سپاہیوں کے طور پر دریائے سندھ سے نربدا تک ہندوستان، ان کے گھوڑوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ انھیں کی قوت و بسالت کا نتیجہ تھا کہ بہادر شاہ اول نے ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) میں آگرہ فتح کیا اور تاج و تخت کا مالک ہوا۔

اسی تذکرہ کے صفحات سے واضح ہوگا کہ ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) کے انقلابات اور فرخ سیر کی تخت نشینی میں بھی سادات بارہہ کا ہاتھ کام کر رہا تھا جس کے صلہ و جلدوے خدمت میں سید عبدالجلیل خاں (دوم) وزیر مطلق اور سید حسین علی خاں سپہ سالار اعظم (کمانڈر ان چیف) بنا دیے گئے تھے۔ مگر اس کے بعد ہی زوال شروع ہوگیا اور سادات بارہہ کی قوت اور جمعیت ان کے مخالف و معاند وزیر قمرالدین خاں کی تدابیر اور دراندازیوں سے منتشر و پراگندہ ہوگئی حتیٰ کہ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں اس خاندان کا تعلق دہلی اور سلطنت سے بالکل قطع ہوگیا۔

سادات بارہہ سے تعلقات

میر عبدالجلیل کے تعلقات و روابط سادات بارہہ سے نہایت صادق و راسخ تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ جس شان و اخلاص و عقیدت کے ساتھ انھوں نے نباہی اور جو اختصاص و احترام انھوں نے مبذول رکھا صفحات تاریخ پر یادگار و مرتسم رہے گا۔ تفصیل اوراق آیندہ میں ملے گی۔ ایک وجہ موافقت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ سادات بارہہ کا نسب اوپر جاکر سید ابوالفرح واسطی سے ملتا ہے جو سید محمد صغرے بلگرامی کے بھی مورث تھے۔ گویا سادات بلگرام اور سادات بارہہ ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ ضلع ہردوئی کا گزٹیر بعنوان "باشندگان" بذیل "سادات" رقم طراز ہے:۔

"بلگرام اور شاہ آباد میں زیدی زیادہ ہیں۔ اس سے اس روایت کا ثبوت ملتا ہے کہ خاندان بلگرام کا تعلق سادات بارہہ مظفر نگر سے ہے۔ زیدی سادات اضلاع مظفر نگر و میرٹھ و بجنور میں زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ضلع ہردوئی میں عموماً اور پرگنہ جات پنڈرداو بلگرام میں ان کے پاس زمینداری بھی بہت ہے" .....

"سادات کا خاندان سید محمد صغریٰ کی اولاد میں ہے جو بعہد التمش بلگرام میں آئے تھے جنکو

اس مقام کی فتح کے بعد ایک جاگیر وسیع ملی جو اب تک اُن کے احفاد کے قبضہ میں ہے.....
بلگرام کے شجرہ سے پایا جاتا ہے کہ محمد صغریٰ کی چھٹی پشت میں سید ابوالفرح واسطی تھے۔ انھیں کی نسل
میں مظفر نگر کا مشہور خاندان بارہہ بھی ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو اُن کا لڑکا داؤد سادات بلگرام اور
رہتان پوری شاخ نسل بارہہ دونوں کا مورث ہوگا۔"

آغاز

میر عبدالجلیل اور نواب دلیر دل خاں سے بھکر میں روشناسی ہوگئی تھی۔ اسی وسیلت شناسائی
سے نواب بخشی الممالک امیر الامرا کی ملازمت میں میر پہونچے۔ دلّی کا قیام ادھر بیماری سے مجبور اُدھر
بیکاری سے پریشان۔ جب بیماری سے کچھ فرصت پاتے تو دلیر دل نواب کے ہمراہ جاکر امیر الامرا کے
مجرائی ہوجاتے۔ ایک نفیس قصیدہ (یا خود اُنھیں کے الفاظ میں "ایک رنگین کاغذ") امیر الامرا کے
لئے تیار کیا تھا جس کو دیکھکر فضلائے دہلی متعجب تھے۔ دلیر دل خاں نے اُسکی تقریب کی۔ امیر الامرا نے
فرمایا کہ صبح جب فضلائے وقت یکجا ہوں تو پیش کیا جائے۔ روزوں کی وجہ سے وہ صحبت منعقد
نہ ہوسکی اور نہ رمضان بھر وہ کاغذ نظر سے گذر سکا۔ اِدھر نواب دلیر دل خاں آخر رمضان میں
صوبہ دار مقرر ہوکر چلے گئے۔ اور اُردوے معلّٰے (پائے تخت) میں میر عبدالجلیل کا جو کچھ سہارا یا مربی
تھا رخصت ہوگیا۔ مگر نواب صاحب چلتے وقت امیر الامرا سے "پروانگی مجرا" لے کر ان کو دیتے گئے
تھے۔ چنانچہ اُن کی روانگی کے بعد میر صاحب نے دو تین بار حاضری دی۔ عید کے دن رباعی تہنیت
بھی پیش کی۔ اس مبارکباد کو مطالعہ فرماکر متبسم ہوئے اور کہنے لگے کہ "نہایت خوب کہی ہے" حسب
دستور میر صاحب تسلیمات بجالائے۔ امیر الامرا نے بیٹھ جانے کے لئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اُس زمانہ
میں اُن کے جبروت کا یہ اقتضا تھا کہ اگر کسی کی طرف اتنا بھی متوجہ ہوجاتے تو گویا اُس کو نہال کردیتے
تھے۔ ع

اُن کا نہ دیکھنا نظرِ التفات تھا

رباعی یہ تھی ؎

نواب فلک رتبہ امیر الامرا ہر حرف زعید بھر او شد ایما

عین از عیش دیار یمن است نشاں دال آمدہ رمز دولت فیض آرا

جس زمانہ میں میر عبد الجلیل دہلی میں مقیم اور مبتلائے بخار تھے۔ امیر الامرا کے مشکوے معلے میں لڑکا پیدا ہوا۔ اس سے قبل جو اولاد ہوئی تھی اُنکی ولادت میں بڑی خوشی و شادمانی کیگئی تھی۔ ضیافت و انعامات میں زر خطیر خرچ کیا گیا تھا۔ مگر کسی بچہ نے زندگی نہیں پائی اور والدین کو مفارقت کا داغ دے گئے۔ اس لئے اس بچہ کے پیدا ہونے پر نواب نے نہ کسی کی نذر لی نہ کچھ خوشی کی میر عبد الجلیل نے عربی فارسی و ہندی میں علیٰ حدہ علیٰ حدہ رنگ سے تاریخ تولد باسلوب دعا لکھی اور دربار میں پیش کی۔ نواب نہایت محظوظ ہوئے۔ مولوی جیون اور جوجو صاحب کہ وہاں بیٹھے ہوئے تھے دیکھکر بہت خوش ہوے۔ مولوی صاحب نے سب کے سامنے فرمایا کہ "ہمکو تمہاری ذات پر افتخار ہے کہ ہمارے زمانہ میں تم جیسے اہل استعداد موجود ہیں"۔

فی العربیۃ ؎

سأل[۵۹۳] امیر الامرا[۵۹۴] نعمۃ وھی قد وھر الولد المستنیر

ارخ فی ذالک عبد الجلیل امتعہ اللہ بعمر کبیر ۱۱۲۶ھ

فارسی ؎

گلے شگفت بگلزار خاندان حسین زمانہ شد بہ دوام بقاے اُو ضامن

فرشتہ آمین[۵۹۵] گفتا چو گفتم ایں تاریخ ہزار سال شود عمر ایں گل آمن[۵۹۶] ۱۱۲۶ھ

۵۹۳ امیر الامرا ایک نعمت پر پہونچا۔ یہ نعمت فرزند روشن کا آتا ہے۔ اس بارہ میں عبد الجلیل نے تاریخ کہی۔ اللہ تعالیٰ اُسکو عمر دراز نصیب فرمائے۔

۵۹۴ الامرا دکی ہمزہ کا حذف کرنا عربی ترکیب میں محل اعتراض ہے۔ وزن جمع الف ممدودہ کے ساتھ ہے نہ کہ الف مقصورہ کے ساتھ۔ ضرورت شعری کی توجیہ بھی ضعیف ہے۔

۵۹۵ موزونی مصرع میں تامل ہے۔ آمین اسم فعل ہے، بمعنی دُعا کو قبول کر یا ایسا ہی ہو۔

۵۹۶ آمن بمد الف و کسرۂ میم۔ امن کا اسم فاعل جو بحالت امالہ ایمن ہو جاتا ہے۔ آمن و ایمن بے خوف و بے وحشت

ہندی ؎

پتر جنم سپنت کھوں بنس حسین مہیپ
چر نجیو جگ جگ صدا یہ سپتسر کل دیپ ۱۱۲۶ھ

سوانح نگاری بھکر و سیوستان اور بخشی گری و وقائع نگاری سرکار سیوستان سے میر عبدالجلیل کی منقولی خدمت کی وجہ یہ تھی کہ پرگنہ جنوبی سرکار بھکر میں ایک بار بارش ہوئی جس کے قطرے درختوں کے پتوں پر منجمد ہو گئے جو رنگ و ذائقہ میں نبات (مصری) سے اصلاً تفاوت نہ رکھتے تھے میر صاحب نے یہ رباعی کہی اور فرد سوانح میں لکھدی ؎

فرخ سیر آن شہنشہ بابرکات — چرخ از ادب او شدہ شیریں حرکات
در سند زمیں عہد عشرت مہدش — باراں بارید ریزۂ قند و نبات

اتفاقاً اس رباعی کا تذکرہ دربار امیر الامرا میں آگیا کہ اس پر میر جملہ نے اعتبار نہ کیا اور عرض والا میں پہونچایا تھا۔ شعیب خاں نے امیر الامرا سے عرض کیا کہ فلاں نے خوب رباعی کہی ہے جو سننے کے قابل ہے نواب صاحب میر عبدالجلیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے رباعی پڑھ دی اور ساری روداد عرض کی۔ رباعی بہت پسند کی اور وہ 'فرد رباعی' (پرچہ) اُسی طرح ہاتھ میں لئے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ظاہراً نواب قطب الملک (وزیر اعظم) اُسی روز امیر الامرا کے یہاں آئے تھے۔ انھوں نے تخلیہ میں فرد مذکور قطب الملک کے حوالہ کی اور کہا کہ یہ مقدمہ عرض معلی کے قابل ہے۔ انھوں نے بھی تصدیق کی اور فرد کو لئے ہوئے جب دربار پہونچے تو سب سے پہلے یہی فرد حضرت ظل سبحانی کے ہاتھ میں دیدی۔ حضرت بدولت نے مطالعہ فرما کر نہایت پسند کیا اور آفرین و تحسین کی قطب الملک نے گزارش کیا کہ یہ ہی رباعی تو قائل کی تغییر کا باعث ہوئی ہے۔ حضرت نے تعجب و استبعاد کر کے خود فرمایا کہ ہم نے بدستور خدمات سابق پر بحال کیا۔ دوسرے دن جب میر صاحب امیر الامرا کے یہاں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ "لیجئے صاحب آپ تو اپنی خدمات پر بحال ہو گئے۔ یہ بحالی کی پروانگی آگئی ہے۔"

میر صاحب کے دوست شیخ محمد رضا تونسوی نے بھی جو بہکر کے بخشی و وقائع نگار بڑے بزرگ اور موزون طبع تھے اسی واقعہ کے متعلق دو تین رباعیاں فردوس وقائع میں درج کر دی تھیں انھیں شیخ صاحب کو میر عبدالجلیل اپنے نج کے خطوط میں "شیخ محمد رضا جیو" کے نام سے یاد کرتے ہیں ؎

چو فرخ سیر بادشاہِ جہاں — بیاراست گیتی چو باغ جناں
بجشن ہمایوں جلوسش ملک — نثار شکر کرد از آسماں

میر کی یہ رباعی شیخ مرتضیٰ حسین الہ یار بلگرامی نے بھی حدیقۃ الاقالیم میں نقل کی ہے سیوستان کے جغرافیہ میں لکھتے ہیں کہ اُس دیار میں قند و نبات کے ریزوں کی بارش تو سو جریب سے لیکر ایک ہزار جریب تک کے رقبہ میں ہوئی تھی۔ میر نے اس واقعہ کو درج روزنامچہ کیا اور بحکم فرخ سیر بادشاہ معزول ہوئے تو اپنی تصدیق کے لئے خدایار خاں ناظم صوبہ و دیگر رؤسائے معتبر اور قاضی شہر وغیرہ ارباب شرع کی مُہر و دستخط سے محضر مرتب کرا کے شاہجہاں آباد لے گئے۔ تحریری شہادت کی تائید میں ایک بار شتر کے بقدر اصلی عطیہ قدرت بھی ہمراہ تھا اس کو دارائی کے خریطوں (تھیلیوں) میں بھروا کر حسین علی خاں کی معرفت حضور معلیٰ میں پیش کیا اور کامیاب ہوئے۔ شیخ کہتے ہیں کہ یہ آسمانی قند ایک دام میں بہت سا ملجاتا تھا۔ برسوں ٹھہرتا تھا۔ رنگ کی صفائی اور براقی میں یہ ریزے اُولوں (ژالہ) یا نمک سنگ کے مشابہ تھے انکا قوام اتنا سخت تھا کہ آہنی ہاون دستہ سے بہ دُشواری ٹوٹتے تھے۔ خواص یہ تھا کہ چند روز تک آنکھ میں لگانے سے ناخنہ، جالا، مانڈہ، آنکھ کی پھلی وغیرہ امراض جو مانع بصارت ہوتے ہیں دُور ہو جاتے تھے۔ اچھی خاصی آنکھوں میں کوئی لگاتا تو روشنی بڑھتی تھی۔ اس کو آنکھ میں رکھنے سے سُعال (کھانسی) جاتا رہتا تھا۔

سید حسن علی خاں

سید حسن علی خاں برادر کلاں عالمگیر خلد مکاں کے عہد میں خطاب خانی[۹۹۷] سے سرفراز اور فوجداری نندربار[۹۹۸] و سلطان پور[۹۹۹] توابع بگلانہ[۱۰۰۰] پر ممتاز تھے۔ بعد ازاں حاکم اورنگ آباد مقرر ہوئے۔ جب شاہزادہ محمد معزالدین بن شاہ عالم کو خلد مکاں نے صوبہ دار ملتان مقرر کر کے بھیجا تو حسن علی خاں کو شاہزادے کے ہمرکاب جانے کا حکم دیا۔ لیکن حسن علی خاں کی شاہزادہ سے موافقت مزاج نہیں ہوئی اور وہ آزردہ خاطر ہو کر لاہور واپس آئے۔ عالمگیر نے ایک رقعہ میں اس کا ذکر کیا اور عمدۃ الملک امیر الامرا امیر خاں کو لکھا ہے کہ

"حسن علی خاں با فرزند زادہ معزالدین برہم زدہ نیکی نمود بے اجازت ایشاں برخاستہ آمد و شاہزادہ شکوہ نوشتہ منصب کم باید کرد و جاگیر ضبط نمود۔ تا دیگراں را عبرت شود بیت

کند تحمل بسیار مرد را بے قدر کماں چو تن بہ کشیدن دہد کمادہ شود

اعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔"

میر عبدالجلیل کا قیام اُس وقت بکر و سیوستان میں تھا جب حسن علی خاں نے نواحی بکر سے ہو کر لاہور جانے کا قصد کیا تو میر عبدالجلیل نے اُن کے ساتھ نہایت پسندیدہ اور اُن کے شایان شان

---

۹۹۷ خان ترکی یا تاتاری خطاب ہے۔ اصل ملک (ترکستان یا تاتار) میں بادشاہ یا کسی فرقہ کے امیر کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ہندوستان میں بمعنی سردار و امیر و رئیس مستعمل ہے۔ ایران میں بھی امرا و سلاطین کے نام کے ساتھ لگایا جاتا تھا

۹۹۸ سرکار نندربار۔ محال نندربار با حویلی۔ صوبہ مالوہ میں تھا۔

۹۹۹ سلطان پور۔ صوبہ بمبئی کے ضلع خاندیس مغربی میں ایک اُجڑا ہوا یا نیم ویران قصبہ ہے جو کسی وقت نندربار کا دارالملک تھا۔

۱۰۰۰ بگلانہ، صوبہ مالوہ میں ایک سرکار تھی۔ آئین اکبری میں بدیل صوبہ گجرات لکھا ہے "میان سرکار سورت و نندربار کوہستانے است آباد آں بگلانہ گوبند (بفتح باد سکون کاف فارسی و لام و الف و فتح نون و ہائے مکتوب) بومی راٹھور"۔ صوبہ گجرات کے یہ کوہ و قلعے بعض کتابوں میں بگلانا بھی لکھے گئے ہیں۔

خدمات و مراعات کیں سادات سے ارتباط کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ شاہ عالم کے عہد میں حسن علی خاں چار ہزاری منصب پر فائز ہو کر صوبہ داری اجمیر[۱۰۱] اور بعد ازاں صوبہ داری الہ آباد[۱۰۲] پر متعین ہوئے

[۱۰۱] اجمیر کے شمال میں ریاست جودھ پور (مارواڑ)، جنوب میں اودے پور (میواڑ) و میواڑ، مشرق میں ریاست ہائے جے پور و کشن گڈھ اور غرب میں جودھ پور واقع ہیں۔

کہتے ہیں کہ اجمیر کا نام اُس کے بانی راجا اجا کے نام سے پڑا تھا۔ وہ چوہان راجپوت تھا اُس نے شہر و قلعۂ اجمیر کی بنیاد قریب ۱۴۵ء کے ڈالی تھی۔ لیکن ڈاکٹر بہلر Bühler وغیرہ کا خیال ہے کہ اس راجا اجا اور اجے کا زمانہ قریب ۱۱۱۰ء کے رہا ہوگا۔ تو پھر یہ ہی زمانہ اجمیر کی آبادی پڑنے کا بھی سمجھنا چاہیئے۔ اجے کے لڑکے آنا یا ارنو نے ۱۱۵۰ء کے قریب آنا ساگر کا خوبصورت بند بندھوایا تھا جس پر بعد ازاں شاہجہاں نے ایک شاندار سلسلہ سنگ مرمر کے محلات اور کوشکوں کا تعمیر کرا دیا۔ ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں پرتھوی راج دہلی و اجمیر کا فرمانروا تھا۔ اُس کے زمانہ میں شہاب الدین محمد غوری نے دہلی پر حملہ کیا۔ اور ناکام رہا۔ ۵۸۸ھ (۱۱۹۳ء) میں محمد غوری پھر افغانستان اور وسط ایشیا سے تازہ دم فوج لیکر آیا، پرتھی راج نے شکست پائی گرفتار اور قتل ہوا۔ دہلی سے فارغ ہو کر محمد غوری اجمیر آیا اور یہاں باشندگان کا قتل عام ہوا۔ پہلے پرتھی راج کا ایک لڑکا پھر اُس کا چچا ہری راج حاکم ماتحت کے طور پر اجمیر میں رہے۔ اس کے بعد قطب الدین غوری نے جو اُس وقت محض نائب السلطنت تھا اجمیر کو سلطنت دہلی سے ملحق کر لیا۔ قطب الدین کی وفات کے بعد ۶۰۰ھ (۱۲۰۳ء) میں میرو سولنکی قبائل کے اہل گجرات نے رات کے وقت تارا گڈھ پر حملہ کیا یہی قلعہ شہر اجمیر کا محافظ و پناہ دہندہ ہے۔ ان لوگوں نے قلعہ کی مسلمان محافظ فوج کا ایک ایک شخص قتل کر ڈالا۔ سید حسین خنگ سوار شقہ دار (گورنر) کی درگاہ جس نے اس حملہ میں جان بحق تسلیم کی تھی تارا گڈھ میں اب بھی نہایت قابل لحاظ مقام ہے اسکی فرع اُسکے رفقا اور اُسکے گھوڑوں کی قبروں کے اُسی ایک احاطہ میں ہے جو مجمع شہیداں کہلاتا ہے۔ اُسکے بعد شمس الدین التمش نے پھر یہاں حکومت اسلامی قائم کی جو تیمور اعظم کے حملہ تک رہی۔ رانا کومبھ والی میواڑ نے اُس زمانہ کی بدعملی اور ملکی بے انتظامی سے فائدہ اُٹھا کر اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں مار ڈالا گیا۔ اسکے بعد ۸۷۵ھ (۱۴۷۰ء) سے ۹۳۸ھ (۱۵۳۱ء) تک اجمیر مسلمان فرمانروایان مالوہ کے تحت میں رہا۔ حتی کہ سلطنت مالوہ کا الحاق گجرات سے ہو گیا۔ مال دیو راٹھور نے مارواڑ کی گدی پانے کے بعد ہی اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ بالآخر اکبر کے اوائل عہد میں اجمیر پھر سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا۔

اکبر کے زمانہ میں اجمیر اُسی نام کے ایک صوبہ میں داخل تھا جس کا اطلاق تقریباً پورے راجپوتانہ پر ہوتا تھا۔ قلعہ اور اطراف اجمیر کی اہمیت ریاست ہائے راجپوتانہ کے قلب میں واقع ہونے کی حیثیت سے سلاطین اسلام نے فوراً دریافت اور محسوس کر لی تھی۔ یہ بڑے بڑے شوارع کا مرکز اور جائے اتصال تھا۔ شمالی ہند کے

محمد معزالدین اور فرخ سیر کی معرکہ آرائی میں جو کھجوہ (ضلع فتح پور) میں ہوئی۔ فتح سیر نے فتح پائی۔ اس میں حسن علی خاں اور اُن کے بھائی نے کمال شجاعت و مردانگی کا اظہار کیا۔ فتح کا سہرہ انھیں کے سر رہا اس حُسن خدمت اور فوز عظیم کے صلہ میں بادشاہ نے حسن علی خاں کو منصب ہفت ہزاری اور

گجرات تک ایک طرف، اور مالوہ تک دوسری طرف، سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ اجمیر خود تجارت کا مرکز و مرجع تھا، اس کے مستحکم قلعہ سے اُسکی بخوبی اور کامل حفاظت ہوتی تھی۔ اطراف و نواحی کے خشک و بے آب مقامات کے مقابلہ میں وہاں پانی بافراط تھا۔ اسلئے بادشاہان مغلیہ کے وقت میں اجمیر مسکن شاہان بھی رہا تھا۔ اکبر نے منت مانی تھی کہ اگر اُس کے بیٹا ہوگا اور زندہ رہے گا تو وہ زیارت کے لئے آگرہ سے اجمیر جائیگا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند کے مرقد مبارک پر حاضر ہوکر سجدۂ شکر بجالائے گا۔ چنانچہ کمال عقیدت و استقامت کے ساتھ اُس نے پا پیادہ چلکر اس منت کو پورا کیا۔ سلیم (جو تاج و تخت پاکر جہانگیر کہلایا) ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) میں اکبر کے مشکوے معلیٰ میں پیدا ہوا اور پھر مُراد ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں۔ تو اکبر نے آکر اس متبرک درگاہ کی زیارت کی۔ شہر کے گرد قلعہ بندی کرائی۔ تین برس میں دولت خانہ مکمل ہوا۔ اُمرا و ارکان سلطنت نے عالیشان عمارات بنوائیں۔ اکبر نے آگرہ سے اجمیر تک راہ بتانے کے لیے سڑک پر برابر ستون بنوائے تھے جو اب تک اچھی حالت میں ہیں۔ جہانگیر و شاہجہاں نے بھی اپنے عہد کا معقول حصہ اجمیر میں صرف کیا یہی مقام ہے جہاں جہانگیر کے دربار میں سر ٹامس رو Sir Thomas Roe جیمس اول بادشاہ انگلستان کا سفیر حاضر ہوا تھا اور جہاں محرم ۱۰۲۵ھ (جنوری ۱۶۱۶ء) میں اُسکو پہلا موقع بجا آوری آداب و کورنشات کا ملا۔ اجمیر کے قریب چھ میل جنوب کو ۹ رمضان ۱۰۶۸ھ کو (جون ۱۶۵۸ء میں) اورنگ زیب نے اپنے بھائی دارا شکوہ کو شکست دی تھی۔ دارا کی شکست کے زمانہ سے فرخ سیر کے دُور رالینی برادران سادات کے زوال و وفات ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۰ء) تک اجمیر کی تاریخ قابل ذکر واقعات و ہنگاموں سے خالی نظر آتی ہے۔ ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۱ء) میں اجیت سنگھ ولد راجہ جسونت سنگھ والی مارواڑ نے سلطنت مغلیہ کے انحطاط و زوال سے فائدہ اُٹھا کر بادشاہی صوبہ دار کو مار ڈالا۔ اور اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ محمد شاہ کا تسلط عارضی طور پر پھر ہو گیا تھا لیکن دس سال بعد اُس نے ابھے سنگھ پسر اجیت سنگھ کو صوبہ دار اجمیر اور احمد آباد کا مقرر کر دیا ۱۱۴۴ھ (۱۷۳۱ء) سے ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۰ء) تک راٹھور راجگان مارواڑ اجمیر پر برابر حکمراں رہے۔

شہر اجمیر کی آبادی ۱۹۰۱ء میں ۳۸۳۹، تھی۔ ۱۹۱۱ء میں ۸۶۲۲۲ ہوئی اور ۱۹۲۱ء میں ۱۱۳۵۱۲ پر پہونچی۔ اسمیں شک نہیں کہ اس اضافہ شمار میں غالب حصہ زائرین درگاہ شریف کا ہے لیکن ویسے بھی

سات ہزار سوار کا مرحمت فرمایا۔ ان کے باپ کا نام سید عبداللہ خاں تھا۔ اس لئے ان کو سید عبداللہ خاں قطب الملک یار وفادار ظفر جنگ خطاب عطا کیا۔ وزارت اعلیٰ کا بلند پایہ تفویض ہوا۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ قطب الملک نے عنان وزارت راجہ رتن چند کے ہاتھ میں دیدی تھی اور خود عیش و عشرت

مجموعی حیثیت سے شہر کی آبادی ترقی پر ہے۔ ریلوں کی وجہ سے تجارت کو بھی فروغ ہے۔

یہاں کئی ریلوں کا مرکز ہے۔ شہر کے گرد سنگین دیوار تھی، جو اب شکستہ حال ہے۔ پانچ پھاٹک ہیں۔ آثار قدیمہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) اڑھائی دن کا جھونپڑا موسال دیو چوہان راجہ کا تعمیر کردہ تعلیم گاہ تھا۔ محمد غوری کے عہد میں مسجد بنا۔ اس مسجد اور قطب مینار دونوں کی تعمیر کا زمانہ ایک ہی بتایا جاتا ہے۔ (۲) آناساگر کے بند پر شاہجہانی محلات و قصور۔ جو محض تفریح گاہیں تھیں۔ ان میں سے چار اب بھی اچھی حالت میں ہیں مع فرش حمام سابق۔ (۳) درگاہ خواجہ صاحب مع مساجد اکبری و شاہجہانی اور دیگر عمارات اور پھاٹک۔ حضرت خواجہ نے ننانوے سال کی عمر میں بروز جمعہ ۶۔ رجب ۶۳۳ھ (۱۶ مارچ ۱۲۳۶ء) کو وفات پائی۔ روضہ کی تعمیر ۶۳۳ھ میں بعہد شمس الدین التمش شروع اور زمانہ ہمایوں میں ختم ہوئی۔ ماہ رجب میں ۶ روز تک عرس ہوتا اور زائرین و طالبین کا ازدحام کثیر رہتا ہے۔ (۴) اکبر کا تعمیر کیا ہوا قلعہ۔ یہ ایک مربع اور بھاری عظیم الشان عمارت ہے۔ یہی بادشاہوں کا قیام گاہ اور جائے دربار عام تھا۔ (۵) نور چشمہ، باغ و مسکن شاہان مغلیہ (۶) دولت باغ۔ اسکو جہانگیر نے نصب کیا تھا۔ آناساگر کے قریب شہر کی طرف ہے اس میں بڑے کہنہ سال درخت موجود ہیں۔

۱۴ الہ آباد۔ ہندو اور اسلامی تاریخوں کے لحاظ سے نہایت قدیم اور اہم مقام ہے۔ پانڈو برادران نے اپنی جلاوطنی کا کچھ زمانہ اس کے اطراف میں بسر کیا تھا۔ راجہ رام چندر اور سیتا جی بھی اپنی طویل اور دیرطلب سفر کے دوران میں یہاں سے ہو کر گزرے تھے۔ ایک عرصہ تک یہ بھی کہا جاتا تھا کہ کوسم جو جنوب میں ہے وہی کوسمبھی ہے جس کا مہابھارت اور پرانوں میں ذکر ہے لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد اب وثوق کے ساتھ صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ یہ مقام چوتھی یا پانچویں صدی مسیحی میں گپت حکمرانوں کی عملداری میں شامل تھا۔ چینی سیاح ہیون تسانگ کے سفرنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ الہ آباد ہرش وردھن بادشاہ قنوج کی مملکت میں ساتویں صدی کے شروع میں شامل ہوا تھا۔ ۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) میں سلطان معزالدین محمد سام مشہور بہ شہاب الدین غوری نے اس پر حملہ کیا اور اس وقت سے مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ تیرھویں اور چودھویں صدی مسیحی میں نواح الہ آباد کے قطعات کڑہ کے متعلق تھے یعنی وہی قصبہ گورنہ کا دارالصدر تھا ۶۸۵ھ (۱۲۸۶ء) میں معزالدین کیقباد اور اس کے باپ سے کڑے میں ملاقات ہوئی۔ لڑکا ابھی دہلی

میں پڑ گئے تھے۔ اس کے بعد جو موافقت بادشاہ سے رہی اور بعد چندے جس قدر ناموافقت و مخالفت بڑھی اور فرخ سیر اور ان بھائیوں اور ان کے ہواخواہوں کا جو حشر ہوا، جو واقعات و انقلابات نظم سلطنت

کے تخت پر اپنے دادا غیاث الدین بلبن کی جگہ پر بیٹھا تھا اور باپ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے بنگالہ سے آ رہا تھا۔ دونوں کڑے میں کچھا ہوئے اور اس نیت سے کہ خونریزی کی نوبت نہ آئے دریائے گنگ کے شکم میں اپنی اپنی کشتیوں پر سوار ہو کر دونوں گفتگو کرنے لگے۔ ارادہ تھا کہ دونوں ساتھ ساتھ دارالسلطنت کو جائیں گے۔

اواخر تیرھویں صدی میں الہ آباد، علاؤالدین حکمران کڑا کے قبضہ میں تھا۔ ۱۷۔ رمضان ۶۹۵ھ (۱۷۔ جولائی ۱۲۹۶ء) کو اسی دریائے گنگ کے ظرف یا ریگ کے میدان میں مانک پور و کڑا کے مابین علاءالدین نے اپنی زشت اعمالی و شقاوت قلبی سے اپنے معمر چچا سلطان جلال الدین فیروز شاہ کو دغا و فریب سے مار ڈالا۔ اس کے بعد بھی مدت ہائے دراز تک یہاں بغاوت کے اعلان، مطلق العنانی کے اشتہار اور تشددات و خونریزی کے واقعات ہوتے رہے۔ ۹۳۱ھ (۱۵۲۵ء) میں اسکو پٹھانوں کے ہاتھ سے ظہیرالدین بابر نے چھینا۔ ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) میں اکبر مہم ٹھٹھہ پر جا رہا تھا، پریاگ سے گزرا تو حکم دیا کہ گنگا و جمنا کے اتصال پر جو ہندوؤں کی تیرتھ کا مقام ہے قلعۂ آگرہ کے نقشہ پر ایک عظیم الشان اور مضبوط قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۲۸ جلوس میں یہ کام ختم ہوا۔ جسمیں چار قلعے اور بارہ باغ اور کئی مکانات دلکشا بیگمات اور شاہزادوں کی محلسرائیں اور دولت خانۂ شاہی تعمیر و تکمیل کئے گئے۔ ٹکسال قائم کی گئی۔ شریف سرمدی کا یہ شعر سکہ پر منقوش ہوا ؎

ہمیشہ چوں زر خورشید و ماہ روشن باد　　بشرق و غرب جہاں سکۂ الہ آباد

شاہزادہ سلیم جو بعد کو جہانگیر کہلایا ہے اپنے باپ کے عہد میں الہ آباد کا صوبہ دار تھا۔ خسرو باغ کے نام سے مشہور پر فضا اور روح افزا روضہ، جہانگیر کے باغی و طاغی بیٹے خسرو کی شوریدہ سری کی یاد اب تک تازہ کر رہا ہے۔

اٹھارھویں صدی مسیحی کے اوائل میں بوندیلے بسر کردگی چھترسال، سلطنت مغلیہ کے خلاف یورش و سرکشی کر رہے تھے کہ نواب محمد خاں بنگش (والی فرخ آباد) صوبہ دار الہ آباد مقرر کر کے انکے استیصال کے لئے بھیجا گیا

شہر الہ آباد کی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ایک لاکھ پینتالیس ہزار چھ سو پانچ نفوس کی تھی۔ شہر جمنا کے بائیں ساحل پر جہاں وہ گنگا سے آکر ملگئی ہے آباد ہے۔ ہندوؤں کے زمانہ میں اس کا نام پریاگ یا پراگ (قربانی کی جگہ) تھا۔ دونوں دریاؤں کے اتصال کی وجہ سے یہ مقام ہمیشہ متبرک سمجھا گیا ہے۔ عام طور پر یہ بھی مشہور ہے کہ ایک تیسرا دریا سرسوتی، جو پنجاب کے جنوب و غرب میں پہونچکر ریگزار میں ناپید ہو گیا تھا، یہاں آکر پھر نمودار ہوا ہے اور گنگا و جمنا سے مل گیا ہے۔ سب سے پرانی یادگار قلعہ کے اندر ایک ستون ہے جس پر اشوک

میں پیش آتے رہے، بادشاہ گردی کی جو داستانیں یکے بعد دیگرے سنائی گئیں صفحات تاریخ اُن سے سیاہ ہیں تفصیل و نقل کی ضرورت نہیں۔ قطب الملک اور اُن کے رفقا و اعوان نے سلطان ابراہیم بن رفیع الشان بن شاہ عالم کو تخت پر بٹھایا۔ ایک طرف سادات بارہہ اور اُن کے انصار تھے، دوسری طرف محمد شاہی فوج

کا کعبہ تیسری صدی قبل مسیح کا ہے۔ اسی پر دوسری تحریر سامودرگپت کی فتوحات واقع چوتھی صدی مسیحی کی ہے اور تیسری نورالدین جہانگیر کے عہد کی۔

پہلے پراگ نام تھا، اکبر نے عظیم الشان قلعہ بنوایا تو اُسی زمانہ سے شہر کا نام الہاباس۔ الہ آباس اور الہ آباد قرار پایا اور ایک صوبہ کا صدر مقام ہو گیا۔ اکبر کے عہد کے اختتام پر شاہزادہ سلیم (جہانگیر) اس صوبہ کا گورنر تھا اور قلعہ میں رہتا تھا۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں شہر اور صوبہ کو بھی اُنھیں تمام انقلابات و شور و شر سے سامنا کرنا پڑا جو بالای ہند میں زوال سلطنت مغلیہ کے پیش خیمہ تھے ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۳ء) سے ۱۱۳۲ھ (۱۷۲۹ء) تک محمد خان بنگش فرخ آباد یہاں کا گورنر رہا۔ پھر ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) میں مرہٹوں نے شہر پر حملہ کیا۔ ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ء) میں صفدر جنگ نواب اودھ کے ہاتھ میں عنان حکومت آگئی۔

پرانے وقت کی عمارتیں قلعہ میں بہت کم باقی ہیں، ان کی بجائے زیادہ تر انگریزی بارکیں و سلاح خانہ وغیرہ قائم ہوئے ہیں۔ خسرو باغ شاہی تفریح گاہ ہے۔ خسرو جو جہانگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور جس نے اکبر کے بعد آگرہ کا تخت چھین لینے کی کوشش کی تھی مگر شکست پائی، اس باغ میں خود اُس کا اور اُسکی ماں و بہن کا روضہ ہے۔

عہد حاضرہ میں الہ آباد نہ صرف تین ندیوں کا سنگم بلکہ ہر قسم کے علمی و عقلی، ذہنی و مادی دریاؤں کا سرچشمہ بنا ہوا ہے۔ یہاں کی یونیورسٹی اپنے قابل و فاضل اساتذہ اور ڈیفیسروں کے طفیل میں اور پبلک لائبریری اپنی نادر و بیش بہا کتابوں کے ذخیرہ کے ساتھ اہل شوق اور تشنگان کمال کو صلائے کرم دے رہی اور فیض ابدی پہونچا رہی ہیں۔ ہائی کورٹ اور بورڈ مال کی عدالتیں اہل مظلمت اور اہل دولت کے لئے سب سے بڑی نصفت گاہیں ہیں ریلوں کا مرکز ہے جہاں سے ہر سمت سڑکیں جاتی ہیں۔ تجارت و آمد و رفت کے لئے ہر قسم کی سہولت و آسانی مہیا ہے۔

روحانیات کے تعلق سے پریاگ راج، ایک بڑا پرستش گاہ اور مرتاض رشیوں کا مرجع ہے۔

عمارات محدثہ میں یونی ورسٹی کا سینٹ ہال۔ لا کالج، یونیورسٹی لائبریری، میور سنٹرل کالج، میوہال، تھارن ہل مین میموریل (جس میں کتب خانہ عامہ ہے) ہائی کورٹ، پتھر کا گرجا، بہت سے مدارس و کالج اور ہوسٹل و بورڈنگ ہوس (طلبا کے دارالاقامت) قابل دید ہیں۔

[1] جنوبی ہند کی آکسفورڈ، بلند و بالا مقام اور مقاصد کے اتباع اور اپنے اصول کی نگہداشت میں استقلال و اولیت طلبہ کے نوادر طلبہ کے نوادر اور تعلیم کی شان اور تعلیم و تربیت میں اُس کا مقام اب دوانتہا سے اور دو بندی میں مصروف ہے۔

کا توپ خانہ۔ ۱۴ محرم ۱۱۳۳ھ مطابق ۲۔ نومبر ۱۷۲۰ء کو لڑائی ہوئی۔ سادات نے شکست پائی قطب الملک مجروح ہوئے۔ حیدر علی میر آتش انکو اپنے ہاتھی پر سوار کرا کے بادشاہ کے سامنے لے گیا۔ بادشاہ نے جان بخشی کرکے حیدر قلی خاں کے حوالہ کر دیا۔ قطب الملک بادشاہی قید میں کئی سال رہے۔ دو بار زہر دیا گیا۔ پہلی مرتبہ ان کے وفا کیش خدمتگار نے زہر مہرہ گھس کر پلا دیا تھا خوب استفراغ کیا اور قے سے زہر نکل گیا۔ دوسرے دن بادشاہی خواجہ سرا پھر پیالہ لے کر آیا۔ حسن علی خاں نے راضی بہ قضا ہو کر پی لیا۔ اور سلخ (۳۰) ذیحجہ ۱۱۳۵ھ

نواب شائستہ خاں بن نواب آصف جاہ کی شاہجہانی مسجد جو ۱۰۵۶ھ (۱۶۴۶ء) میں تعمیر ہوئی تھی گردش روزگار کے نذر ہو چکی، حسب روایت مسٹر بیل اوائل عملداری ایسٹ انڈیا کمپنی یعنی ۱۸۰۰ء میں کرنیل کیٹ نے اسکو تغیر دیکر اپنی بود و باش کا مکان بنا لیا تھا۔ دس سال بعد یعنی ۱۸۱۱ء میں کمپنی کے حکم سے پھر اصلی صورت میں تبدیل کر دی گئی بشپ ہیبر نے بھی اس مسجد (جامع) کو دیکھا تھا وہ اسکی بڑی تعریف کرتا اور اسکی خوبی موقع، بلندی، حسن مناظر قرب دریا کی تحسین کرتا ہے۔ مدت تک جمعہ و عیدین کی نماز یہاں ہوتی رہی آخر یہ حالت بھی انقلابات حکومت و شدائد غدر سے قائم نہ رہی۔ اب اینٹ اور چونے کا ڈھیر ہے۔ عہد اسلام کی مفصلہ ذیل یادگاریں اب بھی باقی ہیں (۱) خلد آباد کی سرائے ۹۹۷ھ (۱۵۸۹ء) (۲) مسجد شیخ محمد افضلؒ (بقعہ افضل) ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۷ء) (۳) خانقاہ شیخ محمد افضلؒ (مقام افضل) ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ء) (۴) مسجد دائرہ شاہ محب اللہ ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۴-۹۵ء) (۵) خانقاہ دائرہ شاہ محب اللہ ۱۱۰۸ھ (۱۶۹۶ء) کی تعمیر ہیں۔ (۶) مقبرہ شاہ عبد الجلیلؒ جو نہایت مرتفع اور شاندار و مستحکم ہے۔ شاہ صاحب کی رحلت کے بعد غلام محی الدین نے ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۲ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ (۷) روضہ زینت النسا بیگم واقع بہادر گنج ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ء) (۸) مسجد حسام الدین علی خاں، نزدیک باغ بادشاہی بزمانہ قیام شاہ عالم بادشاہ ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۷ء) (۹) مسجد قدم رسول ۱۱۸۲ھ (۱۷۶۸ء) (۱۰) مسجد رسول پور (سادات۔ حال اکبر نریمی آبادی) قریب قدم رسول۔ تعمیر فوجدار خاں، فیلبان منصب دار شاہ عالم ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) (۱۱) مقبرہ منور علی شاہ۔ شاہ صاحب بڑے معمر و سن رسیدہ ہو کر گزرے ہیں۔ آپ کے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور و مذکور ہیں۔ تاریخ پیدائش ۱۱۔ رمضان ۱۱۹۱ھ (۱۵۔ اگست ۱۷۷۸ء) اور تاریخ وفات ۴۔ جمادی الآخر ۱۱۹۹ھ (۱۵۔ اپریل ۱۷۸۵ء) بتائی جاتی ہے۔

الہ آباد کے آثار خصوصی میں بارہ سرائیں اور بارہ دائرے شمار کئے جاتے تھے۔ سرائے مسافروں کی قیامگاہ اور وارد و صادر کے لئے جائے راحت تھی۔ دائرہ Monastery یہاں کے باشندے فقرا اور اہل اللہ کے مساکن اور درویشوں کے مقامات کو کہتے ہیں۔ جس کے احاطہ میں متعدد مکانات بلکہ مساجد و خانقاہیں بھی ہوتی ہیں

۱۹ ستمبر ۱۷۲۳ء) کو تین سال قید رہکر اس جہان ناپائدار کے ترددات وصعوبات سے نجات پائی اور وہیں دہلی میں دفن ہوئے ؎

عجب رفیق ہے یہ بیکسی کہ بعد فنا سر مزار مجاور ہے نوحہ گر بھی ہے!

یہاں کبھی ذوق وشوق والوں کا مجمع اور طالبان فضل وکمال کا ہجوم رہتا تھا۔ علوم صوری ومعنوی سے افادہ وافاضہ کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں جو دوائر شہرت ونمود رکھتے تھے۔ صاحب آرائش محفل نے انکو مختصراً تحریر کردیا تھا کچھ ان میں سے بھی اب نابود ہو چکے ہیں۔ ان کے آثار زبان حال سے کہہ رہے ہیں ؎

محو ہونا ہی تجھے ہے اگر اے یاد دنا میری تربت پہ نشان سر تربت ہونا

چند باقی ہیں۔ مثلاً دائرہ شاہ اجملؒ (سابق دائرہ شیخ محمد افضلؒ وشاہ خوب اللہؒ) ۲۔ دائرہ شاہ حجت اللہؒ (اصلاً دائرہ شاہ محب اللہؒ) ۳۔ دائرہ شاہ غلام علیؒ (حال محمدی شاہؒ) ۴۔ دائرہ شاہ نور علی وغیرہ۔ مگر ان میں نہ وہ رونق ہے نہ وہ عالم۔ شرف المکان بالمکین بزرگوں کے نام لیوا اور نقش قدم پر چلنے والے اخلاف حتی الوسع ان کو آباد کئے ہوئے ہیں اور اس دور خزاں میں بھی محرمان باصبا کے مشام جاں میں گل ویاسمن کی روح پرور نکہت پہونچا رہے ہیں۔

اسی سلسلہ میں اس سیاہکار نقاش سطور کو دائرہ شاہ رفیع الزماں قدس سرہ اور مرقد مبارک حضرت شاہ عبداللطیف نور اللہ مضجعہ کا تبرکاً وتیمناً ذکر کرنا چاہئے تھا [(حضرت شاہ عبداللطیف کا سال وفات ۱۰۳۹ھ مطابق ۱۶۲۹ء اور تاریخ وفات "ہائے شیخ عجم" ہے) شمع گل چین تو از تنگی داماں گلہ دارد۔ حضرت قدسی منزلت "ملاذی وملجائی" سیدی ومولائی شاہ محمد عبداللطیف (ثانی) الحسنی الحسینی القادری النقش بندی طاب ثراہ (متوفی ۱۳۳۳ھ) کی بارگاہ والا میں بھی مجھے اپنی عقیدت واتنان کا اظہار لازم ہے جنکی آرامگاہ خاکی کے زیر سایہ بیٹھ کر میں نے ان اوراق کو سیاہ کیا ہے۔ اور جن کے حریم پاک کے آستانے پر بہت سے فیوض ربانی اور لطائف وبرکات روحانی راقم قلیل البضاعت کے شامل حال رہے ہیں۔ مقبول نامقبول نہ رہے گا مگر صفحات روزگار پر یہ سطریں آپکی بدولت یادگار رہجائینگی۔

ع مانہ مانیم وبگیتی سخن از ما ماند

۱۰۳ کھجوا، ضلع فتح پور، صوبجات متحدہ میں ایک قصبہ وتحصیل کا نام ہے۔ آبادی تین ہزار ہوگی۔ اورنگ زیب نے اپنے بھائی شجاع پر ۱۹۔ ربیع الاول ۱۰۶۹ھ کو (۱۶۵۹ء میں) فتح پائی تو پرانے موضع کھجوا کے موقع پر ایک نئے قصبہ کی بنیاد اس کی یادگار میں ڈالی۔ اورنگ آباد نام رکھا مگر پرانا نام بدستور مشہور رہا۔ سرائے اور بارہ دری، باغ اور تالاب جو اسی زمانہ میں بنائے گئے تھے اچھی عمارتیں ہیں اور سرکار کی طرف سے ان کی بقدر ضرورت

میر عبدالجلیل نے ان کی مدح میں مثنوی لکھی تھی جو مثنوی شادی فرخ سیر بادشاہ میں حسب موقع شامل و داخل کردی۔ چند اشعار یہ ہیں ؎

مگر نواب قطب الملک یک رنگ — وزیر صاحب شمشیر و فرہنگ
ارسطو فطرتے، کاصف نشان است — یمین الدولہ عبداللہ خان است
نظر پروردۂ فضلِ الٰہی — جوان بختِ، تفضل دستگاہی
بدیواں چوں نشیند نوبہار است — بمیداں چوں درآید ذوالفقار است
امیر واہب جود و کرم، اوست — وزیر صاحب سیف و قلم اوست
دلیلِ سیف، جدّش شاہِ مرداں — بدیہی کے بود محتاج برہان

مرمت و درستی بھی ہوگئی ہے ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) میں فرخ سیر نے اپنے برادر عزالدین کو اسی مقام کے قریب شکست دی تھی اور یہاں سے فاتحانہ کوچ کرتا ہوا دہلی گیا تھا۔

۵۱۴ راجہ رتن چند، عبداللہ خاں وزیر کا دیوان بلکہ اُس کے سارے خان و مان کا منتظم اور مختار مطلق تھا۔ اس کی دست اندازی شاہی احکام و دفاتر تک پہونچ گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ رتن چند کسی وقت پرچونی کی دوکان رکھتا تھا۔ اپنے ایمان و عقائد میں کامل و پختہ تھا۔ فرائض کو پوری پابندی و احتیاط و سرگرمی سے ادا کرتا تھا۔ مگر چنداں عاقبت اندیش نہ تھا نہ اپنے سود و بہبود پر نگاہ رکھتا۔ اپنے آقا کے نام سے اُسکے اختیارات نافذ کرتا تھا اور کل سلطنت پر حکمرانی کرنے لگا تھا۔ اُس کی مطلق العنانی و دست درازی کی شکایت مسامع بادشاہی تک پہونچی مگر وزیر نے کبھی توجہ نہ کی نہ اُسکو برطرف کیا۔ رفیع الدرجات کے تخت نشین ہونے پر اس کی اور راجہ اجیت سنگھ کی خواہش سے جزیہ اُٹھا دیا گیا۔ آخر زمانہ میں وہ قاضیوں اور مفتیوں کے تقرر اور امور مذہبی میں دخل دینے لگا تو لوگوں کی نفرت اور بیزاری بہت بڑھ گئی۔ نواب نظام الملک کا بالخصوص بدخواہ اور بداندیش تھا۔

حسن علی خاں کے قتل ہوجانے پر رتن چند نے عبداللہ خاں کے پاس تجویز بھیجا اور خود پالکی میں سوار ہوکر قیامگاہ کو بھاگا جارہا تھا کہ مغلوں نے دیکھ لیا۔ اس کی سخت گیری و جبر سے عوام الناس عاجز تھے ہجوم کثیر ہوگیا رتن چند کو پالکی سے باہر کھینچ لیا اور خوب زدوکوب کی۔ اور رتن برہنہ کرکے محمد امین خاں کے مکان پر لوا گئے۔ خان موصوف نے ستر پوشی کرائی، کپڑے پہنائے اور پابجولاں کرکے قید خانہ بھیجدیا۔

بخاطر خصم را گر غار غار است　　برو برہانِ قاطع ذوالفقار است
وطن او را چو واسطا از قدیم است　　قلم ہم زُد واست۔ حجت مستقیم است

شاہجہاں آباد میں بے آبی کی شکایت سخت تھی۔ قطب الملک نے پرپت گنج کی نہر ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۵ء) میں اصل نہر شاہجہانی سے نکلوائی اور وہاں کے لوگوں اور زمین کو سیراب اور جل تھل کر دیا میر عبدالجلیل نے تاریخ لکھی ؎

بحر جود و فیض، قطب الملک، عبداللہ خاں　　نہر خیرے کرد جاری، آں وزیرِ محتشم
بہر آں عبدالجلیل واسطی تاریخ گفت　　نہرِ قطب الملک مد بحرِ احسان و کرم

میر عبدالجلیل اور اُن کے ارکانِ خاندان کا مسلک باوجود ان تمام تعلقات و مراتم کے نہایت منصفانہ رہا ہے۔ یہ حضرات جہاں سادات بارہہ کے فضائل و محامد و احسانات کو یاد کرتے، اُنکی سخاوت و شجاعت کی داد دیتے ہیں، اُنکے کارہائے نیک و مآثر شریفہ کو شمار کراتے، اُنکی خوبی و نیکنامی کا ذکر کرتے ہیں، وہاں ان کا قلم اس حقیقت کے لکھنے سے باز نہیں رہتا کہ "..... در اواخرِ دولت، راہ غلط پیمودند و تا روزِ قیامت داغ بدنامی بر خود بُردند۔" ..... دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ "سبحان اللہ ہر چند سادات خود دعوائے سلطنت نہ کردند و اولادِ تیموریہ را بر تخت نشاندند۔ اما حرکتے کہ با محمد فرخ سیر کردند مبارک نیامد۔ دمے بآسایش نگزاریدند و نفسے بہ طمانیت نہ کشیدند۔ دریاہائے فتنہ از ہر چہار طرف بتلاطم درآمد و اسباب زوالِ دولت آمادہ گشت" (سرو آزاد)

یہ بھی میر صاحب کی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ میر غلام علی آزاد بھی بادشاہ کو ہر جگہ "فرخ سیر شہید مرحوم" کے نام سے یاد کرتے اور احترام مناسب کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔

فرخ سیر کی نسبت خاتمۂ مثنوی میں جبکہ وہ ناشاد و نامراد دنیا سے رخصت ہو چکا تھا میر صاحب لکھتے ہیں

(۱) کہ شاہنشہ سوئے جنت خرامید
(۲) پے تاریخ ایں مصرع برآمد　　بہ بحرِ رحمتِ ایزد درآمد
(۳) شہنشہ را بہ غفراں یاد آرند۔

سر سید محمد، امیر الامرا حسین علی خاں کی نسبت ایک گفتار (نوٹ) میں لکھتے ہیں "چوں بادشاہ از گفتہ سادات تخلف نمی کرد، بداں رضا داد۔ ہشتم ماہ مذکور (ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ - ۱۸ - فروری ۱۷۱۹ء) ہفت چوکی و منصب داران خاص جلو[۱۰۵] و جلو قدیم را شکوہ برخیزانیدہ در قلعہ بند و بست خود نمود و مردم معتبر از نوکران خود جا بجا نشاندہ خود در حویلی دارا با فوج مسلح نشستہ و نواب قطب الملک و اجیت[۱۰۶] سنگھ راٹھور

---

[۱۰۵] ایم ریان فرانسیسی لکھتا ہے کہ فرخ سیر کا باڈی گارڈ (عسکر محافظ ذات) کئی سو عورتوں کی جماعت پر مشتمل تھا۔ اس میں حبشنیں بھی تھیں، گرجنیں بھی، قلماقنیاں بھی۔ تیغہ و سپر سے سب مسلح رہتی تھیں اکثر کے پاس نیزہ و بندوق بھی ہوتی تھی۔ حبشیہ اور نیگرو اس ملک میں عموماً حبشن کہلاتی تھیں۔ قلماق تاتاری عورتیں ہوتی تھیں۔ گرجن عورتیں وہی ہیں جن کے حسن و جمال کا اس قدر شہرہ و غلغلہ ترکستان اور ایران میں پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان میں تو یہ کسی قدر موٹی اور بھدی سمجھی جاتی ہیں۔ حسن و نزاکت کے لئے اتنا لحم و شحم یہاں ناموزوں اور ناشایان بتایا جاتا ہے۔ نورس و نوخیز نازک و نازنین عورتیں، جن کی تازگی و رعنائیت کا اسفاد ہو، اہل ہند کی نظر میں جذب خاص رکھتی ہیں اور ذوق سلیم کی چیزیں ہیں

[۱۰۶] راجہ اجیت سنگھ کی معرکہ آرائی کا ذکر سید حسین علی خاں کے ذیل میں آچکا ہے۔ نیز جودھ پور مارواڑ کے سلسلۂ تاریخ میں۔ اجیت سنگھ جودھ پور کا راجہ یا اُس زمانہ کے بعض مورخین کے بقول "موروثی زمیندار" تھا راجپوت ٹھاکر راٹھور نسل سے تھا۔ ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ء) میں مسند نشین ہوا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد اجیت سنگھ نے خود مختاری و بغاوت و شرارت اختیار کی تھی۔ بہت سی ناشایستہ حرکات و افعال کا مرتکب ہوا تھا۔ مساجد کو منہدم کرا کے اُن پر مندر تعمیر کرائے تھے۔ ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۵ء) میں اپنی لڑکی کی شادی فرخ سیر بادشاہ سے کی۔ دار الخلافہ کے واقعات اور ہنگاموں کے سلسلہ میں حتی کہ فرخ سیر کی معزولی و قید و بند میں بھی اجیت سنگھ کا نام بارہا آیا ہے۔ ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۰ء) میں دہلی سے چلے جانے کے بعد اُس نے ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۲ء) میں اجمیر پر قبضہ کر لیا اور سکہ بھی اپنے نام سے جاری کیا۔ لیکن دو سال بعد محمد شاہ کے حوالہ کر دیا۔ اسکی حالت دیکھکر اہل تدبیر اور واقعہ طلبوں نے اس کے بیٹے ابھے سنگھ کو ترغیب دی کہ ریاست جودھ پور کو تباہی و بربادی سے بچانا ضروری ہے اور اس ضرورت سے باپ کا قتل کرا دینا اور خود ابھے سنگھ کا گدی پر بیٹھنا عین مصلحت۔ نظر برآں ابھے سنگھ نے ۱۱۳۷ھ (۱۷۲۴ء) میں اپنے بھائی بخت سنگھ کو آمادہ کیا، اُس بدبخت نے اس عمل زشت کا ارتکاب کر کے اپنے باپ کے قتل کا پاپ اپنے سر پر لے لیا۔ یہ واقعہ محمد شاہ کی شروع عملداری کا ہے

راجہ جودھپور و میرٹھ را در قلعہ فرستاد تا بادشاہ را در قید آوردہ میل در چشمش کشیدہ کور کردہ محبوس داشتند۔"

اس کا دستور یہ تھا کہ لوہے کی سلائی آگ میں گرم کرکے آنکھ کے اندر پھیر دی جاتی تھی۔

اجیت سنگھ ایک رات خواب شیریں میں تھا کہ قتل کردیا گیا۔ بارہ تیرہ برس باپ دادا کی گدی پر رہا۔ ابھے سنگھ مسند نشین ہوا۔ ۱۱۴۴ھ (۱۷۳۱ء) میں اس نے محمد شاہ بادشاہ کی بڑی خدمت و نمک حلالی کی احمد آباد کو فتح کیا۔ سربلند خاں کی بغاوت و سرکشی کا استیصال کیا۔ چھبیس سال حکمراں رہا

اجیت سنگھ علم و ہنر اور اہل کمال کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے ایک مبسوط کتاب تالیف کرائی تھی جس میں سورج بنسی خاندان کے حالات شروع سے لیکر اپنے عہد تک کے درج کرائے تھے۔ اس کا سال ولادت ۱۶۵۱ء تھا۔ اجیت سنگھ کا بیٹا ابھے سنگھ جو ۱۷۵۸ء تک حکمران رہا اس بارہ میں اپنے باپ کا ہم قدم صاحبان دانش و فن کا سرپرست اور شعرا کا محسن و مربی تھا۔ جسونت سنگھ (پدر اجیت سنگھ) جو ۱۶۲۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۷۸ء میں فوت ہوا۔ ہندی اور بھاشا میں کامل بتایا جاتا ہے۔ اس نے بھاشا بھوشن اور کئی کتابیں فلسفہ و ویدانت پر یادگار چھوڑی تھیں۔

۵۱۰۷ ریاست جودھپور، مارواڑ، راجپوتانہ میں سب سے بڑی، سب سے پرانی اور تاریخی ریاست ہے۔ چاروں طرف سے دیسی ریاستوں سے محصور ہے۔ مارواڑ کو اسکی خشکی اور کم آبی کی وجہ سے ارض الموت Region of death کہتے ہیں۔ مکرانہ کی سنگ مرمر کی مشہور کانیں بھی اسی ریاست میں ہیں، جہاں سے مہرا راولی کے بلوری پتھروں کی طرح برآمد ہوتا ہے۔

مہاراجگان جودھپور، رام چندر جی فرمانروائے اجودھیا کی نسل سے ہونے کے دعویدار، اور راٹھور راجپوتوں کے مسلم سردار ہیں۔ خاندان سنگھیہ کے ساتھ عرصہ تک اس خاندان کے تعلقات قرابت و رفاقت نہایت مخلصانہ و عزیزانہ و راستبازانہ رہے ہیں۔ راجہ اُدے سنگھ نے اپنی بہن جودھ بائی اکبر کو اور اپنی بیٹی مان بائی شاہزادہ سلیم جہانگیر کی زوجیت میں دی تھیں۔

مہاراجہ کا خطاب سب سے پہلے جسونت سنگھ نے پایا۔ وہ مالوہ کا صوبہ دار اور افواج شاہی کا سالار تھا۔ بہت سی مہمات اور لڑائیوں میں بادشاہ کی طرف سے شریک ہوا اور داد تہور و شجاعت دی۔ اسی کا بیٹا اجیت سنگھ تھا جو باپ کے مرنے کے بعد پیدا ہوا تھا اور جس نے اورنگ زیب کی وفات (۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۷۰۷ء)

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ "ہشتم ماہ ربیع الآخر (۱۸۔فروری ۱۷۱۹ء) سادات بارہہ فرخ سیر بادشاہ را گرفتہ اسیر زنداں کردند۔ شاہ تا دو ماہ محبوس ماندہ جان بہ جاں بخش سپرد۔ بالآخر ہشتم جمادی الآخرہ جنازۂ آں بادشاہ مغفور را بیروں آوردہ در مقبرۂ ہمایوں مدفون ساختند۔"

کے بعد اپنے آبائی مقبوضات و مملوکات پر قبضہ کر لیا اور راجگان اودے پور و جے پور سے اتحاد و موافقت کر کے مسلمانوں کے دست تصرف یا ماتحتی سے خلاصی حاصل کی۔ معاہدۂ اتحاد میں اہم شرط یہ تھی کہ والیان جودھ پور و جے پور خاندان راجہ اودے پور سے پھر روابط قرابت و ازدواج قائم کر لیں گے جو سلاطین مغلیہ سے قرابت کر لینے کی وجہ سے قطع ہو گئے تھے۔ اسی کے ساتھ یہ اقرار بھی تھا کہ اودے پوری شہزادیوں سے جو اولاد ہو اسکو اور رانیوں کی اولاد کے مقابلہ میں مسند نشینی کا حق فائق حاصل ہوگا۔ اسی عہد و پیمان کی بنا پر ۱۱۲۱ھ (۱۷۰۹ء) میں سانبھر میں راجگان موصوف سے سخت لڑائی ہوئی۔ جس کے ایک دو سال بعد بالآخر بہادر شاہ سے صلح ہو گئی۔

برادران سید (بارہہ نے) جن کو فرنگی مورخین 'فتنۂ جنگ' یا the Warwick s of the East کہتے ہیں جب حکومت و اقتدار پایا تو اجیت سنگھ کو مجبور کیا کہ حسب دستور قدیم اور معمول شاہانہ اپنے وارث و ولی عہد کو مع کسی قدر فوج کے بطور یرغمال (کفیل یا ضمانت) آستان خلافت کو بھیجکر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کرے۔ اُس نے انکار کیا۔ تو تنبیہ و سرزنش کے لئے فوج کشی کی گئی۔ تنگ ہو کر اُس نے اپنا بڑا لڑکا ابھے سنگھ دہلی بھیجا اور اپنی لڑکی (راج کنواری) فرخ سیر کو بیاہ دی، بھیجا پائے تخت کو خود بھی گیا۔ کئی سال تک مہاراجہ مذکور نے وہاں حاضری دی اور امرائے دربار اور ارباب حل و عقد کی سازشوں اور مشوروں میں شریک رہا لیکن جب ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) میں فرخ سیر قتل کر دیا گیا تو اس نے سادات کی موافقت اور شرکت کار و رفاقت سے انکار کر دیا۔ اُن کے افعال و اعمال سے بیزاری و تنفر کا اعلان کیا اور ابھے سنگھ کو دہلی میں چھوڑ کر خود ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۰ء) میں جودھ پور واپس چلا آیا۔

شہر جودھ پور پرانا اور سرسبز مقام ہے۔ آبادی ۱۹۲۱ء میں ۳۴۸۰۰ تھی۔ اس کو راؤ جودھا نے آباد اور اپنے نام سے منسوب کیا تھا۔ یہاں کی تجارت خوب اور روز افزوں ترقی پر ہے۔

۵۱۰ میرٹھ کا قلعہ مشہور ہے جس پر اکبر کے حکم سے ۹۶۹ھ (۱۵۶۱ء) میں مرزا شمس الدین نے فوج کشی کی تھی جس وقت رانائے اودے پور کی حکومت میں تھا۔ جے مل رانا کی طرف سے حاکم تھا اُس نے کمال دلیری و مردانگی سے مقابلہ کیا۔ آخر ٹھہر نہ سکا اور قلعہ خالی کر دینا پڑا۔ اکبر کے عہد میں یہ سرحدی مقام اور نہایت زبردست

مسٹر طامس بیل Thomas W. Beale مفتاح التواریخ میں لکھتے ہیں کہ "فرخ سیر دو ماہ بعد از معزولی خود بتاریخ دوازدہم ماہ جمادی الثانی سال مذکور حسب ایمائے قطب الملک در زندان بقتل رسید۔ لاش او را در مقبرہ ہمایوں بادشاہ دفن کردند" لیکن اپنی تاریخ انگریزی میں تاریخ قتل ۹ رجب ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۶ مئی ۱۷۱۹ء تحریر کرتے ہیں۔

حسب روایت سیر المتاخرین فرخ سیر ترپولیہ کے اوپر ایک تنگ و تاریک کمرہ میں محبوس رکھا گیا تھا۔ واضح رہے کہ فرخ سیر کے مظالم کی مزد بھی کچھ کوتاہ نہیں ہے۔ اُس نے ۱۷ ذیقعدہ ۱۱۲۴ھ (۷ دسمبر ۱۷۱۲ء) کو جہاندار شاہ پر فتح پائی۔ تخت فرمانروائی پر اکبر آباد میں جلوس کیا۔ مرزا ایزد بخش رسا کو جو کسی وقت عالمگیر کا میر منشی تھا اور پھر اعظم شاہ کا متوسل اور خیر طلب ہو گیا تھا، طلب کر کے حکم دیا کہ اُسکی مونچھوں کا ایک ایک بال جڑ سے اکھاڑ ڈالا جائے بعد ازاں اُس کو ایک ستون سے باندھ کر آگرہ میں بڑی خواری و بے دردی سے ہلاک کرا دیا۔ شاہجہاں آباد پہونچکر جہاندار اور امیر الامراء ذوالفقار خاں اور بہت سے دیگر اعیان دولت کو قتل کرایا۔ ان کے سر تن سے جُدا کر کے نیزوں پر آویزاں کئے گئے۔ لاشیں پانوں کی طرف سے رسیوں سے باندھ کر ہاتھی کی پشت پر ایک اس طرف، اور دوسری دوسری طرف لٹکا دی گئیں۔ خود بڑی شان و شوکت سے شہر میں داخل ہوا۔ راجہ سُبھہ چند دیوانِ امیر الامراء کو گرفتار کر کے اُسکی زبان کٹوالی۔ جہاندار کے بہت سے مشیروں کو پکڑوا کر مروا ڈالا۔ اعز الدین پسر جہاندار شاہ و عالی تبار پسر اعظم شاہ اور ہمایوں بخت اپنے چھوٹے بھائی کو معدوم البصر کرا کے محبس بھیجدیا۔

اسی بنا پر بعض مورخین نے اسکو حجاج ثانی[۹] کے لقب سے یاد کیا ہے۔ یہ تشابہ (ایک بے اختیار بادشاہ کا ایک بااقتدار وزیر سے) صحیح ہو یا نہو مگر اس میں شک نہیں کہ اسکی شمشیر خون آشام نے اپنی پیاس

سمجھا جاتا تھا۔ اجمیر و ناگور سے اُس طرف میڑھ تھا جے مل کی تعریف و تحسین کے ترانے راجپوت اب تک گاتے ہیں۔ آئین اکبری میں اس کو متعلق سرکار ناگور کے لکھا ہے۔ اور تحریر کیا ہے کہ "قلعہ از سنگ دارد"۔ آزاد دہلوی دربار اکبری میں راجہ میڑھ کے ذیل میں ناملی ہیں کہ سیراٹ باشندگان میرواڑہ کا نام تھا۔

[۹] حجاج بن یوسف ثقفی عبد الملک بن مروان اموی کا امیر الامراء تھا۔ مورخین عرب اسکو "ذریعظیم الوزر والتقصیر" کہتے ہیں۔ شاید اپنے جرائم اور جور و ستم کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نہایت ظالم و سنگدل، ناقدار، ترس

بہت سے گنہگار اور بے گناہوں کے لہو سے بلا امتیاز بجھائی تھی بلکہ بدنصیب و نادانشمند فرخ سیر اپنا دامن زیادہ تر

شخص تھا۔ اسکی گورنری و وزارت کی یادگار بہت سے دردانگیز و روح فرسا واقعات صفحۂ روزگار پر مرتسم ہیں۔ اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے مقابلہ کیا تھا۔ یکم ذیحجہ ۷۲ھ (۲۰-اپریل ۶۹۲ء) کو مکہ معظمہ کا محاصرہ شروع ہوا چھ ماہ تک عرصہ پیکار گرم رہا۔ ام القریٰ کے باشندے اور حرم بیت اللہ میں اماں پانے والے سامان رسد اور خورد و نوش کے بہم نہ پہونچنے سے عاجز آگئے تھے۔ بہت سے صحابۂ پاک قتل ہوئے۔

بایں ہمہ اس کے اعمال حسنہ سے بھی کچھ باتیں قابل تحریر ہیں۔

(۱) قرآن پاک پر اعراب لگائے سچ یہ ہے کہ یہ کام نہایت ضروری اور اچھا تھا۔ اور وہ دنیائے اسلام پر بڑا احسان کر گیا ہے۔ اگر یہ شخص حجاج سفاک" نہ ہوتا تو خدا معلوم کہ اس کار خیر کے اجر و مزد میں اس کا شمار نیک و برگزیدہ مسلمانوں کے کن کن طبقوں میں کیا جاتا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن زبیر کے تعمیر کرائے ہوئے خانہ کعبہ کو ۷۴ھ (۶۹۳ء) میں تعمیر دے کر اپنی طرف سے بنوایا

(۳) ملوک عرب میں سب سے پہلے اپنے بادشاہ عبدالملک بن مروان کا سکہ سونے چاندی پر ۷۶ھ (۶۹۵ء) میں منقوش کر کے جاری کیا۔ اس سے پیشتر بادشاہان عجم کے سکے چلتے تھے۔ (بروایت دینوری)

(۴) بلاذری لکھتا ہے کہ ۷۰ھ (۶۸۹ء) تک محکمۂ خزانہ میں فارسی طریقے، فارسی زبان اور فارسی رقم و مدات رائج تھیں۔ صالح بن عبدالرحمٰن کاتب نے جو سیستان کے گرفتار شدہ قیدیوں میں سے کسی کا بیٹا تھا زادان پسر فرخ (فرخ حجاج کا منشی تھا) ایک دوسرے فارسی یا مجوسی سے جو سواد (کلدانیہ) کے دفتر مالی میں باش کاتب اور محاسب کے عہدہ پر ممتاز تھا شیخی یا طنز سے کہلا بھیجا کہ اگر اجازت ہو تو حسابات کلیتاً عربی میں کر دیئے جائیں۔ حجاج نے سنا تو اسکے موافق حکم دیدیا۔ زادان کا بیٹا مروان شاہ چلا اٹھا کہ "خدا تیری نسل دنیا سے قطع کر دے جیسے تو نے فارسی زبان کی جڑ کاٹی ہے۔" دربار کے پارسیوں نے رشوت کے طور پر اسکو ایک لاکھ درہم بھی پیش کئے تاکہ وہ اس خدمت سے عجز و ناقابلیت کا اعتراف کر کے دستکش ہو جائے مگر اس نے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ ۸۲ھ (۷۰۱ء) میں عراق کا سارا دفتر عربی زبان میں مستقلاً منتقل ہو گیا۔

پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ "عبدالملک کا قابل مگر بے رحم نائب حجاج بن یوسف تھا۔ (یہ ایسا نام ہے جو یزید، ابن زیاد اور شمر کے نام سے کسی طرح کم نفرت و تباغض کے ساتھ نہیں سنا جاتا۔ یعقوبی)۔ مکہ کے محاصرہ اور گولہ باری اور ابن زبیر کی بغاوت کے استیصال کے لئے اسکی تیاری و آمادگی ہی نے سب سے پہلے اسکی سفارش اسکے آقا سے کی تھی۔ پھر تو بائیس برس (۷۲ھ/۶۹۱ء سے ۹۵ھ/۷۱۳ء) تک یہ تشنہ خوں اور بے درد شخص دنیائے اسلام میں ملعون و مطرود بنا رہا۔ اپنی سنگدلی اور شقاوت سے جن لوگوں کو اس نے قتل کر دیا تھا انکی تعداد کا تخمینہ ایک لاکھ بیس ہزار کیا جاتا

ناکردہ گناہ لوگوں کے خون سے داغدار کرکے رخصت ہوا ہے۔ ؎

بجرم عشق مرا گر کشی، چہ خواہی گفت ؟ جواب خون رقیباں کہ بے گناہانند!

میدان جنگ میں جان دینے والوں کا شمار اس کے علاوہ ہے (مروج الذہب مسعودی) باشندگان کوفہ کو اس کا ان کلمات سے خطاب کرنا "خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ نظریں مجھ پر جمی ہوئی ہیں۔ گردنیں میری طرف بڑھی ہوئی ہیں۔ اور سر درو ہو جانے کے لئے خود بخود جھکے ہوئے ہیں۔ کاٹے جانے کے لئے تیار ہیں۔ میں ہی وہ شخص ہوں جو اسکو انجام کو پہونچاؤں گا۔" اس شخص کی خوں آشام طبیعت کے خاصہ کو ظاہر کرتا ہے۔ (الفخری) اس کے آقا عبدالملک کے الفاظ بھی اس سے کم درجہ نہیں رکھتے جو اس نے مسند خلافت پر اپنے جلوس کی خبر پاکر کہے تھے۔ جب بار بک نوید لیکر پہونچا وہ قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ سنتے ہی اس نے کتاب مقدس بند کردی اور اس کی زبان سے نکلا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ

حجاج ۴۱ھ (۶۶۱ء) میں پیدا ہوا۔ ترپن چون سال کی عمر پاکر شوال ۹۵ھ (جولائی ۷۱۴ء) میں فوت ہوا۔ مدفن کوفہ ہے۔ مگر طبری لکھتا ہے کہ پندرہ روز مرض آکلہ میں مبتلا رہا تھا۔ پیٹ میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ سخت تکلیف دہ تھی، اسی حالت میں جمعہ ۲۱۔ رمضان المبارک ۹۵ھ کو چون سال کی عمر میں اس کا خاتمہ ہوا۔ واسط میں دفن کیا گیا۔ مگر قبر نیست و نابود ہو گئی۔ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ

عراق و خراسان میں بیس سال حکومت کی۔ مرنے کے بعد قیدیوں کا شمار کیا گیا تو پچاس ہزار نکلے بیس ہزار عورت اور تیس ہزار مرد۔ اس کے زندان خانہ پر چھت نہیں ہوتی تھی۔ برف اور بارش قیدیوں پر گرتی اور دھوپ کی شدت اور آفتاب کی تپش و تابش سے جلتے بھنتے تھے۔

اگرچہ یہ سب مظالم بھی اختلال عقل کا نتیجہ تھے مگر کچھ دن پہلے سے حواس ظاہری میں اختلال فاحش ہو گیا تھا جو جان کے ساتھ گیا۔ مرض الموت میں ایک منجم سے پوچھا کہ امسال کوئی بادشاہ مریگا یا نہیں۔ اس نے کہا کہ عنقریب وہ فوت ہونیوالا ہے جسکا لقب کلیب ہے۔ حجاج بولا کہ صغر سن میں تو میری ماں بھی مجھے کلیب کہا کرتی تھی۔ منجم نے جواب دیا وَاللّٰهِ اَنْتَ تَمُوْتُ۔ حجاج نے کہا "اچھا۔ پیشتر میں تمھیں کو روانہ کرتا جاؤں"۔ اور بیچارے بیگناہ کی گردن اڑوا دی۔

رجال کے سلسلہ میں حجاج کا شمار تابعین میں ہے۔

حجاج کے سوانح حیات "الحجاج ابن یوسف" ۹۵-۴۱ ہجریہ" کے نام سے جے، پیریر J. Perier نے قلمبند کئے اور ۱۹۰۴ء میں پیرس میں طبع کرائے ہیں۔

سیّد حسین علی خاں

امیر الامرا سید حسین علی خاں، اگرچہ قطب الملک سے چھوٹے تھے لیکن شجاعت و بسالت، سخاوت و علو ہمت، وقار و تمکنت میں بڑے بھائی سے بدرجہا فائق تھے۔ خلد مکان کے عہد میں یہ پہلے حکومت رَن تھنبور[۱] اور آخر کو فوجداری سدول تھانہ پر مقرر تھے۔ محمد اعظم کی لڑائی میں شاہ عالم نے انکی بہادری و مردانگی اور حسنِ تدبیر و کامیابی دیکھ کر سہ ہزاری منصب اور نقارہ عنایت کیا۔ پھر عظیم آباد پٹنہ کی نائب صوبہ داری پر مامور ہوئے۔ معز الدین اور فرخ سیر کی جنگ آزمائی میں حسین علی خاں نے کمال تہور و بہادری دکھائی۔ گھوڑے سے عین وقت پر اُتر کر پیادہ ہو گئے اور خوب لڑے۔ کاری زخم کھائے۔ زمین پر گرے۔ فتح ہونے پر بادشاہ نے حسین علی خاں کو امیر الامرا بہادر فیروز جنگ خطاب اور ہفت ہزاری و ہفت ہزار سوار کا منصب اور میر بخشی گری کی خدمت مرحمت فرمائی۔ جلوس کے دوسرے سال مہاراجہ اجیت سنگھ مارواڑ نے تمرد اختیار کیا۔ اُس کی تنبیہ و استیصال کے لئے سید حسین علی خاں مع ایک

---

[۱] رَن تھم بھور (جس کا صحیح اور اصلی نام رنستمبھ پور (یعنی "سدِ جنگ کا مقام" ہے) نظامت سوائی مادھو پور ریاست جے پور، واقع راجپوتانہ میں ایک مشہور قلعہ ہے جو مضبوط حصار اور دمدموں اور برجوں سے محاط و محفوظ ہے۔ اس کے اندر ایک محل، ایک مسجد، اور ایک قبر کسی مسلمان ولی کی باقی ہے، باقی سب فوجیں یا کھنڈر ہیں۔ سب سے پہلے سلطان التمش نے ۶۲۳ھ (۱۲۲۶ء) میں اس کو فتح کیا تھا۔ مگر قبضہ صرف چند روز رہا۔ ۶۸۹ھ یا ۹۰ھ (۱۲۹۰ء یا ۹۱ء) میں جلال الدین خلجی نے اور ۶۹۹ھ (۱۳۰۰ء) میں علاء الدین کی افواج نے محاصرہ کیا مگر ناکامی ہوئی۔ بالآخر ۷۰۱ھ (۱۳۰۱ء) میں خود علاء الدین گیا اور قلعہ فتح کیا۔ راجہ ہمیر دیو چوہان اور اُس کے رفقا تہ تیغ ہوئے۔ یہ قلعہ کچھ زمانہ تک ریاست مالوہ کے، اور کچھ روز میواڑ کے، اور پھر ریاست بوندی کے تصرف میں رہا۔ ۹۷۶ھ (۱۵۶۹ء) میں اکبر نے خود محاصرہ کر کے اس کو ایک ماہ میں فتح کیا۔ اور سرکار رَن تھم بھور کے نام سے معہ تراسی محالات کے صوبہ اجمیر میں شامل کر دیا رَن تھم بور عرصہ تک خانخاناں کی جاگیر میں تھا۔ اسیران شاہی اور پولیٹیکل مجرم اکثر اسی قلعہ میں رکھے

فوج سنگین وجرار کے مامور ہوئے۔ فوج نے میرٹھ تک جہاں جہاں راجہ کا علاقہ تھا غارت و تاراج کر ڈالا۔ مظفر و منصور لشکر کی ہیبت و صولت سے راجہ بیکانیر کی طرف بھاگ گیا۔ مستحکم و استوار مقامات میں چھپتا اور پناہ لیتا رہا۔ اس بارہ میں امیر الامرا کا حکم جس طرح عمل پذیر ہوتا تھا حسب ذیل بتایا جاتا ہے

"چونکہ اجیت سنگھ و جے سنگھ[۱۱۱] سوائی کے دیہات باہم مخلوط تھے۔ تعلقہ اول کی رعایا ہراس زدہ ہوکر فرار ہوجاتی تھی۔ اس لئے تاراج کرنے والوں کو حکم تھا کہ خالی مواضع کو لوٹ کر آگ لگادیں آباد مکانات سے مزاحمت نہ کریں۔ یہ حالت دیکھکر اجیت سنگھ کی رعایا جے سنگھ کی رعایا کی وساطت سے اماں مانگ کر آجاتی تھی۔ اُس وقت سزا دل متعین کردئے جاتے تھے جو تاراجیوں کو ہدایت کرتے کہ آگ بجھادیں اور جو کچھ لوٹا ہو واپس کردیں۔ اس حکم کی خلاف ورزی نہیں ہونے پاتی تھی۔ بعض ثقہ لوگوں نے گانوں والوں سے جاکر دریافت کیا تو سب نے بالاتفاق کہا تھا کہ جلنے کے سوائے ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔

امیر الامرا کا ضبط و نسق اس حد تک تھا کہ اُن کی فوجیں دو کھیتوں کے اندر ہوکر تنگ و باریک راستہ سے نکل جاتی تھیں مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ راہ سے ذرا ہٹ جائے۔ کھیتی کو ہاتھ لگانا معلوم"

جاتے تھے۔

زوال سلطنت مغلیہ پر سترھویں صدی مسیحی کے آخر میں یہاں کے قلعہ دار نے خود اسکو راجہ جے پور کے حوالہ کردیا تھا۔

اکبر نامہ میں وجہ تسمیہ یہہ لکھی ہے کہ رَن پہاڑ کو کہتے ہیں۔ یہ قلعہ رَن پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا جس پر بڑے بڑے پتھر تھے، اس لئے رَن تھمبور جوشن پوش پہاڑ ہوا۔ جہانگیر نے اپنے توزک میں ایک دوسری وجہ لکھی ہے۔ دو پہاڑ برابر برابر ہیں۔ ایک کا نام رن، دوسرے کا تھنبور ہے قلعہ تھنبور پر ہے۔ کندھار کا مشہور و مستحکم قلعہ رن تھنبور سے پورب کی جانب چند میل پر تھا۔ ابوالفضل لکھتا ہے "قلعہ سنگین دار دبالائے کوہ"۔

[۱۱۱] راجہ جے سنگھ ثانی، اجمیر یا جے پور میواڑ کا موروثی رئیس اور کچھواہہ راجپوتوں کا سردار، مرزا راجہ جے سنگھ کا پرپوتا تھا۔ معمولاً مرزا راجہ جے سنگھ سوائی کہلاتا ہے۔ فرخ سیر کے عہد میں "دہیراج راجہ جے سنگھ"

اجیت سنگھ نے جب اپنی خرابی اور ملک کی تباہی دیکھی تو معتبر وکلا کی معرفت پیش کش حاضر کیا۔ اپنے بڑے لڑکے ابھے سنگھ کو بھیجا۔ اپنی لڑکی بادشاہ کی تزویج میں دینا چاہی، جس کو اس ملک میں ڈولہ دینا کہتے ہیں اور اس طرح اپنے عفو جرائم کا خواستگار ہوا۔ امیر الامرا نے بھی مصالحت پسند کی اور ابھے سنگھ کو ہمراہ لے کر حضور میں پہونچا۔ ڈولہ کے لئے فوج مامور کردی۔ ڈولہ پہونچنے کے بعد بادشاہ کی شادی کے مراسم ادا ہوئے۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ بادشاہان ماسبق کے زمانہ میں بھی ایسی عظیم الشان تقریب کبھی جلوہ پذیر نہیں ہوئی تھی۔ اور اس کے حسن انصرام کا سہرا انھیں بھائیوں کے سر باندھتے ہیں۔ میر عبدالجلیل نے ایک مثنوی رنگین اس رسم طوی کے متعلق لکھی اور داد سخنوری دی تھی۔

کچھ دن بعد امیر الامرا صوبہ دار دکن مقرر ہوگئے۔ میر جملہ سمرقندی، شکایت و سعایت کرکے فرخ سیر کا مزاج اُن کی طرف سے برابر برہم کرتا رہا۔ بہت سے ناگوار و خلاف شان واقعات اور ناملائم مکالمات پیش آئے۔ مخالفت بڑھتی رہی۔ بعض امرا و والیانِ ملک نے سرتابی اختیار کی، جن کی سرزنش و گوشمالی اور باقتضائے مصالح، کسی کسی سے مصالحت کے لئے امیر الامرا کو حزم و ہوشمندی سے کام لینا پڑا۔ قطب الملک، دار الملک کی روز افزوں سازشوں اور دربار کی نزاعات سے پریشان و دل شکستہ

خطاب پایا۔ محمد شاہ نے "سوائی" اضافہ کیا۔ بڑا مدبر و منتظم تھا ہندوستان کے ہر حصہ میں اس نے بازار و کاروان سرائے تعمیر کرائے۔ بڑا دانشمند و حکیم تھا۔ اپنی یادگار پانچ رصدگاہیں چھوڑی تھیں۔ (۱) دہلی (۲) بنارس (۳) متھرا (۴) اوجین (۵) جے پور۔ زیج محمد شاہی کا مجوزہ و بانی بھی ہے۔ ۹۔ شعبان ۱۱۵۶ھ (۱۸۔ ستمبر ۱۷۴۳ء) کو وفات پائی۔ افواج بادشاہی کا سپہ سالار تھا۔ بڑے بڑے کارہائے نمایاں اس نے کئے تھے۔

۱۱۲ امیر الامرا کے بھائی قطب الملک عبداللہ خاں، وزیر اعظم نے رفیع الدرجات کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔ اس کے حکم سے بادشاہ معزول (فرخ سیر) کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔ باقتضائے صلاح ملکی دو بار زہر دیا گیا سخت جانی کا برا ہو، کارگر نہ ہوا۔ آخر تسمہ کشی کی، اور رگھرائے فنا بنایا۔ کہتے ہیں کہ یہ بدعت متحدثہ خود اسی بادشاہ مخبول کی نکالی ہوئی تھی۔ جس روز فرخ سیر کا تابوت ہمایوں کے مقبرہ کو لئے جاتے تھے دہلی میں بلوائے عام ہوگیا تھا۔ شہر کے ہزارہا حاجت مندوں نے، جو بادشاہ مخیر کی فیاضیوں اور خوان کرم و نوال سے روٹی پاتے تھے، کہرام برپا کر رکھا تھا مخالف فریق لکھتا ہے کہ دو تین ہزار مرد و عورت خاصکر بچے اور بازاری فقیر جمع ہوکر ساتھ ساتھ روتے ہوئے چلے۔

ہوگئے تھے ان کی متواتر و مسلسل تاکید و اصرار پر امیر الامرا آخر ربیع الاول ۱۱۳۲ھ (فروری ۱۷۱۹ء) میں دہلی آئے۔ بادشاہ سے علانیہ مخالفت کی۔ ایک ہفتہ بعد قطب الملک اور راجہ اجیت سنگھ کے مشورہ سے قلعہ کا بندوبست ہوا۔ فرخ سیر قید کر دیا گیا۔[۱۱۲] اب بھی امیر الامرا کو آرام و اطمینان نصیب نہ ہوا۔ پہلے شاہزادہ نیکو سیر اور اُس کی فوج سے مقابلہ رہا۔ صلح ہوئی تو چھبیلہ رام ناگر، ناظم الہ آباد اور اُس کے بھتیجے و جانشین گردھر بہادر نے مخالفت کی۔ بالآخر اُن سے بھی مصالحت ہوگئی۔ اب نواب نظام الملک ناظم مالوہ[۱۱۳] کو امیر الامرا سے رنجش پیدا ہوئی۔ جس کا نتیجہ ایک معرکۂ عظیم تھا۔ صاحب سیر المتاخرین اور حاجی مصطفےٰ لکھتے ہیں کہ عبداللہ خاں اور حسین علی خاں دونوں (بھائیوں) کے باہم صفائے قلب نہ تھی اور اندرونی تعلقات صمیم و خالص نہ رہے تھے۔

اعتماد الدولہ محمد امین خاں کی تحریک و تجویز اور نواب نظام الملک کی اجازت و مرضی سے ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۳۱ھ (۲۹ ستمبر ۱۷۱۹ء) روز یکشنبہ کو ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ کو جس کا نام پہلے روشن اختر تھا، تخت سلطنت پر بٹھا دیا گیا۔

۶۔ ذیحجہ ۱۱۳۲ھ (۲۷ ستمبر ۱۷۲۰ء) کو میر حیدر[۱۱۴] ترک نے اپنی "فرد احوال" پیش کرنے کے حیلہ

سادات کے متوسلین پر پتھر پھینکتے، نعرے کرتے، اور آوازے کستے تھے۔ بادشاہ کی قبر پر تین روز تک جمع ہو کر مولود خوانی کرتے رہے۔ اُن میں بھی دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک حیدری، دوسرا نعمت اللہی۔ تفصیل محل مناسب پر آئیگی۔

۱۱۳ مالوہ سے کشور ہند کا وہ مسطح حصہ مراد ہے جس کا رقبہ ۶۳۰ میل مربع ہوگا اور جس میں وسط ہند کے مغربی قطعہ کا بڑا حصہ داخل ہے۔ وہ جزیرہ نمائے ہند کا سب سے زیادہ زرریز، سرسبز اور آباد و قابل سکونت جزو سمجھا جاتا ہے۔ اور جو تاریخ ہندوستان کے عہد قدیم و متوسط میں ہمیشہ نمایاں و ممتاز رہا ہے۔ ہندوؤں کے زمانہ میں اس کے حدود حسب ذیل تھے۔ جنوب میں سلسلہ کوہ وندھیاچل۔ شرق میں سلسلہ کوہ مذکور جو شمال میں بھوپال سے چندیری تک چلا جاتا ہے۔ مغرب میں وہ شاخ جو اُم جھیرہ سے چتور (راجپوتانہ) تک پھیلی ہے۔ شمال میں کمندوارہ سلسلہ جو چتور سے چندیری کے پورب تک جا کر مل گیا ہے۔ مسلمانوں کی عملداری میں صوبہ مالوہ اور بھی وسیع تھا یعنی علاقہ مندرجہ بالا کے علاوہ، ضلع نمار جنوباً مابین وندھیا دست پورہ سلسلہ ہائے کوہ کے، میواڑ (واقع راجپوتانہ) مغرب میں ہاروتی (یعنی ریاست ہائے بوندی و کوٹہ واقع راجپوتانہ) شمال میں

سے قریب جاکر امیر الامرا کے پہلو میں خنجر مار دیا۔ قابو طلبان خوشامد پرست نے تن سے سر جدا کر کے بادشاہ کے روبرو حاضر کیا۔ صاحب مفتاح التواریخ تاریخ قتل ۲۷۔ ذیقعدہ ۱۱۳۲ھ لکھتے ہیں جو ۸ اگست ۱۷۲۰ء کے مطابق ہوتی ہے۔

اور موجودہ ممالک متوسط کا بڑا حصہ جنوب و مشرق میں مع گرھا منڈلا کے شامل تھا۔

مالوہ کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ بودھوں اور ہندوؤں کے زمانہ کے حالات بھی بتفصیل کافی فراہم و قلمبند بتائے جاتے ہیں۔ لیکن اس زنجیر کی کوئی کڑی اپنے اندر دلچسپی و اہمیت کا کوئی نمایاں پہلو نہیں رکھتی اس لئے اُس کے تذکرہ سے گریز کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں میں سب سے پہلے سلطان التمش یہاں آیا، اور ۶۳۱ھ (۱۲۳۴ء) میں اوجین پر قابض ہوا۔ پھر بھیلسہ پر تاخت کی۔ ان دونوں شہروں پر تسلط ہو جانے سے تقریباً سارا مالوہ مسلمانوں کے تصرف میں آگیا جس کا زمانہ سلطان غیاث الدین بلبن کے وقت سے سلطان محمد بن فیروز شاہ کے عہد تک شمار ہوتا ہے۔ بالآخر ۸۰۶ھ (۱۴۰۴ء) میں دلاور خاں غوری استقلال و بادشاہی کا دعویدار ہوا۔

۸۰۴ھ (۱۴۰۱ء) سے ۹۳۸ھ (۱۵۳۱ء) تک وہ ایک خود مختار سلطنت سا رہا جو صوبہ مالوہ یا مانڈو کے نام سے موسوم تھا۔ مانڈو وہ مشہور قلعہ ہے جو ان حکمرانوں کا دار الملک تھا۔ ۹۳۸ھ (۱۵۳۱ء) میں اس کا الحاق گجرات سے ہوا۔ اس کے امرا اس سے پہلے برابر شاہان گجرات و شاہان دکن (خاندان بہمنی) و دیگر روسائے قریب و جوار سے معرکہ آرا ہوتے رہے۔ ابتداءً فیروز شاہ نے دلاور خاں غوری کو (جس کا زمانہ ۸۰۴ھ سے ۸۰۸ھ تک یعنی ۱۴۰۱ء سے ۱۴۰۵ء تک تھا) مالوہ بطور جاگیر دیا تھا۔ لیکن تیمور کے حملہ سے جو انقلابات رونما ہوئے اُن سے منتفع و متمتع ہو کر وہ خود مختار بن گیا اور دھار کو اپنا دار السلطنت مقرر کیا۔ اس کا بیٹا الپ خاں عرف والی خاں جو ہوشنگ شاہ کے نام سے بھی مشہور ہے، جانشین ہوا۔ اس کا زمانہ مابین ۸۰۸ھ و ۸۳۸ھ (۱۴۰۵ء و ۱۴۳۴ء) کے تھا۔ اُس نے ہوشنگ آباد کی بنیاد ڈالی، اس کا عظیم الشان مقبرہ سنگ مرمر کا بنا ہوا قلعہ مانڈو میں موجود ہے۔ وہی یہاں دار السلطنت کو اُٹھا لایا تھا۔ اُس نے ایک پسر نابالغ محمد غزنی خاں چھوڑا تھا جسکو اُس کے ولی و سرپرست محمود خلجی نے بعجلت ہلاک کرا دیا۔ اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اس محمود خلجی کے عہد (۸۴۰ھ سے ۸۸۸ھ مطابق ۱۴۳۶ء سے ۱۴۷۵ء تک) میں مالوہ کو بہت عروج و ترقی نصیب ہوئی۔ اُس کی مستعدی حدِ کمال تک پہونچ گئی تھی۔ اُس کی نسبت یہ مقولہ زبانزد ہو گیا تھا کہ "اُس کا خیمہ اُس کا گھر ہے اور میدان جنگ اُسکی آرام گاہ"۔ با ایں ہمہ اُس کے انتظام اور ملک داری کی خوبی یہ تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں عناد و عداوت قطعاً مفقود تھی۔ محمود نے اپنا قلمرو ہر طرف بڑھایا۔ منجملہ دیگر مقامات کے اجمیر و رنتھمبور واقع راجپوتانہ اور ایلچپور واقع دکن کو بھی شامل کر لیا۔ ۸۴۴ھ (۱۴۴۰ء) میں چند امرا کے

ہنگامہ فرو ہوا تو بادشاہ کے حکم سے لاش کی تکفین کی گئی اور نماز جنازہ پڑھکر اجمیر بھیجدی گئی وہاں ان کے باپ سید عبداللہ خاں کے جوار میں دفن ہوئی۔ [امتیاز کے لئے یہ سید عبداللہ خاں اجمیری عرف میاں خاں کہلاتے ہیں۔]

بلانے سے وہ دہلی کی طرف بڑھا۔ لیکن بہلول لودی نے مقابلہ کرکے اسکو پسپا کردیا۔ اُسی زمانہ ۸۴۴ھ میں اُس نے رانا کمبھ والی چتور پر حملہ کیا۔ حیرت ہے کہ اِس کے نتیجہ اور اپنی اپنی فتح کے بابت دونوں فریق یکساں مدعی ہیں۔ رانا نے مشہور "فتح مینار" قلعہ میں تعمیر کرایا جو اس جنگ میں اُسکی کامیابی و باعزت نکلنے کی یادگار ہے۔ محمود کا بیٹا غیاث الدین ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) میں تخت نشین ہوا، اس نے باپ کی حیات میں نہایت صبر و ضبط سے کام لیا اور بہت محنت و تکان اُٹھایا تھا۔ لہذا عنان حکومت اپنے بیٹے ناصرالدین کے سپرد کی اور خود عزلت نشین و گوشہ گزین ہوگیا ناصرالدین کا زمانہ ۹۰۶ھ سے ۹۱۶ھ تک (۱۵۰۰ء تا ۱۵۱۰ء) تمام تر بیرحمی و بیدردی و سنگدلی کے واقعات سے داغدار ہے۔ اُسکی بدنامی و جفاکاری کی داستان طویل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے خود اپنے باپ اور ولی نعمت کو بھی زہر دلا دیا تھا۔ یہ ایک ایسا قبیح فعل تھا کہ جب ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں سفر کرتا ہوا جہانگیر مانڈو پہونچا تو اُس کو بیحد غیظ و اشتعال پیدا ہوا اور اُس نے بادشاہ کے فرسودہ استخوان نکلوا کر دریائے نربدا میں پھینکوا دیے۔ ناصرالدین کا لیا دیہہ محل کے ایک تالاب میں اوجین کے متصل غرق ہوگیا تھا۔ شراب کے نشہ سے بدمست تھا گرا، اور پھر کس کی مجال یا کس کو پروا تھی کہ اُس کو نکالے۔ ۹۱۶ھ (۱۵۱۰ء) میں محمود ثانی تخت نشین ہوا۔ اُس کی نسبت مورخین کا اجماع و اتفاق ہے کہ اُس کا یہ خیال بلکہ عقیدہ تھا کہ سلطنت و حکمرانی محض تلوار سے ہوتی ہے۔ اسی لئے اُس نے اس خیال یا ارادہ کو جامۂ عمل پہنایا اور اپنے طریق عمل کے دردناک نتائج دیکھے۔ اُس نے خود اپنے مقربین سے بدگمانی پیدا کرلی۔ میدنی رائے ایک راجپوت کو بلا کر وزیر سلطنت بنایا۔ اس شخص کے روز افزوں اثر اور قوتِ بازو سے خائف ہوکر اُس نے ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں سلطان مظفر شاہ والی گجرات کو اپنی دستگیری اور اس غاصب کے اخراج کے لئے بلایا۔ کچھ زمانہ بعد وہ میدنی رائے اور رانا سانگا والی چتور سے نبرد آزما ہوا، گرفتار ہوگیا تھا مگر عزت و احترام کے ساتھ رہائی پائی۔ بایں ہمہ وہ باز نہ آیا اور چند سال بعد اُس نے رانا کے جانشین پر حملہ کیا۔ رانا کے رفیق و سرپرست بہادر شاہ والی گجرات نے پھر اسکو گرفتار کیا۔ فرار ہوجانے کی تدبیر و کوشش میں مصروف تھا کہ مار ڈالا گیا۔ اس کے ساتھ بادشاہان مالوہ کے خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ اور ۹۳۷ھ (۱۵۳۱ء) میں یہ سلطنت گجرات سے ملادی گئی۔

۹۴۲ھ (۱۵۳۵ء) میں ہمایوں نے بہادر شاہ پر حملہ کیا اور مالوہ سے باہر نکالدیا۔ مندسور اور مانڈو میں متواتر شکستیں دیں۔ خاندان سوری کے عمل و حکمرانی میں (۹۴۷ھ سے ۹۶۴ھ تک یا ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۷ء تک

دنیا کی حالت دیکھئے! ایک وقت وہ تھا کہ ان دونوں بھائیوں خصوصاً امیر الامرا کی شجاعت وسخاوت، کرم وحلم، اور مواسات فطری کا ایک عالم معترف ومدح خواں تھا۔ ان کے احسانات کا فہ انام پر مبذول ومشمول تھے۔ یہ کسی متنفس پر کبھی ستم وبیداد جائز نہیں رکھتے تھے۔ یا یہ کیفیت ہوگئی اور مقلب القلوب نے دلوں کو ایسا پھیر دیا کہ خود ان کے دست گرفتہ اشخاص سادات سے برگشتہ ومنحرف ہوگئے۔ جانتے تھے کہ ان کی قوت ودولت کا زوال خود اپنی خرابی وتباہی کا باعث ہوگا، مگر کہتے یہی تھے کہ "بار خدایا! یہ کشتی غرق ہوجائے اور ہم سب ڈوب جائیں"۔ جب اپنوں کی یہ کیفیت تھی تو بیگانوں کی کون اور کیا شکایت کرسکتا ہے؟ ؎

مالوہ کا حاکم شیر شاہ کا بازوے راست شجاعت خاں تھا۔ جو ان اطراف میں شجاول خاں کے نام سے شہرت خاص رکھتا ہے۔ اور جو شجالپور کا بانی تھا۔ جس کا تذکرہ آئین اکبری میں بھی کیا گیا ہے۔ [شجالپور یا شجاعت پور، واقع وسط ہند کا پرانا نام راے کرن پور تھا] اُس کی وفات پر اُس کا لڑکا بازبہادر جانشین ہوا، اُس کی شہرت بالخصوص فن موسیقی اور دیگر علوم میں دخل ودستگاہ رکھنے کی وجہ سے ہے۔ اس سے زیادہ شہرت ودلچسپی اُس افسانہ آمیز وافسوس خیز تعشق سے باقی ہے، جو اسکو روپ متی باشندہ سارنگ پور کیسی باکمال وصاحب جمال سے پیدا ہوگیا تھا۔ تفصیل وتشریح کی گنجایش نہیں ؎

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی　　تاثیر حسن وعشق جو ہونا تھا ہو چکی

۹۷۱ھ (۱۵۶۲ء) یا ایک دوسری روایت کے مطابق ۹۶۸ھ میں بازبہادر کو مجبور ہوکر اکبر کی اطاعت کرلینا پڑی۔ اور مالوہ سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ ہوگیا۔ اور اٹھارھویں صدی تک رہا۔ آئین اکبری میں شیخ ابوالفضل نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ مالوہ کا ذکر کیا ہے جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں مختلف زمانوں میں اس صوبہ کے حدود اور اس کی وسعت مختلف رہی ہے۔ ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) میں اس میں بارہ سرکاریں یا اضلاع تھے۔ لیکن ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ء) میں صرف نو رہ گئی تھیں۔ مالوہ کو زیادہ اہمیت اپنے موقع ومحل کے لحاظ سے بھی حاصل تھی۔ وہ مغلوں کے شارع اعظم پر واقع تھا جس پر ہوکر شاہی فوجیں دہلی سے دکن کو جاتی تھیں، وہ ایک متعارف شاہراہ تھی، جو دھولپور، گوالیار، نرور، سرونج اور ہنڈیا میں ہوکر گزرتی تھی۔ اس زمانہ کے متعدد صوبہ داروں میں سے شاہزادہ مراد ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ء)، ونظام الملک اول ۱۱۳۳ھ (۱۷۱۹ء) اور مہاراجہ سوائی جے سنگھ والی جے پور ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ء) خاصکر قابل ذکر ہیں۔

اس کے بعد مختصراً مرہٹوں کا قدم مستقل طور پر مالوہ کی سرزمین پر قریب ۱۷۲۳ء کے جم گیا۔ جب کہ پیشوا اس

بخونِ دیدہ نوشتیم بر در و دیوار　　کہ چشم مردمی از اہل روزگار مدار

سادات کی دولت کے زوال کے بعد لوگوں میں دو فرقے ہو گئے تھے۔ ایک اُنکو نیکی و بھلائی کے ساتھ یاد کرتا تھا "نعمت اللّٰہی"۔ دوسرا بدی و برائی سے "حیدری"۔ یہ مناقشے اسی حد تک محدود نہیں رہے بلکہ مجالس اور باہمی صحبتوں میں دونوں فریق کے مابین بڑی بڑی بے لطفیاں ہو جاتی تھیں۔ میر عبدالجلیل اور ان کے متبعین اپنی وضع نمک حلالی و وفاداری پر قائم رہے۔ سادات کی مدح سرائی و منت شناسی میں ان کی نوائجی برابر جاری رہی۔ میر صاحب کی ستایش گرانہ عربی رباعیاں موقع مناسب پر نقل کی جائینگی۔

فرخ سیر کی معزولی کی تاریخ مرزا بیدل نے کہی تھی ؎

دیدی! کہ چہ با شاہِ گرامی کردند　　صد جور و جفا ز راہِ خامی کردند
تاریخ چو از خرد جستم۔ فرمود　　سادات بوئے نمک حرامی کردند
۱۱۳۱ھ

میر عظمت اللہ بے خبر بلگرامی نے اس کے جواب میں لکھا تھا ؎

با شاہِ سقیم، انچہ شاید، کردند　　از دستِ حکیم، ہر چہ آید، کردند
بقراط خرد لنخرہ تاریخ نوشت　　سادات دوا ش انچہ باید، کردند
۱۱۳۱ھ

صوبہ کا نائب گورنر مقرر ہو کر آیا۔ پھر رفتہ رفتہ سارا ملک مرہٹہ سرداروں کی سپاہ کا جولان گاہ بن گیا اور اُن کا اقتدار قائم و راسخ ہو گیا۔ حتی کہ آج اُنھیں کے اخلاف، سندھیا والی گوالیار، ہولکر والی اندور، دیوان راو دھار و دیواس، قابض و دخیل ہیں۔

۱۱۱۴ھ میر حیدر خاں کاشغری، ترکان دوغلات توران سے تھا۔ اس کا پدر دادا میر حیدر چغتائی، صاحب تاریخ رشیدی، بابر و ہمایوں کے ہمیشہ ہمرکاب رہتا تھا۔ حیدری گروہ اسی قاتل سے منسوب ہے۔ میر شمشیر ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو "میر" کہتے تھے۔ سنی مذہب تھا بعض سادات بارہہ شیعہ نمالی تھے۔ سیاسی اور ذاتی اختلافات کے علاوہ تعصب و اختلافِ عقائد بھی باعث منافرت تھا۔

محمد یوسف[۵۱۵] برہان پوری[۵۱۶] نکہت تخلص، نے جو بعد کو "سخنور خاں" کے خطاب سے ممتاز ہوا طبقہ

[۵۱۵] خوش سلیقہ اور زمانہ شناس شاعر تھا۔ اس کے آبا و اجداد اکبر بادشاہ کے تصرف سے پہلے کشمیر کے سلاطین تھے۔ خلد مکاں کے عہد میں نکہت، امیر الامرا ذوالفقار خاں کا مصاحب تھا۔ اور محمد شاہ کے زمانہ میں وزیر الممالک قمر الدین خاں کا متوسل اور حاشیہ نشین۔ بعد کو بادشاہ نے "سخنور خاں" خطاب دیدیا تھا۔ بہت سے قصائد امرائے وقت کے محامد میں اُس نے لکھے ہیں۔ سنہ ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں انتقال کیا۔ اس قطعہ کا صلہ بارگاہ خسروی سے ہزار روپیہ نقد اور خلعت پایا تھا۔

[۵۱۶] برہان پور۔ اب ایک قصبہ چھتیس ہزار کی آبادی کا اور ایک تحصیل کا مقام ضلع نماڑ، صوبہ متوسط میں رہ گیا ہے۔ اسی میں آسیر گڈھ کا پرانا قلعہ بھی تھا۔ گریٹ انڈین پنینشولا ریلوے کا اسٹیشن لعل گڈھ یہاں سے دو میل پر ہے۔ شہر کے گرد پختہ دیوار ہے جس میں بڑی بڑی سڑکوں کی نکاس پر عظیم الشان پھاٹک بنے ہوئے ہیں۔ اور جس کی جانب جنوب دریائے تاپتی رواں ہے۔ بہت سے آثار قدیمہ و صنادید اسلامی اس حصار سے باہر بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مضافات شہر دُور دُور تک پھیلے گئے ہوں گے۔ شہر کے باشندگان میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث کے قریب ہے۔ ان میں بوہرہ یا گجراتی تاجروں کا شمار غالب ہے۔

برہان پور کی بنیاد ۸۰۳ھ (۱۴۰۰ء) میں نصیر خاں نے ڈالی تھی جو خاندیش کے فاروقی خاندان کا سب سے پہلا آزاد فرمانروا تھا۔ اُسی نے شہر کا یہ نام شیخ برہان الدین غریب، دولت آبادی سے منسوب کرکے رکھا تھا۔ دریائے تاپتی کی دوسری جانب زین آباد بھی اسی زمانہ میں آباد کیا تھا۔ یہ ایک دوسرے بزرگ شیخ زین الدین سے موسوم ہے۔ اس کے بعد سے برہان پور برابر سلاطین فاروقی کا مسکن بنا رہا اور اُن کے زمانۂ حکومت میں جو دو صدیوں سے زیادہ رہا ہوگا دو بڑی بڑی مساجد یعنی جامع مسجد اور بی بی مسجد یہاں تعمیر ہوئیں۔ سنہ ۱۰۰۰ھ (۱۶۰۰ء) میں برہانپور کو مع مملکت فاروقیہ کے شہنشاہ اکبر نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اکبر اور اُس کے جانشین کے عہد میں برہان پور کی رونق و تزئین خوب ہوئی۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ اکبر نے خاندیس کا نام شہزادہ دانیال کے نام سے واندیس رکھا تھا۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ "یہ شہر بڑا ہے۔ اس میں بہت سے باغات ہیں۔ بعض میں چوب صندل بھی برآمد ہوتی ہے ہر قوم کے لوگ یہاں آباد ہیں اہل صنعت و حرفت بکثرت ہیں۔ موسم گرما میں یہ شہر گرد و غبار سے بھرا رہتا ہے۔ اور برشگال میں گلی کوچے کیچڑ اور پتھروں سے پُر ہوجاتے ہیں۔" سنہ ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) تک برہان پور اس سلطنت کے شاہزادگان متعین دکن کا دارالصدر رہا پھر اُس کی جگہ اورنگ آباد نے لے لی۔ اس انتقال کے بعد برہان پور، خاندیش کے بڑے صوبہ کا صدر مقام ہوگیا جس کی حکمرانی کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شاہزادہ، خاص خاندان شاہی سے مامور ہوتا تھا

سادات کے برہم ہوجانے اور محمد شاہ کے استقلال سلطنت پر قطعہ تاریخ لکھکر بادشاہ کی نظر سے

سنہ ۱۰۲۳ھ (سنہ ۱۶۱۴ء) میں جب سر ٹامس رو Sir Thomas Roe جیمس اول James I. کی طرف سے مغل اعظم کے دربار میں برسم سفارت آیا تھا اُس وقت تک یہ رد و بدل نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ جہانگیر کے فرزند شاہزادہ پرویز کے حضور میں اسی جگہ وہ آداب بجالایا تھا۔ سر ٹامس رو کے چوالیس سال بعد نامور سیاح ٹیورنیر Tavernier کا گزر ہوا وہ اپنی زبان میں برہان پور کو برام پور Brampour لکھتا ہے۔ وہ یہاں سے ہوکر دو بار گزرا تھا۔

ٹیورنیر تحریر کرتا ہے کہ "یہ ایک بڑا شہر بہت زیادہ ویران و تباہ ہے بہت بڑی تعداد مکانات کی محض خس پوش ہے۔" پھر لکھتا ہے کہ "شہر کے وسط میں ایک عظیم الشان قلعہ بھی ہے جس میں گورنر رہتا ہے۔ اس صوبہ کی حکومت بڑی وقعت و عزت کی بات سمجھی جاتی ہے۔ جو صرف بادشاہ کے بیٹے یا چچا کو تفویض ہوتی ہے۔ اس شہر میں تجارت بھی بہت ہے۔ خود برام پور میں جیسا کہ اور صوبجات میں بھی پایا جاتا ہے ایک عجیب و بے اندازہ مقدار چھینٹوں (کالی کٹ کے کپڑوں پر چھپی ہوئی) کی تیار کی جاتی ہے جو نہایت صاف اور سفید ہوتی ہے۔ یہ ایران، ترکی، مسکوویہ، پولینڈ، عرب اور قاہرۃ الکبریٰ و دیگر مقامات کو بھیجی جاتی ہے۔"

مساجد و دیگر عمارات کے نشانات بتاتے ہیں کہ جب شاہان خلیہ کے عہد میں برہان پور اپنے منتہائے عروج و رونق پر رہا ہوگا تو اُس کا رقبہ پانچ میل مربع کے قریب ہوگا۔ سلطنت کے متعلق جو لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اُن میں بھی برہان پور کا حصہ غالب رہا ہے، خاصکر عالمگیر کے زمانہ میں۔ سنہ ۱۰۷۶ھ (سنہ ۱۶۶۵ء) میں بادشاہ خلد مکان ایک عظیم الشان سپاہ یہاں چھوڑ کر جیسے ہی کہ دکن کے فتح کرنے کے لئے اُٹھا تھا کہ مرہٹوں نے برہان پور کو غارت و تاراج کر ڈالا۔ اس کے بعد متوالی و متواتر معرکہ آرائیاں اس کے اطراف و نواحی میں ہوتی رہیں۔ حتی کہ سنہ ۱۱۳۲ھ (سنہ ۱۷۱۹ء) میں مرہٹوں کا مطالبہ چوتھ (مال کا حق چہارم) باضابطہ منظور کرنا پڑا۔ سنہ ۱۱۳۳ھ (سنہ ۱۷۲۰ء) و سنہ ۱۱۶۱ھ (سنہ ۱۷۴۸ء) کے مابین برہان پور نواب نظام الملک آصف جاہ کا دار الریاست رہا۔ وہ اُس وقت صوبہ دار دکن تھے۔ موجودہ حصار شہر پناہ سنہ ۱۱۴۱ھ (سنہ ۱۷۲۸ء) میں نواب نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے بعد سنہ ۱۱۷۴ھ (سنہ ۱۷۶۰ء) میں برہان پور پیشوا کے قبضہ میں آگیا۔ پھر سنہ ۱۸۰۳ء میں سرکار انگریزی کے قلمرو میں داخل کر لیا گیا۔

تانہ گوجری کی مسجد کے مینار نہایت شاندار کوسوں سے نظر آتے ہیں۔ بی بی مسجد اب بہت خراب و مرمت طلب ہوگئی ہے۔ جامع مسجد کے عربی و ہندی زبان کے کتبے بتاتے ہیں کہ اس کو سلطان عادل شاہ بن مبارک

گزارا تھا۔ "آفتاب ملک اقبال از کسوف آمد بدر" مادہ تاریخ تھا۔

شاہ فاروقی نے ۸۹۷ھ (۱۴۹۲ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ امپریل گزیٹیر لکھتا ہے کہ اس کو علی خاں (علی شاہ) نے ۹۹۶ھ (۱۵۸۸ء) میں بنوایا تھا، دوسرا کتبہ شاہد ہے کہ اس کو بارہ سال بعد یعنی رمضان ۱۰۰۹ھ میں اکبر نے آکر دیکھا تھا۔ یہ نہایت عمدہ و شاندار عمارت سنگ سیاہ کی ہے جس پر نقاشی و سنگتراشی کمال ذوق سلیم اور خوش سلیقگی سے کی گئی ہے۔ آبادی سے ملی ہوئی ساحل دریا کے ساتھ ساتھ قلعہ کی ویران عمارت اور شکستہ فصیل بڑی رفعت و بلندی تک چلی گئی ہے۔ سر بفلک ایوانات، کمرے اور دیوان خانے شہادت دیتے ہیں کہ اس کی شاہی محلسرائیں اور قصور کیسے رفیع و عظیم رہے ہوں گے۔ دو تین پختہ حوض بھی باقی ہیں۔ قلعہ کی مسجد کے صرف مینار رہ گئے ہیں۔ مضافات شہر کے مقابر میں میراں عادل شاہ اور مبارک شاہ کے مقبرے قابل تذکرہ ہیں جن کی مرمت محکمہ آثار قدیمہ نے کرادی ہے۔ شہر کے جنوب و مشرق کے گوشہ میں ترکی وضع کا سنگ مرمر کا ایک زنانہ حمام بھی ابھی باقی ہے۔ یہ اب ڈاک بنگلہ بنا دیا گیا ہے۔ اور اس کی مرمت و نگہداشت ہوتی رہتی ہے۔ اس کی چھتیں گنبد دار مثمن ہیں۔ درمیان کے حوض بند کر دیے گئے ہیں۔ جھرنے اور نالیاں ہنوز قائم ہیں۔ دریائے تاپتی سے (جو نیچے بہتی ہے) اس کی کرسی اسی فٹ بلند ہوگی۔ نہایت دلکش و دلفریب منظر ہے۔ اتوارہ کے دروازے کے باہر شاہ سونا کا گنبد معہ چار دیواری کے نظر آتا ہے۔ یہ نہایت خوبصورت عمارت ہے۔ گنبد نہایت خوشنما فیروزہ کی شکل کا ہے۔ اس کے نیچے کا حصہ بارہ پھل کا ہے۔ ہر پھل میں نہایت خوش نما در بنے ہیں۔ اور بہت نفیس نقاشی اور گلکاری کی گئی ہے۔ یہ اب بھی اچھی حالت میں ہے۔ شیخ نظام الدین چشتی بھکاری (متوفی ۹۸۵ھ) شیخ بہاء الدین، شاہ منصور، شیخ عیسےٰ، شاہ برہان الدین رازالٰہی، شاہ جمال قادری، شاہ پیم، اور اور بہت سے اولیاء کبار اور بزرگوں کی درگاہیں مرجع خاص و عام ہیں، ان کی شاندار عمارات اپنے گنبدوں، وسیع و خوبصورت مساجد اور خوش نما خانقاہوں کے ساتھ قابل دید ہیں۔ کوس بھر کے فاصلہ پر شاہ نواز خاں (خطاب مرزا ایرج نام، عبدالرحیم خاں خانخاناں کے بڑے بیٹے) کا نہایت خوبصورت اور رفیع الشان مقبرہ بنا ہوا ہے۔ اس پر چینی کا کچھ کام باقی ہے۔ خود مرزا عبدالرحیم کی یادگار ایک پختہ سرائے ہے جس میں اب بازار لگتا ہے۔ دروازے کی پیشانی پر کتبہ لگا ہوا ہے۔ جہانگیر کے عہد میں ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) میں اسکی تعمیر ختم ہوئی تھی

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ شہنشاہ جہانگیر نے برہان پور میں ایک مکمل سلسلہ آب رسانی کا قائم و جاری کرایا تھا۔ اس میں سے بعض راجہاؤں اور چاہات اور حوضوں کے نشانات اب بھی باقی ہیں حال میں رد و بدل یہ کیا گیا ہے کہ سنگی نلوں کے بجائے آہنی لگا دئے گئے ہیں۔ اہل نظر لکھتے ہیں کہ اس سے بہتر اور

میر غلام علی لکھتے ہیں کہ "اس زمانہ میں اس خوبی و شان کا کوئی امیر سُنا یا دیکھا نہیں گیا۔ امیر الامرا جامع اخلاق حمیدہ تھا۔ اُس کی سرکار کا "صلائے عام" اور "افراط طعام" مشہور ہے۔ اورنگ آباد میں لوگ بالاتفاق کہا کرتے تھے کہ اُس کے عہد میں بہت سے آدمیوں کے گھر کھانا نہیں پکتا تھا امیر الامرا

باقاعدہ مصفیٰ پانی پہونچانے کا کارخانہ کہیں پایا نہیں گیا۔

شاہجہاں کی محبوب اور شہرۂ آفاق ملکہ ممتاز محل کا انتقال بھی اسی برہان پور میں ہوا تھا وہ زین آباد کے مشہور و وسیع باغ کے اندر، جو ایک خوبصورت عمارت ایک حوض کے مابین واقع تھی چھ مہینہ تک دفن رہی تھی اس باغ کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔

باایں ہمہ افراط آب و آبرسانی برہان پور میں کسی وقت کثرت گرد و غبار کی شکایت بدرجہ غایت تھی۔

آزاد بلگرامی کو دکن کے قیام کے زمانہ میں اولیائے کرام کی قبور طیبہ کی زیارت خصوصاً حضرت شاہ برہان (متوفی ۱۰۳۱ھ) اور اُن کے پیر و مرشد سید لشکر محمد عارف (متوفی ۹۹۳ھ) کے مزارات کی آستان بوسی کے لئے بارہا یہاں آنا پڑا تھا۔ مآثر الکرام میں لکھتے ہیں کہ اس وسیع قلمرو میں کوئی دوسرا شہر اسکی گرد کو بھی نہیں پہونچتا۔

اس کی شاعرانہ یا عقیدتمندانہ توجیہ یہ فرماتے ہیں ؎

فتاد بس کہ گزر لشکر محمد را　　غبار خیز بود کوچہائے برہان پور

۵۱۱۷ بلغور۔ واو معروف۔ ہر غلہ جو چکی میں ڈالکر پیس لیا یا توڑ لیا گیا ہو اُس سے جو چیز یا آش تیار کیا جائے وہ بھی بلغور کہلاتا ہے۔ معمولاً آش گندم سے مراد ہوتی ہے۔

۵۱۱۸ شہر سورت، برلبِ دریائے راپتی، جانب جنوب، سمندر سے چودہ میل پر ذریعہ دریا، اور دس میل پر براہ خشکی واقع ہے۔ عہد اورنگ زیب خلد مکان میں صوبۂ گجرات میں شامل تھا۔ کسی وقت ہندوستان کا سب سے بڑا تجارتی شہر تھا۔ اشیائے درآمد و برآمد کا کثیر حصہ تو بمبئی کو منتقل ہو گیا، تاہم ابھی سوداگری کا ایک بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اٹھارھویں صدی میں اس ملک ہندوستان میں سورت سب سے زیادہ آباد شہر تھا۔ ۱۷۹۷ء میں اُس کے باشندگان کا تخمینہ آٹھ لاکھ نفوس کا کیا گیا تھا۔ اگر اس میں کچھ شک و شبہ کی گنجائش مانی جاوے تو بھی یہ شمار کہاں تک گھٹایا جائیگا۔ ۱۸۱۱ء میں دو لاکھ پچاس ہزار، اور ۱۸۱۶ء میں ۱۲۴۴۰۶ آبادی تھی جو رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی۔ ۱۸۴۷ء کے بعد بتدریج اضافہ ہو کر ۱۹۰۱ء میں ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب پہونچ گئی تھی ۱۹۱۱ء میں ۱۱۴۸۶۸، اور ۱۹۲۱ء میں ۱۱۷۸۳۴ رہ گئی۔

کی سرکار کے طباخ اپنے حصے کا کھانا بیچ ڈالتے تھے۔ تکلف پلاؤ کی قاب چند (تانبے کے) پیسوں کے عوض مل جاتی تھی۔

دکن میں غلہ خام و پختہ کے بلغور[۱۱۷] خانوں کا جاری کرنا، ہر ماہ کی گیارھویں اور بارھویں کی مجالس کا دکن اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں اور مقامات میں قائم کرنا، امیر الامرا کے اعمال خیر سے ہے۔ ان مجلسوں میں فقرا و مشائخ کے ساتھ وہ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ پیش آتا، طرح طرح کے سلوک کرتا۔ خود اپنے ہاتھ میں آفتابہ لیکر مہمانوں کے ہاتھ دھولاتا تھا۔

امین الدولہ اور امیر الامرا کی بدمزگی اور میر عبد الجلیل کی سعی و سفارش سے امیر الامرا کا امین الدولہ کی تقصیرات سے درگزر کرنا اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اُس کے انصاف و جوانمردی کی متعدد حکایتیں اور واقعات زبانزد ہیں۔ دکن پہونچنے سے پہلے روپیہ کی شدید ضرورت تھی وہاں پہونچکر ضرورت اور بڑھی، سخت پریشانی ہوئی۔ عمال و متصدیوں نے آمدنی کی قلت اور اخراجات کی زیادتی کی اطلاعیں بھیجنا شروع کیں۔ اسی بنا پر حیدر قلی خاں حاکم بندر سورت[۱۱۸] نے ملا عبد الغفور ملک التجار بندر مذکور کا مال و متاع جو ایک کرور سے زیادہ کا تھا ضبط کر لیا۔ متوفی کا لڑکا ملا عبد الحی مستغیثانہ حضور میں آیا اور بشرط معافی

یہاں کی دولت، تمامتر پارسیوں اور اونچی ذات کے ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ مسلمان بجز بوہروں کے باقی سب شکستہ حال ہیں۔ بوہرے البتہ دولت مند اور مرفہ الحال تاجر ہیں۔ ان کے پیر صاحب "ملا" کہلاتے ہیں اور یہیں رہتے ہیں۔ سیر و تفریح کا شوق اور مشغلہ سورت کی ہر ایک ملت اور طبقہ کے لوگوں میں یکساں اور تمام مقامات سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ باغات میں برابر مختلف اقوام کے جلسے اور دعوتیں ہوتی رہتی ہیں۔ جلوس بڑے تزک و احتشام سے نکلتے ہیں جن پر صرف کثیر کیا جاتا ہے۔ شہر سے کچھ فاصلہ پر میلے لگتے ہیں۔ ان میناقوں میں پارسی بھی شامل و شریک ہوتے ہیں۔ بوہرے اپنی مہمان نوازی اور خوش گزرانی کی بدولت دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہ تمام فضول مصارف اور شہ خرچیاں اُس زمانہ کی یادگار سمجھنا چاہیئے جب دولت و مال کا ان کے پاس حصر و شمار نہ تھا۔

دریا کے بیچ اور ساحل کے وسط میں قلعہ ہے۔ اس میں بہت سی بے قاعدہ قلعہ بندی و تحصین کی گئی ہے ہر گوشہ پر برج ہیں جن سے قلعہ بہت پرفضا اور دریا سے نہایت خوش نما معلوم ہوتا ہے۔ خداوند خاں لیکہ ترک سپاہی نے جو

مال پندرہ لاکھ روپیہ امیرالامرا کو نیاز دینا چاہا۔ امیرالامرا نے ایک روز صبح کے وقت مُلّا عبدالحیٔ کو بلا کر مال مذکور معہ رقم نیاز کے معاف و واپس کر دیا خلعت دیکر اُس کے وطن کو رخصت فرمایا۔ اور کہا کہ "آج شب کو اس شخص کے مال کے متعلق مجھ سے اور میرے نفس سے مجادلہ رہا۔ آخر اللعر میں اپنے نفس طامع پر غالب آگیا۔"

[ایک ایسا ہی واقعہ معدلت شاہجہانی کی یادگار ہے۔ سُورت اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا بندرگاہ اور ممالک بیرونی کی تجارت کے لئے ممتاز تھا۔ وہاں کے حاکم محمد امین نے تشخیص مال و ابواب میں سختی اور تحصیل مطالبات میں بیجا سخت گیری کی۔ اطلاع ہونے پر حکماً دربار میں گرفتار کر کے لایا گیا منصب و جاگیر ضبط ہوئی۔ ثبوت جرم پر اس کی آستین میں علیٰ رؤس الاشہاد والعوام سانپ چھوڑنے کا حکم صادر ہوا۔ امرائے مقربین نے سعی و سفارش کی۔ نامقبول ہوئی۔ سُورت بادشاہ کی بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم کی جاگیر میں تھا۔ اہل تدبیر نے بیگم صاحبہ سے عریضۂ شفاعت لکھا کر پیش کرایا۔ شاہجہاں سخت ناخوش ہوا۔ امین کو حراست خانہ میں بھیجدیا۔ اور محلسرا میں جا کر شاہزادی کو نہایت زجر و توبیخ کی۔ اُسی سزا کے نفاذ کا پھر حکم دیا اب کس کو سرتابی یا گریز کی مجال ہو سکتی تھی۔ مگر سعد اللہ خاں کا نائب راجہ رگھوناتھ رائے (جس کو عالمگیر

شاہان گجرات کا ملازم تھا۔ ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں پرتگالی انداز پر اس کا نقشہ بنایا اور اس کو تعمیر کیا تھا۔ یہ قلعہ مغلوں کے عہد میں اور انگریزوں کے زمانہ میں بعد غدر تک فوجی مرکز و مسکن رہا ہے۔ اسی خداوند خاں کی تعمیر کی ہوئی مسجد اور مرزا سامی کا مقبرہ بھی اُسی سال کا ہے۔ اس پر نہایت عمدہ نقاشی اور گلکاری کی گئی ہے۔ اس کے سوا نو سید صاحب کی مسجد اور نو مقبرے شہدا کے اور مسجد سید عید روس تعمیر شدہ ۱۰۴۹ھ (۱۶۳۹ء) قابل دید عمارات ہیں ابوالفضل صوبہ گجرات کے ذیل میں لکھتا ہے "سورت از نامور بنادر، دریائے تاپتی نزد او گزرد، ہفت کروہی بدریائے شور پیوندد۔ سورت با حویلی، قلعہ سنگین دارد"

سورت ایک تاریخی مقام ہے۔ یونانی سیاح و جغرافیہ نویس ٹالمی Ptolemy (۱۵۰ء میں) اس شہر کے متبرک حصہ پھول پدا کا ذکر کرتا ہے۔

مسلمان مورخین تیرھویں صدی کے آغاز میں قطب الدین کا فتح کرتے ہوئے یہاں آنا بیان کرتے ہیں۔ ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں بغاوت گجرات کے زمانہ میں محمد بن تغلق کے عہد میں افواج شاہی نے اس کو تباہ و غارت کیا۔ ۷۷۵ھ

بھی عزت و نیکی کے ساتھ یاد کرتا ہے) بڑھکر آداب فدویانہ بجالایا اور گزارش کیا کہ اس ظالم و خائن کے ذمے مظلوم و ستم رسیدہ رعایا کا بہت سا روپیہ واجب ہے۔ جب تک پوری تحقیقات ہو کر رعایا کا زرِ یافتنی ادا نہ ہو جائے تعمیلِ سزا میں توقف ہونا چاہیئے۔ یہ عرض قبول ہوئی اور جس قدر روپیہ لوگوں سے بیجا وصول کیا گیا تھا راجہ نے حساب کر کے واپس کر دیا۔]

امیر الامرا نہایت ذہین تھا۔ شعر خوب سمجھتا۔ فن تاریخ دانی میں یکتا تھا۔ اربابِ کمال کو نہایت دوست رکھتا تھا۔ نمازِ صبح کے بعد اذنِ عام تھا۔ صاحبانِ فضل و کمال آتے اور پہر دن چڑھے تک اہلِ علم و ہنر کی صحبت رہتی۔ تاکید تھی کہ اُس وقت کوئی اہلکار یا متصدی سرکار آنے نپائے۔ میر عبدالجلیل امیر الامرا کی خوش فہمی کی اپنے اعزہ و اہلِ راز سے ہمیشہ اپنی زبان و قلم سے تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔ اُس کے مرثیہ میں ایک بڑا زبردست قصیدہ لکھا تھا جسمیں تاریخ بھی نکالی ہے۔ اُنکو امیر الامرا کے ساتھ جیسی محبت مفرط تھی اُس کے لحاظ سے جلے ہوئے دل کے پھپھولے خوب پھوڑے ہیں ؎

آثار کربلاست عیاں از جبین ہند — زد جوشِ خونِ آلِ نبی از زمین ہند
شد ماتمِ حسینِ علی تازہ در جہاں — سادات گشتہ اند مصیبت نشین ہند
نیلی است زیں معاملہ پیراہنِ عرب — وز خونِ گریہ سرخ شد است آستین ہند

(۱۳۷۳ء) میں فیروز تغلق نے یہاں قلعہ تعمیر کرایا۔ ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں ایک پرتگیز سیاح باربوسہ Barbosa یہاں آیا۔ اُس کے بعد سے برابر پرتگالی سیاح اور غارتگر اور جہاز یہاں آنے اور لوٹ مار اور آتش زنی کرنے لگے۔ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) میں خود اکبر نے محاصرہ سنگین کر کے سورت کو مرزایان کے ہاتھ سے فتح کیا۔ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) سال تک یہ مقام مغلوں کے اقتدار اور اُن کے امرا کے قبضہ میں رہا۔ اس کی دلچسپ تاریخ، اور اس کی تجارت کی روز افزوں گرم بازاری ایک مستقل تحریر اور تفصیل کی محتاج ہے جسکی ان مختصر حواشی میں گنجایش نہیں۔

تاریخ اسلام میں سورت "باب المکہ" اور "بندر مبارک" لکھا جاتا تھا۔ ۱۰۷۵ھ (۱۶۶۴ء) سے سورت پر مرہٹوں کے حملے شروع ہوئے۔ اورنگ زیب کی وفات یعنی ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) کے بعد سے تو سلاطین دہلی کا اقتدار و اختیار برابر گھٹتا رہا۔ ۱۱۴۶ھ (۱۷۳۳ء) میں تیغ بخت خاں گورنر نے خود مختاری کا اعلان کیا۔ ۱۴ مئی ۱۷۸۰ء کو جو

گیتی چرا سیاه نگردد ز دود غم — خاموش شد چراغ نشاط آفرین ہند
ہند این چنین مصیبت عظمیٰ ندیده است — دیدیم داستان شہور و سنین ہند
از داغ دل زدند چراغان اشک جوش — این است نوبہار گل آتشین ہند
ماہی در آب می طپد و مرغ در ہوا — از شیون عظیم امیر مہین ہند
فرزند مصطفےٰ خلف الصدق مرتضےٰ — کز روے فخر بود بدانش یمین ہند
رستم نشان حسین علی خان شہید شد — از خنجرے کہ بود نہاں در کمین ہند
آن صفدرے کہ از قلم تیغ بارہا — تحریر کردہ نسخۂ فتح مبین ہند
تیغش بروز معرکۂ خصم تیرہ بخت — چوں برق می شگافت صف آہنین ہند
دریا دلے کہ بود نہ ابر عنایتش — شادابی بہار بہشت برین ہند
از بہر ہر فلک زدہ عالی جناب — در ترکتاز حادثہ حصن حصین ہند
منقاد او شدند ازاں سرکشان دہر — کز داغ ضبط کرد نشاں بر سرین ہند
ہند از شہادتش تن بے روح گشتہ است — یعنی کہ بود او نفس واپسین ہند
عالم چو قیر در نظر خلق شد سیاہ — افتاد تا ز خاتم دہر آں نگین ہند

معاہدہ انگریزوں سے ہوا اُس نے سورت اور اُس کے مضافات و ملحقات کا فیصلہ ختم کر دیا۔

میر غلام علی آزاد نے اپنے سفر حجاز کے تذکرے میں سورت کو بڑی محبت سے یاد کیا اور "سرۃ محروسہ" "بلدۂ مانوسہ" اور "سرۃ مسرورہ" کا بار بار نام لیا ہے۔ تمام مورخین متفقاً لکھتے ہیں کہ سلاطین تیموریہ کے عہد نصفت و ترقی میں سورت سب سے بڑا بندرگاہ تھا۔ اُس زمانہ میں اُس کی رونق تمام بندرگاہوں سے بڑھی چڑھی تھی۔

۱۱۹ ملک التجار عبد الغفور کی نسبت صاحب سیر المتاخرین لکھتا ہے کہ وہ ایک ممتاز بوہرہ سوداگر تھا جس کی حشمت و ثروت کا شہرہ اقصائے عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے زر و مال کا شمار کروروں سے متجاوز تھا

اس پر بیان فرانسیسی نے (۱۷۷۸ء میں) اضافہ کیا تھا کہ "بوہرے مسلمان تاجران سورت کا ایک مشہور فرقہ یا طبقہ ہیں۔ یہ داڑھی رکھتے ہیں ایک مخصوص وضع کا عمامہ باندھتے ہیں اور آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں سورت کو سورت بندر انھیں دولت مندوں نے بنا رکھا ہے۔ اسی میں اپنی بود و باش محدود رکھتے ہیں"۔ حیدر

گردوں ز اختراں ہمہ تن اشک گشتہ است — در اعتنا ز ماتم رکنِ رکینِ ہند
دل چاک چاک گشت و جگر داغ داغ شد — زیں غم کہ گشت ہر از و انگبینِ ہند
اِسْتَرْجَعَ الْمَلَائِکُ وَاسْتَعْبَرَ الْفَلَکُ — فِیْ ھٰذِہِ الْمُصِیْبَۃِ سُحْقًا لِّدِیْنِ ھِنْدٍ
از دستِ ابنِ ملجمِ ثانی شہید شد — گوئی ز کوفہ است گلِ ماتمین ہند
تا کربلا و تا نجف و تا مدینہ رفت — سیلابِ خون دیدہ و آہِ انین ہند
اے دوستانِ آل و محبانِ اہلِ بیت — غمگیں شوید بہرِ حسینِ حزین ہند
تا حقِ اہلِ بیتِ رسالت ادا شود — بر رغمِ ایں جماعۂ منصوبہ بین ہند
از کلکِ من بمرثیۂ سید شہید — ایں چند بیت ریخت چو دُرِّ ثمین ہند
رضوانِ حق چو سبزہ قرینِ ضریحِ او — تا ہست حسن سبزہ بہ گیتی قرین ہند
سالِ شہادتش قلمِ واسطی نوشت — قتلِ حسین کرد یزیدِ لعین ہند

۱۱۳۳ھ

آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ بعض ثقات (جن سے مراد غالباً اہل عقیدت ہوگی) کہتے تھے کہ امیر الامرا کے واقعہ قتل سے پہلے کسی مرد صالح نے خواب دیکھا تھا کہ سید الشہدا ثالث ائمہ اثنا عشر (علیہ و علی آبائہ السلام) نے امیر الامرا کو مخاطب کر کے فرمایا بلغ وعدک وغلب عدوک۔ اس سانحہ کے بعد جب حساب کیا تو ہر فقرہ تاریخ تھا اور صنعت تقلیب بھی۔ ۱۱۳۲ھ ۱۱۳۳ھ

قلی خاں نے جس حصۂ دولت پر قبضہ کر لیا تھا اس کی مالیت ایک کرور ہوگی حالانکہ اس کا کاروبار کرور ہا روپیے کا تھا۔ اس شاہ تاجر کے یہاں انیس ۱۹ جہاز اتنے بڑے بڑے تھے جتنا دولت برطانیہ کا جہاز انڈیامین Indiaman مگر عجیب اتفاق یہ تھا کہ وہ اس شمار کو کبھی بیس ۲۰ تک نہ پہونچا سکا ہر سال ایک دو جہاز بنائے اور اضافہ کئے جاتے تھے مگر اتنے ہی بیکار یا ضائع ہو جاتے تھے۔"

اسی کا ایک ہم پیشہ، خواجہ جاوید فخر التجار تھا۔ پونے دو سو برس کی بات ہے کہ وہ ہندوستان کے گورنر جنرل سے بھی زیادہ شان و شوکت رکھتا تھا، اس کا احتشام و اقتدار اس زمانہ کے ناظم بنگال کے مساوی تھا پندرہ ہاتھی پچاس بیش قیمت گھوڑے، اس کے اصطبل میں رہتے تھے۔ ایک سو بیس عورتیں محل میں تھیں۔ پندرہ چوبدار اور دو سو خدمتگار تھے۔ پانچ جہاز تھے۔ دو ہزار کشتیاں تھیں۔ نمک کا کل اجارہ تھا یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے

مثنوی شادی فرخ سیر بادشاہ میں حسین علی خاں کی ستائش میں بہت سے اشعار موجود ہیں ؎

سپہ سالارِ فوجِ نصرت آثار — امیرِ صاحب شمشیر خون بار
رسول اللہ را فرزندِ کونین — امیر المومنیں را قرۃ العین
بوالا و دودمانی بے نظیر است — امیر ابن الامیر ابن الامیر است
امیر است و امیراں را بہ سیما — کہ سر باشد رئیس جملہ اعضا
فروغِ مہر شاہنشاہ والا — خلافت رتبۂ ایزد تعالا
نمایاں از دل او چشم بد دور — چو از مصحف شعاعِ سورۂ نور
مسجل دارد از مہرِ نبوت — بآبا کرام ارثِ فتوت
کرم ممنون دستِ اوست در بزم — ظفر مفتون تیغ اوست در رزم
بروزِ جنگ نصرت آفرین ست — نشانے از امیر المومنین ست
نہ تنہا او ز حیدر یادگار است — کہ تیغش نیز یادگار از ذوالفقار است
ازاں دستش قوی چنگال دارد — کہ زور از موتم الاشبال دارد
ازاں در رزم باشد نصرت ایجاد — کہ ہست او از حسین و از علی یاد
چو ایجادش ازاں ہر دو امام است — مرکب نام او از ہر دو نام است
ز نواب و ز خان قدرش بلند است — شرف ز اجداد خود او را بسند است[1]
برائے مدعا بہ زیں مثل نیست — مکحل در لطافت چوں کحل نیست
سیادت جامۂ پر افتخار است — کہ ایں ہا چوں گل و آں چوں بہار است
ثنا ہا جملہ خاطر خواہ گویند — چو فرزند رسول اللہ گویند

میر عبد الجلیل نے عید قرباں کی تہنیت میں یہ قطعہ امیر الامرا کی نذر کیا تھا ؎

پاس کتنی دولت تھی لیکن اُس کا خرچ معمولی ایک ہزار روپیہ روزانہ سے کم نہ تھا۔ ایک بار اس نے الہ وردی خاں (مہابت خاں، اخیر گورنر بنگال) کو پندرہ لاکھ نو روز کا پیشکش دیا تھا۔ یہ دولت و ثروت بنگال کی تھی۔ اگرچہ اُس زمانہ میں نمک تیس یا چالیس روپیہ فی سو من بکتا تھا

[1] آئین۔ نالہ و نالیدن

تَهَنَّ بِعِيدِ النَّحرِ يَا مَنْ عَطَاؤُهُ ۔۔۔ اَفَاضَ عَلَى مَنْ حَجَّ جُودًا عَوَائِدًا
تَنَسَّكْتَ هَدْيًا لِلْجُودِ فِي كُلِّ مَوْقِفٍ ۔۔۔ وَاَلْبَسْتَ نَحْرَ الْمُعْتَفِينَ قَلَائِدًا[۱۲۲]

امیر الامرا ہر سال مولد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خوب روشنی و چراغاں کیا کرتا تھا۔ کعب بن زہیر کے ایک مشہور مصرع کی تضمین کرکے میر نے اس اہتمام و احتشام کو خوب چمکایا ہے۔ ؎

اَضَاءَ رُكْنُ الْاَعَالِي سَيِّدُ الْاُمَرَاءِ ۔۔۔ شَهْرُ الرَّسُولِ شُمُوعًا فِي عَيَاهِبِهِ
اَسْنَى الشُّمُوعِ عَلَى الْاَحْضَارِ مُنْشَدَةً ۔۔۔ اِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ

واقعہ یہ ہے کہ میر عبد الجلیل پر امیر الامرا کے احسانات و عنایات کا بار کچھ کم نہ تھا۔ ان کے تعلق دربار و قیام دہلی کے باعث وہی تھے۔ ملازمت مکرر و جاگیر انھیں کی بدولت نصیب ہوئی۔ میر سید محمد کے تقرر خدمات کی سعی و توجہ میں بھی امیر الامرا کا حصہ غالب تھا۔

سیاسی مصالح اور روپیہ کی ضرورت مسلم مگر امیر الامرا کا یہ گناہ ناقابل عفو ہے کہ فرخ سیر کے زمانہ میں اپنے اقتدار و اختیار کا بعض اوقات بیجا استعمال کیا تھا۔ ممتاز محل (شاہجہاں کی ملکہ) کی شہرۂ آفاق قبر سے مروارید کی چادر جبر و ستم سے لے لی۔ اُس دورِ فلاح و ارزانی میں یہ چادر لاکھوں کی تھی اور اب تو کروروں کی ہوتی۔ تاج محل سے جو چیزیں امیر الامرا نے غصب کی تھیں اُنکی قیمت تین کرور بتائی جاتی ہے۔ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیِ دامن کی حکایت ۔۔۔ دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بندِ قبا دیکھ!!

---

[۱۲۱] بسند۔ بفتحتین۔ کافی اور کافی ہونا

[۱۲۲] معتفی۔ بعین مہملہ و فا۔ جو شخص طالب فضل و رزق ہو۔ از نہایہ جوزی

میر سیّد محمد المتخلص بہ شاعر

نَعِمُ الْاِلٰہِ عَلَی الْعِبَادِ کَثِیْرَۃٌ وَاَجَلُّھُنَّ نَجَابَۃُ الْاَوْلَادِ

میر سید محمد ہر اعتبار سے میر عبد الجلیل کے خلف الصدق تھے۔ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۰۱ھ (۱۶ دسمبر ۱۶۸۹ء) کو سہ شنبہ کے دن نماز ظہر کے بعد بلگرام میں پیدا ہوئے اور مصداق الولد الحر یقتدی بآبائہ الغر تمام علوم شریفہ و فنون لطیفہ کے جامع اور فضائل و کمالات کے حامل تھے۔ عربیت، لغت، محاورات اور تاریخ دانی میں خاصکر دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ درسی کتابیں میر طفیل محمد سے پڑھی تھیں اور باقی کمالات و فنون اپنے پدر جلیل سے حاصل کئے تھے اور بقول السراج المستضئ بالسراج یکون مثل الاول تمام فضائل صوری و معنوی و خصائل رضیہ میں ممتاز اور باپ کے ہمقدم تھے۔ نہایت صدق و راستبازی، صفا و یک رنگی سے بسر فرماتے، ان کا جوہر ہمت و سخاوت بہت بلند تھا۔ سید العارفین میر لطف اللہ عرف شاہ لدھا کے مرید تھے۔ اکثر اوقات مطالعہ و مباحثہ کتاب میں مصروف رہتے۔ کتب حقائق مثل فتوحات مکیہ وغیرہ کے اکثر زیر نظر رہتی تھیں۔ پڑھانے کا بھی شوق تھا۔ آزاد اور یوسف دونوں خواہرزادوں کو عروض و قافیہ اور بعض فنون و نکات ادب بتائے تھے۔ صوفیہ کرام کے اقوال و حکایات، و اشعار عربی و فارسی اور ہندی کے گیت اور دوہے ان کو بے شمار یاد تھے۔

میر عبد الجلیل کو شفقت کے سوا جو لازمۂ البوّت ہے، میر سید محمد سے عنایت و محبت خاص تھی جس زمانہ میں کہ میر صاحب بھکر میں تشریف فرما تھے میر سید محمد نے کئی بار وہاں جانے اور شرف قدمبوس حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن سفر کے شدائد اور بھکر کی آب و ہوا ناسازگار و ناموافق ہونے کی وجہ سے میر صاحب ہمیشہ (با وجود غایت الفت پدری و شوق لقا) مانع آتے رہے میر سید محمد کو آخر مرتبہ لکھا اور صاف طور پر سمجھایا تھا کہ

اکثر علیل می باشند بنا بر آں ارادہ سفر ایں طرف دارند بر خوردار! خود می دانید کہ در بساط

ماہمیں شما اید کسے کہ یک پسر داشتہ باشد، باختیار خود جدائی پسر را قبول نہ دارد۔ تمام آرزوئے ماہمین است کہ شمارا اسیر بہ بینم۔ اما اسباب و دواعی مختلفہ نمی گزارند کہ شمارا بہ طلبم۔ اول خود ہوائے بہکر از سہ چہار سال ایں قدر مختلف شدہ کہ در نوشتن نمی آید۔ خصوص در موسم سرما ایں قدر تغیر فاحش در ہوا بہم می رسد کہ ہیچ متنفسے از آزار سالم نمی ماند۔ ایں معنی را از مداری فیض اللہ کہ تازہ می رسند تحقیق نمایند و مقدمات دیگر کہ عدم تجمعی کلمہ جامع تفسیر آں تواند شد نیز رادع ایں ارادہ اند بنا بر آں جرأت بر راہ پیمائی دور و دراز نمودہ تجویز مشاق نمی کنم"

جب میر عبد الجلیل بہکر سے شاہجہاں آباد پہونچے تو میر سید محمد کو اپنے پاس بلانا چاہا اور والا نامہ بھیجا لیکن باقتضائے وقت و مصالح فی الفور یہ حکم بھی بھیجا کہ توقف کیجئے اور دوسری اطلاع یا طلب مشتی کا انتظار فرمائیے۔ میر سید محمد نے اس کے جواب میں عرض کیا لَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْ اَبِیْ (جب تک مجکو میرے والد اجازت نہ دیں میں تو اس جگہ سے ٹلنے والا نہیں ہوں۔ جزو ۱۳۔ سورۂ یوسف ع ۱۰-۴)۔ میر عبد الجلیل اس جواب سے نہایت خوش ہوئے اور اپنی محبت و رضا کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا

ے تا یاذن لی ابی بخطت دیدم ؛ گلہائے طرب از چمن دل چیدم
از غایت اہتزاز پروانہ صفت ؛ اے شمع پدر! گرد سرت گردیدم

میر سید محمد نے ۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء) میں کتاب مستطرف[۱۲۳] کا جو فن ادب عرب میں دلچسپ و مستند کتاب ہے نہایت دلپذیر انتخاب کیا اور الجزء الاشرف من المستطرف نام رکھا تھا۔ تبصرۃ الناظرین فارسی کی تاریخ بالخصوص بلگرام اور اہل بلگرام کے متعلق خوب لکھی ہے۔

---

۱۲۳ پورا نام المستطرف فی کل فن مستظرف ہے۔ امام النبہی شیخ شہاب الدین محمد بن احمد الخلیب کی تالیف ہے۔ مصر میں دو جلدوں میں چھپی ہے۔ ادب و انشا کی بہترین اور جامع کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اسکے چورانسی بابوں میں محاضرات، اجتماع، سیاست، تصوف جملہ علوم و فنون کو مختصر حکایات و لطائف میں محفوظ و پیش کر دیا ہے شیخ نے ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) میں وفات پائی ع کان مثواہ جنۃ الماویٰ

جب میر عبدالجلیل نے ۱۱۳۰ھ (۱۷۱۸ء) میں اپنی خدمات سے استعفا دیا تو سلطان فرخ سیر نے سرکار بھکر و سرکار سیوستان کی بخشی گری و وقائع نویسی و سوانح نگاری میر سید محمد کے سپرد کیں۔ سید محمد نے اپنے محل خدمات پر ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۱ء) میں پہونچکر اپنا کام شروع کر دیا۔ وہاں کی تمام رعایا اور رؤسا میر سید محمد کی نیک مردی، نیک نیتی، دیانت اور حسن معاملت سے نہایت راضی و مطمئن رہے۔ ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ء) میں میر سید محمد سیوستان میں میر غلام علی آزاد کو اپنا نائب چھوڑکر بلگرام چلے آئے اور جب انکی خدمات میں خلل پڑنے کی خبر ملی تو دہلی پہونچکر بعض امرا کے توسل سے اسکو رفع و دفع کیا۔ ۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲ء) میں مکرر سیوستان تشریف لے گئے۔ وسط ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ء) میں آزاد کو ہندوستان واپس جانے کی اجازت دی اور خود اپنی خدمات کی انجام دہی میں مشغول و مصروف ہوگئے۔ جب سندھ میں نادر شاہ کا تسلط ہوا تو میر سید محمد سے عہدہائے بادشاہی کا سررشتہ منقطع ہوگیا۔ خدایار خاں[۱۲۴] والی سندھ نے آپ کو عرصہ تک نہیں چھوڑا اور کمال اعزاز و اکرام کے ساتھ سیوستان میں مقیم رکھا۔ نہایت شایستہ خدمات اور پسندیدہ سلوک عمل میں لایا۔ چونکہ اس ملک میں نادر شاہی ہنگامہ گرم تھا اور سندھ کی حالت پرانے طریق پر نہیں رہی تھی اس لئے میر صاحب وہاں سے نہایت دل برداشتہ تھے۔ چار و ناچار خدایار سے اجازت لی اور ۲۵۔ رمضان ۱۱۵۵ھ (۱۶۔ نومبر ۱۷۴۲ء) کو سیوستان سے نکل کھڑے ہوئے اور براہ مارواڑ وطن کا رخ کیا۔ ۲۷۔ محرم ۱۱۵۶ھ (۱۳۔ مارچ ۱۷۴۳ء) کو داخل بلگرام ہوئے۔ فعاد اھلا الی موطنہ من غربۃ طال بھا عھد النوی۔

نیرنگ روزگار سے چالیس سال بعد اس خاندان کا آب و خور سندھ سے اٹھا تھا۔

حکیم عربی ابن خلدون نے اقوام و امم کی زندگی و اجل اور دولت و حکومت کی بقا و فنا کے بارہ میں ایک عمدہ تقریر لکھی ہے جسمیں یہ بحث بھی کی ہے کہ اُن پر پیری و کہن سالی کیسے آجاتی ہے اور جب تنزل نمودار ہوتا ہے تو اُس کا زوال دشوار ہوتا ہے۔ اس بحث میں اکثر باتیں صحیح و

۱۲۴ھ خدایار خاں بہادر ثابت جنگ عباسی، زمیندار حیدرآباد۔ منشورات انند رام مخلص میں اس کے نام کا ایک خط ملاحظہ طلب ہے۔

درست لکھی ہیں لیکن بعض جگہ اُس کے ذہن نے خطا اور قلم نے لغزش بھی کی ہے جس طرح بعض اطبائے متقدمین نے افرادِ انسانی کی اجلِ طبعی (درازیِ حیات) ایک سو بیس سال قرار دی ہے اسیطرح اس نے بھی دولت کی عمر میں تین اجیال (نسلیں) مانی ہیں۔ اہلِ نظر اس رائے کو صحت و صواب سے بعید پاتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ خدا کے بنائے (ٹھہرائے) ہوئے دنوں میں سے صرف تین ہی دن دولت کی عمر ہوتی ہے۔ یعنی طفولیت۔ بلوغ۔ اشدِ رشد۔ ہرم و شیخوخت، اس میں سال و قرن کی مہلت و میعاد کہاں۔ اس اعتبار سے میر عبدالجلیل اور بزرگانِ بلگرام کا اتنی مدت کے بعد اُس ملک سے چلا آنا، محض اقتضائے فطرت آبیہ یا گردشِ لیل و نہار تھا۔

اس سلسلہ میں ایک علمی لطیفہ یاد آگیا جب نادر شاہ والیِ ایران نے ہندوستان پر تصرف و تسلط کر لیا اور اُسکے بعد اپنے ملک کو واپس جانے کا ارادہ کیا تو کسی شخص نے نواب نظام الملک کو نادر شاہ کی واپسی و رجوع کی خبر دی۔ نظام الملک نے پوچھا کہ آیا اس خبر کی کچھ اصل بھی ہے؟ حضارِ مجلس میں سے ایک صاحب بولے "النادر کالمعدوم" اس کے عربی کے معنی تو ظاہر ہیں "کل ہندی میں یعنی "غد" یا "فردا" آتا ہے۔ مقصود یہ تھا کہ نادر کل معدوم ہو جائے گا۔ نادر میں توریہ بھی ہے۔

میر سید محمد نے آٹھویں شعبان ۱۱۸۵ھ (۱۲۔ نومبر ۱۷۷۱ء) کو شنبہ کی شب میں بلگرام میں وفات پائی۔ ان کے بھانجے اور شاگرد میر غلام علی آزاد نے جو اپنی عمر کا سترواں مرحلہ طے کر رہے تھے اور وطن اور اہلِ وطن کو چھوڑ کر دکن میں مقیم تھے ان کا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا اور تاریخ نکالی ؎

رفت قدسیِ جمال سید محمد از جہاں۔ آزاد نے ان کے حالات اپنے ہر ایک تذکرہ میں لکھے ہیں اور بڑے امتنان و عقیدت سے ان کی شفقت و محبت کو یاد کیا ہے۔ عربی میں ایک قصیدہ اور چند قطعات و اشعار مدحیہ بھی آزاد نے لکھے ہیں۔

میر سید محمد بڑے طباع اور نقاد شاعر تھے۔ شاعر تخلص تھا۔ فارسی و عربی و ہندی میں کمال مہارت تھی۔ تینوں زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے اور دیوان مرتب۔

دنیائے علم پر میر سید محمد کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ انکو وقتاً فوقتاً جو خطوط میر عبدالجلیل نے سفر کے

لکھے تھے اُن کو یکجا کر دیا اور بعض پر مختصر حواشی یا ضروری تتمہ جات بھی لکھ دیے ہیں۔ ان خطوط سے اُنکی اصلی خانگی حالت اور قدیم طرز معاشرت کی جھلک نظر آتی ہے۔ افسوس ہے کہ خطوط مطبوعہ کے ساتھ اُنکی تاریخ تحریر درج نہیں ہے ورنہ سلسلہ مکاتبت اور تسلسل واقعات کا پتہ چلتا۔ دوسرے اُن کی تعداد نہایت کم ہے یعنی صرف بائیس (۲۲)، اگر سب تعات میر عبدالجلیل کے محفوظ و مرتب ملجاتے تو فن انشاء و مکاتبت میں اُن سے بڑا قابل قدر اضافہ ہو جاتا۔

میر سید محمد نے منصور حلاج کے سال شہادت کی تاریخ صوری آیۂ قرآنی سے نکالی تھی۔ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا [اور (اصحاب کہف) اپنے غار میں تین سو برس رہے اور نو اور رہے۔ جزء ۱۵۔ سورۃ الکہف ع ۴۔ ۱۶] ایک مثنوی موسوم بہ ناز و نیاز بھی یادگار چھوڑی تھی۔ سید حسن ترمذی بلگرامی اور شاہ دیا من کا جو اُن پر عاشق تھے دلچسپ پیرایہ میں قصہ نظم کیا ہے۔

میر غلام علی آزاد

میر غلام علی آزاد میر عبدالجلیل کے سب سے بڑے نواسے اور اُن کے مایۂ نازش، بلکہ سارے خاندان کے لئے باعث افتخار تھے۔ وہ اپنے تذکروں، قصائد اور مثنویات سے بلگرام اور اپنے اسلاف کو شہرت عام اور بقائے دوام کی سند دے گئے ہیں۔

آزاد کی ولادت ۲۵۔ صفر ۱۱۱۶ھ (۱۲۔ جون ۱۷۰۴ء) کو بلگرام میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت تمامتر وہیں پائی۔ درسی کتابیں ابتدا سے انتہا تک وہاں کے مشہور عالم اور اُستاد میر طفیل محمد کے حلقۂ درس میں پڑھیں۔ لغت، حدیث، سیرت نبوی اور فنون ادب کو میر عبدالجلیل سے حاصل کیا۔ عروض و قافیہ اور بعض دیگر شعب ادب اپنے ماموں میر سید محمد شاعر سے حاصل کئے۔ عربی شاعری میر عبدالجلیل سے سیکھی۔ ۱۱۳۷ھ (۱۷۲۵ء) میں حسب رواج خاندان میر سید لطف اللہ عرف شاہ لدہا بلگرامی سے چشتیہ

طریقہ میں بیعت فرمائی۔ مذہباً حنفی تھے۔ اتباع امام کے ساتھ ضعیف الاعتقادی اور احداث فی الدین سے متنفر و محترز رہتے۔

جیسا کہ میر عبدالجلیل کے تذکرہ میں بیان ہو چکا ہے میر غلام علی و میر محمد یوسف انکے پاس ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۱ء) میں تکمیل علوم کے لئے دارالخلافہ شاہجہاں آباد پہونچے۔ دو برس وہاں قیام رہا۔ ۱۱۴۲ھ (۱۷۲۹ء) میں آزاد کو سیوستان کے سفر کا اتفاق ہوا۔ میر سید محمد جو وہاں میر بخشی و وقائع نگار تھے ان کو نائب مقرر کر کے وطن چلے آئے۔ چار سال بعد واپس تشریف لے گئے تو ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ء) میں آزاد کو واپسی بلگرام کا موقع ملا۔

آزاد نے کسی وقت صغر سن میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالم رویا میں زیارت کی تھی شوق تجرید اور ولولۂ زیارت حرمین محترمین اسی زمانہ سے مستولی اور سینہ میں موجزن تھا۔ اسی حال میں جذبات الٰہیہ سے ایک جذبہ جسکو لجذبۃ من جذبات الرحمٰن یوازی عمل الثقلین کہنا چاہیے پہونچا اور آزاد اسی روز افزوں ذوق و شوق کے عالم میں اپنے احباء و اقربا کی اطلاع بغیر رجب ۱۱۵۰ھ (اکتوبر ۱۷۳۷ء) میں تنہا اور پا پیادہ بلگرام سے چل کھڑے ہوئے۔ زاد سفر کچھ نہ لیا۔ صرف اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ میں تو اپنے پروردگار کی طرف چلا جاتا ہوں۔ وہ مجھے ٹھکانے لگا دیگا۔ خبر ۲۳ سورۂ والصّٰفّٰت ع ۳ ۔ ۔ ۔ زبان پر تھا اور جاذبۂ عقیدت و محبت دامنگیر راستے کی صعوبات ناقابل برداشت ثابت ہوئیں، درد محبت، سوز و گداز، کشش زمانہ کی کل روئداد کو آزاد نے ایک مثنوی میں درج کر دیا ہے جسکا تاریخی نام طلسم اعظم ہے۔ اتفاقاً اثنائے راہ میں نواب آصف جاہ کا لشکر اطراف مالوہ میں خیمہ زن تھا۔ کسی مرد صالح نے بے سابقۂ معرفت و شناسائی ان کو اپنا مہمان بنایا۔ مراسم نیاز مندی و خدمتگزاری بجا لایا۔ سواری کے لئے ایک پرتکلف رتھ نذر کیا۔ ۲۲ شعبان کو نواب عالی مرتبت کا شرف لقا نصیب ہوا، آزاد نے یہ رباعی برجستہ عرض کی ؎

اے حامی دیں! محیط جود و احساں	حق داد ترا خطاب آصف شایاں
زو تخت بدرگاہ سلیماں آورد	تو آل نبی را بہ درِ کعبہ رساں

میر غلام علی آزاد نے مدۃ العمر شاعری کی مگر اغنیاء و امراء کی مدح سرائی سے دور رہے۔ تمام زندگی میں ایک یہ ہی رباعی اور دو شعر اور نواب نظام الدولہ شہید کی شان میں کہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ رباعی محض مجبورانہ اور استعانت سفر بیت اللہ کے لئے گزارش کی تھی۔ آصف جاہ مبرور اُس وقت مرہٹوں کی تنبیہ پر متوجہ تھے۔ صفوف اسلام کے ساتھ آزاد کو بھی شریک غزا و جہاد ہونا پڑا۔ سارا رمضان سواد شہر بھوپال میں گزرا[۱۲۵]۔ آخر رمضان میں مصالحت ہوگئی۔ نواب نے زاد و راحلہ خاطر خواہ بہم پہونچا دیا۔ برہان پور ہوتے ہوئے آزاد سورت پہونچے اور جہاز پر سوار ہوگئے۔ ۱۱۵۱ھ کا پہلا چاند (۹۔ اپریل ۱۷۳۸ء کو) سطح دریا پر کشتی کے عرشہ سے دیکھا۔ جہاز سے اُتر کر جدہ سے مکہ پہونچے

---

۱۲۵ بھوپال، اکبر و اورنگ زیب کے عہد میں ملک گونڈوانہ میں داخل، اور صوبہ مالوہ میں شامل تھا۔ اب ایک ریاست وسط ہند میں مالوہ کے حدود شرقی میں واقع ہے۔ حکمران خاندان کا مورث یعنی ریاست کا بانی تیراہ کا ایک پٹھان دوست محمد خاں نام، بہادر شاہ کے اوائل عہد یعنی ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ء) میں دہلی آیا اور رفتہ رفتہ آزادی و اقتدار و اختیار حاصل کرتا گیا۔ بڑا دلیر و مستقل مزاج تھا۔ پہلے تو اُس نے کچھ زمین اجارہ پر لی، بعد ازاں ریاست کی بنیاد ڈالی۔ ۱۱۲۳ھ (۱۷۱۱ء) میں وفات پائی۔ فیض محمد خاں جب امیر و حاکم تھا تو اُس نے عنان حکومت ایک ہندو بیجے رام کے ہاتھ میں دیدی تھی وہ شخص فی الواقع نہایت متنظم و مدبر تھا مگر بعد کو اُس نے مقبوضات بھوپال باجی راؤ پیشوا کے حوالہ کردی تھیں۔ فیض محمد خاں نے ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ء) میں انتقال کیا۔ اٹھارھویں صدی مسیحی میں اس قطعۂ ملک پر جسونت راؤ پنوار راجۂ دھار نے اور اُس کے بعد امیر خاں نے قبضہ کرلیا۔

ابتدائے کچھ روز تک اسلام نگر دارالریاست رہا تھا۔

بھوپال میں بعض عمارات نفیس و قابل دید بنائی گئی ہیں۔ شہر کی آبادی عرصہ سے مائل بہ زوال ہے۔ ۱۹۲۱ء میں صرف ۴۵۰۹۴ اشخاص شمار میں آئے تھے۔

بھوپال کی فرمانروا بیگمات میں، نواب سکندر بیگم اور نواب شاہجہاں بیگم کا عہد نہایت ممتاز رہا ہے۔ ان کی خدمات نمایاں، معدلت گستری، حسن انتظام اور کارہائے رفاہ خلائق کے تذکروں سے صفحات تاریخ معمور ہیں۔ مدبرین فرنگ اور غیر ممالک کے اہل وقوف و خبرت نے خاص الفاظ میں ستایش و تحسین کی ہے۔

تقریباً پون صدی سے بھوپال علم و ادب کا مرکز چلا آتا ہے۔ پہلے صرف علوم دینیۂ اسلامیہ اور فنون مشرقیہ کا عہد تھا۔ والیۂ عالیہ سابقہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ ادام اللہ ظلالہا کے عہد ہمایوں میں ہر قسم کے علوم و

بیت اللہ کی آستانہ بوسی فرمائی۔ مدینۃ النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دیکھنے کا اشتیاق غالب تھا۔ تین دن مکہ شریف میں ٹھہر کر اُدھر کا رخ کیا۔ ۲۵ صفر ۱۱۵۱ھ (۲۸ جون ۱۷۳۸ء) کو سوادِ شہر پاک سرمہ کش چشم سعادت ہوا۔ وہاں کے دوران قیام میں شیخ محمد حیات[۱۲۶] سندی مدنی سے صحیح بخاری پڑھکر سند حاصل کی۔ صحاح ستہ اور سائر مفردات کی اجازت لی۔ کئی نعتیہ قصائد عربی میں لکھکر روضۂ اقدس میں پیش کئے۔ عید الفطر آستانِ اطہر پر ہوئی۔ ۱۴ شوال (۱۵ جنوری ۱۷۳۹ء) کو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ادائے حج کے لئے رخصت حاصل کی۔ ۲۶ ماہ مذکور (۲۷ جنوری) کو پھر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ ذی الحجہ (مارچ) میں مناسک حج بجالائے۔ طائف بھی گئے۔ مکہ معظمہ میں شیخ عبد الوہاب[۱۲۷] طنطاوی کی صحبت میں حاضر رہ کر فن حدیث کے فوائد حاصل کئے۔ انھیں کے مکان پر قیام تھا۔ شیخ اُس وقت سرآمد علمائے عصر سمجھے جاتے اور مکہ معظمہ میں فروکش تھے۔ مجالس درس و موعظت انکی ذات اقدس سے گرم و منور رہتی تھیں۔ آزاد کے اشعار عربی سنکر شیخ صاحب بہت تحسین فرماتے تھے جب میر غلام علی کا تخلص آزاد سُنا اور اُس کے معنی و مصرف کو سمجھا تو فرمایا کہ سیدی انت من عتقاء اللہ

فنون اور تمدن و تہذیب نے ترویج و ترقی پائی۔ جن کے دست جود و عطا کی بدولت اس وقت ہندوستان کی بڑی بڑی تعلیم گاہیں قائم اور سرسبز و شاداب ہیں۔ علیا حضرت کی کامیاب اور فیض رساں حکمرانی کو ایک عالم جانتا اور اعتراف کرتا ہے۔

فرمانفرمائے وقت، قوی شوکت سکندر صولت اعلیٰ حضرت حضور نواب لفٹیننٹ کرنیل افتخار الملک حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر، بی۔ اے، جو ایک سراپا خیر، روشن خیال، بیدار مغز، قابل افتخار حکمراں ہیں، اپنی والدہ ماجدہ کے نقش قدم پر چلتے اور اہل علم و ہنر کی سرپرستی و قدر دانی فرماتے ہیں۔ ؎

علا عن المدح حتی ما یزان بہ　　کانما المدح من مقدارہ یضع

[۱۲۶] اطراف عادل پور توابع بہکر کے باشندے، قبیلۂ چاچڑ سے تھے۔ باپ کا نام ملا غلام یہ تھا۔ عادل پور آزادنے بھی دیکھا تھا۔ شیخ محمد حیات آغاز شباب میں حجاز شریف تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں توطن قابل اختیار کر لیا تھا تحصیل علم بھی وہیں کی۔ باوجود فقدان وجہ معاش بڑی استقامت سے کام لیا۔ حرمین معظمین کی علمائے نامور مثل شیخ ابو الحسن سندی مفتی مدینہ و شیخ عبد اللہ بن سالم البصری المکی سے تلمذ تھا۔ حدیث شریف کی خدمت میں تمام عمر صرف کر دی اور

اسی طرح وہاں کے صاحبان فضل وادب اور بزرگان عرب نے آزاد کی عربی دانی اور قادر الکلامی کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھا اور تعریف کی۔

ربیع الآخر ۱۱۵۲ھ (جولائی ۱۷۳۹ء) میں طواف وداع بجا لائے۔ ۳۰ جمادی الاول (۲۹ جولائی ۱۷۳۹ء) کو جدہ سے جہاز پر سوار ہوئے۔ بندرگاہ مخا (واقع ساحل یمن) ہوتے ہوئے سورت پہونچے۔ پانچ مہینہ قیام کیا۔ وہاں سے سیدھے دکن چلدیئے۔ آخر ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ (وسط فروری ۱۷۴۰ء) میں وارد اورنگ آباد ہوئے۔ بابا شاہ مسافر نقشبندی کے تکیہ (۱۲۹) مکان بود و باش فقرا میں قیام اختیار کیا۔ سات سال تک اسی جگہ بسر کی۔ نواب نظام الدولہ خلف آصف جاہ سے بڑا ارتباط و اتحاد تھا۔ باایں ہمہ آزاد، آزاد رہے، اور کوئی خدمت یا منت کشی اُن کی یا کسی امیر کی گوارا نہ کی۔

۱۱۶۱ھ (۱۷۴۹ء) میں وحشت دل پھر دامنگیر ہوئی۔ دیار عرب کی کشش تھی اور وطن و اہل وطن سے قطع تعلق پر سرگرمی و انہماک۔ لیکن ایک شب سروش غیبی کی صدا آئی۔ ع کمش دست از دامن روزگار۔ امتثال امر غیب پر مجبور ہوئے۔ ارادہ مصمم فسخ کرنا پڑا۔ سچ ہے۔ عوفت ربی بفسخ

اس فن مبارک میں تبحر عظیم حاصل کرلیا۔ اپنے اوقات عزیز کی بڑی نگہبانی کرتے اور برابر نشر علوم و فضائل میں مصروف رہتے۔ حرمین پاک کے خاص و عام اور مصر و روم و شام کے لوگ انسے اعتقاد و اخلاص رکھتے اور فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔

چہارشنبہ ۲۶ صفر ۱۱۶۳ھ (۲۴ جنوری ۱۷۵۰ء) کو رحلت فرمائی۔ بقعۂ مبارک بقیع میں دفن ہوئے۔

۱۱۷۷ھ (۱۷۶۴ء) میں رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ جنت المعلی میں جگہ پائی۔

العزائم۔ اس زمانہ میں ان کو بارہا شہر حیدرآباد[۵۱۲۸] اور دکن کے مختلف مقامات کو کبھی از خود اور کبھی نواب نظام الدولہ کی معیت میں جانا پڑا۔ آزاد نے اپنی عمر کا بڑا حصہ (اڑتالیس سال) دکن میں گزارا۔ شفیق ماموں اور اُستاد (میر سید محمد) کے مرنے، نوجوان اکلوتے بیٹے (میر نورالحسن[۵۱۲۹]) کے غرق آب

۵۱۲۸ بابا شاہ مسافر خلیفۂ ارشد بابا شاہ سعید پلنگ پوش کے تھے۔ شاہ مسافر کا اصلی نام حافظ محمد عاشور اور مولد و منشا اغجدوان تھا۔ مسافر رہبرِ طریقت کا دیا ہوا خطاب تھا۔ بابا سعید ہندوستان چلے آئے تھے۔ اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ پدر نواب آصف جاہ کے لشکر کی نگہبانی و حراست پر مامور تھے، ہمیشہ ہمراہ رہتے۔ حافظ محمد عاشور نے اوائل میں میر عطاء اللہ ساکتری کی خدمت میں حاضر رہ کر کبریویہ طریق پر ریاضتیں کیں۔ میر عطاء اللہ نے رخصت کیا تو سیاحت کی ہدایت کی سیر عُمر چلے آئے۔ بارہ سال قیام فرمایا۔ وہاں سے کابل آئے اور بابا شاہ سعید کے مرید ہوئے۔ سات سال بعد اجازت لیکر حرمین شریفین گئے۔ سعادتِ حج حاصل کرکے ابتدائے عہد خلد مکاں میں ہندوستان آئے۔ اورنگ آباد میں جس جگہ کہ اس وقت مرقد مبارک کا تکیہ ہے اقامت گزیں ہو گئے۔ نفس واپسیں تک وہاں سے نہیں اُٹھے۔ تشنگان ارادت و عرفان اس چشمہ ربانیت و رحمت سے خوب سیراب ہوتے رہے۔ ۴۔ رجب ۱۱۲۶ھ (۵۔ جولائی ۱۷۱۴ء) کو اس عالم سفلی کو چھوڑا اور اپنے پیر کے پہلو میں جانب قبلہ آسائش فرمائی۔

آزاد نے ان کو دیکھا نہ تھا لیکن بڑے اخلاص و عقیدت سے یاد کرتے ہیں ؎

قطب زماں صاحب شانِ عظیم — شاہ مسافر بہ درِ حق مقیم
خسرو بے تاج و نگین و علم — تاج دہِ قیصر و خاقان و جم
ریشہ بہ اسرارِ حقیقت دواند — دامن ہمت بہ دو عالم فشاند
خود شکنی ہا اثر ذکر او — روشنیٔ دل اثر فکر او
پادشہ سلسلۂ نقشبند — یک نظر او دو جہاں را پسند

۵۱۲۹ یہ خانقاہ ایک بڑے وسیع باغ میں محمود دروازہ کے پاس واقع ہے۔ اور اب درگاہ شاہ مسافر کے نام سے زیادہ شہرت رکھتی ہے۔ اورنگ آباد میں یہ روضہ نہایت دلفریب اور فضا اور فرح بخش مقام سمجھا جاتا ہے۔ اورنگ زیب اور اُس کے اعیان سلطنت کو ان بزرگ سے کمال اعتقاد تھا۔ شاہ صاحب کے پیر و مرشد کے لئے ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۷ء) میں امرائے دولت اور اہل ارادت نے اس خوشنما اور شاندار تکیہ کو تعمیر کرایا تھا۔ اس کے متعلق مدرسہ، مسجد، دیوان خانہ اور ایوان سرا اور دیگر ضروری عمارات متعدد تیار کرائی تھیں۔ آصف جاہ

ہونے خالہ زاد اور عزیز تر از جاں بھائی (محمد یوسف) کی وفات اور پیارے سے پیارے رشتہ داروں کی مفارقت دائمی اختیار کرنے کی خبریں آتی رہیں۔ مگر یہ دکن میں کچھ ایسے پاؤں توڑ کر بیٹھے تھے کہ اُٹھنا اور ہٹنا گوارا نہ کیا۔ حُبِ وطن کا جاذبہ، خاکِ دکن کی پابوسیوں پر غالب نہ آسکا شفقت بزرگانہ

اول میر دُر کے عہد بابرکت میں درگاہ نے اور بھی وسعت اور رونق پائی درگاہ کے احاطہ کے اندر کئی پختہ حوض ہیں اور فوارے لگے ہیں۔ باہر ایک نہایت لمبا چوڑا حوض ہے۔ جس کے لئے نہر سے پانی آتا ہے اور بڑی بلندی سے حوض کے اندر گرتا ہے۔ کسی وقت اس آبشار کے قریب ایک پن چکی بھی قائم تھی، جس کے اب صرف آثار و نشان باقی رہ گئے ہیں۔ درگاہ کی مسجد میں ایک دُرّہ رکھا ہوا ہے جس کی نسبت روایت یہ ہے کہ شاہ دین پناہ (عالمگیر) خلاف شرع کام کرنیوالوں کو اس سے تعزیر دیتا تھا۔

۱۳۰ شہر حیدر آباد۔ عُرفاً ریاست حیدر آباد دکن کا دارالصدر حقیقتاً ایالت نظام خلد اللہ سلطنتہ کا دارالملک موسیٰ ندی کے داہنے ساحل پر واقع ہے۔ اس کی آبادی مع اس کے جملہ مضافات کے ۱۹۲۱ء میں چار لاکھ چار ہزار ایک سو ستاسی ۴۰۴۱۸۷ تھی۔ بلحاظ کثرت آبادی و زینت و رونق یہ شہر ہندوستان میں چوتھا مگر باعتبار تمدن و تہذیب پہلا سمجھا جاتا ہے۔

اس شہر کی بنیاد ۹۹۷ھ (۱۵۸۹ء) میں محمد قلی قطب شاہ بن ابراہیم قطب شاہ (پانچویں قطب شاہی بادشاہ) نے ڈالی تھی۔ وہ اُس وقت گول کنڈہ کا فرمانروا تھا۔ جو حیدر آباد سے پانچ میل بجنوب پر ہے۔ بانی نے اس کا نام بھاگ نگر رکھا تھا پھر حیدر آباد بدل دیا۔ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ء) میں جب شہنشاہ اورنگ زیب محمد قلی اور اُس کے شکستہ خاطر دل برداشتہ وزیر میر جملہ کے مابین تصفیہ کرانے آیا ہے اُس وقت تک شہر کی حالت روبہ ترقی اور رونق روز افزوں تھی۔ ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۷ء) میں شہنشاہ عالمگیر کا حملہ گول کنڈہ پر ہوا تو حیدر آباد مغلوں کے قبضہ میں آگیا اور اُن کے قبضے میں اُس وقت تک رہا کہ نظام اول نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور اس کو اپنا دارالصدر قرار دیا۔

شہر کے گرد سنگین دیوار ہے، جس میں بُرج بنے ہیں۔ تیرہ پھاٹک اور بارہ کھڑکیاں ہیں۔ یہ شہر پناہ بشکل متوازی الاضلاع تعمیر ہوئی ہے۔ دَور چھ میل اور رقبہ سولہ میل مربع ہوگا۔ اس کی تعمیر کا آغاز مغلوں کے اخیر صوبہ دار مبارز خاں نے کیا تھا۔ نظام اول نے اس کی تکمیل فرمائی۔ شمال و مشرق میں شہر اپنے اصلی حدود سے بہت بڑھ گیا ہے۔ موسیٰ ندی پر چار پل بنے ہیں۔ 'پُرانا پل' بالکل بجنوب کو ہے اولی فینٹ برج Oliphant Bridge مشرق اقصیٰ میں ہے۔ ان دونوں کے مابین دو پل (۱) افضل پل اور

اور حقوق اعزہ کا اقتضا اسی قدر تھا کہ اپنے بھتیجے (غلام امام صادق کے بیٹے) میر اولاد محمد ذکا اور اپنے پوتے میر امیر حیدر[۱۳۲] کو اپنے پاس دکن میں بلا لیا اور وہیں ان کی تربیت و پرداخت عالمانہ اور امیرانہ طریقہ پر کی۔ اپنی صحبت گرامی کے فیض اور علوم عالیہ سے بہرہ وافر دے کر وطن کو رخصت کر دیا

(۲) چپا دروازہ پل، واقع ہیں۔

عہد قطب شاہی کی سب سے خوبصورت اور شاندار عمارات میں سے ایک چار مینار ہے۔ اسکی تعمیر ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ء) میں ہوئی تھی۔ یہ شہر کے وسط یا مرکز میں واقع ہے۔ اس کے اندر سے چار سڑکیں نکل گئی ہیں۔ منارے ایک سو اسی فٹ بلند ہیں۔ ان میں سے ایک مینار پر مغلوں کے قبضہ کے زمانہ میں بجلی گری تھی۔ اسکی از سر نو تعمیر میں ساٹھ ہزار روپیہ صرف ہوا۔ فرانسیسی جنرل مانشو بسی M Bussy اور اس کی افواج ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۶ء) میں چار مینار پر قابض رہیں۔ سر سالار جنگ نے اپنی وفات سے کچھ روز پہلے اس عمارت کی تمام و کمال درستی و تجدید و تزئین کرادی تھی۔ چار مینار کے قریب چار کمان واقع ہے۔ جس کی تعمیر ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۳ء) میں ہوئی تھی چار شوارع پر جو شہر کے چار حصوں یعنی اسمات اربعہ کو جاتے ہیں بنائی گئی ہیں۔ چار سو کا حوض چار مینار کے شمال میں ہے۔ بادشاہ نے اس حوض کے پاس ایک کوشک تعمیر کرایا تھا۔ جہاں سے اپنی فوج کی قواعد و کمر بندی دیکھا کرتا تھا۔ "دار الشفا" (اسپتال) پرانی حویلی کے بالکل شمال میں دو سو گز فصل سے واقع ہے۔ اسکو سلطان قلی قطب شاہ نے بنوایا تھا۔ یہ ایک بڑی عمارت ہے جس کا صحن پختہ اور چوگوشہ ہے۔ مریضوں کے قیام و آرام کے لئے ہر طرف کمرے بنے ہیں۔ دروازے کے سامنے ایک نفیس مسجد اسی زمانہ کی تعمیر شدہ ہے۔ ایک بڑی عمارت سر سالار جنگ کے محل کے کچھ جانب "عاشور خانہ" نام، سلطان محمد قلی قطب شاہ نے ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ء) میں تعمیر کرائی تھی۔ محرم وغیرہ میں اب بھی یہاں عزاداری اور ماتم گساری ہوتی ہے۔

"پرانا پل" شہر کو اس کاروان سڑک سے ملا دیتا ہے جو گولکنڈہ جاتی ہے۔ اس میں تیئیس محرابیں ہیں۔ چھ سو فٹ لمبا تینتیس ۳۳ فٹ چوڑا اور چون ۵۰ فٹ ظرف دریا سے بلند ہوگا۔ یہ ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۳ء) میں تعمیر ہوا تھا۔ دریا یہاں سے بہت تنگ ہے اور اس کے کنارے ڈھالو ہیں۔ "قصر گوشہ محل" کی تعمیر ابو الحسن تانا شاہ آخر قطب شاہی بادشاہ نے کی تھی۔ یہ شہر سے ایک میل شمال پر ہے۔ اسمیں ایک بڑا حوض ہے اور بیگمات کے لئے نزہت گاہیں ہیں "مکہ مسجد" جو چار مینار کے جنوب و مغرب میں ہے سوا دو سو فٹ لمبی، ایک سو اسی فٹ چوڑی اور پچھتر فٹ بلند ہوگی یہ تمام کمال پتھر کی عمارت ہے۔ اس کا پختہ چوکور فرش تین سو ساٹھ فٹ مربع ہے۔ اس کی سقف پندرہ محرابوں پر قائم ہے جن کے دو بڑے بڑے برج بنے ہوئے ہیں۔ یہ چھت سے ستر فٹ بلند ہوں گے۔ اسمیں دس ہزار نمازیوں کی گنجایش ہے۔ محمد قطب شاہ (محمد قلی کے بھتیجے اور جانشین نے) اس کی تعمیر شروع کی تھی اس کے انتقال کے بعد

یہ لوگ یہاں آکر پھولے پھلے مگر آزاد کو اپنی طرف کھینچنے میں ناکام رہے۔ آزاد نے چھیاسی برس کی عمر میں سنہ ۱۲۰۳ھ (سنہ ۱۷۸۶ء) میں انتقال فرمایا۔ اور روضۂ شریفۂ خلد آباد میں پیوند زمین ہوئے انکی قبر پختہ شہر پناہ کی جانب جنوب، حضرت میر حسن ابو العلائی سنجری کے احاطہ کے ایک گوشہ

ابو الحسن نے تعمیر جاری رکھی مگر تکمیل اورنگ زیب کے ہاتھوں سے ہوئی۔ اسی مسجد کی جنت نشان اراضی میں نظام علی خاں مبرور اور اُن کے سب جانشین استراحت گزین ہیں۔ "جامع مسجد" چار مینار کے قریب ہے۔ جو سنہ ۱۰۰۶ھ (سنہ ۱۵۹۶ء) میں تعمیر ہوئی تھی۔ مکہ مسجد اور گوشہ محل کو چھوڑ کر یہ سب باقی عمارتیں سلطان محمد قلی قطب شاہ کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں۔ جس نے سوا تین کرور روپیہ (تین ملین اسٹرلنگ) رفاہ عام کی عمارات اور آبپاشی کے کاموں پر صرف کیا تھا۔ اُس کے مقربین اور امراء نے بھی تقلید و تبعیت کی اور کارہائے نیک پر بیدریغ روپیہ صرف کیا۔ ایک بڑا وسیع گورستان ہے جو میر مومن کا دائرہ کہلاتا ہے۔ میر مومن نے جو بعہد عبد اللہ قطب شاہ کربلائے معلے سے حیدرآباد آیا تھا اس کام کے لئے وقف کیا تھا۔ سر سالار جنگ کے خاندان کا قبرستان دائرہ مذکور کے جنوب ہے۔

بعد کی تعمیرات میں پرانی حویلی ہے۔ یہ ایک وسیع عمارت شہر کے شمال و مشرق کے حصہ میں واقع ہے۔ اسکو نظام اول مبرور نے تعمیر کرایا تھا۔ ایوان چہ محلہ میں، تین چوگوشہ محلات ہیں۔ اسکے ہر طرف نہایت خوشنما عمارات ہیں۔ وسط میں ایک بڑا حوض ہے۔ یہ محل نہایت پرتکلف اور سلیقۂ اتم سے آراستہ ہے بیگمات عصمت سمات کی شاہانہ مجلسرائیں تیسرے چوگوشہ سے اُس طرف ہیں۔

شاہی محلات و قصور گول کنڈہ، سرور نگر، مولا علی، آصف نگر، لنگم پلی اور ملک پیٹ میں بھی ہیں۔

سالار جنگ کا محل، افضل دروازہ کے قریب ہے اُس میں دو قطعے یا حصے ہیں۔ ایک جس میں بارہ دری اور لکڑ کوٹ (محل چوبیں) ہے، موسیٰ ندی کے داہنے ساحل پر ہے اور دوسرا، پرانی حویلی کو جانے والی سڑک کے اُس طرف۔ دونوں نہایت وسیع عمارتیں ہیں جو بہت سی اراضی پر پھیلی ہوئی ہیں۔ شمس الامراء کی بارہ دری شہر کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کو ایک بڑے وسیع قطعہ زمین پر شمس الامرا اول نے تعمیر کیا تھا۔ فلک نما، ایک نہایت نفیس محل ہے۔ اس کو شہر کے مضافات جنوبی میں ایک پہاڑی کی چوٹی پر پینتیس ۳۵ لاکھ روپیہ کے صرف سے سر وقار الامرا مرحوم نے بنوایا تھا۔ اس قصر رفیع سے شہر اور اُس کے اطراف کا نظارہ نہایت دلکش اور نظر فریب ہوتا ہے۔ حیدرآباد میں کوئی عمارت، خواہ بلحاظ حسن تعمیر خواہ باعتبار خوبی تجویز نقشہ، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ جنت آشیان نظام سادس نے سنہ ۱۸۹۷ء میں ذریعہ خریداری اسکو مملوکات شاہی میں شامل و داخل فرمالیا تھا۔ جہان نما محل، اور اُس کے خوشنما باغات جو سر آسمان جاہ مبرور کے مملوکہ ہیں، فلک نما

میں حظیرہ (کٹھرہ) کے اندر واقع ہے۔ اہل وقوف سے اُس کا پتہ زائرین اور مستدرکین کو کسی قدر دشواری سے چلتا ہے۔ افسوس ہے کہ کسی حوصلہ مند نے اُس پر کتابہ نہ لگا دیا تاکہ کسی سے پوچھنے اور دریافت کرنیکی ضرورت باقی نہ رہتی۔

بارھویں صدی کے لئے ہندوستان میں آزاد کی ذات ایک نعمت بے مثال تھی۔ وہ مجسمہ ذہانت وقابلیت تھے۔ اپنی لازوال یادگار میں عربی وفارسی تصانیف کا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ شعرائے ہند وایران کے تین مبسوط تذکرے (۱) ید بیضا (۲) سرو آزاد (۳) خزانہ عامرہ۔ اور

کے شمال میں ہیں۔ محل اور اُس کے بنگلوں میں جو باغات کے اندر بنے ہوئے ہیں، ایک بڑی تعداد باسلیقہ وہنرمندانہ کلوں اور پردوں کے کھلونوں کی موجود ہے۔

اطراف بلدہ، دو طور پر منقسم ہیں۔ ایک جو موسیٰ ندی کے اُس پار ہیں۔ دوسرے وہ جو شہر کے ملحق ہیں۔ اول الذکر میں بیگم بازار، کارواں، افضل گنج، مشیر آباد، خیرات آباد، سیف آباد اور چادر گھاٹ داخل ہیں جو پورب سے پچھم کو تین میل تک چلے گئے ہیں۔ اوسط عرض، شمال سے جنوب تک ڈیڑھ میل ہوگا اور رقبہ پانچ میل سے اوپر۔

رزیڈنسی بازار۔ ان بستیوں کے جنوب وشرق، اور شہر کے شمال وشرق میں واقع ہیں۔ باقی حصص ان مضافات کے جو شہر کے جنوب اور شرق میں ہیں یاقوت پورہ، ملک پیٹ، اور ہمال نما کہلاتے ہیں اور چار میل مربع رقبہ گھیرے ہوئے ہیں۔

رزیڈنسی۔ موسیٰ ندی کے ساحل چپ پر، شہر کے شمال وشرق کے گوشہ کے مقابل واقع ہے۔ یہ شاندار عمارت ہے۔ ایک خوش نما رمنہ کی شکل کے قطعہ کے اندر واقع ہے۔ اس کے باغ نہایت خوبصورت، آراستہ اور اچھی حالت میں ہیں۔ اسکی تعمیر ۱۷۸۰ء سے شروع ہوکر ۱۸۰۸ء میں ختم ہوئی تھی۔ اس کے اندر اور باہر بھی افسروں کے لئے کوٹھیاں بنی ہیں۔ انگریزوں کا قبرستان بھی ہے۔

حسین ساگر پانی کی ایک بڑی چادر ہے۔ جب خوب بھری ہوتی ہے تو آٹھ میل مربع سے زائد رقبہ پر پھیل جاتی ہے۔ اس سے رزیڈنسی اور مضافات شمال دریائے موسیٰ کو پانی پہنچتا ہے۔ پشتہ یا بند (باندھ) ڈھائی ہزار گز لمبا ہے۔ اسی پر وہ سڑک رواں ہے۔ جو مضافات شمالی کو سکندرآباد سے ملاتی ہے۔ اسکو سلطان ابراہیم قطب شاہ نے قریب ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) کے ڈھائی لاکھ کے خرچہ سے بنوایا تھا۔

پانی کی ایک اور عظیم چادر میر عالم نام آٹھ میل کے دور میں ہوگی۔ یہ شہر کے جنوب وغرب میں ہے۔ اس کا طول

بلگرام کے علماء و مشائخ کی ایک اچھی تاریخ مآثر الکرام فارسی میں لکھی ہے۔ ہندوستان کی ایک دلچسپ مختصر تاریخ عربی میں سبحۃ المرجان نام تحریر کی ہے۔ جس میں اس ملک کے خصائص و فضائل و شرائف کے بیان کے علاوہ فضلاء و فقراء کا ایک دلپسند تذکرہ لکھا ہے۔ ہندوستان کے مخصوص فنون، موسیقی اور شاہد پرستی یعنی نائکہ بھید پر ایک نہایت مدلل مقدمہ اور مفصل تبصرہ قلمبند کیا ہے۔ اس میں کچھ حصہ اپنی دوسری عربی تالیف شمامۃ العنبر فی ما ورد فی الھند من سید البشر سے نقل فرمایا ہے۔ عربی میں سات دیوان سبعۃ سیارۃ

۱۱۲۰ گز ہوگا۔ اسکی تعمیر فرانسیسی انجنیروں نے کی تھی جو نظام کی ملازمت میں تھے۔ سرینگا پٹم کے فتح ہو جانے سے جو زر غنیمت میر عالم وزیر کے حصہ میں آیا تھا اُس سے اُس نے اس تالاب اور بارہ دری اور دیگر عمارات کو تیار کرایا۔ صرف اسی باندھ میں آٹھ لاکھ لگا ہوگا۔ ان دونوں تالابوں سے شہر اور مضافات کو خوب پانی پہونچتا ہے۔ واٹر ورکس بھی یہاں قائم ہے اور نفع عام پہونچا رہا ہے۔ باغ عامہ نہایت خوبصورت آراستہ و پیراستہ نوبت پہاڑ کے دامن سے ملحق واقع ہے۔ وسط میں دو بڑے بڑے تالاب ہیں خوشنما دیوار چار طرف محیط ہے۔

ایک تالاب گندی پیٹھ خاص کر قابل ذکر ہے جو گولکنڈہ سے دو میل جانب شمال واقع ہے۔ ۱۹۰۸ء کے طوفان موسیٰ ندی کے بعد حکومت کے اہل حل و عقد کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس دریا کو کہیں روک کر انکا زور و تلاطم کم کر دیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں ایک قابل ہندوستانی انجنیر کی تجویز سے شہر سے چند میل کے فاصلہ پر جانب شمال اسکو ایک مضبوط بند سے روک دیا گیا۔ ایک تند و پرزور طوفان خیز دریا کو جس سے تین سو مربع میل زمین زیر آب ہوتی ہو سوا ۱۳۰ فٹ بلند دیوار سے روک دینا دنیا کے محیر العقول انسانی کارناموں میں داخل ہے۔ اس سے دو غرضیں پوری ہوتی ہیں ایک تو پورے شہر حیدرآباد اور سکندرآباد کو صاف و شیریں پانی نلوں کے ذریعہ سے بہم پہونچتا ہے۔ دوسرے رود موسیٰ کے آئندہ طوفان خیز اور باعث ہلاکت ہو جانے کے مواقع بہت گھٹ گئے ہیں۔ اب موسیٰ میں صرف اتنا ہی پانی آتا ہے جتنا کہ گندی پیٹھ کی چادر سے زائد سمجھکر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وسعت و عظمت میں گندی پیٹھ حسین ساگر سے چار چند ہے۔ بعض انجنیروں کا خیال ہے کہ کسی وقت آفت سماوی یا زلزلہ وغیرہ کے صدمہ سے (خدا نہ کرے) اگر یہ ایک سو پچیس فیٹ بلند بند ٹوٹ گیا تو گندی پیٹھ کا پانی شہر حیدرآباد میں بھر کر چارمینار کی بلندی سے بھی اونچا جائے گا۔

سررشتہ آرایش بلدہ نے لاکھوں روپیہ کے مصارف اٹھا کر دو تین سال سے بعد ادائے معاوضہ وسط

نام سے لکھے۔ حرمین شریفین و فارس و مصر میں انکی زندگی میں ان کے کلام نے بڑی شہرت و قبولیت پائی۔ سادات کے فضائل میں ایک جداگانہ کتاب سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات تحریر کی ہے۔ روضۂ شریفۂ خلد آباد کے آسودگان خاک و بزرگان کرام کا ایک تذکرہ روضۃ الاولیا کے نام سے لکھا ہے۔ تسلیۃ الفؤاد ان کے تمام قصائد کا مجموعہ ہے حدیث پاک سے تو غل تھا۔ صحیح بخاری اکثر زیر مطالعہ و زیر عمل رہتی تھی، اُس کی ایک شرح

شہر کی گنجان آبادی کے ہزارہا ناموزوں اور بدزیب مکانات منہدم کرا دئے ہیں۔ اب ان کے بجائے حفظان صحت اور رونق شہر کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک خوش آیند و آرام دہ وضع کے مناسب مکانات اور سڑکیں اور پارک وغیرہ بنائے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ تین چار سال کے اندر آرائش بلدہ کا یہ کام تکمیل پا جائیگا۔

۱۳۱ سنہ ۱۱۶۰ھ (سنہ ۱۷۵۵ء) میں نور الحسن ایک تالاب میں غسل کرتے وقت عین شباب میں غرق ہو گئے تھے۔ آزاد نے ان کا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا ہے ؎

قیامت بر سر ایں بوستاں رفت — کہ یک گل داشت آں ہم نوجواں رفت

۱۳۲ امیر حیدر کے باپ میر نور الحسن جب غرق ہوئے ہیں تو امیر حیدر تین سال کے تھے۔ سنہ ۱۱۶۵ھ (سنہ ۱۷۵۱-۵۲ء) کی پیدائش تھی۔ اولاً تحصیل علوم بلگرام میں کی۔ اپنے دادا کے ماموں میر سید محمد شاعر سے اکتساب فضائل کیا۔ پھر اپنے جد امجد کے پاس اورنگ آباد چلے آئے۔ اور وہیں تکمیل و تربیت ہوئی۔ آزاد کی رحلت پر بلگرام واپس آئے۔ اور بود و باش اختیار کی۔ کلکتہ پریسیڈنسی میں عدالت کل (سپریم کورٹ) کے عہدۂ افتا پر مامور تھے۔ بنگالہ سے وطن آ رہے تھے کہ مرشد آباد پہونچکر ہاتھ میں ایک مُنقّٰہ (دانہ) نکلا جو اس جہان فانی سے انتقال کا سبب ظاہر ہوا۔ "وائے ویلا امیر حیدر رفت" سنہ ۱۲۱۷ھ (سنہ ۱۸۰۲ء) تاریخ وفات ہے جب مفتی امیر حیدر بلگرام میں تھے تو آزاد نے کئی خط ان کے نام عربی میں لکھے تھے جو آزاد کے دیوان میں موجود ہیں۔ مفتی صاحب کے ایک رسالہ "بیان مالیہ ہائے سرکار و تقابض ارامنی حسب شرع محمدی" کا ترجمہ انگریزی اورنٹیل مسلینی Oriental Miscellany مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۷۹۸ء (سنہ ۱۲۱۳ھ) میں میری نظر سے گذرا ہے۔ نہایت قابلیت و تحقیق کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ عہد اکبر بادشاہ کی ایک نہایت مستند و مکمل تاریخ 'سوانح اکبری' کے نام سے لکھی ہے جس کی مورخین و محققین فرنگ بیحد ستائش و تحسین کرتے ہیں۔

۱۳۳ تاریخ فرخ آباد مؤلفہ مفتی محمد ولی اللہ اور اتحاف النبلاء مصنفہ نواب سید محمد صدیق حسن خاں اور تذکرہ خازن الشعرا اضافہ شاہ محمد فاخر افضلی اور مسٹر ہیل کی اور نٹیل بیاگرافی کل ڈکشنری

اول کتاب سے لے کر آخر کتاب الزکوٰۃ تک ضوء الدراری تحریر فرمائی۔ حضرت شیخ مجدد سرہندی کے مکاتیب میں سے بعض کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔

ان کے کلام کا بڑا حصہ مدائح و مناقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واقع ہوا ہے اس لئے یہ حسان الہند کے لقب سے مشرف تھے۔

آزاد ہندی یا ہندوستانی (ریختہ یا اردو) میں شعر نہیں کہتے تھے وہ اسکو اپنے مرتبۂ عالی

Oriental Biographical Dictionary اور اکثر مستند تذکروں اور تاریخوں میں آزاد کا سال وفات ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۸-۸۶ء لکھا ہے۔ قطعہ تاریخ یہ ہے ؎ امام اہل سخن فخر اتقیا آزاد کہ بود سید والا نژاد نیک نہاد چو رخت بست ز دنیا بہ عالم عقبیٰ بیا بہ روضۂ قدسی فلک ندا در داد لیکن سہو کتابت یا عدم تحقیق سے ضلع ہردوئی کے گزیٹیر مطبوعہ ۱۸۰۴ء میں صفحہ ۱۷۰ پر سن رحلت ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۷-۸۸ء تحریر ہے میر شیر علی افسوس نے بھی آرائش محفل میں ۱۲۰۲ھ لکھا ہے۔

۱۳۴ید بیضا۔ غیر مطبوع ہے۔

۱۳۵سرو آزاد۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور۔ ۱۹۱۳ء

۱۳۶خزانۂ عامرہ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ۔ ۱۸۷۱ء

۱۳۷مآثر الکرام۔ مطبوعہ مفید عام پریس۔ آگرہ۔ ۱۹۱۰ء

۱۳۸سبحۃ المرجان۔ مطبوعہ بمبئی۔ ۱۳۰۳ھ۔ جس کے ابتدائی اجزاء کا اردو ترجمہ موسوم بہ مظہر آدم، نولکشور پریس لکھنؤ میں ۱۸۷۰ء میں چھپا تھا۔

۱۳۹السبعۃ السیارۃ کا انتخاب "مختار دیوان آزاد" کے نام سے مطبع آسی لکھنؤ سے ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوا

۱۴۰سند السعادات طبع ہو گئی ہے اور میرزا احمد شیرازی تاجر کتب بمبئی کے یہاں ملتی ہے۔

۱۴۱روضۃ الاولیا۔ مطبوعہ اورنگ آباد دکن۔

۱۴۲ضوء الدراری۔ شیخ شہاب الدین کی ارشاد الساری سے بزیادت بعض فوائد ملخص ہے۔

۱۴۳حضرت حسان بن ثابتؓ کی کنیت ابوالولید تھی۔ آپ انصاری خزرجی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر خاص تھے۔ آپ کا شمار فحول شعرا میں ہوتا ہے۔ ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں کہ اس امر پر عرب کا اجماع ہے کہ حسان بن ثابت سب سے بڑے شاعر اہل مدر (دبات وحجر اولوں) میں سے تھے۔ آپ کی شان جلالت و مرتبہ یہ ہے کہ حضرات عمر و ابوہریرۃ و عائشہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے روایت کی ہے۔ ۴۰ھ (۶۶۰ء) سے قبل زمانۂ خلافت حضرت علی

سے پست و دُون سمجھتے تھے۔ اپنے تذکروں اور احوال میں وہ اپنی ہندی شاعری سے انکار بحث کرتے ہیں۔ جو غزل ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے اُس کی روایت بے اصل اور غیر مستند ہے اِن کو قائم چاند پوری کا شاگرد بتانا محض بُہتان و اتہام ہے، اور ان کے خاندان کی خصوصیات و محفوظ روایات کے بالکل منافی۔ بازاروں میں ایک چند ورقہ رسالہ "گربہ نامہ" نام ملتا ہے۔ اس میں چوہے بلی کا قصہ عوام یا نوعمروں کی تفریح خاطر کے لئے اردو میں قلمبند کر دیا ہے۔ پرانی زبان ہے جا بجا آیات قرآنی و احادیث بھی موجود ہیں۔ سادات و شیوخ بلگرام کا نسب نامہ "شجرہ طیبہ" کے نام سے نہایت احتیاط و تحقیق کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ان کتابوں کے سوا آزاد کا دیوان فارسی، اور کشکول اشعار منتخبہ، اور چند منظومات اور رسائل بھی انکی یادگار ہیں۔

مآثر الامرا کی ترتیب جدید اور اُس کی تہذیب و تکمیل، آزاد کی حیات علمی کا ایک بڑا کارنامہ ہے اور انکی بقائے شہرت کی ضامن۔

آزاد کی پرورش اور تربیت، تعلیم و تعلم، رفاہیت اور امیرانہ گزران کے متعلق میر عبدالجلیل کے بہت سے حقوق آزاد پر تھے۔ اصل یہ ہے کہ میر عبدالجلیل نے ہی میر غلام علی کو آزاد و سُبحان الہند بنایا تھا۔ یہ شہرہ و فضل اُنھیں کے فیوض و برکات سے حاصل ہوا تھا۔ آزاد نے بھی ہر ممکن اسلوب سے ان حقوق کو ادا کیا اور ہر موقع پر ان کو یاد رکھا ہے۔ عبادات مالی و جانی ادا کی ہیں اور یدبیضا تو خاصکر میر عبدالجلیل کے تذکرہ و یادگار میں لکھا ہے۔ اس کے بیان کی تمہید میں معذرت کرتے اور فرماتے ہیں کہ:-

---

رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ میں وفات پائی اور بعض لکھتے ہیں کہ سنہ ۵۰ھ میں سن مبارک ایک سو تیئیس سال کا تھا۔ ساٹھ سال جاہلیت میں گزارے تھے اور ساٹھ زمانۂ اسلام میں۔

جو شعرا رسول اللہ صلعم کی ہجو کرتے تھے انکا جواب حسان دیا کرتے تھے۔

خاقانی شروانی بھی آنحضرت صلعم کی مدح و نعت اکثر کیا کرتا تھا وہ حسان عجم کہلاتا تھا۔

"بر مطالعہ کنندگان ایں سطور مخفی و مستور نماند کہ علت غائی تسوید این کتاب ذکر آنجناب تقدس مآب است۔ پس اگر عندلیب ناطقہ زمزمہ بلند کشد داز دراز نفسی نیندیشد کلیم وار معذور لذت گفتار است ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ　　هو المسك ما کررته یتضوع ،،

تسلیۃ الفواد میں آزاد نے اپنے بہت سے قصائد اور مختلف مضامین وحالات جمع کئے تھے۔ ان میں سے کچھ سبحۃ المرجان میں بھی نقل کر دیے ہیں۔ میر عبد الجلیل کے تذکرہ اور قصائد واشعار مدحیہ نے اُس میں بھی حصہ غالب پایا ہے۔ ایک زبردست قصیدہ سینتیس ۳۷ شعر کا لکھا تھا جس نے اُدبائے عرب سے بھی خراج تحسین وصول کیا۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے ؎

ادرك علیلاً لقاء منك یکفیه　　وطرفك الناعس المراض یشفیه

ایک دوسرے محل پر میر غلام علی آزاد اپنے نانا کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

ان فاض امواه العراق فاننی　　اسعی علی راسی الی البحرین

اعنی یدی سلطان مملکۃ الندی　　ینصب عن هاتین ماء لسجین

آزاد کا مفصل تذکرہ قلمبند کر چکا ہوں، قدرے تحقیق مزید اور نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ بارگاہ تعالیٰ شانہ میں دست بدعا ہوں کہ اس عاجز ناکارہ کی محنت ٹھکانے لگے۔ اور وہ اوراق مطبوع ہو کر اہل علم کے حضور میں بار یاب ہوں۔ آزاد کے کلام اور تصنیفات کو بہت سے قدر شناسوں نے اپنی توجہ اور عنایت اشاعت سے زندہ کر رکھا ہے۔ ممکن ہے کہ خود آزاد کے احیاء وابقا کا شرف تقدیر الٰہیہ نے فقیر ہیچمدان کے لئے ودیعت فرمایا ہو۔ ؎

زخیل درد کشان غیر ما نہ ماند کسے
بیار بادہ کہ ما ہم غنیمتیم بسے

ردّ و قبول

شیخ وجیہہ الدین اشرف، صاحب بحر زخار، موج احوال شمار ۰۰، میں تحریر کرتے ہیں کہ میر سید عبد الجلیل متخلص بہ واسطی، خواص اتقیا اور اجلّہ علماء سے تھے۔ تزکیۂ قلب، تصفیۂ باطن، تقدس ذات اور جلائل صفات میں یگانۂ زمانہ تھے۔ راقم اوراق زخار کو آپ کے حالات کے لکھنے میں توقف و تامّل تھا۔ آپ کی ثروت ظاہری اور رفاقت و مصاحبت سلاطین پیش نظر اور وجہ تردد تھی۔ لیکن میں (شیخ اشرف) نے ایک شب حضرت سید غلام علی آزاد کو معاملہ (خواب) میں دیکھا کہ اپنی تصنیف مآثر الکرام کا نسخہ میرے سامنے رکھتے اور اپنے حالات کے متعلق اوراق دکھا کر فرما رہے ہیں کہ ان تین شخصوں کا حال ضرور لکھئے گا اور اس کے لئے اصرار فرمایا۔ صبح کو میں بیدار ہوا، کتاب کھول کر وہ جگہ نکالی۔ تحریر یہ تھا کہ بندہ آزاد نے علامی میر سید عبد الجلیل اور اُن کے خلف الصدق میر سید محمد و نیز سید طفیل محمد سے تحصیل علوم کی ہے۔ اس لئے میں (صاحب تذکرہ زخار) نے ان تینوں حضرات کا حال لکھ کر اپنی کتاب میں داخل کر دیا۔ خود میر صاحب کو درویشوں کی صف میں جگہ دی، اُن کے فرزند رشید کو مُریدان شاہ لدھا کے زمرہ میں، اور میر طفیل محمد کو متفرقات میں رکھا۔

صاحب بحر زخار نے میر جلیل کی بیعتِ علویہ اور طریقت اُویسیہ و حمویہ کا بھی حوالہ دیا اور آپ کو مصاحب و محرم اسرار مرتضویہ بتایا ہے۔ آپ کے کمال و کلام اور وفات اور نعش کے متعلق خرق عادت کا بھی حوالہ دیا ہے۔ یہ واقعہ بھی نقل فرمایا ہے کہ حضرت کی رحلت کے بعد، ایک بار میر آزاد اورنگ آباد میں تپ محرق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بہت دن گزر چکے تھے اور تپ مفارقت نہیں کرتی تھی۔ ایک شب کو عالم رویا میں حضرت کو دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ بیشک بہت تکلیف اُٹھائی کل تپ جاتی رہیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شیخ کا قول مختصر یہ ہے کہ میر کو شعر گوئی میں مرتبۂ عالی حاصل تھا اور بلگرام کا نام آپ ہی کے وجود فائض الجود سے شہرۂ آفاق ہوا ؎

مضیٰ واعظم مفقود فجعت به من لا نظیر له فی الناس یخلفه

ذکر خیر

میر صاحب کے حالات کم و بیش اکثر کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ شہرت و ناموری جو انکو زندگی میں نصیب نہیں ہوئی تھی مرنے کے بعد انکے حصہ میں آئی انکی قابلیت و سخن سنجی کی داد اہل فن اور اہل نظر نے دی اور کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ بے شبہ میر کے نام کے احیاء اور انکو حیات ابدی بخشنے میں آزاد اور انکے قلم نے دم عیسوی کا کام کیا ہے اور انکے بعد مقبول متہام گمنام نے لیکن کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جنکو آزاد کے بعض اقوال و تحریرات سے اختلاف رہا ہے مگر میر جلیل کے متعلق وہ بھی متفق المدح اور رطب اللسان ہیں (۱) تاریخ آرائش محفل (۲) منتخبات ہندی و ہندوستانی برائے ترجمانان فوج مطبوعہ کلکتہ ۱۸۲۷ء (۳) جامع التواریخ (۴) حدیقۃ الاقالیم (۵) تاریخ فرخ آباد۔ مولفہ مولوی محمد ولی اللہ حسینی مفتی (۶) گلشن بیخار (۷) الفرع المنامی من الاصل السامی، مصنفہ نواب صدیق حسن خان میں میر اور میر کی شاعری کا حال درج ہے (۸) نواب صاحب نے عصمن البان المورق بمحسنات البیان، مطبوعۃ الجوائب، قسطنطنیہ ۱۲۹۶ھ میں میر کی بعض لطیف عربی تاریخوں کا ذکر کیا اور (۹) تذکرہ شمع انجمن میں بڑے احترام سے یاد کیا ہے (۱۰) انتخاب اشعار سراپا موسوم بہ ارمغان گوکل پرشاد مطبوعہ کانپور بھی میر کے اس رنگ کے کلام سے خالی نہیں رہا میسٹر طامس ولیم بیل نے (۱۱) مفتاح التواریخ فارسی تالیف ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء اور (۱۲) تذکرہ مشاہیر شرق 1881 The Oriental Biographical Dictionary میں میر کے سوانح و احوال تحریر کئے ہیں (۱۳) میر حسین دوست سنبھلی نے جو آزاد کے ہم عصر تھے تذکرہ حسینی (شعرا) میں میر جلیل کو "سر حلقہ علمائے نامی عمدہ بلغائے زمان، قدوہ کمالات دستگاہ" لکھا ہے۔

پایانِ سخن

عذر و شکر

کارساز حقیقی کا شکر ہے کہ منزل ختم ہوئی اور قلم کا مسافر تھک کر بیٹھ گیا۔ جسکے آہنگ بلند سے کبھی مغنی کی دیہ، صدا آتی تھی ؎

لَاَسْتَسْهِلَنَّ الصَّعْبَ اَوْ اُدْرِكَ الْمُنٰى فَمَا انْقَادَتِ الْاٰمَالُ اِلَّا لِصَابِرٍ

اُسکی نگاہ کے سامنے کوئی فراخ دست میدان نہین، بلکہ ایک پُرخار خطۂ دشت تھا جس کے طے کرنے کیلئے وہ کبھی چلا، کبھی بھاگا اور کبھی بیتابی سے دوڑا۔ بالآخر اُسکی آبلہ پائی نے جواب دیدیا اور وہ باہمت، ہمت ہار گیا۔ ہر تنگ حوصلہ شایستۂ رسوائی نیست! الرفیق ثم الطریق مشہور مقولہ ہے مگر اس دلیر مسافر نے یکہ و تنہا قدم نکالا تھا اور اسی طرح اس دیار بیگانہ سے گزار کیا۔ توفیقات ربانی اور تائیدات یزدانی نے دستگیری و رہبری فرمائی اور وہ یہ کہتا ہوا مرحلۂ مقصود پر پہونچ گیا ع

مژدہ باد اہل ربا را کہ زمیدان رفتم۔ اس نے اپنی منزل کس طرح طے کی؟ اسکا فیصلہ اس وقت نہین بلکہ غالباً میرے بعد اہل نظر کرین گے۔ مین نہ لذت عاجل کا طالب ہون نہ مسرت آجل کا متمنی۔ محنت کی داد اور کام کی قدر و تحسین کی آرزو مجکو نہ اب ہے نہ شاید کبھی ہوگی ؎

دل لذت علم ذوق جراحت می خواست لخت ہائے دل خود را بہ نمکدان زدہ ام

دنیا معترضین سے خالی نہین۔ اگر جاننے اور سمجھنے والے نکتہ بینی و نکوہش فرمائین تو مجھ ایسے ہیچ میرز کے لئے سرمایۂ صد نازش اور موجب فخر و امتیاز ہے لیکن ستم ظریفی تو یہ ہے کہ بعض مدعیان ہمہ دانی (بھی) جو تصنیف و تالیف کے دشوار گزار کوچہ سے نابلد و ناآشنا ہوتے ہین

---

۵۱۳ مین دشواریون کو ضرور آسان سمجھتا ہوں گا، یہان تک کہ اپنی آرزوؤن کو پورا کرلون۔ کیونکہ صبر کے ساتھ کام کرنیوالے کی سوا امیدین اور کسی کے قابو مین نہین آتین۔

اور جن کو چند سطرین صحیح یا غلط لکھنے کی نوبت، اتفاق سے آتی ہے خوردہ گیری اور عیب جوئی کو اپنا جوہر و شعار بنا لیتے ہین۔ للہ الحمد کہ اس فقیر آزادہ رو کو نہ تحسین ناشناس کی آرزو ہے نہ شکوت قدر شناس کی شکایت ہوگی۔ مین تو بلبل شیراز کا ہمنوا ہون ع دل نہ نہی بہ خوب ما طعنہ مزن بزشت ما۔ مین اپنی تقصیرات و فروگزاشتون سے بے خبر نہین۔ آگاہی ہے کہ اس آوارہ گردی و بادیہ پیمائی مین بارہا غلط روی و کج راہی کا شکار ہوا ہون۔ اس لئے مجھے قارئین کریم النفس سے محض عفو و مکرمت کا سر صدد متوقع رہنا چاہئے ؎

خوئے آدم دارم، آدم زادہ ام　　آشکارا آدم رعصیان می زنم

عذر۔ بزرگان[۱۲۵] فرنگ کا دستور ہے کہ نقل و روایت کے وقت اپنی معلومات کا ذریعہ و ماخذ بتاتے جاتے ہین میرے ہم وطن ہم عصر صاحب قلم بھی اُن کا تتبع کرتے اور اس بارہ مین کوتاہی کرنے والون پر زبان تعنت دراز فرماتے ہین۔ اس ناچیز تذکرہ مین حتی الوسع اس عاجز نے بھی اسکی تقلید کی ہے لیکن حواشی و ذیل و تحت المتن مین پوری پابندی نہ کر سکا اور اس التزام کو خیرباد کہنا پڑا ہے ممکن ہے کہ بعض نکتہ بین حضرات کو اس سے ملامت و تشنیع کا موقع ملے ؎

یک زندہ دل نہ رفت سلامت رعیب جو　　کین ماجرا بخضر علیہ السلام رفت

عذر مقبول اسی قدر ہے کہ اس پانسو صفحے کی کتاب مین ایسی باتین بہت کم درج ہین جو اس ہیچمدان ہی دست کی ذاتی واقفیت و معلومات پر مبنی ہون، اِلّا ماشاء اللہ۔ ان اوراق مین سیاہ و سفید، رطب و یابس جو کچھ ہے وہ دوسرون ہی کے دست و دریا نوال سے بہو نچا ہے مین نے متقدمین و معاصرین کے خوان کرم سے زلہ ربائی اور خرمن علم سے خوشہ چینی کی ہے

---

[۱۲۵] حقیقتاً یہ معمول تو ہمارے ائمہ حدیث اور سلف صالح کا تھا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ یورپ نے یہ دولت اکابر اسلام سے پائی اور اُس کی پوری حفاظت و قدر کی مصنفین متقدمین کی روش یہ تھی کہ نقل و روایت کے ساتھ ساتھ سلسلہ رواۃ کو بھی بتاتے جاتے تھے۔ وہ نہ صرف کسی واقعہ کو ملا کر اسکے ہر ایک جزو کو علی حدہ سلسلہ سے ذکر کرتے تھے اس قسم کے مخفقانہ مگر پیچیدہ طرز بیان سے نہ تو مضمون کا تسلسل قائم رہتا تھا اور نہ مطالعہ کا لطف سُننے والوں کی

کانٹون کو ہٹا کر چند برگ و گل چن لیے ہین اور اُن کو محل مناسب پر یکجا کر کے بہ دستہ گل تیار کر دیا ہے۔ بندہ اپنی تنگ دامنی سے مجبور تھا۔ ورنہ خدا کے ہرے بھرے چمن مین مقبول دریوزہ کے لئے نہ پھولون کی کمی تھی نہ کلیون کی۔ کہان تک اُن لکھنے والون کا حوالہ دیتا اور اپنے مآخذ و مسانید کو شمار کراتا جن کی تعداد احاد و اعشار سے تجاوز کر کے آحاد تک پہونچتی ہے۔ مکوّنات الٰہیہ کی ازلی و قدیم ترین کتاب سے لے کر جس کی اس عالم کی تنزیلی عمر بھی ساڑھے تیرہ سو سال سے زائد ہے۔ کل شام تک کی مفید مطلب تحریر جو میری نگاہ سے گذری ہے، مین نے اُس سے فائدہ اُٹھایا اور اقتباس و استنباط کیا ہے مگر ہر ایک موقع پر ہر ایک راوی یا قائل کا نام لیتا جاتا تو تکرار بے سود کے علاوہ قرائے معظم کی بے لطفی و زحمت کشی کا باعث ہوتا۔ ناگزیر ضخامت کتاب بھی بڑھ جاتی۔ اس لئے مدعیانہ و حریفانہ نہین بلکہ بنیازمندانہ و مخلصانہ، اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ اس عاجز نے بلا تحقیق و تمحیص کچھ نہین لکھا ہے۔ بلکہ تا امکان خود متعدد و مختلف ذرائع سے اپنی معلومات کی توثیق کی اور اپنی تحریر کی صحت و صواب کا اطمینان کر لیا ہے ع زہر دیوانۂ در زیر لب افسانہا دارم۔ روایات و منقولات کے مقابلہ مین معقولات یا اپنے معتقدات کو دخل نہین دیا ہے۔

شکریہ مین جملہ بزرگان اہل قلم (الاحیاء منہم والاموات) کا زیر بار احسان اور اُن کے رشحات قلم کا رہین منت ہون۔ بعض اوقات مین نے اپنی کم نظری کے باعث چند حضرات کے کسی خیال یا تحریر سے اختلاف کیا ہے۔ مگر یہ احساس باقی ہے کہ اس دریوزہ گر و کم مایہ نے انھین کے تیار کئے ہوئے خوان کرم و نعم سے فائدہ اُٹھایا اور انھین کے خرمن علم و ادب سے

وحشت بڑھنے لگی تو رفتہ رفتہ یہ طریقہ بھی اُٹھتا گیا۔ ائمہ، افاضل اور علما نے اس تغیر کو پسند نہین فرمایا وہ توثیق و استناد اور ضبط اعتبار و اعتماد کے لئے سلسلۂ روایات کے بدستور متوقع و مترصد رہے۔ مگر طبقات بائین کی خواہش غالب آئی اور اس سکہ کا رواج گھٹتا گیا۔

ریزہ چینی کی ہے - الفضل للمتقدم کی مصداق یہی نام آور و عالی قدر ہستیاں ہین، جنکے درخشان کارنامے صفحات روزگار پر ہمیشہ ثبت رہین گے - یہی ذوات گرامی ہمارے امتنان و تشکر کی مستحق ہین - مقبول عاجز بھی انھین کی ہدایت و رہبری سے متمتع و مستفید ہوا اور اُن کے نقوش قدم پر چلا ہے - ترک ادب یا اعتراض حتے کہ سوء ظن بھی اس عصیان کار کا شیوہ نہین - معہذا جانتا ہون کہ ناشکری و کفران نعمت کی جزا عیب جوئی و خوردہ گیری کے سوا کچھ نہین - مجھے ایک ممتاز جرمن فاضل کا قول یاد ہے جس نے اپنے سے بھی زیادہ ممتاز اور متبحر علوم باپ کے سایۂ شفقت مین تعلیم و تربیت پائی تھی - اس بلند فطرت انسان نے جب ایک اعلیٰ درجہ کی ادبی تصنیف شائع کی تو اس کی شرح و تحشیہ مین اپنے مطالعہ یا اپنے خیال کے اظہار کا آغاز ان کلمات سے کیا تھا (qutidissime qater meus)

" پوٹی ڈیسی می پیٹری اس " بابائے بزرگ نے کمال غلط کاری سے، یا پدر مکرم نے بدترین ذوق سے ..... صریحاً مقصود یہ تھا کہ مین علیٰ سبیل البدل (اس کی بجائے) یہ تجویز کرتا ہون ایسی رائے زنی یا خود ستائی و خود پسندی دور حاضرہ کی روز افزون روشنی اور کمال ارتقا و تہذیب کا نتیجہ سمجھی جائے یا فطرت کی نیرنگی کا اقتضاء - لیکن اکبر مرحوم اس کو درس عبرت و بصیرت بتاتا ہے ؎

یہ جو ہنگامہ ہے جسکی ہر طرف تائید ہے — آپ کی تعلیم ہے، اور آپ کی تقلید ہے
مستحقان ادب کو آپنے رسوا کیا — آپکے دعوے عظمت کی بھی اب تردید ہے

مین ان تمام ارباب ادب و اصحاب علم کا منت شناس و سپاسگزار ہون جنھون نے اس کتاب کی تالیف کے دوران مین میری ہمت افزائی کی، اور نیک مشورون اور صحیح معلومات سے دستگیری و اعانت فرمائی ہے - حبیب لبیب مولوی زبید احمد صاحب ادب العرب خطیب جامعۂ الہ آباد، جن کا نام نامی آغاز کتاب مین آچکا ہے بالخصوص قابل ذکر ہین جن کی متوالی و مسلسل تحریک نے مجھے مشتغل رکھا اور اس ناچیز تذکرہ کی اشاعت و طباعت

کے لئے ایک بہتر صورت تجویز فرمادی۔

صاحب مناقب فاخرہ مولانا حکیم سید اسحٰق علی پروفیسر نے بہ کمال شفقت ان اوراق پر نگاہ ڈالی اور اپنے فیضان کمال سے حتی الوسع مجھے جادۂ مستقیم پر گامزن رکھا۔

عزیز محترم منشی محمد اشبہ علیخان کا بھی رہین منت و کرم ہوں جن کی توجہ و التفات سے تذکرۂ ہذا کی کتابت بہ آئین بہین تذکرہ نگار کی نظروں سے دور مقام پر ہوئی اور جنھوں نے باوصف اشتغال خدمات سرکاری کبھی دریغ عنایت نہ فرمایا۔

باین ہمہ سعی و کاوش اس حقیر مجموعہ میں بہت سی غلطیاں اہل نظر کی نظر سے گزرین گی کچھ تو کاتبین کرام و کاپی نویسوں کے طفیل ہیں مگر زیادہ تر خود اس غلط کوش کی بدولت سیدنا عمر فاروقؓ کا قول ہے رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ اَھْدٰی اِلَیَّ عُیُوْبِیْ خدا اُس کا بھلا کرے جو میرے عیبوں کا تحفہ میرے پاس لائے ہمین اُن صاحبوں کا شکر گذار ہوں گا جو میری تقصیرات اور غلطیوں سے مجھے آگاہ فرمائیں گے ہو سکا تو طبع آئندہ میں ان کی درستی و اصلاح کردوں گا۔ ورنہ "جس کسی کے دل میں جو کچھ آئے کہہ ڈالے۔ کہ انسان اُسی امر میں قابل سرزنش ہو سکتا ہے جو اُسکے بس کا ہو"۔ ؎

اَلَا لِیَقُلْ مَنْ شَآءَ مَا شَآءَ اِنَّمَا یُلَامُ الْفَتٰی فِیْمَا سْتَطَاعَ مِنَ الْاَمْرِ

۲۷ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ سمدن (فتح گڈھ)

نامہ سیاہ مقبول

ملحقات

اِستدراک و اِضافہ

تذکرہ ہذا کی کتابت وطباعت میں پورے دو سال صرف ہوگئے۔ خود فراموش مقبول کو اس دوران میں بہت سی باتیں لکھنے کے قابل یاد آئیں۔ بعض طاق نسیاں میں محفوظ ہیں باقی سپرد قلم کیجاتی ہیں۔

قرائے کرام اِن سطور کو خواہ یہاں رہنے دیں خواہ کتاب میں مناسب موقع پر منتقل فرمائیں۔ حیات مستعار کا بھروسہ نہیں جو طبع آیندہ میں اضافہ و اصلاح کی امید کرسکوں ؎

از ہستی ما ہمیں نمونہ است چو موج — نقشے است وجود ما کہ بر آب زدند

آخر جمادی الآخر ۱۳۴۷ھ
مقبول

حصّہ اول

صفحہ ۱۰۔ نوٹ ۲۳۔ اضافہ (آخر میں۔)

ذیل کی تقاویم و زایچات بھی قابل ذکر ہیں

(۱) ہیملٹن Capt. A. Hamilton نے سنوات ہندی کی

ایک کلید تیار کی تھی جو ۱۸۲۰ء میں کیمبرج سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

(۲) ایک "جدول تقاویم" ۱۸۳۵ء میں کلکتہ میں چھپی تھی۔ اسمیں صوبجات بنگال، بہار، اوڑیسہ، بنارس و دیگر ممالک مفوضہ و مفتوحہ میں جو مختلف سال رائج تھے اُنکی تاریخیں بالمقابل درج تھیں۔

(۳) احاطۂ بمبئی میں جو مختلف سن یعنی عیسوی، ہندی، اسلامی و پارسی مستعمل تھے اُنکی متوازی و متقابل تاریخوں کا ایک زائچہ "جدول تقاویم" کے نام سے پوری ایک صدی کا (از ۱۷۵۲ء تا ۱۸۵۲ء) بمبئی سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔

(۴) بوناڈ W. A. Bonnand نے بھی ایک جنتری ہندوستان کے مختلف سالوں (سنون) کی ۱۸۴۸ء سے لیکر ۱۸۷۵ء تک کی ۱۸۷۵ء میں مرتب کی تھی جو کلکتہ اور بمبئی دونوں مقامات سے شائع کی۔

صفحہ ۱۴۔ نوٹ ۲۷ متعلق سمدن۔ اضافہ (آخر میں)

قنوج کی ہندو سلطنت کا وہ بڑا اور قدیم صومعہ اور آشرم جو ہندوستانی تہذیب و شائستگی اور تربیت و آموزش کا سرچشمہ تھا اور جسکا شمار ہندوستان کے لئے آریونکے بخشے ہوئے بڑے بڑے فیوض و برکات میں ہوتا ہے اسی موضع میں اُس بلند مقام پر تھا جہاں اب بڑی عیدگاہ واقع ہے۔ اس خانقاہ یا مُنی نواس کے گرد جنگل تھا جہاں مُہرتاض رشی مع اپنے کنبہ و خاندان کے رہتے تھے۔ انکے گوشہ عافیت مساکن "تپوون" کہلاتے تھے۔ اِن مقدس ہستیوں کی توجہات تمام تر توسیع و ترقی علم اور حُسن سیرت و نکوئی اخلاق کے سکھانے اور پھیلانے پر منعطف و مصروف رہتی تھیں۔

پرچم اسلام تو اس مقام پر محمود غزنوی کے عہد دولت میں بلند ہوا ہے لیکن سب سے پہلا مسلمان جس کے قدم سمدن کی خاک نے چومے تھے زید بن عمر

کلابی تھا جو پہلی صدی ہجری کے آخر یعنی تقویم مسیحی کی آٹھویں صدی کے آغاز میں ولید بن عبد الملک اموی خلیفہ دمشق کا فرمان لیکر سفیرانہ حیثیت سے قنوج کے راجہ کے یہاں گیا تھا۔ تاریخوں کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ محمد بن قاسم اول مجاہد و فاتح ہندوستان نے سندھ سے اپنے سپہ سالار ابو حاکم شیبانی کو ان اطراف میں دعوت اسلام اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے روانہ کیا تھا۔ لیکن مختلف انتظامی وجوہ اور فوجی مصالح سے وہ خود تو اودے پور میں ٹھہر گیا اور اس اولوالعزم و بہادر جنرل (کلابی) کو ادھر بھیجدیا۔ اصابہ فی تمیز اسماء الصحابہ میں جو علم رجال میں حافظ احمد بن حجر عسقلانی کی مستند و ضخیم تالیف ہے نیز کتاب الذیل میں اسحاق بن ابراہیم طوسی (جنکی عمر اسوقت ستانوے ۹۷ برس کی تھی) اور سربا تک بادشاہ ہند کی ملاقات و گفتگو کا حال مرقوم ہے۔ مگر اہل تحقیق عموماً اور امام ذہبی خصوصاً جو رجالی بھی ہیں محدث بھی اور عظیم الشان مورخ اور مصنف بھی اپنی تجربہ میں انکی یا (یوں کہئے کہ) سربا تک کی باتوں کو کذب واضح سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس واقعہ اور مکالمہ کو اور بھی بہت سے راویوں نے کم و بیش نقل کیا ہے۔ عمر بن احمد نیشاپوری کا قول ہے کہ سربا تک نے ۳۳۳ھ (۹۴۴ء) میں وفات پائی تھی۔ بھر کیف قابل وثوق ذرائع سے اسقدر ثابت ہے کہ اسحاق بن ابراہیم طوسی تبلیغ و ہدایت کے لئے اسیطرف ہو کر قنوج گئے تھے۔

چند سلاطین دہلی کو بھی سمدن میں ٹھہرنے یا گذرنے کا اتفاق ہوا ہے تاریخوں کی ورق گردانی خصوصاً فیروز شاہی (و ترجمہ ڈوسن Dowson) و ملحقات طبقات ناصری و طبقات اکبری و مبارک شاہی و فرشتہ وغیرہ کے مطالعہ سے اسکا پتہ چلتا ہے۔

ملہ سمدن۔ تقریباً قنوج اور بھوج پور کے وسط میں ہے غیاث الدین بلبن کو

وہاں کے آنے جانے میں دو بار یہاں آنیکا اتفاق ہوا تھا۔ پہلے ۶۴۵ھ (۱۲۴۷ء) میں بزمانۂ وزارت، بعد ازاں ۶۶۷ھ (۱۲۶۸ء) میں بطور شاہنشاہ۔

۲۔ جلال الدین خلجی نے جب اُلغ خاں پر فوجکشی کی تھی جسکا ذکر امیر خسرو نے مفتاح الفتوح (غرۃ الکمال) میں کیا ہے تو وہ ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) بن سمدن ہوتا ہوا گیا تھا۔

۳۔ محمد جونا بن تغلق۔ پہلی مرتبہ سُرگ دواری جاتے ہوئے ۷۴۶ھ (۱۳۴۵ء) میں دوسری دفعہ ۷۴۷ھ (۱۳۴۶ء) میں واپسی قنوج پر اور

۴۔ ناصر الدین محمد تغلق اٹاوہ جاتے ہوئے ۷۹۴ھ (۱۳۹۲ء) میں گذرے تھے۔

۵۔ محمود شاہ تغلق۔ ۸۰۴ھ سے ۸۰۸ھ (۱۴۰۱ء سے ۱۴۰۵ء) پانچ سال تک قنوج میں مقیم و فرمانروا رہا ہے سیر و تفریح کے لئے اس طرف اکثر نکل آتا تھا۔ وہ اس کشت زار کی لطافت و دلفریبی اور دلکشی کا بڑا معرف تھا سمدن کا پُرانا اور شیریں کنواں "اٹھ کونا" اسی عہد کی یادگار اور فیض جاری ہے۔

۶۔ بہلول لودی یہیں سے دو بار شمس آباد گیا تھا۔ انہیں ہنگاموں یا کوکبہ شاہی کے غلغلوں سے متاثر و مرعوب ہو کر بعض سادات تلاش معاش اور ترک وطن کے لئے مجبور ہوئے تھے۔ بعض اہل شوق تحصیل و تکمیل علوم و فنون کے لئے باہر نکل گئے تھے صاحب شرائف عثمانی کا بیان ہے کہ میر غلام علی آزاد کے بزرگوں نے اسی زمانہ میں اور اسی ضرورت سے سمدن کو چھوڑا تھا۔

۷۔ شاہزادہ جوان دولت و اقبال ہمایوں مرزا جب بابر کے حکم سے سلطان محمد (بہار خاں) پر فوج لیکر گیا ہے تو سمدن میں فروکش ہوا تھا۔ یہ روایت مقامی سینہ بہ سینہ چلی آتی ہے کہ سمدن کے ساتھ ہمایوں کو اُسی وقت سے الفت ہو گئی تھی حتیٰ کہ جب وہ ایران سے واپس آیا اور ہندوستان کو پھر فتح کیا ہے تو سمدن کو یاد کیا اور اپنے رفقا سادات

مشہدی کو یہاں اقامت گزیں ہونیکا مشورہ دیا تھا۔

۵۔ شاہ عالم بعض سیاسی وجوہ و مصالح سے خود تو یہاں نہ آسکا تھا مگر اُس نے اظہار ارادت و عقیدت کے لئے اپنا دیوان اشعار حجۃ الملۃ والامہ سید برہان الدین مولانا انار اللہ برہانہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ شقہ مصحوب میں لکھا تھا کہ آپ کا آستان مدتوں سے زیارت گاہ خلائق اور مرکز فیوض و سعادات رہا ہے۔ آپ کا قصبہ کئی جہت سے ایک مخصوص امتیاز و شہرت رکھتا ہے۔ وہ علم کے لعل ہائے درخشاں کے لئے مدتوں سے بدخشاں اور فنون و کمالات کے لآلی آبدار کا عدن بنا ہوا ہے۔ (یہ شقہ بدستخط خاص شاہان سلف کے دیگر فرامین کے ساتھ میرے آبائی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔)

فرخ آباد کے نواب رئیس بھی بڑی قدر و احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ انکی سرکار میں بعض باشندگان سمدن کو پورا اقتدار و اختیار حاصل تھا۔ مسلمانوں کی سلطنت میں ضعف آنے اور انکی دولت و قوت کے زائل ہونے کے ساتھ ساتھ سمدن کی عظمت ایک علمی و روحانی مرکز ہونے کی حیثیت سے روز بروز گھٹنے لگی حتیٰ کہ یہاں کے سادات و مشائخ کے بعض اخلاف سبحہ و سجادہ چھوڑ کر تلاش معاش اور تیغ و تفنگ اُٹھانے پر مجبور ہوئے اور اس خرقہ پوش و طیلساں بر دوش جماعت کے افراد چست فوجی وردی زیب تن کئے نظر آنے لگے تقریباً ڈیڑھ صدی یعنی امن و سکون کے موجودہ دور کے آغاز تک یہ مقام جنگی زاویہ نگاہ سے ایک اہم مقام رہا ہے مورخین متاخرین اسی حیثیت سے اسکی تقریب کرتے ہیں۔ شیخ مرتضیٰ حسین الہ یار خانی حدیقۃ الاقالیم (مطبوعہ نولکشور۔ صفحہ ۱۷۳) میں اُس میدان کا نشان دیتے ہیں جہاں جولائی ۱۷۵۰ء میں نصیر الدین حیدر اُسکے بیس ہزار جنگ آزمودہ سپاہیوں اور سرداروں کو احمد خاں بنگش نے زیر دست شکست دی تھی اور ہمیشہ (یا کم از کم ایک زمانہ کے لئے) نواب وزیر الممالک فرمانروائے اودھ کی حکومت اس قطعہ ملک سے اُٹھا دی تھی۔

احمد خاں بن محمد خاں باغوائے افاغنہ ..... شمس آباد کہ سرگروہ آں رستم خاں نام داشت خروج کردو باراجہ نول رائے متصل سمدن رزمے صعب نمودہ اورالقتل رسانید"
انگریزوں کی نظر میں اسکی خاص وقعت تھی۔ اسکو بہت سے جنریلوں اور افسروں نے سپرد قلم کیا ہے۔

(۱) ایڈورڈ تھارنٹن Edward Thornton نے جو ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کی تاریخ کا مشہور مولف ہے سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی کی مقبوضات اور اقلیم ہند کی دیسی ریاستوں کا گزیٹیر بحکم آنریبل کورٹ آف ڈائرکٹرس مرتب کیا تھا اور جس میں خاص طور پر اُن وثائق و دستاویزات سے استنباط و استناد کیا گیا تھا جو کمپنی کے قبض و تصرف میں تھے۔

A Gazetteer of the Territories under the Government of the East-India Company, and of the Native States on the continent of India. Vol. IV, page 615.

اسکی جلد چہارم صفحہ ۶۱۵ مطبوعہ ۱۸۵۴ء لندن میں سمدن کا حال لکھتا ہے اور گریں ایچہ (انگلستان) کی مساحت کے اعتبار سے عرض البلد ستائیس درجہ سات دقیقہ اور طول البلد اناسی درجہ چھیالیس دقیقہ بتاتا ہے۔

(۲) وہ لکھتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اکثر سرکاری تحریرات و دستاویزات E. I. C. Mis Doc. میں اس کا ذکر موجود ہے معروف نام سمدن Sumdun ہے مگر عوام کالانعام سمجن Sumjun بولتے ہیں"۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ a small town فرخ آباد کے برطانوی ضلع اور صوبجات شمال و مغرب کی

لفٹننٹ گورنری میں اُس سڑک پر واقع ہے جو کانپور سے چھاؤنی فتحگڈھ کو جاتی ہے۔

(۳) گارڈین اپنی کتاب "شوارع و سُبل" کے صفحہ ۱۲۱ پر۔

Garden. Tables of routes, 121.

اسکے موقع و مناظر کو بیان کرتا ہے اور اُس کا فاصلہ قریب کی بعض لشکر گاہوں سے بتاتا ہے۔

(۴) کپتان آرمنڈی نے "قلم و پنسل کے نقوش" یعنی "ہندوستان میں ایک دورہ کا سفرنامہ" دو جلدوں میں لندن سے ۱۸۳۲ء میں شائع کیا تھا۔

Mundy (Cap.-R.)—Pen and Pencil sketches, being the Journal of a tour in India. London, 1832, Vol. I-44.

اسکی جلد اول کے صفحہ ۴۴ میں۔ اور

(۵) میجر ای سی آرچر نے اپنی سیاحت کی یادداشتیں نہایت مکمل لکھی تھیں جو "بالائے ہند اور بعض حصص کوہ ہمالیہ کے دورے۔ مع حالات دربار ہائے امرائے ہند" کے نام سے لندن میں ۱۸۳۳ء میں دو ضخیم جلدوں میں چھپی تھیں۔

Archer (Maj. E. C.)—Tours in Upper India, and in parts of the Himalaya Mountains ; with accounts of the Court of the Native Princes. London. 1833. Vol. I-43.

اسکی پہلی جلد کے صفحہ ۴۳ پر۔

یہاں کے راستہ کی عمدگی کا اعتراف کیا گیا ہے۔ زمین کے ہموار و مسطح ہونے اور لہلہاتے ہوئے سرسبز قطعات اور مراتع و مزارع کی تحسین کی ہے۔

حال کی تاریخوں میں سے میر بہادر علی چھیرا موی (اصلاً صمدانی) کی "لوح تاریخ"

(۱۲۵۵ھ) رائے بہادر منشی کالی رائے ڈپٹی کلکٹر کے فتحگڈھ نامہ (مطبوعہ ۱۸۴۹ء) اور مسٹر ولیم آیروین کی انگریزی تاریخ نوابین بنگش فرخ آباد (۱۸۷۷ء) اور اُسکے اُردو ترجمہ (مطبوعہ حسنی پریس ۱۸۸۷ء) میں سمدن کا ذکر موجود ہے۔

حضرت قلندرؒ کا خمیر پاک اسی خاک سے تھا جو وطن آبائی سے دور دیار مشرق میں پیدا ہوئے اور آگرہ میں پیوند زمیں ملا طاہر غنی کشمیری نے اسی بلند پایہ مصنف وشاعر کی شان میں فرمایا تھا ؎

از اہل سخن کس بہ قلندر نہ رسد　　در شعر باو عرفی و سنجر نہ رسد

العجب ثم العجب! کہ ایسا نکتہ شناس بالغ نظر ان کو عرفی کیسے قادر (کاشی) کلام سے برتر بتاتا ہے!!

زندہ جاوید فیضی کی گور معطر رہے جس نے بزرگان سمدن کے حسب حال یہ شعر کہا تھا ؎

شدیم خاک ولیکن بہ بوے تربت ما　　تواں شناخت کزین خاک مردمے خیزد

بہو بیگم صاحبہ (زوجہ نواب شجاع الدولہ) کی رحلت پر اہل کمال فیض آباد سے رخصت ہونے لگے تو استاذ الاساتذہ میر مستحسن خلیق (پدر میر انیس) نے فرخ آباد کا رخ کیا۔ رجب ۱۲۴۰ھ میں سمدن پہونچے۔ سادہ دل سادہ منش سیدوں نے کمال محبت واحترام سے اپنے غریب الوطن بھائی کو روکا۔ خاطر و مدارات کی۔ مہمان عزیز بھی ان کے خلوص و بے تکلفی سے متاثر ہوا۔ کچھ روز یہاں بسر کئے نواب رئیس (والی فرخ آباد) کے یہاں بھی سمدن ہی کے ایک با اقتدار سید زادہ نے تقریب وسعی کی۔ سمدن کے بعض خاندانوں میں مرثیہ گوئی کی بنیاد اُسی زمانہ میں پڑی۔ اِن سادات کے اخلاف تحت اللفظ پڑھنے میں اب تک اُسی روش اجداد پر قائم ہیں۔

صفحہ ۵۲۔ نوٹ ۵۴۔ نواب مبارک خاں کا پورا قطعہ یہ ہے ؎

مالک ملک نظم شیخ نظام — شاعرے نادر و فصیح کلام
در قصیدہ شدہ ظہیر زماں — در غزل گشتہ خسرو ایام
بست رخت بقا ز ملک فنا — کرد آہستہ سوئے خلد خرام
کردم اندیشہ بہر تاریخش — خردم گفت "آہ آہ نظام" ۱۰۰۳ھ

صفحہ ۵۳۔ نوٹ ۵۵۔ آخر۔ شیخ سلیمان بلگرامی کی رحلت کا قطعۂ تاریخ مولانا ضمیری نے لکھا تھا ؎

سپہر جاہ و دولت اے سلیماں — کہ تاج مکنتش شد تا سر ماہ
شدہ پیمانہ اش پر چوں بدیقید — بوقت رحمت حق اولیں ماہ
حدیث خلق و احسان و حیالیش — شدہ افسانہ در عالم با فواہ
بسوے جنت عالی رواں شد — بحکم ایزدی آں طاب مثواہ
چو با جاہ و جلال خویش آں شیخ — گرفتہ جانب خلد بریں راہ
پئے تاریخ فوتش در بدیہہ — خرد گفتہ کجا آں شیخ با جاہ ۹۹۷ھ

دوسری تاریخ ایک مصرع "شمار سال وفاتش میان خلد بریں" سے نکلتی ہے

صفحہ ۵۵۔ سطر ۱۰۔ حاشیہ متعلق شیخ الٰہ یار (پسر شیخ عبد السبحان)۔ (شہید ہونے کے بعد یہ واقعہ برسات میں عین دسہرہ کے دن ہوا تھا۔ شیخ روح الامین نے قطعہ تاریخ لکھا ؎

ناگہاں ہاتفے از در کشید آہ و بگفت — آبرو دادہ الٰہ یار بلشکر اسلام

سے تاریخ (۱۱۲۹ھ) نکالی تھی شیخ غلام حسین ثمین نے شعر آخر کو بدلکر دائرہ تاریخی تیار کر دیا

ناگہاں ہاتف غیب از سر اعلام بگفت — حرمتے دادہ الٰہ یار بفوج اسلام ۱۱۲۹ھ

صفحہ ۵۵ سطر ۱۳۔ اضافہ۔ شیخ روح الامین کسیوقت نواب کمال الدین خاں کے مصاحب و رفیق تھے تین ماہ کے محاصرہ کے بعد نواب نے قلعہ سمتہر فتح کیا تو شیخ نے فی البدیہہ تاریخ لکھی ؎

چو تاریخش ز عقل خویش جستم　　بگفت اینک شکست از پائے کفار ۱۱۰۲ھ

صفحہ ۵۸۔ سطر ۱۶۔ حاشیہ۔ رفع اشتباہ کے لئے یہ لکھدینا ضروری ہے کہ اسی نام (قاضی محمد یوسف) کے ایک اور مشہور بزرگ بھی بلگرام میں گزرے ہیں۔ جو قاضی بہکاری فرزند قاضی کمال کے بیٹے تھے۔ ۵ ذیقعدہ ۱۰۸۴ھ کو وفات پائی سید ضیاء اللہ نے تاریخ لکھی ؎

آہ قاضی یوسفم کو آہ آہ　　بادشاہ داں او برضواں الٰہ

در سن ہشتاد و چارم با ہزار　　خامس ذیقعدہ رفت آں یار غار

سال فوت آں شریعت دستگاہ　　آہ قاضی یوسف آمد آہ آہ ۱۰۸۴ھ

تاریخ بحساب مکتوبہ آہ قاضی یوسف آہ آہ سے نکلتی ہے۔ ایک (کا عدد) زائد معلوم ہوتا ہے اور لفظ آمد مادہ تاریخ سے باہر۔

صفحہ ۶۰۔ سطر ۸۔ اضافہ حاشیہ پر۔ تردی بیگ، نامور امرا و اعیان دولت سے تھا۔ اوائل جلوس اکبر بادشاہ میں حکومت و حراست دہلی پر مامور تھا۔ ہیمو بقال کے معرکہ سے روگرداں ہو جانے یا منہ چھپانے کا اتہام لگا کر بیرم خاں نے بے اطلاع بادشاہ ۹۶۳ھ میں اسکو قتل کرا دیا تھا یہی فعل خود بیرم خاں کے زوال و معزولی کا سبب ہوا۔

صفحہ ۶۷۔ سطر ۱۰۔ ترجمہ آیت کے بعد۔ اُس کا قول ہے العلم افضل النسب اشرف اللقب۔ علم ہی بزرگ ترین نسب اور برترین لقب ہے۔ اس شرف سے بڑھکر کوئی شرف نہیں۔ شرافت خاندانی کوئی چیز نہیں۔

صفحہ ۶۸۔ نوٹ ۶۲۔ سطر ۲۱۔ اضافہ۔ لاڈلی بیگم کا روضہ مسٹر بیل نے ۱۸۴۹ء میں دیکھا تھا۔ مفتاح التواریخ میں اسکے حسن تعمیر و استحکام کی تعریف کرتے اور ضروری حالات درج کرتے ہیں آگرہ کے دو دولتمند بیبیوں کی بدولت یہ رفیع الشان سنگین عمارت

اب صفحہ روزگار سے محو ہو چکی ہے۔ اسکی شاندار باؤلی، بلند چار دیواری، خوشنما گنبد اور عمارات، پر تکلف تہہ خانے سب کھد گئے۔ مقبرہ کا دمدمہ نہایت مضبوط تھا اوپر سے کھد نہ سکا تو سرنگین لگا کر اُس کا اینٹ پتھر سب نکال لیا گیا۔ رہے نام باقی بس اللہ کا

صفحہ ۱۰۷۔ نوٹ ۸۲ کے آخر میں۔ ہندوستان کے اول مسلمان فاتح عماد الدین محمد بن قاسم نے ابو حاکم شیبانی کو ایک لشکر جرار کے ساتھ قنوج کی مہم پر بھیجا تھا وہ اودے پور تک (جسکو عربی مورخین اُوذافر لکھتے ہیں) پہونچا تھا کہ سپاہیوں کی بے انتہا تکلیف و زحمت، تعب سفر اور تجربہ نے اسکو آگے بڑھنے سے روکا تو وہ اودے پور میں ٹھہر گیا اور اپنی طرف سے زید بن عمر کلابی کو سفیر بنا کر خلیفہ ولید بن عبد الملک اموی کے خط کے ساتھ قنوج بھیجدیا۔

مشہور مورخ Mill اپنی تاریخ ہندوستان جلد دوم (صفحہ ۳۵۸) میں لکھتا ہے کہ "اودے پور ایک کوہستانی قطعہ مابین اجمیر و مالوہ کے واقع ہے۔ یہاں کا رئیس اگرچہ مسلمانوں کی اطاعت کا اعتراف کرتا رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ پہاڑوں سے محفوظ ہونے کی وجہ سے اُس نے واقعی طور پر کبھی اطاعت نہیں کی تھی"۔

تھارنٹن Thornton لکھتا ہے کہ "اودے پور کا شاہی خاندان تمام راجپوتوں میں بیحد ممتاز و محترم رہا ہے۔ اس خاندان کو افتخار و دعویٰ ہے کہ اُس نے دہلی کی شاہنشاہی سے رشتہ و قرابت کرنیکا عار و ننگ گوارا نہیں کیا"۔

رینل Rennell اپنے تذکرہ سیر و سیاحت میں تحریر کرتا ہے۔ "رانا یعنی فرمانروائے اودے پور ہمیشہ راجپوت ریاستوں کا سردار شمار ہوتا رہا ہے ایسے راجہ بھی ہیں جو اُسکی برتری و تفوق کسی اور نہج پر تسلیم نہیں کرتے ہیں مگر قدیم الایام سے ان کا دستور بھی اطاعت و بندگی کا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ثبوت

رانا کے مورثوں کے ہاتھ میں اصلی قوت کے موجود ہونے کا تھا جسکو سب مانتے ہیں غالباً کسیوقت راجپوتانہ میں اسکے تحت میں ایک مُسَلّم بادشاہت یا شاہنشاہی قائم تھی"

ٹاڈ Tod راوی ہے کہ "حکمراں خاندان اور کُل قبیلہ اہل فارس کی نسل سے ہے۔ پہلے گھلوت کہلاتے تھے جو انکے ایک سردار کا نام تھا۔ پھر سیسودیا کا لقب اختیار کر لیا"

صفحہ ۱۱۰۔ سطر ۴۔ چتور پر نوٹ۔ حاشیہ۔ چتور گڈھ کا مشہور و زبردست قلعہ اودے پور کے شمال و مشرق میں پینسٹھ ۶۵ میل کے فاصلہ پر اور چہاؤنی نصیر آباد سے سو میل کے قریب جانب جنوب واقع ہے۔ چھٹویں صدی مسیحی میں اسکو راجہ چترنگ نے تعمیر کیا تھا۔ ترکوں اور مغلوں کے عہد میں یہ قلعہ اکثر جولانگاہ سپاہ بادشاہان رہا ہے یہاں کی خونریزیوں سے اوراق تاریخ ہمیشہ رنگین رہیں گے۔

قلعہ جس پہاڑی پر واقع ہے تین ہزار فٹ بلند ہے۔ اسکا طول شمالاً جنوباً تین میل کے قریب اور عرض شرقاً غرباً سوا دو میل ہوگا۔ دامن کوہ کی آبادی سے ایک وسیع و ہموار راستہ قلعہ کو جاتا ہے۔ اس راستہ میں تین موڑ پڑتے ہیں۔ اسوجہ سے قدرتاً چڑھائی کے بھی تین حصے ہوگئے ہیں۔ اسی طرح پھاٹک بھی تین رکھے گئے ہیں۔ پہلا۔ پہاڑ کے دامن میں۔ دوسرا وسط میں۔ تیسرا قلعہ کی بلندی کے قریب۔ ایک چھوٹا سا دروازہ (یا کھڑکی) مشرق کی سمت بھی تھا جو اب بند کر (پاٹ) دیا گیا ہے۔ قلعہ کے آثار قدیمہ میں سب سے زیادہ قابل توجہ دو منارے یا استمبھا ہیں جنکو فرمانروایان وقت نے اپنی فتح کی یادگار میں تعمیر کرایا تھا۔ پورب طرف کا منارہ اگرچہ نہایت قدیم ہے لیکن جو منارہ قلعہ کے غربی پہلو میں ہے اُس سے زیادہ عظیم الشان، بلند اور خوشنما ہے۔

انگریز اہل قلم لکھتے ہیں کہ اسکو پندرہویں صدی مسیحی کے وسط میں یہاں کے راجہ کوہنا نے محمود خلجی پر فتح پانے کی یادگار میں تعمیر کیا تھا (مگر تاریخی نقطہ نظر سے مجھے اس واقعہ کے اس زمانہ کو صحیح ماننے میں تامل ہے)۔ اسکی بلندی اکتالیس گز ہے۔ آٹھ گز کے مربع چبوترے پر یہ قائم ہے۔ حسب دستور اسکے اندر زینے اور دریچے بنے ہوئے ہیں۔ ان سے کوسوں تک کے خوشنما اور دلکش مناظر نظر آتے ہیں۔ اسکی بیرونی سطح پر سنگ تراشی اور نہایت عمدہ منبت کاری کی گئی ہے۔ بہت سی مورتیں بنی ہوئی ہیں لیکن اب انکے چہرے صاف طور پر نمایاں نہیں۔ انگریز کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی فتح ہو جانے پر ان بتوں کے چہرے بگاڑ دئے تھے۔

صفحہ ۱۱۵۔ پانچویں سطر کے بعد اضافہ۔ سلطان احمد شاہ بہمنی سادات کی بڑی تعظیم وتکریم کرتا تھا۔ ملا قاسم فرشتہ لکھتا ہے ؎

ندیدے کس از خویش و از اجنبی — گرامی تر از اہل بیت نبی

بجاں معتقد بود سادات را — ہماں اہل تقویٰ وطاعات را

یقینش قوی بود ودینش درست — بجز داد گر یاری از کس نہ جست

صفحہ ۱۲۲۔ سطر آخر۔ حضرت شہر بانو۔ ترکی میں یہ نام اب بھی بہت مقبول ہے اور اکثر رکھا جاتا ہے مگر وہاں تلفظ اور املا دونوں "شہریاں" رہ گیا ہے۔

صفحہ ۱۲۳۔ سطر ۵۔ قاضی سید نور اللہ شوستری پر حاشیہ۔ قاضی صاحب جملہ خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کے جامع اور تمام اصناف علوم معقول و منقول کے حامل تھے۔ علم وحلم کے سوا جودت طبع، صفائے ذہن اور زیرکی میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ بیل لکھتا ہے کہ انصاف، نیک نفسی، حیا وتقویٰ اور تمام صفات شریفانہ آپکی ذات میں مجتمع تھیں۔ معاصرین کے کمال وکلام کی داد فیاضی سے دیتے۔ فیضی کی بے نقط تفسیر سواطع الالہام پر نہایت لطیف ونفیس تبصرہ

کیا تھا۔ حکیم ابوالفتح شیرازی کی سعی و سفارش سے اکبر کے دربار میں جگہ پائی اور شیخ معین کے بجائے قاضی مقرر ہو کر لاہور بھیجے گئے۔ اپنے زمانہ میں خائن اور بد دیانت قاضیوں اور مفتیوں کو اچھا سبق دیا تھا۔ رشوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اگرچہ مذہباً امامیہ تھے اور نہایت پابند مذہب، لیکن فقہ حنفی پر بھی عبور کامل حاصل تھا۔ مقدمات کا انفصال اُسی کے مطابق کرتے تھے۔ جہانگیر نے لاہور سے تبدیل کر کے اپنے لشکر کا میر عدل مقرر کر لیا تھا۔

۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ء) میں وفات پائی۔ آپ کا مرقد آگرہ میں مشہور اور مرجع اہل عقیدت ہے۔ اسی احاطہ میں اور بہت سی قبریں ہیں جنکے کتابے قابل دید اور عبرت آموز ہیں

صفحہ ۱۳۴۔ سطر ۷ متن کے خاتمہ پر۔ شرفائے بلگرام کو سادات ہوں خواہ شیوخ، متوطن ہوں خواہ مہاجر، میر عبدالجلیل اور میر غلام علی کے خاندان کو بلگرامی الاصل ماننے سے ہمیشہ احتراز رہا ہے۔ وہ انکے طبقہ کو بُھتّہ کے لقب سے ملقب بتاتے ہیں۔ انکے خاندان کے مراسم و رسوم اور طرز معاشرت برادران سادات صغراوی سے قطعاً جدا و مختلف رہی ہے۔

انکے نزدیک تمام پُرانی تاریخوں اور روایات اور متقدمین و سابقین کی تحقیقات و تحریرات سے ثابت ہو چکا ہے کہ سید صغریٰ کے صرف ایک ہی فرزند سید سالار نام تھے۔ جو سید السادات اور دُر یکدانہ جد السادات کہلاتے ہیں تمام سادات صغراوی بلگرامی انہیں کی اولاد ہیں مگر میر عبدالجلیل نے اس قصیدہ (اور میر غلام علی آزاد نے اپنے تصنیف کردہ نسب نامہ سادات بلگرام موسوم بہ شجرہ طیبہ) میں سید محمد صغریٰ کا ایک اور فرزند سید عمر قائم کر کے اپنا سلسلہ نسب پیوند کر دیا اور اپنے خاندان کے سادات کو بھی صغراوی بلگرامی قرار دیدیا ہے

بلگرام کی ایک نہایت پرانی تاریخ جامع البرکات نام ہے۔ اسکے مولف شیخ برکت اللہ بن شیخ شاکر فرشوری رقم طراز ہیں "سید محمد واسطی از واسطہ بہ بلگرام تشریف آوردہ سکونت ورزیدند و میر محمد صغری یک پسر داشت بروایت صحیحہ سید سالار ..... واز قوم بہتہ سید عمر بعد آں سید حسین، باز سید نصیر، باز سید حسین، باز سید سالار، باز سید لطف اللہ لدہا کلاں، باز خداداد عرف دادن، باز سید محمود بہتہ لقب بود۔ ایشاں باز سید پیارا پسرے داشت مسمی سید حسین و سید حسن ہمعصر شیخ المشائخ حافظ کمال علماے دین متولی فرشوری بلگرامی۔ درہمیں عرصہ سادات بہتہ در بلگرام آمدہ سکونت ورزیدند سید حسین بن پیارا پسرش لطف اللہ، باز سید کرم اللہ، باز سید لطف اللہ، باز سید نوازش علی شاہ لالہ میاں، باز شاہ رحم میاں۔ دومی سید حسین بن پیارہ کہ بہ بلگرام آمدہ سکونت اختیار نمودند و قیام کردند"۔

صفحہ ۱۴۸۔ نوٹ ۱۲۷ فضائل خاں کا آخر۔ آزاد نے فضائل خاں کا اصلی نام نہیں لکھا۔ تحقیق مزید سے خیال ہوتا ہے کہ شیخ سلیمان نہ ہوں بلکہ میر ہادی سے مراد ہو۔ میر ہادی نے بھی بارگاہ عالمگیری سے فضائل خاں خطاب پایا تھا۔ انکے والد ماجد میر حاجی، وزیر خاں، شاہزادہ محمد اعظم کے دیوان تھے۔ میر ہادی ملا شیخ عبد العزیز اکبر آبادی کے ممتاز شاگرد تھے اور علم و فضل میں یگانۂ زمانہ۔ عربی فارسی کے سوا ہندی میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ دربار سلطانی میں مختلف مناصب جلیلہ پر مثل میر منشی و داروغہ کتب خانہ سرکاری و خانسامانی پر مامور رہے تھے۔ بڑے علم دوست تھے۔ آپکا دل و دماغ علوم اور کتابوں کا خزانہ تھا اور زبان مشاہیر کی ترجمان۔

۶۔ ذیقعدہ ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء کو رحلت فرمائی مدفن آگرہ تھا۔ مگر اب مزار ہے نہ نشان مزار باقی ہے۔ ایک بے مثل و نادر کتاب خانہ یادگار چھوڑا تھا۔ اپنے استاد معظم کی خدمت میں دم آخر تک موجود و کمر بستہ رہے۔ ملا عبد العزیز جسوقت بستر مرگ پر تھے اُسوقت بھی تالیف و تصنیف

میں مشغول تھے۔ وہ جو کچھ ارشاد فرماتے اُسکو میر ہادی (فضائل خاں) اور محمد سعید اعجاز قلمبند کرتے جاتے تھے۔

صفحہ ۱۵۷۔ نوٹ ۱۳۳۔ آخر میں اضافہ۔ اپنی دلچسپی اور اہمیت کے لحاظ سے یہ عنوان زیادہ تفصیل و تحریر کا مستحق تھا۔

ہندوستانی موسیقی میں بہت سے راگ راگنیاں تال اور ٹھاٹ ہیں سنگیت گورو انکو کہتے ہیں۔ ہر صنف موسیقی کے ماہرین اُسی خاص صفت سے منسوب و مشہور ہوتے ہیں مثلاً جو بین (وین) میں ید طولےٰ رکھتے ہیں بین کار اور رباب باز کہلاتے ہیں۔

تانسین یا میاں تانسین کو اکبر نے ۱۵۶۲ء میں مرزا کا خطاب دیا تھا۔ وہ رباب بجانے کے فن کا بادشاہ تھا اسکے کمال کے متقدمین و متاخرین سب معترف ہیں۔ اس کا گورو ہریداس سوامی تھا جو بندرابن میں جمنا کنارے رہا کرتا تھا۔ میں نے جو نام اوپر لئے ہیں ان میں سے ہر ایک فرد اپنے کمال فن میں فرد تھا۔ بیجو باورے کے گانے سے جنگل کے وحش و بھائم مسحور و متاثر ہو کر دوڑے چلے آتے تھے۔ گوپال نایک جب الاپتا اور دیپک راگ گاتا تھا تو چراغ خود بخود روشن ہو جاتے تھے اہل فرنگ کہتے ہیں کہ آرفیوز یونانی Orpheus جب اپنا بربط بجاتا تھا تو ہیبت ناک و خونخوار درندوں کے دل پر چوٹ لگائے بغیر نہ رہتا تھا۔ وہ بھی وجد و کیف میں آجاتے تھے۔ آرفیوز یورپ کا بہترین مغنی تھا جس پر مغرب کی دنیائے موسیقی کو بڑا ناز ہے مگر مشرق کا وہ یکتائے فن جسکی ہنرمندی و کمال کا اعتراف یورپ کو بھی کرنا پڑا ہے تانسین تھا مسٹر پوپلے نے "موسیقی ہند" میں Music of India—H. A. Popley. اسکے متعلق بہت سی حکایات اور عجیب و غریب واقعات نقل کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ

اکبر نے تان سین سے رات کا راگ گانے کی فرمایش کی۔ دوپہر کا وقت تھا چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ تعمیل حکم بغیر چارہ نہ تھا۔ تانسین نے گانا شروع کیا تو وہ جس مقام پر کھڑا تھا وہاں رفتہ رفتہ تاریکی و سیاہی دوڑ آئی اندھیرا چھا گیا۔ اُسکی آواز جہاں تک پہونچ رہی تھی تیرگی و ظلمت طاری تھی۔ خود اکبر کی آنکھوں کے سامنے اندھیری رات کا سماں چھایا ہوا تھا۔

صفحہ ۱۶۴۔ نوٹ ۱۳۶۔ اضافہ۔ آخر میں مفتی صاحب دو کتابوں کا حوالہ اور دیتے ہیں (۱۱) حاشیہ قاموس موسوم بہ القول المانوس۔ شیخ عبد الباسط بن خلیل حنفی سبط سراج الدین بلقینی نے لکھا تھا۔ شیخ صاحب کا سال وفات ۹۲۰ھ ہے (۱۲) کسی اور فاضل نے بھی حاشیہ سعدی اور بلقینی کو یکجا کیا اور اُسکا نام القول المانوس شرح مغلق القاموس رکھا تھا۔

صفحہ ۱۶۰۔ سطر اول۔ حاشیہ متعلق نوشہرہ ـــــ اقصائے مشرق ہند میں بیٹھ کر اس مقام کی تحقیق میرے لئے دشوار ہے تاہم دو مواضع کا تذکرہ لابد ہے۔

ایڈورڈ تھارنٹن اپنے گزٹیر کی جلد دوم مطبوعہ ۱۸۵۴ء میں لکھتا ہے۔ نوشہرہ یا نوشہر سرائے۔ ایک نہایت وسیع کارواں سرائے اُس راستہ پر ہے جو لاہور سے کشمیر کو پیر پنجل کے درہ ہو کر جاتا ہے۔ خشت پختہ سے تعمیر ہے مگر پھاٹکوں میں سامنے کی طرف پتھر لگا ہوا ہے۔ ابتداءً ایسی مستحکم و محفوظ تھی کہ قلعہ اور کارواں سرائے دونوں کا کام دیتی تھی۔ لیکن اب شکستہ حال ہے۔ یہ دریائے ٹوہی یا ٹھوئی پر واقع ہے جو پینتیس یا چالیس میل جنوب و مشرق کو چل کر چناب میں گرتا ہے۔ پھاٹک کے ایک کتبہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسکی تعمیر مغل شاہنشاہ اکبر کے حکم سے ہوئی تھی۔ نوشہر سرائے کا عرض البلد ۳۳ درجہ ۹ دقیقہ اور طول البلد ۷۴ درجہ ۱۷ دقیقہ ہے۔

الیف وان ہیوگل F. Von Hugel نے اپنے سیاحت نامہ کشمیر میں اور

مورکرافٹ Moorcroft نے سفرنامہ پنجاب و بخارا میں اسکا ذکر کیا ہے۔
تھارنٹن ایک دوسرے نوشہرہ کا نام بھی لیتا ہے۔ یہ سندھ میں ایک قصبہ زیر حکومت میر علی مراد کے تھا سکھر سے جنوب و مغرب میں چہتر میل پر اور شکارپور سے اٹھائیس میل پر جنوب و غرب میں۔ عرض البلد ۵۶ درجہ ۵۱ دقیقہ اور طول البلد ۷۰ درجہ ۵۸ دقیقہ صفحہ ۱۷۱ نوٹ ۱۴۲۔ خاتمہ۔ مشاہیر کاملین میں چند حضرات اور مستحق تذکرہ ہیں جنکی بدولت اس شریف فن نے خاک ہند کو کیمیا بنا دیا تھا۔

۱ میر عبدالحئی مشہدی اکبرآبادی۔ کمالات شاعرانہ میں یگانہ تھے اور حلیہ علم و عمل سے آراستہ و پیراستہ۔ اکثر فنون میں دستگاہ تام حاصل تھی۔ ہمایوں کے عہد ہمایوں میں منصب صدارت پر ممتاز ہوئے خط بابری مخترعہ بابر بادشاہ کو خوب جانتے اور خوب لکھتے تھے۔

۲ محمد یوسف۔ قلم و خوش نویسی کا بادشاہ تھا۔ کابل میں پیدا ہوا۔ تربیت و نشو و نما ہندوستان جنت نشان میں پائی۔ حسن خط کے سوا شعر گوئی میں دخل کامل اور سخن فہمی کا ذوق سلیم رکھتا تھا۔ اکبر بادشاہ کا منشی خاص تھا۔ ۹۷۰ھ میں ریعان جوانی میں وفات پائی۔

۳ خواجہ ابراہیم حسین۔ بزرگ زادگان قصبہ بلونی سے تھا۔ خط نستعلیق نہایت عمدہ لکھتا۔ اسکے کمال خوشنویسی نے کمال شہرت پائی تھی۔ دربار اکبری کے ملتزمان خاص سے تھا۔ عین شباب میں صفر ۱۰۰۱ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔

۴ میر عبداللہ تبریزی، شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد سے تھے۔ دینوی علوم شاہ غیاث اور مولانا راقمی سے حاصل کئے تھے۔ طریقت میں شیخ فیض اللہ چشتی سہارنپوری کے عقیدتمند و دست گرفتہ تھے۔ ہفت قلم لکھنے میں استاد تھے بالخصوص نستعلیق میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ دربار جہانگیری سے "مشکین قلم" خطاب پایا تھا۔ ایک موقع پر افتخاراً

فرماتے ہیں ؎

وصفی تخلص من و مشکیں قلم خطاب　　این نامہا ز شاہِ شہنشاہ یافتم

مختلف مقامات میں اکثر کتبے آپکی سحر طرازی و جادو نگاری کی یادگار اب بھی نظر آتے ہیں۔ سخنور و سخن فہم تھے۔ کلام نہایت دلکش و شیریں ہوتا تھا۔ پانچ مثنویاں اور ایک دیوان اولاد معنوی یادگار اور میر محمد صالح کشفی اور میر مومن دو نامور رشید فرزند چھوڑے تھے۔

۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ء) میں رحلت فرمائی۔ مزار آگرہ میں ہے۔ محمد صالح چشتی موصوف نے اسپر عالیشان گنبد بنوایا تھا متعدد قطعات تاریخ بخط نستعلیق کندہ ہیں۔

میر صالح مرد صالح اور الولد سر لابیہ کے پورے مصداق تھے۔ زہد و اتقا و تقدس میں بے نظیر تھے زیور علم و فضل سے متحلی۔ مذاق سخن آبائی تھا۔ فن خطاطی بھی پدر نامور سے سیکھا تھا۔ "مشکیں قلم" موروثی خطاب سے مفتخر تھے۔ شاہجہاں کے اصرار سے ملازمت سرکاری منظور کر لی تھی۔

آپکی تصانیف میں (۱) مناقب مرتضوی اور (۲) مجموعہ راز شہرت کافی کہتے ہیں ۱۲۔ شعبان ۱۰۶۰ھ کو (۱۶۵۰ء میں) انتقال کیا۔ اپنے والد ماجد کے مقبرہ کے پہلو میں استراحت گزیں ہیں۔

صفحہ ۱۷۱۔ نوٹ ۱۴۳۔ فیروز نے قطعہ تاریخ بھی لکھا تھا ؎

اے دریغا کہ مشفق و مکرم　　عارف وقت خضر بحر نوال
آں محقق مدقق دوراں　　آں مفتح درسرائے جلال
سال ہشتاد و چار در دینا　　کرد تلقیں دیں مبارک فال
چوں ندا در رسید از عالم غیب　　گشت پنہاں بسان آب زلال
اسم و تاریخش از خرد جستم　　گفت ہاتف بدانکہ شیخ کمال

باش آزاد از غمش فیروز صبر بہتر ازیں ملال مثال سنہ ۱۱۱۱ھ

صفحہ ۲۰۶۔ نوٹ ۸۳۔ امام ابوحنیفہ۔ سطر ۵۔ کم وبیش انہیں حالات کو صاحب عجائب القصص نے بھی نقل کیا ہے اور وہ حوالہ محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کا دیتا ہے حضرت محمد سے مراد امام محمد باقرؒ کا نام نامی ہے۔

صفحہ ۲۵۱۔ سطر ۱۷۔ ملانواں۔ اضافہ۔ درگاہ اب کسیقدر شکستہ حالتمیں ہے اکبر کے عہد میں کنکر کے چوکوں سے تعمیر ہوئی تھی حسب معمول انگریزوں کا خیال ہے کہ یہ کنکر غالباً کسی قدیم عمارت سے لئے گئے ہونگے خواہ وہ ہندوؤں کی رہی ہو خواہ جینیوں خواہ بودھوں کی چونکہ یہ مقام قنوج کے قریب ہے اسلئے زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ ملانوہ بھی بودھوں کے تابع رہا ہوگا جبکہ قنوج بدھ مذہب کا گھوارہ تھا۔

حصہ دوم

صفحہ ۲۔ سطر ۷۔ ہویدا است کے بعد اضافہ۔ شیخ مرتضیٰ حسین بلگرامی حدیقۃ الاقالیم (صفحہ ۱۵۷) میں آزاد پر اعتراض یا ان الفاظ میں طعن کرتے ہیں "..... در عہد سلطنت التمش سید محمد صغریٰ کہ جد سادات واسطی ساکنان محلہ سید واڑہ است وسلسلہ نسب خود را باو رسانیدہ ..."

صفحہ ۱۵ سطر ۶۔ حاشیہ پر اضافہ۔ قلعہ بسنت گڈھ ۱۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۱۱۱ھ کو اولیائے دولت عالمگیری کے تصرف میں آیا تھا۔

صفحہ ۱۵۔ سطر ۱۲۔ حاشیہ۔ اضافہ۔ برولی کا قلعہ بھی دکن میں ہے۔ ۳۔ محرم سنہ ۱۱۱۲ھ کو فتح ہوا تھا ھذا نصر ۲ للہ تاریخ فتح ہے۔

صفحہ ۲۲ سطر ۲۱۔ حاشیہ ادونی اضافہ۔ ادونی کا قلعہ شہر بیجانگر سے پچاس کوس اور شہر احمد آباد بدر سے ایکسو ستر کوس پر ہے مورخ فرشتہ اسکو قلاع دکن میں عدیم المثال بتاتا ہے سلطان مجاہد شاہ بہمنی نے اُسکے محاصرہ کے لئے صفدر خاں سیستانی کو امیر الامرا بہادر خاں اور اعظم ہمایوں کی معیت میں سنہ ۷۶۰ھ میں بھیجا تھا۔ عالمگیر نے گول کنڈہ فتح کرنیکے بعد سنہ ۱۰۹۸ھ میں اس قلعہ کو

فتح کیا اور امتیاز گڈھ نام رکھا تھا۔ "فتح اودنی نمودہ بادشہ دیں پناہ" تاریخ فتح ہے۔
صفحہ ۳۹۔ سطر ۱۹۔ حاشیہ۔ مولانا قاسم خطاب، سید نجم الدین محمد، نام کاہی تخلص تھا۔ عام طور پر میاں کاے کھلاتے تھے۔ مولد کابل تھا۔ فرماتے ہیں ؎

کاہی تو بلبل چمن آراے کابلی　　زاغ و زغن نہ کہ بہ ہندوستان شوی

تفسیر، تصوف، ہیئت، تاریخ اور موسیقی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ فن موسیقی میں بہت سی کتابیں یادگار ہیں۔ اکثر مشاہیر اساتذہ کی خدمت کی تھی۔ صغر سن میں حضرت جامی کا شرف زیارت بھی حاصل کیا تھا۔ شاعری میں ایسی شہرت پائی کہ انکے اور کمال چھپ گئے۔ بڑے سیر چشم و غنی مزاج تھے۔ مرزا عسکری والی بدخشاں نے اپنا تمام خزانہ (جو زر خطیر تھا) صلہ سخن میں عطا کیا۔ آپ نے دفعتاً سارا مال تقسیم و خیرات کر دیا۔ بھکر کی راہ سے ہندوستان آئے۔ دربار اکبری میں رسائی ہوئی۔ ایک غزل (لازم فیل) کے صلہ میں بادشاہ نے ایک لاکھ تنکہ مرحمت فرمایا۔ اسکو بھی ایک ہفتہ میں بانٹ کر بیٹھ رہے۔ شاعرانہ نازک مزاجی بھی رکھتے تھے۔ بادشاہ قدر شناس کا حکم تھا کہ دربار میں جب کبھی کاہی حاضر ہو تو اسکو ایک ہزار روپیہ بصیغہ پامزد ملا کرے۔ طبع نازک پر گراں گزرا اور آپ برداشتہ خاطر ہو کر بہادر خاں (برادر خان زماں) کے پاس بنارس چلے گئے۔ کچھ مدت بعد وہاں سے آگرہ آئے اور پانوں توڑ کر ایسے بیٹھے کہ اٹھنے کا نام نہ لیا۔ ایکسو دس سال کی عمر میں ۲ ربیع الثانی ۹۸۸ھ کو سفر آخرت اختیار کیا۔ ایک شاگرد مولانا قاسم بخاری نے رفت ملا قاسم کاہی، مولانا عارفی نے زجہان رفت قاسم کاہی، میر یوسف استرآبادی نے خوش طبع (۹۸۷ یکمی عدد یک) تاریخ کہی۔ ملک الشعرا فیضی نے تاریخ نکالی۔

تاریخ وفات سال و ماہش جستم　　گفتا دویم از ماہ ربیع الثانی

مقبرہ آگرہ میں مدار دروازہ کے قریب تھا۔ اب نشان بھی باقی نہیں۔
دیوان ضخیم چھوڑا تھا۔ بوستان سعدی کے جواب میں گل افشاں مثنوی لکھی تھی۔

پہلا شعر یہ تھا ؎

جہاں آفریدہ بجاں آفریں　　بجاں آفریں صد جہاں آفریں

اللہ عزاسمہ کے نام کا یہ معما لکھا تھا ؎

نیست از ہستیش کسے آگہ　　ابداً کان لا نہایتہ لہ

اسم نبی کا معمّٰے اوپر مذکور ہو چکا ہے ؎

تارہ شرع راشتافتہ ام　　از محمد نبی شگافتہ ام

میر آزاد نے بُرہ شرعٔ لکھا ہے۔

ملا کاہی کے معاصر ایک اور معمّٰے گو شاعر مولانا شہاب الدین معمائی گزرے ہیں۔ بابر بادشاہ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ جملہ علوم عقلی و نقلی میں فرد کامل تھے۔ فن معما میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ یہ کمال آپکے تمام کمالات پر غالب آگیا تھا۔ اس فن میں ایک نادر رسالہ لکھ کر ہمایوں کو پیشکش کیا تھا۔ سخن فہم سلطان نے صلہ جزیل کے علاوہ یہ رباعی آپکی شان میں لکھ کر بھیجی تھی ؎

نامت زعجم رفتہ بملک عرب است　　وز نامۂ تو در دل مخروں طرب است

ہرکس بدر آرد زمعما نامے　　نام از تو برآوردہ معما عجب است

۹۴۲ھ (۱۵۳۵ء) میں رحلت فرمائی۔ شہاب الثاقب تاریخ ہے۔ مدفن آگرہ متصل مسجد ہمایوں (کچہہ پوروہ) امیر خسرو دہلوی کے مرقد پر آپ نے ایک لوح تاریخ کندہ کرا کے نصب کرادی تھی۔

صفحہ ۶۳۔ سطر ۹۔ شادی دختر پر حاشیہ۔ تاریخ فیض بخش میں بھی لکھا ہے۔ شرائط صلح میں یہ طے ہوا تھا کہ شادی کے تمام انتظامات کا انصرام خود راجہ کرائے اور بادشاہ کے لئے ایک لڑکی بھیجے جو عمر کے لحاظ سے محل سرائے سلطانی میں داخل ہونیکے قابل ہو چکی ہو۔

صفحہ ۷۱۔ سطر ۶۔ شیلان پر حاشیہ۔ شیلان دسترخوان یا خوان طعام، سفرہ۔ مجازاً محض

طعام کو بھی کہتے ہیں۔

صفحہ ۱۰۱۔ سطر اول۔ پدماوت پر نوٹ۔ اس وفا شعار بہادر راجپوت رانی کا واقعہ حصہ اول میں صفحہ ۱۰۶ پر نوٹ نمبر ۸۲ میں مختصراً حوالہ قلم کر چکا ہوں۔ پدماوت کا سب سے پہلا مصنف ایک نامور مسلمان شاعر ملک محمد جایسی تھا۔ یہ قصبہ جایس ملک اودھ میں ۹۱۷ھ (۱۵۴۰ء) میں پیدا ہوا تھا۔ انگریز اہل قلم لکھتے ہیں کہ پوربی ہندی میں یہ ایک عمدہ ایلی گوری ہے یورپ میں بھی اسکی کم و بیش قدر ہوئی ہے۔ فرانس کے ایک شہرۂ آفاق موسیقی نواز البرٹ رسل Albert Roussel نے بھی پدماوت کا ڈراما مرتب و تصنیف کیا تھا جو بانشر روش M. Rouche مشہور آپرا ڈائرکٹر کے زیر اہتمام دکھایا گیا تھا بعض ہندو اہل نظر حضرات کا قول ہے کہ اس ڈراما اور اپنے مصنفہ قصہ میں مصنف نے بعض مقامات پر تاریخ کی متعارف شاہراہ سے لغزش کی ہے تاہم اُس نے پدماوت کی وفاداری بہادری اور نسوانی خوبیوں کو بہ آئیں بہیں نمودار کیا ہے۔

صفحہ ۱۰۲۔ نوٹ نمبر ۸۸ کے آخر میں۔ ملا احمد تتوی جو ملا قاسم فرشتہ کا استاذ تھا ٹھٹھہ کا رہنے والا تھا تاریخ الفی اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ مولانا عبدالرشید حسینی مدنی بھی اسی شہر ٹھٹھہ کے باشندے تھے منتخب اللغات شاہجہانی آپکی تالیف ہے شاہجہاں آپکی بڑی قدر و احترام کرتا تھا۔

صفحہ ۱۲۳۔ متن آخر میں اضافہ۔ پنڈت تربھون ناتھ سپرو متخلص بہ ہجر۔ اودھ پنچ کے ایک طباع وحدت پسند مضمون نگار تھے کسی موقع پر ایک خط میں بے فصل کی بارش کے سلسلہ میں لکھتے ہیں

"..... ہاں آپ نے کچھ اور بھی سنا۔ فرخ سیر کے وقت میں ع

باران بارید ریزۂ قند و نبات

واللہ۔ اچھا چاشنی دار ابر تھا۔ مگر افسوس لکھنؤ میں ایسی بارش نہ ہوئی کہ ہر ایک

چھینٹے کے بعد ذرا منہ میٹھا ہوتا"

صفحہ ۱۳۱۔ سطر سوم کے بعد متن میں اضافہ۔ مولانا محمد فیض بخش اپنی تاریخ فرح بخش میں تحریر کرتے ہیں کہ قطب الملک سنی مذہب تھے۔

پانچ ہزار سالانہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کی فاتحہ گیارہویں پر خرچ کرتے تھے۔ حالت اسر و حبس میں جب خبر پاتے کہ آج گیارہویں ہے تو کسی نہ کسی امیر یا درباری کو لکھ بھیجتے۔ وہ اس کار خیر کے لئے روپیہ سید کے پاس ضرور بھیجدیا کرتا تھا۔ اپنی اسیری کے چار سال پورے کر کے اُسی تاریخ پر قید ظاہری سے مخلصی پائی تھی۔

صفحہ ۱۳۷۔ سطر ۷۔ حاشیہ مرزا ایزد بخش رسا۔ یہ مرزا جعفر آصف خاں وزیر جہانگیر کے پوتے تھے۔ جملہ علوم و فنون میں کامل اور فصاحت و بلاغت و انشا پردازی میں یگانہ عصر تھے۔ عہد عالمگیر میں میر منشی رہے تھے۔ مدفن آگرہ حویلی ایزد بخش میں تھا جو اب محلہ بلین گنج میں رابٹ صاحب کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔ تعویذ قبر ۱۸۴۹ء تک سلامت تھا جب اسکو مسٹر بیل نے دیکھا تھا۔

صفحہ ۱۵۳۔ نوٹ نمبر ۱۱۸۔ سطر ۱۸۔ اضافہ۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ صفر آغا نامی غلام سلطان محمود گجراتی نے جسکا خطاب خداوند خاں تھا سورت میں یہ قلعہ نہایت مستحکم و استوار ۹۴۷ھ میں دریائے عماں کے کنارے فرنگیوں کے فتنہ و فساد کے دفع کرنے کے لئے بنایا تھا۔ تعمیر سے پہلے نیز دوران تعمیر میں ان لوگوں نے بڑا شر و فساد برپا کیا تھا۔ تمام رعایا خصوصاً مسلمانوں کو بہت ستاتے اور تنگ کرتے تھے۔

صفحہ ۱۷۹۔ متن۔ آخر میں اضافہ۔

مولانا مفتی سید محمد ولی اللہ حسینی نے اپنی تاریخ فرخ آباد میں میر عبد الجلیل کو بڑی عظمت و ادب کیساتھ یاد کیا ہے۔ چند باتیں قابل نقل ہیں۔

(۱) حکیم جعفر جونپوری در شاہجہاں آباد بود۔ انتساب دارد بحکیم مصری کہ سرآمد اطبائے عہد بادشاہ اکبر بودہ۔ (نوٹ ۲۰ صفحہ ۲۸۔ تذکرہ ہذا۔ حصہ دوم متعلق حکیم جعفر)

(۲) نواب صمصام الدولہ خاندوران خاں کی مجلس میں عموماً کے بارہ میں گفتگو ہو رہی تھی۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ قرآن شریف میں رطب و یابس ہر چیز موجود ہے مگر معما کہاں ہے؟ ایک حاضر طبع درباری نے معرض کیا کہ اس (کلام پاک) کا اول بائے (ب) اور آخر سین (س) ہے۔ دونوں کا مجموعہ "بس" ہوا یعنی یہ کتاب تمکو بس ہے۔ اور اس معمے کے استخراج کو امیرالمومنین سیدنا علی بن ابی طالب سے منسوب کیا۔ اعتراض پیش ہوا کہ بس تو فارسی لفظ ہے آنجناب سے اس کا استخراج کیا معنی رکھتا ہے؟ حاضرین میں سے ہر شخص نے اپنی استعداد و فہم کے موافق جواب دئے۔ نواب کو انکے ماننے میں تامل تھا۔ حتےٰ کہ میر عبدالجلیل بلگرامی نے "بس" کا عربی ہونا ثابت کر دیا اور شہادت میں قاموس کا حوالہ دیا اور عبارت پڑھ دی۔ نواب مستطاب نے نہایت پسند فرمایا چنانچہ مفتی صاحب فرماتے ہیں ؎

اول و آخر کلام اللہ — باؤ سین آمدہ دو حرف شگرف
یعنی اے اہل دیں برائے شما — بس بود ایں کتاب سن بے حرف

(صفحہ ۴۰۔ سطر ۱۱۔ آخر۔ حصہ دوم تذکرہ ہذا)

(۳) جب ۱۱۳۵ھ میں اودہم بائی کے بطن سے احمد شاہ فرزند محمد شاہ پیدا ہوا تو میر عبدالجلیل بلگرامی نے تاریخ لکھی ؎

خسرو جم نشاں محمد شاہ — رتبہ افزائے تخت و تاج و نگیں
حق تعالےٰ باو کرامت کرد — بادشہ زادہ شگفتہ جبیں
بہر تاریخ مصرعے گفتم — "شہریار ملوک روے زمیں"

۱۱۳۵ھ

(صفحہ ۴۹۔ بعد سطر ۱۶۔ تذکرہ ہذا۔ حصہ دوم)

سطر ۸ صفحہ ۳ حصہ اول (نعت شریف کے چھٹے شعر کے دوسرے مصرع) میں "قدسی انسان سرشت" کی بجائے "خاکی قدسی سرشت" بنا لیجئے۔

HAYĀT-I-JALĪL

OR

The Life, Teachings and Works of

'ALLĀMA MĪR 'ABD-UL-JALĪL BILGRAMĪ

CONTAINING ALSO THE BIOGRAPHICAL SKETCHES OF

NAWĀB ĀSAF JĀH I of the Deccan, SAIYIDS ḤASAN 'ALĪ KHĀN and ḤUSAIN 'ALĪ KHĀN of Bāraha, MĪR SAIYID MUḤAMMAD, SHĀ'IR and MĪR GHULĀM 'ALĪ ĀZĀD, BILGRĀMĪ

WITH COPIOUS NOTES ON

Several useful subjects and interesting matters and on numerous new and ancient towns in India and detailed accounts of many men of learning and power.

BY

MAULAVĪ SAIYID MAQBŪL AḤMAD ṢAMDANĪ,

Late Member of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland, Fellow of the Royal Society for the encouragement of Arts, Manufactures & Commerce, London, etc., etc.

RAM NARAIN LAL,

Publisher and Bookseller.

ALLAHABAD,

1929